www.Paksociety.com
گھر کے ہر فرد کے لئے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
مارچ 2012
نگرانِ اعلیٰ
معراج رسول
اندر کے صفحات پر ملاحظہ کریں
عمیرہ احمد کا ناول عکس
ناہید سلطانہ اختر کا ناول زندگی
اور دیگر معروف مصنفات کے دلچسپ و سدابہار
افسانے، ناولٹ اور ناول
www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

مدیرہ اعلیٰ: عذرا رسول

مدیرہ: انجم انصار .... معاون: آمنہ حماد

اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ — 15

سلسلے وار ناول

عکس — عمیرہ احمد — 18

زندگی — ناہید سلطانہ اختر — 62

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں — شیریں حیدر — 112

ایک تھی نیناں — راحت وفا — 174

ناولٹ

کانچ سی لڑکی — انجم انصار — 147

دوام زندگی — سکینہ فرخ — 209

افسانے

بوجھ — سیما یاسمین مجتبیٰ — 51

پھولوں کے سوداگر — نظارت نصر — 93

چراغ زندگی — عظمیٰ سید افتخار — 99

تحفہ — زاہدہ پروین — 141

بے وطن مسافر — بشریٰ گوندل — 167

ہمارا مان ہو تم — کرن احمد — 203

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں — عائشہ خان — 235

کفارہ — تابندہ جبیں — 245

بھرم — نزہت جبیں — 253

مستقل عنوانات

دین کی باتیں — ادارہ — 16

بہنوں کی محفل — مدیرہ — 263

پاکیزہ ڈائری — عظمیٰ آفاق سعید — 281

جلترنگ — انجم انصار — 286

پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول • مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

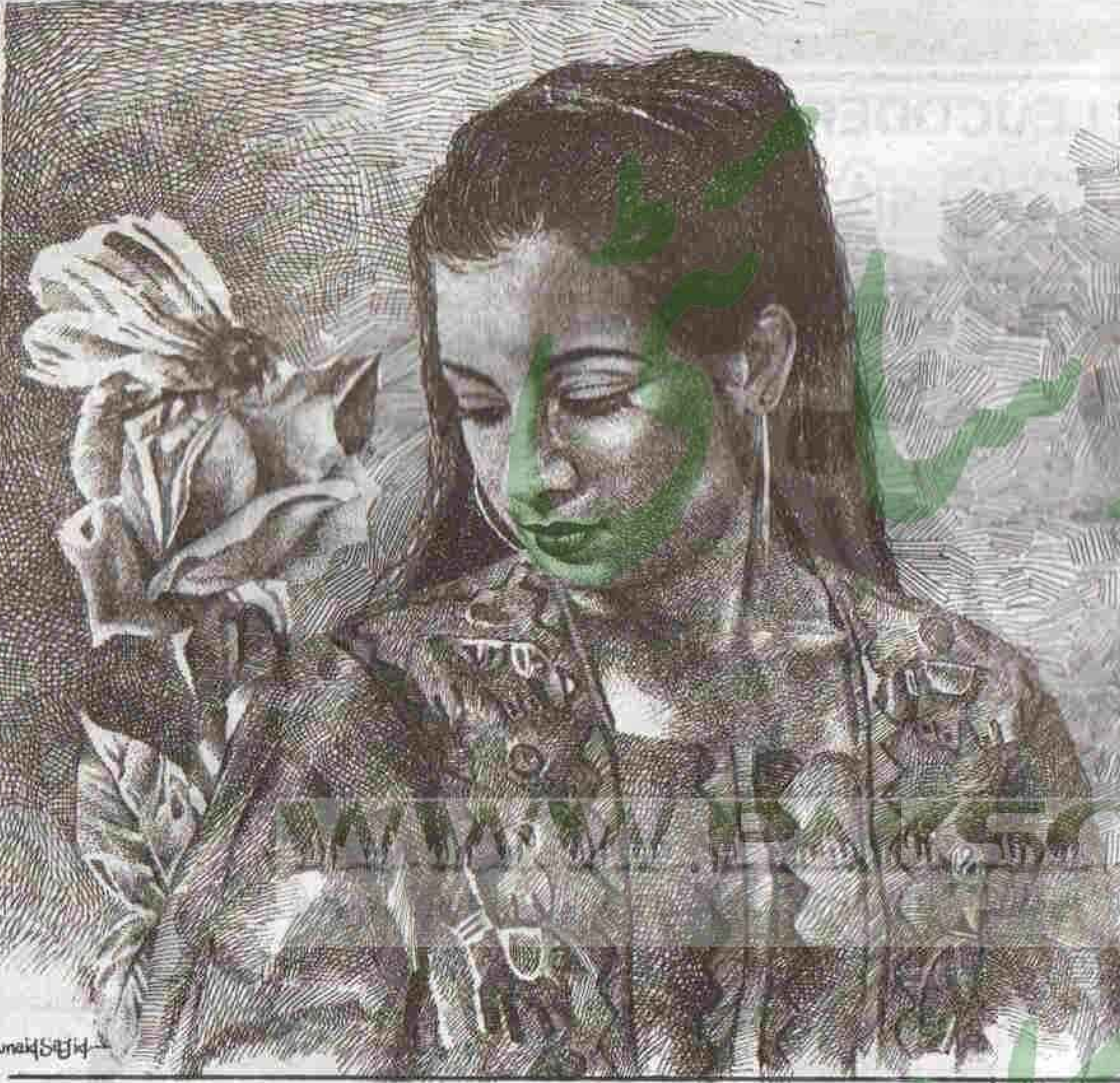

میرا انتخاب — آمنہ حماد — 291

خوش ذائقہ — پاکیزہ بہنیں — 298

سندیسے — پاکیزہ بہنیں — 294

روحانی مشورے — ادارہ — 300

میں اکثر گنگناتی ہوں — صغریٰ زیدی — 296

شوا بے ہومیو کلینک — 302

شعبہ اشتہارات

منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789 نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391

نمائندہ لاہور فراز علی نازش 0332-4214400 رانا اے حمید 0323-2895528

ٹائٹل ڈیزائن: شاہد — فوٹوگرافر: موسیٰ رضا — ماڈل: رائنہ

جلد 39 • شمارہ 12 • مارچ 2012 • زر سالانہ 600 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 50 روپے •

پتا: پوسٹ بکس نمبر 602 کراچی 74200 • فون: 35895313 (021) فیکس 35802551 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

زندگی دھوپ چھاؤں ہے۔ اس میں تلخی بھی ہے اور مٹھاس بھی۔ کوئی امید بر آئے، کوئی کامیابی حاصل ہو جائے تو ہنسنا بڑا آسان ہے لیکن انسان کی عظمت کا اندازہ اس ردعمل سے ہوتا ہے جو وہ کسی اچانک صدمے سے دوچار ہو کر ظاہر کرتا ہے۔

بے شک حوادث سے الجھ کر مسکرانا آسان نہیں ہے لیکن ناممکن بھی نہیں۔

وہ لوگ بھی تو ہوتے ہیں جو موت کو ہنستے مسکراتے گلے لگا لیتے ہیں پھر آپ اپنی دشواریوں اور دکھوں کے درمیان کیوں نہیں مسکرا سکتے۔

آپ یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھیے کہ ہنسی یا مسکراہٹ خوش امیدی کا وٹامن ہے۔ یہ صحت مند جسم اور ذہن کی علامت ہے۔

یہ اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں پر اعتماد کی نشانی ہے تو پھر آج سے ہی...... خود سے یہ وعدہ کیجیے کہ آپ کو اپنی حس مزاح کو پروان چڑھانا ہے اور اپنی پریشانیوں میں بھی مزاح کے پہلو تلاش کرنے ہیں۔ یہ بات مشکل تو ہو سکتی ہے ناممکن نہیں۔ ہم اپنی دشواریوں اور دکھوں کے درمیان کیوں نہیں مسکرا سکتے۔

کوشش کیجیے مصیبت میں، دشواریوں میں اور غموں کے سائے میں مسکرانے کی عادت ڈالیے۔

زندگی زندہ دلی کا نام ہے...... اور ماشاء اللہ آپ ابھی زندہ ہیں اسی لیے مسکراہٹوں کے پھول بانٹیں...... تاکہ زندگی میں موسم بہار...... زیادہ سے زیادہ رہے۔

کیا خیال ہے!

مدیرہ

انجم انصار

www.Paksociety.com

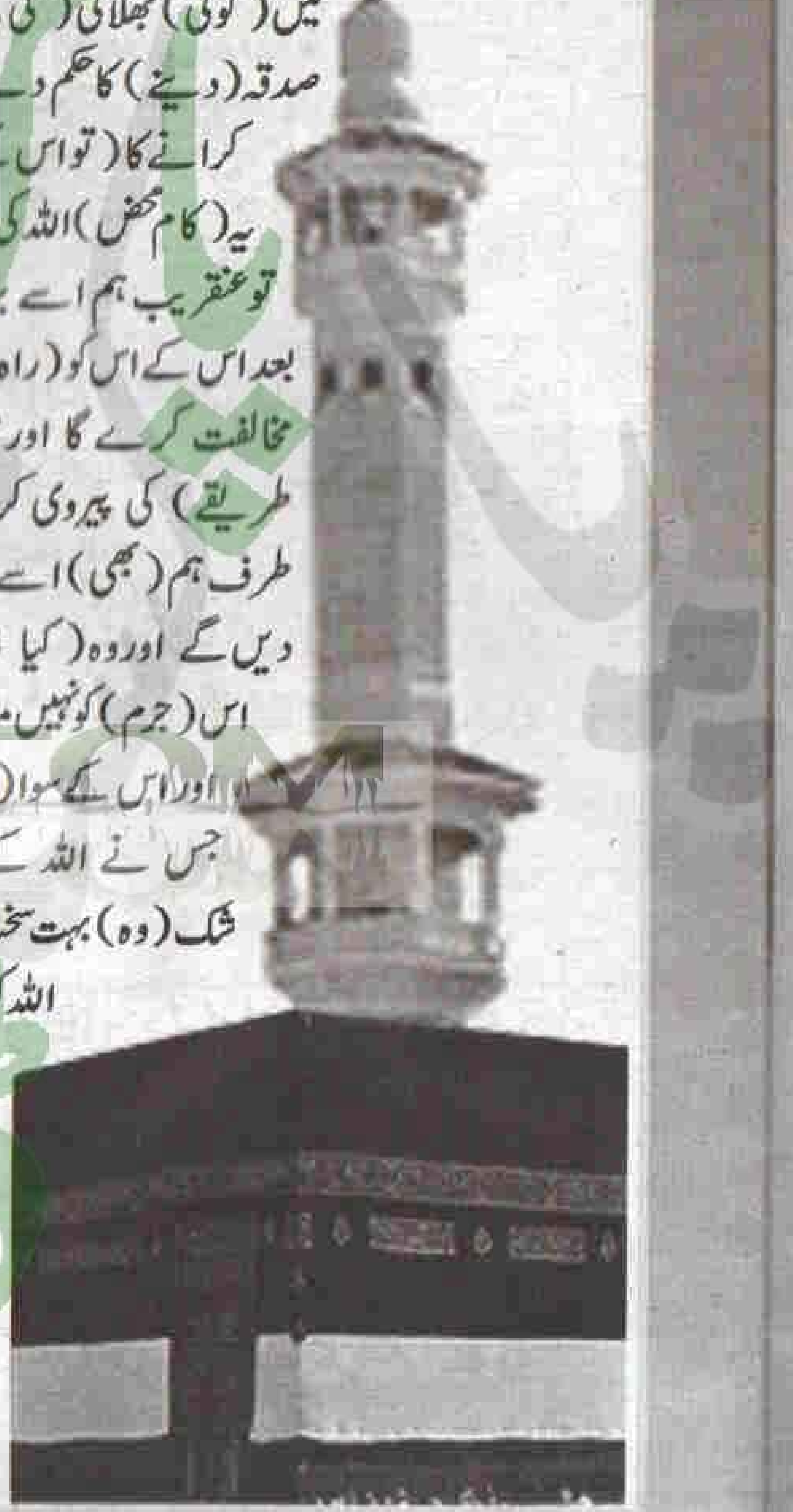

(اے نبی ﷺ) ان (لوگوں) کے اکثر مشوروں میں (کوئی) بھلائی (کی بات) نہیں ہوتی مگر (ہاں) جو شخص (کسی کو صدقہ (دینے) کا حکم دے یا اچھے کام (کرنے) کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا (تو اس کے مشورے میں البتہ بھلائی ہے) اور جو کوئی یہ (کام محض) اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے کرے گا تو عنقریب ہم اسے بڑا (اچھا) بدلہ دیں گے (۱۱۴) اور جو شخص بعد اس کے اس کو (راہ) ہدایت معلوم ہو چکی (ہمارے) رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے طریقے کے سوا (دوسرے طریقے) کی پیروی کرے گا تو جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اسی طرف ہم (بھی) اسے متوجہ رکھیں گے اور ہم اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ (کیا ہی) بری جگہ ہے (۱۱۵) بے شک اللہ اس (جرم) کو نہیں معاف کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا (اور) جس (مجرم) کو چاہے بخش دے اور جس نے اللہ کے ساتھ (کسی اور کو) شریک بنایا تو بے شک (وہ) بہت سخت گمراہی میں مبتلا ہو گیا (۱۱۶) یہ (مشرک) اللہ کو چھوڑ کر عورتوں ہی کی پرستش کرتے ہیں (یعنی بتوں کی) اور (یہ لوگ) شیطان سرکش ہی کی پرستش کرتے ہیں (۱۱۷) جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس (لعین) نے کہا تھا کہ بے شک میں تیرے بندوں سے ایک معین حصہ (اپنی عبادت کا بھی) ضرور بناؤں گا (۱۱۸)

(سورۂ نسا آیت نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۸)

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی سیدنا محمد ﷺ

۵۔ القرآن

۱: محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ...... (۲۹۔ الفتح)

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

۲۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ۙ کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ ○ (۲۔ محمد)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور جو کتاب محمد ﷺ پر نازل ہوئی اور اس پر ایمان لائے۔ اسے مانتے رہے اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے ان سے ان کے گناہ دور کر دیے اور ان کی حالت سنوار دی۔

۲۔ محمد ﷺ (سراہے گئے، تعریف کے قابل)

۱۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○

۴۔ (القلم)

ترجمہ: اور بے شک آپ ﷺ کے اخلاق بڑے عالی ہیں۔

ہما وجاہت کی کتاب انوار اسماء النبی ﷺ سے اقتباس

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

قسط 8

عکس

عمیرہ احمد

آج کی زندگی تیز رفتار ہے، اس کے تجربے بڑی تیزی سے کرداروں کے نئے رخ سے متعارف کراتے ہیں۔ اس تیزرفتار زندگی میں چونکادینے والے موڑ بھی ہوتے ہیں... اور پُراسراریت بھی... کہیں کرداروں کے حوالے سے تو کبھی ماحول کے حوالے سے... عمیرہ احمد کے اس ناول میں نہ صرف آپ تیز ترین، سنسنی خیز اور چونکادینے والے موڑ دیکھیں گے بلکہ ان کی ماہرانہ چابک دستی کے ساتھ ان کے کرداروں کی تہ داری کے بھی قائل ہوجائیں گے... یوں بھی اپنا عکس اور اپنا سایہ ہر شخص کے ساتھ رہتا ہے... مگر ان کی کہانیاں جدا جدا ہوتی ہیں... کہیں ایسا تو نہیں... ہماری یہ مایہ ناز مصنفہ... کوئی ایسا ناسور دکھانا چاہتی ہیں... جس کا آپریشن بھی ضروری ہو... بقول شاعر...

اس کائنات محبت میں ہم مثلِ شمس و قمر کے ہیں
اک رابطہ مسلسل ہے اک فاصلہ مسلسل ہے

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

شیر دل ڈپٹی کمشنر کی پوسٹ پر فائز تھا اس کو سرکاری رہائش گاہ کے طور پر جو گھر ملتا ہے اس کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور تھیں کہ وہاں کئی بونے مقیم ہیں۔ شیر دل کی بیوی شہر بانو ان سب باتوں سے بہت خوفزدہ ہو جاتی ہے لیکن جب انہوں نے وہاں سکونت اختیار کی تو ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ ایک دن شیر دل اپنے سینئر اختر درانی کے گھر کھانے پر مدعو تھا۔ اختر درانی کی بیوی تزمین، شہر بانو کو بتاتی ہے کہ پہلے کسی آفیسر کی بیوی نے اس گھر میں اپنے شوہر کو مار کر خودکشی کر لی تھی اس لیے وہاں رہنے والوں کی ازدواجی زندگی مشکلات کی زد میں آجاتی ہے۔ تزمین کے پوچھنے پر کہ ان کی شادی لو میرج کا نتیجہ ہے...... یہ بات سن کر شہر بانو ماضی کی خوب صورت یادوں میں کھو جاتی ہے...... جہاں صرف وہ اور شیر دل ہوتے ہیں...... دونوں کی ذہنی ہم آہنگی انہیں شادی کے بندھن میں جکڑ دیتی ہے۔ ہاجرہ اور اس کے شوہر...... نے اپنے بیٹے کو پڑھا لکھا کر ایک بڑا آدمی بنانے کا خواب دیکھا۔ خیر دین میٹرک کے بعد کوئی اور نوکری تو نہ کر سکا لیکن ڈی سی ہاؤس میں کک کی نوکری کرنے لگا۔ خیر دین کی ایک ہی بیٹی تھی حلیمہ جسے طلاق ہو جاتی ہے۔ خیر دین اس کی دوسری شادی کرا دیتا ہے جس سے اس کی ایک بیٹی تولد ہوتی ہے...... لیکن کچھ ہی عرصے بعد حلیمہ کے شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے...... یوں حلیمہ اور چڑیا خیر دین کے ساتھ اس ڈی سی ہاؤس میں رہنے لگتی ہیں۔ ایبک ڈپٹی کمشنر کی چھوٹی بہن آئزہ کا بیٹا ہے وہ لوگ چھٹیاں گزارنے اپنے ماموں کے گھر آتے ہیں ایبک کی چڑیا سے دوستی ہو جاتی ہے وہ ایبک سے ٹینس کھیلنا سیکھتی ہے اور ایبک اس سے شطرنج میں ہارتا ہے تو انکل سے چڑیا کی تعریف کرتا ہے۔ شیر دل گھر میں قرآن خوانی کا اہتمام کرواتا ہے اسے اپنے آپ پر حیرت ہوتی ہے کہ یہ کام اس نے پہلے کیوں نہیں کیا۔ شیر دل کے کولیگ فیاض کا ٹرانسفر ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ عکس کی پوسٹنگ ہوتی ہے۔ چڑیا کی باربی ڈول سے دوستی ہو جاتی ہے، چڑیا اسکول میں باربی ڈول کا خیال کرتی ہے اور اسے چیزیں دیتی ہے۔ عکس سے پہلا تعارف شیر دل کا پبلک سروس کمیشن کے امتحان کے رزلٹ کے بعد ہوا کیونکہ پہلی پوزیشن شیر دل کی متوقع تھی لیکن وہ پہلی پوزیشن حاصل نہ کر سکا پہلی پوزیشن عکس مراد علی نے لی تھی۔ ایبک شطرنج کے لیے چڑیا کے خیالات اپنے انکل کو بتاتا ہے تو ایبک کی مما کو غصہ آتا ہے اور وہ ایبک کو چڑیا کے ساتھ کھیلنے سے منع کر دیتی ہیں۔ چڑیا ایبک کے رویے سے بہت ہرٹ ہوتی ہے اور ایبک کو نظر انداز کرنے لگتی ہے تو ایبک سے یہ برداشت نہیں ہوتا۔ شیر دل عکس کو فون کرتا ہے وہ سوچتا ہے کہ اس کی عکس سے بات اور ملاقات کب ہوئی تھی، شہر بانو سے منگنی کے بعد اس کو پتا چلا تھا کہ عکس کی غنی سے شادی متوقع ہے۔ شہر بانو جب دس سال کی تھی تو اس کے باپ شہباز کا انتقال ہو گیا تھا اور شرمین دوسری شادی فاروق سے کرتی ہے اس کی پہلی بیوی سے دو بیٹے تھے۔ فاروق اور شرمین کی ایک بیٹی ہوئی تھی جو مر جاتی ہے۔ شرمین کو شہر بانو جب شیر دل کے بارے میں بتاتی ہے تو وہ اس رشتے پر راضی نہیں ہوتی۔ ایبک چڑیا سے سوری کرتا ہے اور اسے رات کو بلاتا ہے تاکہ اسے میکنٹک چیس دکھائے لیکن ایبک خود سو جاتا ہے اس کی آنکھ کسی کے رونے اور چیخنے سے کھلتی ہے یہ چڑیا کی آواز تھی وہ باہر نکل کر جو منظر دیکھتا ہے وہ اس کے ذہن سے محو نہیں ہوتا۔ شیر دل عکس مراد علی کو اکیڈمی میں ٹریننگ اسٹارٹ ہونے کے ایک ہفتے بعد دیکھا اور کچھ دنوں میں اسے لگا کہ عکس مراد علی کامن کی تمام لڑکیوں سے مختلف تھی۔ چند ساتھیوں نے اسے شہد کی دلدل کا ٹائٹل دے دیا تھا۔ اتنے عرصے بعد شیر دل عکس کو میٹنگ میں دیکھتا ہے تو اس کو عکس میں کوئی فرق نہیں لگتا وہ اب بھی ویسی ہی تھی۔ ڈپٹی کمشنر خیر دین پر چوری کا الزام لگا کر اسے نوکری سے نکال دیتا ہے۔ ڈپٹی کمشنر کی بیوی کو اس بات پر یقین نہیں آتا، باربی ڈول، چڑیا کے اسکول نہ آنے سے پریشان ہوتی ہے۔ عکس، شیر دل کے گھر ڈنر پر آتی ہے تو اس کی ملاقات شہر بانو سے ہوتی ہے۔ ڈی سی خیر دین کو نوکری سے نکال دیتا ہے اور اس کا ذمے دار چڑیا اپنے آپ کو سمجھتی ہے۔ خیر دین کی تھانے سے رہائی کے بعد خیر دین، چڑیا اور حلیمہ کو لے کر گاؤں چلا جاتا ہے۔ گاؤں میں جب سب کو خیر دین کی نوکری ختم ہونے کا پتا چلتا ہے تو ان کے رویے بدل جاتے ہیں۔ چڑیا کے اسکول کا نتیجہ جب خیر دین دیکھتا ہے تو سوچ میں پڑ جاتا ہے، باربی ڈول اپنی ممی کو بتاتی ہے کہ پاپا نے اسکول آکر سسٹر ایلنس سے چڑیا کو اسکول سے نکالنے کا کہا ہے۔ فاطمہ ایبک کو ڈیبیٹ کے لیے اسٹیج پر جاتا دیکھ کر نروس ہو جاتی ہے۔ فاطمہ کو دیکھ کر ایبک یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اسے پہلے کہاں دیکھ چکا ہے فاطمہ کے نروس ہونے سے نوین نے پہلی پوزیشن لی لیکن ٹرافی ایبک اور اکبر نے لی۔ ڈی سی کی بیوی اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کیوں چاہتا ہے کہ چڑیا اسکول چھوڑ دے، ڈی سی اپنا ٹرانسفر کرا لیتا ہے اور باربی ڈول کے اسکول اپنی بیوی کے ساتھ سرٹیفکیٹ لینے جاتا ہے۔ باربی ڈول اسکول سے جانے سے پہلے ایک بار چڑیا سے ملنا اور اس کو اپنے جانے کے بارے میں بتانا چاہتی ہے لیکن مل نہیں پاتی، خیر دین گاؤں سے جانے کا اور زمین بیچنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے بھائی زمین اپنے نام کرا لیتے ہیں۔ خیر دین شہر واپس آتا ہے تو چڑیا کو واپس اسکول میں داخل کراتا ہے۔ خیر دین نے ڈاکٹر فرح کے شوہر کو فون کیا تو پتا چلا کہ فرح کی ڈیتھ ہو گئی ہے لیکن عابد چڑیا کی فیس دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ شیر دل پروفیشنل کورس کے لیے سنگاپور جا رہا تھا تو شہر بانو نے امریکا جانے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ شیر دل ٹرانسفر ہو کر عکس کی جگہ آیا تھا۔ وہ پہلا سرکاری گھر تھا جو شہر بانو کو خوش کر گیا۔ (اب آگے پڑھیں)

www.Paksociety.com

اس نے آخری بار جب اس آئینے میں اپنا عکس دیکھا تھا تو اس کا لباس اور اس کا چہرہ...... اس کا جسم...... اور ان تینوں چیزوں سے بھی بڑھ کر اس کی روح، اس کی زندگی اور اس کے وجود کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ اب 26 سالوں بعد وہاں اس آئینے کے سامنے کھڑے اپنے آپ کو دیکھنا کیسا صبر آزما کام تھا کوئی اس سے پوچھتا...... لیکن اگر کسی کو یہ پتا ہوتا کہ وہاں اس پر اور اس کے خاندان پر کیا گزری تھی تو کوئی بھی اس سے کچھ بھی نہ پوچھتا۔

وہ ایک نظر جو اس آئینے کے سامنے سے چیختے چلاتے اس نے اپنے چہرے پر ڈالی تھی، وہ چند سیکنڈ اس کے اندر سمندر کی کسی شوریدہ سر لہر کی طرح پلٹ کر آئے تھے...... سب کچھ اتھل پتھل کرتے۔ ایک طوفان تھا جو اس کے اندر آیا تھا اور جو اس کی آنکھوں میں آیا تھا۔ پانی نہیں تھا وہ جو اس کی آنکھوں سے برس رہا تھا۔ پانی ہوتا تو بہہ جاتا ہاتھ سے پونچھ لیا جاتا، وہ تو آبلے تھے جو اس گھر میں داخل ہو کر اس آئینے تک آتے آتے یوں پھوٹے تھے کہ پھوٹتے ہی چلے گئے تھے اور کیا کیا تھا جو ان آبلوں سے نہیں بہہ نکلا تھا...... درد کا ایسا سمندر اس کے اندر اتنے سالوں سے یوں قید تھا اس کو خود بھی کبھی پتا نہیں چلا۔ تکلیف تو تھی...... اذیت تو تھی...... جس کو اپنے وجود کے اندر مقید کرتے کرتے اس پر خاموشی کے تالے لگاتے لگاتے اس نے بہت سا وقت گزار دیا تھا اور وہ تکلیف وہ اذیت یوں پلی بڑھی تھی اس کے اندر کہ ایک قطرے سے سمندر ہو گئی تھی۔

اس گھر کے دروازے پر اس آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر رونا اس کی زندگی کی خواہشات میں کبھی شامل نہیں تھا۔ اس گھر کو دوبارہ دیکھنا وہاں دوبارہ آنا بھی اس کی زندگی کی خواہشات میں نہیں تھا لیکن وقت اسے وہاں لے آیا تھا اور کیسے لے کر آیا تھا...... آبلوں سے رسنے والی اذیت، ذلت اب تشکر بننے لگی تھی...... عاجزی، احسان مندی، تشکر، اس کائنات کا حاکم...... اس ذات کے لیے تشکر اور احسان مندی...... جو دن پلٹا سکتا تھا اور جس نے دن پلٹا دیے تھے۔

زمین پر گھٹنوں کے بل گرتے ہوئے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اس نے اس گھر کے حاکم کے طور پر پہلا سجدہ کیا تھا اور وہ سجدہ کبھی ختم نہ ہوتا اگر وہ مہربان نرم مضبوط ہاتھ اس کی پشت کو مشفقانہ انداز میں نہ تھپکنے لگتا...... اس نے اس کی تمام ہدایات اور نصیحتوں کو یکسر فراموش کر دیا تھا۔

اس ہاتھ نے سہارا دے کر اسے اوپر کھینچ لیا تھا...... ساری زندگی اس ہاتھ نے یہی کیا تھا اس کے لیے...... اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اپنے ساتھ اسے کسی ننھے بچے کی طرح چپکائے...... وہ دونوں اس گھر کے اندر جا رہے تھے۔ وہ صرف ایک چیز باہر بھول گئے تھے۔

☆☆☆

اس نے زندگی بھر ریڑھی لگا کر رزق نہیں کمایا تھا۔ اس نے ساری زندگی ایک ڈی سی ہاؤس میں بڑی عزت کے ساتھ رزق کمایا تھا...... ذلت اور زوال کا سفر صرف چند ماہ پہلے شروع ہوا تھا اس کے لیے۔ وہ ہمیشہ سے ایک ریڑھی والا ہوتا تو میونسپلٹی کے ان لوگوں کو چار گالیاں دیتا، تھوکتا یا ان کی منتیں کرتا، ان کو رشوت دینے کی کوشش کرتا...... مگر شرم سے ڈوب مرنے کی جگہ نہ تلاش کر رہا ہوتا...... نہ ہی اس کا چہرہ سرخ ہوتا نہ اس کی آنکھوں میں آنسو آئے ہوتے...... لیکن... خیر دین اپنی نواسی کے ساتھ اس ہجوم کے بیچ میں سرکس کے اس جانور کی طرح کھڑا تھا جس کو سدھائے بغیر رنگ میں اتار دیا گیا تھا۔ وہ مجمع اب آہستہ آہستہ چھٹنے لگا تھا، تماشا ختم ہو گیا تھا۔ چند ہزار روپے سے اس ریڑھی پر کیا جانے والا وہ بزنس چند منٹوں میں ختم ہو گیا تھا۔ قرض کی وہ رقم جو خیر دین نے اپنے دوست سے لی تھی شہر میں آنے سے پہلے اور جس سے اس نے یہ روزگار شروع کیا تھا وہ جیسے پلک جھپکتے میں ڈوب گئی تھی۔

میونسپلٹی کے لوگ جاتے جاتے اس ریڑھی کو وہاں موجود کھمبے کے ساتھ ایک تالے والی زنجیر کے ساتھ سیل کر گئے تھے...... اور اس کا قصور کیا تھا یہ اس فٹ پاتھ پر موجود لوگوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا۔ صرف خیر دین تھا جو سمجھ سکتا تھا کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا کیوں ہوا تھا۔ اس فٹ پاتھ پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دال چاول کی بھی ریڑھیاں تھیں

www.Paksociety.com

اور پھلوں کی بھی...... وہ ایک مصروف فٹ پاتھ تھا وہاں ایسی ریڑھیوں کا موجود ہونا کوئی انوکھی بات نہیں تھی لیکن میونسپلٹی کے اہلکاروں کا وہاں آکر صرف خیر دین کی ریڑھی کو ان تمام ریڑھیوں میں سے شناخت کر کے اس کا نام پوچھنے کے بعد اس کا سامان یہ بتا کر ضبط کر لینا کہ اسے وہاں کام کرنے کا حق نہیں ہے کسی وجہ کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا اور وہ وجہ میونسپلٹی کے ایک اہلکار نے بے حد درشت لہجے میں اسے جاتے جاتے بتادی تھی۔

''تم اس شہر میں کہیں بھی ریڑھی نہیں لگا سکتے اگر یہ کام کرنا ہے تو اس شہر سے چلے جاؤ۔'' وہ دھمکی تھی تنبیہ تھی، اعلان تھا یا چیلنج...... خیر دین جانتا تھا وہ صرف ایک ہی شخص کی طرف سے آیا تھا جو اس شہر کا بادشاہ تھا اور جس کے بغیر اس شہر میں واقعی ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا تھا۔ خیر دین کے اردگرد اکٹھا ہونے والا سارا مجمع آہستہ آہستہ چھٹتا گیا تھا۔ آس پاس کی ریڑھیوں اور دکانوں والے اس پُراسرار صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے واپس اپنی اپنی جگہوں پر جا رہے تھے، صورتِ حال ان کو پُراسرار نہ لگتی تو کیا لگتی۔ وہ ایک آدمی جس نے چند ہفتے پہلے وہاں ریڑھی لگانا شروع کی تھی آج بغیر کسی وجہ کے اس کی ریڑھی اور اس کے سامان کو بحق سرکار کیوں ضبط کر لیا گیا تھا اور وہ آدمی وجہ کیوں نہیں بتا رہا تھا...... گم صم کیوں تھا۔

زاروقطار روتی ہوئی چڑیا نے فٹ پاتھ اور سڑک پر ریڑھی کے آس پاس بکھرے ہوئے ان پھلوں کو اٹھانا شروع کر دیا تھا جو میونسپلٹی کے اہلکاروں سے پھل اٹھاتے ہوئے زمین پر گر گئے تھے۔ اپنی قمیص کے دامن میں سسکیوں اور ہچکیوں سے روتے ہوئے اور بازو سے ناک اور آنکھیں رگڑتے ہوئے اس نے فٹ پاتھ اور سڑک پر گرا ہوا اپنا ایک ایک پھل چن لیا تھا۔

ایک بچے کے طور پر وہ اپنا سرمایہ اکٹھا کر رہی تھی جو ڈوبنے سے بچ گیا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ ان بچے کھچے پھلوں سے وہ ریڑھی نہیں بھر سکتی تھی۔ وہ بزنس دوبارہ نہیں چل سکتا تھا۔ وہ پھر بھی ایک بچے کی لاشعوری معصومیت اور ڈیفنس میکنزم کے تحت وہ سب کچھ بچانے کی کوشش کر رہی تھی جو اسے بچتا نظر آ رہا تھا اور خیر دین نے اسے اس کوشش میں مصروف پا کر ایک عجیب سا حوصلہ پایا تھا۔ یہ سبق اسی کا تو دیا ہوا تھا چڑیا کو...... وہاں بت بن کر کھڑا رہ کر اس دھواں اڑاتی بہت دور موڑ مڑتی میونسپلٹی کی گاڑی کو حسرت و یاس کی نظروں سے دیکھتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا...... ان دس پندرہ پھلوں کو اٹھا لینے اور بچا لینے کا تھا...... وہ بک کر نوٹوں میں نہ بدلتے لیکن کم سے کم تین وقت کے لیے ان کا پیٹ بھر سکتے تھے۔

خیر دین نے جب تک حوصلہ پکڑا تھا چڑیا زمین پر گرے سارے پھل ریڑھی پر ڈال چکی تھی...... وہ ریڑھی جو صرف آدھے گھنٹے پہلے پھلوں سے بھری ہوئی تھی اس میں اب کچھ گرد آلود سیب اور آم پڑے جیسے خیر دین اور چڑیا کا منہ چڑا رہے تھے۔ خیر دین بوجھل قدموں کے ساتھ چلتا ریڑھی کے پاس کھڑی چڑیا کے پاس آ گیا جو اب ریڑھی پر پڑے ایک کپڑے کے ساتھ ان گرد آلود پھلوں کو صاف کر رہی تھی، وہ خیر دین کے لیے بس یہی کر سکتی تھی، نو سال کی عمر کی ایک بچی کے پاس خیر دین کی مدد کرنے کے لیے اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا لیکن آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے ساتھ ہچکیوں سے روتے ہوئے ان پھلوں کو صاف کرتے چڑیا نے سوچا تھا وہ زندگی میں کبھی نہ کبھی اپنے نانا کو ایک پھلوں سے بھری ہوئی خوب صورت ریڑھی ضرور لے کر دے گی۔ جس میں ہر رنگ اور ہر موسم کا بہترین پھل ہوگا، اس سے کہیں زیادہ تعداد میں اور کہیں زیادہ اچھا جتنے میونسپلٹی کے وہ اہلکار اٹھا کر لے گئے تھے۔

خیر دین نے سڑک پر پڑی ایک اینٹ اٹھا کر اس زنجیر کو توڑ ڈالا تھا جو میونسپلٹی کے اہلکار اس کی ریڑھی کے پہیے کو کھمبے کے ساتھ باندھنے کے لیے ڈال گئے تھے۔ نانا اور نواسی ریڑھی کو دھکیلتے ہوئے خاموشی کے عالم میں وہاں سے لے گئے تھے، روز وہ باتیں کرتے گھر جاتے تھے آج پہلی بار وہ سفر گونگوں کی طرح طے ہوا تھا۔

وہ ان تینوں کے لیے ایک اور برا دن تھا۔ اس دن بھی خیر دین، حلیمہ اور چڑیا نے کچھ نہیں کھایا۔ اس رات بھی چڑیا

www.Paksociety.com

نے اپنے نانا اور حلیمہ کو باتیں کرتے اور روتے ساری رات جاگتے دیکھا تھا اور اس دن بھی چڑیا نے اپنے پاس موجود ایک چھوٹی سی ڈائری میں ان تمام چیزوں کی فہرست میں جو وہ اپنے نانا کو دینا چاہتی تھی ایک پھلوں والی ریڑھی کا اضافہ بھی کیا تھا۔

خیر دین اگلا ایک ہفتہ شہر میں کہیں بھی ریڑھی نہیں لگا سکا۔ وہ خائف تھا...... نقصان سے، ذلت سے اور قسمت سے جواب اس پر اوچھے سے اوچھا وار کر رہی تھی۔ اس کے پاس اتنی جمع پونجی تھی کہ وہ ایک بار پھر ریڑھی کو پھلوں سے اور دال کے دیگچے کو دال سے بھر کر بازار لے جاتا...... لیکن اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنا بڑا رسک لے یا پھر اپنا کام کرنے کے بجائے کسی کے پاس محنت مزدوری کر لے۔

ایک ہفتے کے بعد وہ ایک اور ہفتہ جگہ جگہ مزدوری کی تلاش میں پھرتا رہا...... جس عمر میں وہ کام تلاش کر رہا تھا اس عمر کے لوگوں کو مالک کام سے فارغ کر رہے ہوتے تھے۔ ایک ہفتے تک دھکے کھاتے رہنے کے بعد اور گھر میں پڑی ہوئی جمع پونجی کو ہر روز گھٹتا دیکھتے رہنے کے بعد خیر دین نے ایک بار پھر خطرہ مول لے ہی لیا تھا۔ وہ دال کا دیگچہ اور ریڑھی کو پھلوں سے بھر کر ایک بار پھر رزق تلاش کرنے نکل پڑا تھا لیکن اس بار اس نے پہلے والے فٹ پاتھ پر ریڑھی نہیں لگائی تھی۔ وہ ایک گنجان بازار میں جیسے چھپنے والے انداز میں ریڑھی لگا کر کھڑا ہو گیا تھا...... اور سارے دھڑکوں اور خدشات کے باوجود وہ دن خیر خیریت سے گزر گیا تھا اور شام کو جب وہ دال کے دیگچے اور پھلوں کی ریڑھی سے کمائے جانے والے کچھ نوٹ اپنی جیب میں لیے لوٹا تھا تو اسے چڑیا کی زبان سے وہ خوش خبری مل گئی تھی جس کی اسے کم سے کم اس وقت توقع نہیں تھی۔

☆☆☆

باربی ڈول کا آج اسکول میں آخری دن تھا کیونکہ اس کے پاپا کی وہاں سے ٹرانسفر ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر چڑیا سے ملنے آئی تھی اور اس بار اس کی ممی اس کے ساتھ تھیں۔ باربی ڈول اپنی ممی کا ہاتھ پکڑے انہیں جیسے ضد کرتے کھینچتے ہوئے چڑیا کی کلاس میں لے آئی تھی۔ وہ وہاں نہیں آنا چاہتی تھی کیونکہ اسے بالکل سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ایک ایسی بچی کا سامنا کیسے کرے گی جسے اس کا شوہر اس کے نانا کی وجہ سے شدید ناپسند کرتا تھا اور جس پر اس کی چار سالہ بیٹی فریفتہ تھی۔

چڑیا کی کلاس میں آ کر اس نے ٹیچر سے چند منٹوں کے لیے چڑیا کو باربی ڈول سے ملنے کے لیے کلاس سے باہر بھیجنے کے لیے درخواست کی تھی۔ چڑیا کا دل باربی ڈول اور ڈی سی کی بیوی کو دیکھ کر بری طرح ڈوبا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر کچھ خوفزدہ بھی ہو گئی تھی کیونکہ اسے فوری طور پر سمجھ نہیں آیا تھا کہ باربی ڈول کی ممی اسے کس لیے باہر بلا رہی تھیں۔

وہ فق چہرے اور لرزتے کانپتے جسم کے ساتھ باہر کاریڈور میں آئی تھی جہاں باربی ڈول اور اس کی ممی کھڑی تھیں۔ اور یہی وہ پہلا موقع تھا جب باربی ڈول کی ممی نے اس بچی کا بغور جائزہ لیا تھا جو اس کے نزدیک اس سرکاری گھر کا سب سے عجیب و غریب اور پُراسرار کردار ثابت ہوا تھا جہاں رہنے کے بعد وہ جا رہی تھی۔

''بیٹا ہم لوگ یہاں سے جا رہے ہیں کیونکہ باربی ڈول کے پاپا کی یہاں سے ٹرانسفر ہو گئی ہے۔'' باربی ڈول کی ممی نے اس سے ہاتھ ملانے کے بعد اسے بتانا شروع کیا تھا اور کئی مہینوں کے بعد وہ پہلا موقع تھا جب چڑیا نے باربی ڈول سے ہاتھ ملایا، اس کے چہرے پر نظر ڈالنے کی ہمت کی، اس کی آنکھوں میں دیکھا...... جہاں اسے اپنا عکس نظر آیا تھا...... ہمیشہ ہی آتا تھا۔

☆☆☆

عکس کی نظروں میں شیر دل کو اپنے لیے ملامت نظر آئی تھی لیکن شیر دل نے اسے ڈھٹائی سے نظر انداز کیا۔ وہ ان

ملامتی نظروں کا عادی تھا بالکل اسی طرح جس طرح عکس اس کی ڈھٹائی کی عادی تھی۔ وہ دونوں چیف سیکریٹری کی ہنگامی طور پر بلائی جانے والی کسی میٹنگ کے لیے لاہور میں موجود تھے اور میٹنگ سے فراغت پانے کے بعد شیر دل ہمیشہ کی طرح جم خانہ کے ٹینس کورٹس پر ٹینس کی پریکٹس کے لیے جا پہنچا تھا۔ وہ رات لاہور میں ہی رکنے والا تھا کیونکہ شہر بانو اور مثال بھی اس کے ساتھ ہی لاہور آ گئی تھیں۔ وہ دونوں اگلی رات کی فلائٹ سے امریکا جانے والی تھیں۔

عکس نے اتفاقی طور پر لاہور میں قیام کیا تھا۔ وہ اپنے شہر کے کچھ انتظامی معاملات کے حوالے سے ہونے والے ایک اجلاس میں اگلے دن بھی لاہور میں کسی وفاقی وزیر سے ملنے والی تھی جو اس کے شہر سے تھا اور اگلے دن لاہور آنے والا تھا۔ وہ اس شام فری تھی اور اسے جم خانہ شیر دل نے ہی انوائٹ کیا تھا۔

”مجھے تمہاری ٹینس skill سے متاثر ہونے کا کوئی شوق نہیں ہے اس لیے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھے کہاں ملوگے؟“ سیکریٹریٹ سے میٹنگ کے اختتام پر وہاں سے جاتے ہوئے شیر دل کی دعوت پر عکس نے اس سے پوچھا تھا۔

”میرا اب تمہیں اپنی کسی بھی چیز سے متاثر کرنے کا ارادہ بھی نہیں ہے۔“ شیر دل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”وقت کے ساتھ ساتھ تم میں بہتری آتی جا رہی ہے۔ لگتا ہے شہر بانو کی محنت رنگ لا رہی ہے۔“ عکس نے اطمینان سے تبصرہ کیا تھا۔

”نہیں، میں نے ویسے ہی تمہیں متاثر کرنے کا ارادہ ختم کر دیا ہے۔“ شیر دل نے اس کی بات کے جواب میں گہری سانس لی تھی۔

”بڑی جلدی ہمت ہار دی...... ابھی تو چند ماہ ہیں میری شادی میں۔“ عکس نے جیسے اس کے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

”تم شادی کر رہی ہو اور میں بہت خوش ہوں۔“ شیر دل نے اس کی بات کاٹتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔

”اور اس خوشی کی کیا وجہ ہے؟“ عکس نے جیسے مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا۔

”دیکھو میں اس لیے خوش ہوں کہ تم شادی کرو گی تو میرے بیٹے کو تمہاری بیٹی کے ساتھ رومانس کا موقع مل سکے گا...... تم جس طرح شادی کو ٹالتی آ رہی تھیں وہ میرے بیٹے کے ساتھ بھی زیادتی تھی...... میں واقعی یہ چاہتا ہوں کہ تم جلد از جلد شادی کرو ورنہ اس طرح delay کرتی رہیں تو یہ نہ ہو کہ میرے بیٹے کے بجائے میرے پوتے کو تمہاری بیٹی سے رومانس کرنا پڑے۔“ عکس کو ہنسی آئی تھی اور وہ ہنستی ہی چلی گئی۔ وہ غصہ دلانے کی ایک واضح کوشش تھی شیر دل کی طرف سے جو ضائع گئی تھی۔

”تو تمہاری اور جواد کی شادی میں، میں صرف اس حد تک انٹرسٹڈ ہوں۔“ شیر دل نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ اس نے عکس کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے لیے عکس کو دیکھنا بھی ایک آزمائش کا کام تھا اور اس طرح ہنستے دیکھنا ایک بڑی آزمائش...... وہ بہت کم اس طرح ہنستی تھی جس طرح اس وقت ہنس رہی تھی۔ بار بار اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے اور اس میں ناکام ہوتے ہوئے...... پتا نہیں وہ اس کی بات سے محظوظ ہوئی تھی یا آج ویسے ہی اچھے موڈ میں تھی۔

”شیر دل تم ایک انتہائی......“ وہ بات کرتے کرتے پھر ہنس دی تھی۔ وہ شیر دل کے اس طرح کے سینس آف ہیومر سے اکیڈمی کے دنوں سے واقف تھی۔ وہ عکس مراد علی سے جھلاہٹ میں اسی طرح کی باتیں کیا کرتا تھا۔

”لگتا ہے صدمے سے تم پر اس طرح کے اثرات ہو رہے ہیں۔“ عکس نے بالآخر خود پر قابو پا لیا تھا۔

”شکر ہے تم نے یہ نہیں کہا کہ لگتا ہے صدمے سے تمہارا ذہنی توازن خراب ہو گیا ہے۔“ شیر دل نے تبصرہ کیا۔

”ذہنی توازن تو خیر تمہارا ہمیشہ سے خراب تھا۔“

”نہیں، تم سے ملنے کے بعد ہوا۔“

www.Paksociety.com

”ویسے تمہارا بیٹا میری بیٹی سے صرف رومانس کرے گا؟“ عکس نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے بات بدلی تھی۔

”ہاں صرف رومانس۔“ شیر دل نے بے حد سنجیدگی کے ساتھ دوٹوک انداز میں کہا۔ عکس کو ایک بار پھر ہنسی آئی۔

”تم اس طرح ہنس کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟“ شیر دل اس بار بالآخر جھلایا تھا۔

”یہی کہ تمہارا بیٹا باپ سے زیادہ سمجھدار ہے...... ویسے تمہارا یہ بیٹا ہے کہاں؟“ وہ اب اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ ”شہر بانو expect کر رہی ہے کیا؟“

”نہیں ہے لیکن ہو جائے گا...... اونہیں یار وہ expect نہیں کر رہی فی الحال تو وہ امریکا جا رہی ہے کل۔“ شیر دل نے اسے بتایا۔ وہ دونوں اب پارکنگ کی طرف جانے کے بجائے رستے میں ہی ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ بھی ان کی پرانی عادت تھی وہ جہاں بھی ملتے اسی طرح مقناطیس کی طرح ایک دوسرے کی طرف کھنچے چلے آتے...... اور ہر ملاقات میں وہ ایک دوسرے کو جیسے اس دن اور اس وقت تک کے اپنے تمام حالاتِ زندگی گوش گزار کر کے ہی جاتے...... شہر بانو کو زندگی میں شامل کرنے کے بعد اور عکس کے ساتھ کچھ اختلافات کے بعد شیر دل نے اپنی اس عادت، اس روٹین کو بدلنے کی بہت کوشش کی تھی اور وہ اس میں کامیاب رہا تھا صرف تب تک جب تک وہ دوبارہ عکس سے نہیں ملا تھا...... اور یہی کوشش عکس نے بھی کی تھی لیکن وہ دونوں آمنا سامنا ہونے پر ”صرف کام کی باتیں“ کرنے کے ٹاسک کو کبھی پورا نہیں کر سکے تھے۔ عکس اپنے گرد ہر دفعہ تحفظات اور احتیاطوں کی نئی دیواریں چن کر آتی تھی اور ہر بار شیر دل سے ملاقات کے بعد اسے ملبے کے ایک نئے ڈھیر کا سامنا کرنا پڑتا۔

وہ عورتوں سے لچھے دار باتیں کرنے کا کبھی عادی نہیں رہا تھا۔ اسے کسی عورت کو اپنی انگلیوں کے گرد گھمانے کے لیے اس طرح کے حربوں یا طریقوں کی کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ وہ کسی بھی عورت کو flatter کیے بغیر بھی چارم کر سکتا تھا...... اپنی طرف بڑی آسانی سے اٹریکٹ کر سکتا تھا اور اس آسانی نے بعض حوالوں سے صنفِ نازک کے لیے شیر دل کی رغبت کو کم کر دیا تھا۔ لڑکیوں سے دوستی، پھرنا پھرانا، گپ شپ اور اچھا وقت گزارنا ایک چیز تھی لیکن شیر دل نے کبھی لڑکیوں کے بارے میں سوچنے میں وقت اور انرجی صرف نہیں کی تھی...... اپنی گرل فرینڈز کے بارے میں بھی، ان چند لڑکیوں کے بارے میں بھی جن میں وقتاً فوقتاً اس کی دلچسپی دوستی سے کچھ زیادہ بڑھی تھی۔ عکس مراد علی وہ پہلی لڑکی تھی جس نے شیر دل کو زچ کیا تھا، خوار کیا تھا، متاثر کیا تھا اور جس کے بارے میں سوچنے میں اس نے گھنٹوں برباد کیے تھے، راتیں جاگ کر گزاری تھیں اور یہ سب اس وقت سے تھا جب وہ اپنے اور عکس کے تعلق کی نوعیت کو کوئی نام بھی نہیں دے سکا تھا۔

اس کے لیے کبھی بھی عکس مراد علی کو نظر انداز کرنا، اس سے بات چیت کو صرف ہیلو ہائے تک رکھنا ممکن ہی نہیں تھا۔ کوشش کرنا ایک بات تھی کوشش میں کامیاب ہونا ایک دوسری بات وہ لڑکیوں سے وہ سب بھی نہیں کہا کرتا تھا جو وہ عکس سے کہا کرتا تھا۔ وہ اس کے سامنے جھلانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن ہر بار کسی نہ کسی طرح شیر دل، عکس مراد علی کے سامنے بس جھلا کر رہ جاتا تھا۔ اس عورت پر اس کا بس نہیں چلتا تھا...... اور اس عورت پر اس کا بس کیوں نہیں چلتا تھا شیر دل نے اس پر سوچنے میں بھی گھنٹوں لگائے تھے...... عکس مراد علی کو کیسے مرد اچھے لگتے تھے؟ مردوں میں کیا اچھا لگتا تھا؟ اسے یاد ہے اس نے ایک بار اکیڈمی میں دو دن ان سوالوں کا جواب تلاش کرنے کے بعد زچ ہو کر بالآخر سیدھا جا کر عکس مراد علی سے اس پہ سوال کر لیے تھے۔

”بیٹا تمہارا ہے نہیں...... اور تم یہ فیوچر پلان کر رہے ہو اس کے لیے۔“ عکس نے اس سے کہا تھا۔

”ہے نہیں تو ہو جائے گا۔“ شیر دل کا اطمینان لاجواب تھا۔

”One never knows“ عکس نے اسے tease کیا۔

’’مجھے دوسروں کا نہیں پتا لیکن ہماری فیملی میں بیٹے ضرور ہوتے ہیں...... سیکنڈ چائلڈ بیٹا ہی ہے میرا۔‘‘ شیر دل نے بلا کی خود اعتمادی سے کہا تھا۔

’’تمہیں کسی نجومی نے لکھ کر دیا ہے؟‘‘ عکس نے مذاق اڑایا۔

’’تم دیکھ لینا۔‘‘ شیر دل نے اطمینان سے کہا۔

’’ہوسکتا ہے اس سے پہلے میرا بیٹا ہو جائے...... اور ہوسکتا ہے کہ میرا بیٹا رومانس کرنا پسند کرے تمہاری بیٹی کے ساتھ۔‘‘ عکس نے جتانے والے انداز میں کہا۔

’’نہیں، تمہارا بیٹا میرے بیٹے کی طرح cheap تھوڑی ہوسکتا ہے۔ وہ رومانس وغیرہ تھوڑی کرے گا وہ اپنی ماں کی طرح صرف شادی کرے گا۔‘‘ شیر دل نے اس کو تپایا وہ ایک بار پھر قہقہہ مار کر ہنس دی۔ آج شیر دل اسے واقعی لاجواب کرنے پر اترا ہوا تھا۔

’’یہ رومانس وغیرہ صرف شیر دل clan کا کام ہے، عکس مراد علی تمہارا بیٹا اپنی ماں کی طرح صرف best conduct کی ٹرافی لے گا۔‘‘ ہنستے ہوئے عکس کا چہرہ اب سرخ ہو گیا تھا۔

’’اس کی ماں نے صرف best conducIt کی ٹرافی نہیں لی تھی شیر دل...... لگتا ہے تمہارے زخم ابھی تک بھرے نہیں۔‘‘ اس نے ہنستے ہوئے ہی شیر دل کو چھیڑا تھا۔

’’میں ماضی بھول چکا ہوں خاص طور پر اکیڈمی سے پاسنگ آؤٹ ceremony‘‘ شیر دل نے دوٹوک انداز میں کہا۔

’’یہ بہت اچھا کیا تم نے...... ورنہ اب تک دل کی بیماری ہو چکی ہوتی تمہیں۔‘‘ وہ اب اس پر طنز کر رہی تھی۔ اس بار شیر دل ہنس دیا۔

’’دل کی بیماری تو خیر اب بھی ہے مجھے۔‘‘

’’شیر دل clan کی اپنی legacy ہے...... میرے clan کی اپنی ہوگی۔‘‘ عکس نے اس کے معنی خیز انداز میں کہے ہوئے جملے کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

’’تم آج کل بہت اچھے موڈ میں ہو؟‘‘ شیر دل نے بالآخر اس سے کہا۔

’’تمہیں کیسے پتا؟‘‘ وہ چونکی۔

’’تمہارے ہنسنے سے۔‘‘

’’میں ہمیشہ ہنستی ہوں۔‘‘ عکس نے اس کا مذاق اڑایا۔

’’ہاں مجھ پر تو تم ہمیشہ ہنستی ہو لیکن میں بے مقصد ہنسنے کی بات کر رہا ہوں۔‘‘

’’میں کبھی بے مقصد نہیں ہنستی شیر دل۔‘‘ عکس نے اسے جتایا۔

’’جواد کیسا ہے؟‘‘ شیر دل نے جواباً اس سے بات بدلتے ہوئے کہا۔

’’وہ اچھا ہے۔‘‘ جواد کا ذکر آنے پر عکس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

’’اسے کبھی لے آؤ شام کو۔‘‘ شیر دل نے بڑی فیاضانہ آفر کی۔

’’اسے لے آؤں، تم سے ملوانے کے لیے......؟ شیر دل میں واقعی شادی کرنے کے موڈ میں ہوں۔‘‘ وہ ایک بار پھر ہنسی تھی۔

’’تم کیا سمجھتی ہو میں کیا کہوں گا اس سے؟‘‘ شیر دل نے اس کی بات کا برا منایا تھا۔ ’’تم سمجھتی ہو میں نہیں چاہتا کہ تم شادی کرلو۔‘‘ شیر دل اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

’’میں نے ایسا کچھ نہیں کہا شیر دل، تم خوامخواہ کے نتیجے مت نکالو۔‘‘ عکس بھی ایک دم محتاط ہو گئی تھی۔

www.Paksociety.com

’’میں تم سے منسلک کسی بھی شخص کو عزت دینا چاہتا ہوں۔‘‘ وہ اب اسے جتا رہا تھا۔

’’میں جانتی ہوں تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔‘‘ عکس نے بے ساختہ کہا۔

’’پھر تم نے ایسی بات کیوں کی؟‘‘ شیر دل اب بھی سنجیدہ تھا۔ عکس نے بہت نرمی سے دوستانہ انداز میں شیر دل کا بازو تھپتھپایا تھا۔

’’ہیلو کیا ہوا ہے تمہیں؟ کس بات کا غصہ آ رہا ہے؟‘‘ عکس نے مسکراتے ہوئے مصالحانہ انداز میں کہا۔ شیر دل جھاگ کی طرح بیٹھا تھا۔

’’شام کو ڈل رہے ہیں ہم۔‘‘ اپنی شرمندگی کا اظہار کرنے کے بجائے شیر دل نے ایک دم بات بدل دی تھی۔ عکس سر ہلاتے ہوئے مسکرا دی۔

وہ شام کو مقررہ وقت سے کچھ پہلے ہی جم خانہ کے ٹینس کورٹس پر شیر دل کو ڈھونڈتے ہوئے آ گئی تھی۔ شیر دل کسی دوست کے ساتھ میچ میں مصروف تھا اور اس نے فوری طور پر عکس کو نہیں دیکھا تھا۔ عکس نے بھی اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خاموشی سے پانی کی ایک بوتل لیے کورٹ کے گرد پڑی کرسیوں میں سے ایک پر جا کر بیٹھ گئی تھی۔ پانی کے گھونٹ لیتے ہوئے وہ بڑی دلچسپی سے شیر دل کو کھیلتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وقت نے شیر دل کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ عمر میں شامل ہونے والے کچھ اور سالوں نے شیر دل کو پہلے سے زیادہ اٹریکٹو بنا دیا تھا۔ سفید شارٹس اور بلو شرٹ میں ریکٹ ہاتھ میں لیے کورٹ پر گیند کے آگے پیچھے بھاگتے شیر دل کو آج بھی کورٹ پر ٹینس کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اکیڈمی میں بھی شام کو اسی جنونی انداز میں ٹینس کی پریکٹس کرتا نظر آتا تھا اور بہت سی خواتین تماشائی اس پریکٹس سیشن کو اٹینڈ کرنے میں بے حد شغف رکھتی تھیں۔ عکس ان میں سے نہیں تھی لیکن وہ شیر دل کو اسپورٹس میں یوں مرکز نگاہ بنے دیکھ کر بہت محظوظ ہوتی تھی۔ کیوں ہوتی تھی یہ اس کی سمجھ سے باہر تھا لیکن بہرحال شیر دل پر لڑکیوں کی نظریں جمی دیکھنا عکس مراد علی کے لیے ایک بے حد دلچسپ منظر تھا۔

ایک گیند کو واپس ہٹ کرتے ہوئے شیر دل نے عکس مراد علی کو سامنے والے کورٹ کے داہنی طرف رکھی کرسیوں پر بیٹھا دیکھ لیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے چونکا تھا اور بالکل اس لمحے اس کے سامنے والے کورٹ سے گیند ریٹرن ہوتی ہوئی اس کے سر کے اوپر سے اس کے عقب میں جا گری تھی۔ اس کے ساتھ کھیلتے ہوئے فرید ہمایوں کو ایسا حلوہ شاٹ کھیلنے کا موقع پورے میچ میں نہیں ملا تھا۔ شیر دل کی صرف نظر گیند سے نہیں ہٹی تھی اسے چند لمحوں کے لیے یہ طے کرنا بھی مشکل ہو گیا تھا کہ وہ گیند کو ڈھونڈے یا عکس مراد علی پر نظریں جمانے کی کوشش کرے۔ میچ سے اس کا انہماک سیکنڈز کے اندر غائب ہوا تھا۔ اس نے دور سے ہی عکس کو ہاتھ ہلایا تھا اور پھر فرید ہمایوں کے پاس جا کر اس سے میچ کو ادھورا چھوڑنے کے بارے میں بتایا۔ فرید کو عکس سے متعارف کروانے کے بعد چند منٹوں تک وہ تینوں گپ شپ کرتے رہے پھر فرید نے کھیلنے کے لیے جم خانہ کے کسی ملازم کو بلوا لیا تھا۔

شیر دل اپنی سانس بحال کرنے کے لیے عکس کے پاس ہی اپنی کٹ اٹھا کر آ گیا تھا۔

’’تم آج پھر سے دشمن کے کورٹ میں ہی جا کر بیٹھنا۔‘‘ تولیے سے اپنے بازو، چہرہ، سر اور گردن خشک کرتے ہوئے شیر دل نے جتانے والے انداز میں اس سے کہا۔

’’تمہیں کچھ بھولتا کیوں نہیں شیر دل؟‘‘ عکس کو اس بار بھی اس کے تبصرے پر ہنسی آئی تھی لیکن اس نے اپنی ہنسی پر قابو پا لیا تھا۔ اس کا ریفرنس کدھر تھا وہ ایک سیکنڈ میں جان گئی تھی۔

’’کیا کیا بھولوں میں؟‘‘ شیر دل نے جواباً کہا۔ عکس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی پانی کی آدھی استعمال شدہ بوتل اسے تھما دی۔ اس نے شیر دل کی پانی کی بوتل کو خالی دیکھ لیا تھا۔ شیر دل نے بڑے معمول کے سے انداز میں پانی کی بوتل اس سے لیتے ہوئے اپنا تولیا گھٹنوں پر پھیلا لیا تھا۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے عکس کی دی ہوئی بوتل سے

سپ لیتے ہوئے اس نے کہا۔
''تم آئی کب ہو؟''
''دس پندرہ منٹ ہو گئے۔'' عکس نے بتایا۔
''جلدی آ گئیں؟'' شیر دل نے گہری سانس لیتے ہوئے ایک اور سپ لیا۔
''ہاں فارغ تھی سوچا تمہارے ساتھ ہی وقت ضائع کیا جائے۔'' عکس نے اب اپنے بیگ سے ایک چیونگم ڈھونڈھ کر نکالتے ہوئے شیر دل کو اس کا آدھا ٹکڑا دیا اور باقی آدھا ٹکڑا اپنے منہ میں ڈال لیا۔
''اچھا کیا...... میں بھی ابھی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔'' شیر دل نے پانی کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے بوتل خالی کی اور پھر چیونگم اسٹک کا ریپر اتارتے ہوئے کہا۔
''جھوٹ کی حد ہوتی ہے ویسے۔'' وہ ہنسی تھی اس کی بات پر وہ چونکا۔
''کیوں؟''
''شیر دل تم ٹینس کھیلتے ہوئے کبھی کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتے...... میں یہ مان ہی نہیں سکتی۔ تم ٹینس کھیلتے ہوئے صرف ٹینس کے بارے میں سوچتے ہو۔'' عکس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ شیر دل نے چیونگم چباتے ہوئے مسکراتے ہوئے سر کھجایا۔
''جیسے ایک لمحے کے لیے سوچا۔'' شیر دل نے بڑے آرام سے اس بار عکس کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے اپنی بات کی تصحیح کی تھی۔
''ہاں یہ کہو کہ ایک بار خیال آ گیا۔'' عکس مسکرا رہی تھی۔
''ہاں چلو یہی سہی کہ مجھے تمہارا خیال آیا اور بالکل اسی وقت مجھے یہاں کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھی تم نظر آ گئیں...... اور مجھے یقین نہیں آیا...... مجھے لگا مجھے کوئی وہم ہوا ہے۔''
''حالانکہ وہم والی کیا بات تھی...... ؟ آنا تو تھا میں نے۔'' عکس نے بے پروائی سے کہا اور اس وقت ہی اس نے پہلی دفعہ محسوس کیا تھا کہ وہ اور شیر دل تقریباً ایک ہی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ وہ رائل بلو اسپورٹس شرٹ اور وائٹ شارٹس میں تھا اور وہ رائل بلو اور وائٹ چیکرڈ کالر والی شرٹ اور سفید شلوار اور دوپٹے میں۔ شیر دل کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا اپنا مذاق اڑانے کے برابر تھا۔ اس کا اور شیر دل کا مزاج نہیں ملتا تھا لیکن اس کے اور شیر دل کے درمیان بہت سی باتیں اور عادتیں کامن تھیں...... یہی حال لباس اور اس کے رنگ کے حوالے سے ان کی چوائس کا بھی تھا۔

جم خانہ کے اوپن ائر ریسٹورنٹ میں بیٹھے باربی کیو ڈنر کا آرڈر دینے کے بعد وہ دونوں ایک بار پھر ایک دوسرے سے اپنی پوسٹ کے حوالے سے بات کرنے لگے تھے۔ بات کرنے کے دوران ہی شیر دل نے اس سے گھر کے بارے میں جیسے بڑے فخریہ انداز میں پوچھا تھا۔
''گھر تو اچھا لگا ہو گا تمہیں...... کچھ نہیں کرنا پڑا ہو گا تمہیں وہاں...... شہر بانو اور میں نے بڑی جان لگائی ہے وہاں۔'' عکس اس کی بات پر مسکرا دی تھی۔
''مجھے تم لوگوں کی جان تو وہاں کہیں نظر نہیں آئی لیکن سرکاری پیسے کا بے دریغ استعمال ضرور نظر آیا۔'' اس کے جواب نے شیر دل کو جیسے کچھ نادم کیا تھا لیکن وہ ٹالنے والے انداز میں بات گول کر گیا۔
''خیر اتنا بھی بے دریغ استعمال نہیں ہوا پیسے کا...... اس گھر کی حالت بہت خراب تھی جب ہم وہاں شفٹ ہوئے تھے۔ ہم نے تو مرمتیں کروائیں بہت زیادہ...... اتنے بڑے گھر کی maintenance پیسے کے بغیر نہیں ہو سکتی اور کیا ہوا میں نے تھوڑا بہت سرکاری پیسہ اس کام میں استعمال کر لیا، سرکار کے پاس بہت پیسہ ہے۔'' شیر دل نے اطمینان سے

www.Paksociety.com

کہا۔ عکس مسکرا دی۔
''تھوڑا بہت...... شیر دل تمہارا بس نہیں چلا وہاں تم اس گھر میں بارہ دریاں بھی بنوا دیتے۔'' عکس نے جتانے والے انداز میں کہا۔ شیر دل اس کی بات پر ایک بار پھر ہنس دیا۔
''یار کیا کروں میں...... میں۔ ''دو'' عورتوں کو refuse نہیں کر سکتا۔'' عکس نے اس کے جملے پر کسی کاؤنٹر کوکچن سے بچتے ہوئے اس سے کہا۔
''تم اگر مغلوں کے زمانے میں ہوتے تو کیا ہوتے شاہ جہاں یا جہانگیر؟'' عکس کے سنجیدگی سے پوچھے ہوئے سوال پر شیر دل کو بے اختیار ہنسی آئی تھی۔ وہ جوتے لپیٹ کر مارنے کی عادی تھی لیکن مار ضرور دیتی تھی۔ اب وہ اس کے شاہانہ اخراجات کے ساتھ ساتھ اس کے کسی عورت کے کنٹرول میں ہونے کا طعنہ دے رہی تھی۔
''تمہارا کیا خیال ہے؟'' شیر دل نے جواب دینے کے بجائے اس سے سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔
''جہانگیر۔'' جواب کھٹ سے آیا تھا۔
''مجھے بھی جہانگیر ہی پسند تھا۔'' جواب ڈھٹائی سے ملا تھا۔
''تم نے پورے سال کا بجٹ اڑا دیا ہے گھر میں...... ہر چیز کے بجٹ میں سے گھر کی maintenance پر پیسہ لگا دیا ہے اب میں کیا کروں...... ؟ رپورٹ لکھوں ایک تمہارے خلاف مالی بے ضابطگی کی۔'' عکس بڑی سنجیدگی سے اس سے کہہ رہی تھی۔ شیر دل کے سر پر جوں تک نہیں رینگی تھی۔
''لکھ دو...... تم ویسے بھی میری بیوی سے جیلس ہو۔'' باربی کیو کے ساتھ سرو ہونے والی چٹنیوں میں سے ایک میں کانٹے کے ساتھ سلاد کے چند ٹکڑوں کو ڈبو کر کھاتے ہوئے شیر دل نے اطمینان سے اسے کہا تھا۔ عکس نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''ہاں بس اب یہی تو ایک کام رہ گیا ہے میرے پاس کہ میں تمہاری بیوی سے جیلس ہوتی پھروں جس کے پاس ایک ایسا شوہر ہے جو بیوی کو خوش کرنے کے لیے عوام کے خون پسینے سے اکٹھا ہونے والے ٹیکسز سے لان میں ٹینس کورٹ بنوا سکتا ہے۔'' وہ جھلائی تھی۔
''یار ٹینس کورٹ تو میرا شوق تھا اس میں تو میری بیوی بے چاری نے کچھ کہا تک نہیں۔'' شیر دل نے احتجاج کیا تھا۔
''وہ جو لان میں عجیب و غریب قسم کی decorative لائٹس وغیرہ ہیں......'' شیر دل نے اس کی بات کاٹ دی۔
''ہاں، وہ میری بیوی کا شوق تھا۔ وہ فاؤنٹین وغیرہ بھی۔ لیکن یار عجیب و غریب تو کچھ بھی نہیں تھا...... aesthetically کیا گیا تھا جو بھی کیا گیا تھا۔'' شیر دل نے شہر بانو کو اس کی عدم موجودگی میں defend کیا۔
''ویسے بھی کیا گیا تھا اس کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ تم لوگوں کا ذاتی گھر نہیں تھا وہ۔'' عکس نے بھی اسی انداز میں کہا۔
''ہم ویسے شروع کرنے والے ہیں اس سال لاہور میں اپنا گھر۔'' شیر دل نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔
عکس جانتی تھی اس کی مذمت اور لعنت ملامت شیر دل پر کوئی اثر نہیں کرنے والی تھی۔ وہ بیوروکریسی کے جس اوپر والے طبقے سے تعلق رکھتا تھا وہاں پبلک فنڈز کا اس طرح کا استعمال کوئی معیوب بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ وہ technically کرپشن نہیں تھی کیونکہ وہ روپیہ کسی کی جیب میں نہیں جا رہا تھا جو کچھ بھی لگ رہا تھا وہ ایک سرکاری عمارت پر ہی لگتا تھا اور وہاں کی کوئی چیز وہ اپنے ذاتی گھروں میں نہیں لے جاتے تھے لیکن اس کے باوجود فنڈز

m i s-use ہوتے تھے۔ شیر دل elite کلاس سے تعلق رکھتا تھا اور اسی طرح کا لائف اسٹائل رکھتا تھا۔ اس کے یا شہر بانو کے لیے سادگی اپنانا بہت مشکل کام تھا، یہ بات عکس بخوبی جانتی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ اس طرح کا لائف اسٹائل رکھنے والا پہلا یا واحد بیوروکریٹ نہیں تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی مختلف پوسٹنگز کے دوران جن سینئر آفیسرز سے ملتی رہی تھی اس نے ان کے گھروں میں سرکاری خرچ پر اسی طرح کی تزئین و آرائش اور سہولیات دیکھی تھیں۔

"اوہ اچھا! great...... کہاں...... یہاں لاہور میں؟" عکس نے اس کی اطلاع پر دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ وہ بھی اب کھانا کھانے لگی تھی۔ شیر دل اسے گھر کے حوالے سے اپنی اور شہر بانو کی مجوزہ پلاننگ بتانے لگا تھا۔ وہ دلچسپی سے سنتی رہی اور وقتاً فوقتاً اس پر تبصرہ کرتی رہی۔ وہ دونوں گھر کو ڈسکس کرنے کے بعد سنگاپور میں ہونے والے اس کورس کو ڈسکس کرنے لگے جہاں جانے والے سات آفیسرز میں عکس بھی شامل تھی۔ وہ بیرون ملک ہونے والا ان کا پہلا کورس تھا۔

ڈنر کے بالکل آخر میں شیر دل کا فون بجنے لگا۔ اس نے سیل فون اٹھا کر دیکھا۔ شہر بانو کی کال تھی۔ کال ریسیو کرتے ہوئے اس نے عکس کو بھی انفارم کیا۔

"تم کہاں ہو شیر دل؟" کال ریسیو کرتے ہی شہر بانو نے اس سے پوچھا تھا۔

"میں date پر ہوں۔" شیر دل نے مسکراتے ہوئے سامنے بیٹھی عکس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ سوفٹ ڈرنک کا آخری سپ لیتی عکس کے چہرے پر مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ شیر دل نے اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو نوٹس نہیں کیا۔ وہ شہر بانو کی طرف متوجہ تھا جو اس کی بات پر ہنس دی تھی۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" اس نے کمال کی خود اعتمادی کے ساتھ کہا تھا۔ شیر دل نے عکس کو اپنا بیگ سنبھال کر اٹھتے دیکھا۔ اس نے نوٹس نہیں لیا تھا وہ سمجھا وہ ریسٹ روم جانے کے لیے اٹھی تھی۔

"You are underestimating me" وہ مسکراتے ہوئے شہر بانو کے ساتھ بات کرتا رہا۔ اس نے ساتھ ہی ویٹر کو سائن کرنے کے لیے بل لانے کا اشارہ کیا تھا۔

"date خوب صورت ہے؟" شہر بانو نے اب اس مذاق میں عملی طور پر حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"بہت زیادہ۔" شیر دل نے اطمینان سے کہا۔

"مجھ سے بھی زیادہ؟" شہر بانو نے پوچھا۔

"مجھ کو لگتی ہے۔" شیر دل نے مسکرا کر کہا۔

"کوئی تمہیں مجھ سے زیادہ خوب صورت لگ سکتا ہے شیر دل؟" شہر بانو نے کہا۔

"خوب صورت کب کہا ہے۔ اچھی کہا ہے۔" شیر دل اس بار ہنسا تھا۔

"تم ویسے ہو کہاں؟" شہر بانو نے بالآخر سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"جم خانہ میں ایک دوست کے ساتھ ڈنر کر رہا ہوں۔ تمہیں بتایا تو تھا میں نے آنے سے پہلے۔"

"ہاں لیکن میرے ذہن سے نکل گیا...... میں تو یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ ٹینس کھیلنے گئے تھے اور ابھی تک واپس کیوں نہیں آئے۔" اس کی بات سنتے ہوئے بالکل اسی وقت ویٹر نے اس کے قریب آ کر مؤدبانہ انداز میں جھکتے ہوئے اس سے کہا۔

"آپ کا بل کاؤنٹر پر pay کر دیا گیا ہے۔" شہر بانو سے بات کرتے کرتے شیر دل بری طرح چونکا تھا۔ اس نے شہر بانو سے بات کرتے ہوئے خود ویٹر کو مخاطب کر کے بل کے بارے میں دوبارہ استفسار کیا تھا ورنہ ویٹر اس کی کال کے ختم ہونے کا انتظار کرتا۔

"کس نے pay کر دیا؟" شیر دل بے حد حیران ہوا تھا۔ دوسری طرف لائن پر موجود شہر بانو یہ ساری گفتگو سن

رہی تھی۔

"میڈم نے۔" شیر دل کو اب جیسے کرنٹ لگا تھا اور ایسا ہی کرنٹ دوسری طرف لائن پر موجود شہر بانو کو بھی لگا تھا۔ وہ کیا واقعی کسی لڑکی کے ساتھ وہاں ڈنر کر رہا تھا؟

"میں تم سے تھوڑی دیر میں بات کرتا ہوں شہی۔" اس سے پہلے کہ شہر بانو اس سے کوئی سوال کرتی شیر دل نے یک دم اس سے کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

"اور میڈم کہاں ہیں؟" شیر دل نے بے حد سنجیدگی سے کرسی پر سیدھا ہوتے ہوئے ویٹر سے پوچھا۔

"وہ تو چلی گئی ہیں۔" شیر دل کو ایک لمحے کے لیے یقین نہیں آیا کہ اس نے ویٹر سے یہ جملہ سنا تھا۔ اسے لگا تھا ویٹر کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔ ویٹر سے کوئی سوال جواب کیے بغیر اس نے سیل فون اٹھاتے ہوئے عکس کو کال کی سیل فون آف تھا اور یہ شیر دل کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔ وہ بے حد اضطراب کے عالم میں اپنی کرسی کھینچتے ہوئے کھڑا ہوا تھا اور بے حد تیز قدموں سے وہ ریسٹورنٹ سے باہر پارکنگ تک آیا تھا لیکن پارکنگ تک آتے ہوئے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عکس کو یا اس کی گاڑی کو رات کے اس وقت وہاں موجود سیکڑوں گاڑیوں میں سے ڈھونڈھ لینا ناممکن تھا۔ سمجھ اسے یہ نہیں آئی تھی کہ عکس نے ایسا کیا کیوں تھا۔ عکس جہاں ٹھہری ہوئی تھی وہ اس جگہ سے واقف تھا اور پارکنگ میں پہنچ کر اس نے ڈرائیور کو سیدھا وہاں چلنے کے لیے کہا۔ دس منٹ میں وہ اس کلب میں تھا جس کے ایک رہائشی کمرے میں وہ رکی ہوئی تھی۔ ریسپشن سے اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ بھی ابھی چند منٹ پہلے ہی وہاں پہنچی تھی۔ اس نے receptionist کو اس کے کمرے کا نمبر ملانے کے لیے کہا اور عکس کے ریسیور اٹھاتے ہی receptionist کے ہاتھ سے انٹرکام لے لیا۔

"میڈم آپ ذرا باہر تشریف لائیں گی یا میں اندر آ جاؤں؟" چند سیکنڈز کے لیے عکس بالکل بول نہیں سکی۔ شیر دل کی آواز اس کے لیے اتنی ہی غیر متوقع تھی۔ اسے پتا تھا وہ اس کے اس طرح اٹھ آنے پر اپ سیٹ ہوگا، خفا بھی ہوگا لیکن وہ اس کے پیچھے آ جائے گا اسے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ اس وقت خود شیر دل سے اس قدر خفا تھی کہ وہ اس سے ملنا یا بات کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن اسے یہ بھی پتا تھا کہ وہ اگر اس کے پیچھے وہاں آ سکتا تھا تو اس کے لیے اس کے کمرے میں آ جانا کیا مشکل تھا۔ وہ وہاں کوئی شرمندہ کر دینے والی صورتِ حال نہیں چاہتی تھی۔

"میں پانچ منٹ میں آتی ہوں۔" اس نے بالآخر شیر دل سے کہا۔

"تھینک یو۔" شیر دل نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

وہ پانچ منٹ کے بجائے دو منٹ بعد ہی وزیٹرز ایریا میں آ گئی تھی۔

"باہر لان میں چلتے ہیں۔" شیر دل اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عکس کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ چل پڑی۔ کلب کے دروازے سے باہر نکلتے ہی شیر دل نے بے حد خفگی کے عالم میں اس سے کہا۔

"میں نے کسی عورت کو اس سے زیادہ بچگانہ حرکت کرتے نہیں دیکھا...... تم یہ کیسے کر سکتی ہو عکس؟"

"ہم نے ڈنر کر لیا تھا اور بل دینا کوئی گناہ نہیں ہے۔" عکس نے اسی ٹھنڈے انداز میں کہا۔ وہ دونوں اب لان میں نکل آئے تھے اور لان میں آتے ہی شیر دل نے رکتے ہوئے اس سے کہا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ اتنا بے وقوف بہر حال نہیں تھا کہ اب بھی سمجھ نہ سکتا کہ عکس کو کچھ برا لگا تھا جس پر وہ خفا تھی۔

"شیر دل میں تمہاری date نہیں ہوں۔" عکس نے اس کے سوال پر کسی توقف کے بغیر بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ چند لمحے اس کا چہرہ بے یقینی سے دیکھتا رہا پھر ہنس دیا۔

"تم اس بات پر ناراض ہوئی ہو......؟ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" اس کا سر واقعی گھوم کر رہ گیا تھا۔ وہ اتنی بڑی

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

بات نہیں تھی جس پر عکس یوں ری ایکٹ کرتی۔

”میں تمہیں دوست سمجھ کر تمہارے ساتھ وہاں ڈنر کے لیے گئی تھی...... تمہیں اگر dating کا شوق ہے تو اس کے لیے لاہور بھرا پڑا ہے لڑکیوں سے۔ بلکہ وہ تمہیں وہاں جم خانے میں بھی مل جاتیں۔“ عکس نے اس کی ہنسی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”میں مذاق کر رہا تھا عکس۔ تم جانتی ہو۔“ شیر دل اس کے انداز پر ایک بار پھر حیران رہ گیا تھا۔

”مذاق میں بھی مجھے تمہاری بات بہت insulting لگی۔“ عکس نے اسی انداز میں کہا۔

”I am sorry“ میں نے کہا نا میں مذاق کر رہا تھا...... تم جانتی ہو میری عادت کو...... اور تم سوچ سکتی ہو کہ میں تمہیں date سمجھ رہا تھا۔“ شیر دل نے بے حد تحمل سے کہا تھا لیکن وہ عکس کے ردِعمل پر بے حد حیران تھا۔ وہ مذاق میں اس سے بھی بڑی بڑی باتیں کہہ جاتا تھا اور وہ اگنور کر دیا کرتی تھی پھر اب اتنی چھوٹی سی بات پر اتنی خفگی......

”ہر بات مذاق میں کہنے والی نہیں ہوتی۔“ عکس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ”تم میرے دوست ہو تو اس کا یہ بالکل بھی مطلب نہیں کہ تم اپنی اور میری دوستی کو ہمیشہ مرد بن کر دیکھو۔“ وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

”تم مجھے صرف ایک بات بتاؤ، تم سوچ سکتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ dating کر رہا تھا وہاں؟“ شیر دل نے اس کی بات کاٹ کر اپنا سوال دُہرایا۔

”میں نیتوں کا حال نہیں جانتی شیر دل۔“ اس کی بات پر شیر دل بری طرح ہتھے سے اکھڑا۔

”تم میری نیت نہیں جانتیں...... تو تم مجھے بدنیت کیسے سمجھ سکتی ہو؟“ وہ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے بولی۔

”میرا خیال ہے کہ اب اس بات کو یہیں ختم کرتے ہیں۔“ شیر دل کو اس کے اس انداز نے اور تپا دیا۔

”نہیں، اب یہ بات ختم نہیں ہوگی...... تم کو میری بات بری لگی ہے تو مجھے بھی تمہاری بات بری لگی ہے۔ اتنے سالوں کے بعد بھی تمہیں میری نیت پر شبہ ہے اور تم سمجھتی ہو کہ میں اپنی اور تمہاری دوستی کو ایک مرد کے طور پر biased ہو کر دیکھتا ہوں...... حالانکہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں نے تمہیں کبھی دوست نہیں سمجھا۔“

”شیر دل اب ہم فضول باتیں کر رہے ہیں۔“ عکس نے اسے ٹوکا تھا۔ ”تم بھی جاؤ اور مجھے بھی جانا ہے کل کی میٹنگ کی تیاری کرنی ہے میں نے۔“ عکس نے بات کہہ کر وہاں سے جانے کے لیے قدم بڑھایا اور شیر دل نے بہت خفگی سے اس کو بازو سے پکڑ کر روکا تھا۔

”ہم میں سے کوئی یہاں سے نہیں جا رہا...... میں تم سے بات کر رہا ہوں اور تمہیں اگر جانا بھی ہے تو تم میری پوری بات سن کر جاؤ گی۔“ ایک لمحے کے لیے وہ اس طرح روک کے جانے پر حواس باختہ ہو گئی تھی۔ ”میں تمہارے لیے کس طرح کے جذبات رکھتا ہوں اور تمہیں کیا سمجھتا ہوں وہ تم اچھی طرح جانتی ہو اگر دوبارہ سننا چاہتی ہو تو میں دُہرا دیتا ہوں...... میں تم سے محبت کرتا تھا...... کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا اور میرے لیے یہ بات بے حد insulting ہے کہ تم یہ سوچو کہ میں تمہارے حوالے سے کسی بدنیتی کا شکار ہوں یا تمہیں date سمجھ کر تمہارے ساتھ گھومتا پھرتا ہوں۔“

”شیر دل میرا بازو چھوڑو۔“ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے عکس نے بے حد خفگی سے اس سے کہا۔ شیر دل نے بے اختیار اس کا بازو چھوڑ دیا۔ اسے شاید یہ اندازہ ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ اب تک عکس کا بازو پکڑے ہوا تھا۔

”مجھے تم دوبارہ اپنی شکل بھی مت دکھانا۔“ اس نے اپنا بازو رگڑتے ہوئے شیر دل سے کہا۔

”تم اگر یہاں سے میری بات سنے بغیر جاؤ گی تو میں تمہیں دوبارہ اسی طرح روکوں گا۔“ شیر دل نے اسی طرح کہا۔ وہ جانے کے لیے قدم بڑھا چکی تھی لیکن شیر دل کی بات پر اس نے یک دم واپس پلٹتے ہوئے چیلنج والے انداز میں شیر دل سے کہا۔

www.Paksociety.com

”تم اب مجھے ہاتھ لگا کر دکھاؤ۔“ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑے رہے۔ شیر دل کے چہرے کا رنگ سرخ سے مزید سرخ پھر دوبارہ نارمل ہوتا گیا۔

”مجھے زندگی میں بہت کم عورتوں پر غصہ آیا ہے اور مجھے تم پر بہت غصہ آتا ہے۔“ عکس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بالآخر اسے بولتے دیکھا۔

”مجھے سے زیادہ غصہ تو نہیں آ سکتا تمہیں...... تم مذاق میں بھی مجھے اپنی date کیسے کہہ سکتے ہو؟“ دونوں طرف اب پارا چڑھ رہا تھا۔

”جو تمہیں کہنا چاہتا تھا میں اس کا موقع تم نے نہیں دیا...... میں تمہیں date کہوں تو برا ہوں، تم سے اظہارِ محبت کروں تو برا ہوں...... اور دوست تمہیں میں نے مر کے بھی نہیں کہنا......“ شیر دل نے اس کے ماتھے کے بل دیکھتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔

”میرا خیال ہے اس صورت میں آج کی اس ملاقات کو تم آخری ملاقات سمجھو...... مجھے شادی شدہ مردوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ عکس نے سنجیدگی سے کہا۔

”تمہیں تو خیر مجھ میں تب بھی دلچسپی نہیں تھی جب میں شادی شدہ نہیں تھا۔ تمہیں اس وقت بھی میرے علاوہ دنیا کے ہر مرد میں دلچسپی تھی...... غنی حمید، عثمان علی، لقمان آفاق......“

”shut up“ عکس نے اس بار سرخ چہرے کے ساتھ اس کی بات کاٹی تھی۔ ”تم اب آؤٹ ہو رہے ہو...... تم یہاں سے جاؤ۔“

”میں دوبارہ تم سے کبھی نہیں ملوں گا۔“ شیر دل کا چہرہ بھی سرخ ہوا۔

”good for both of us“ اس نے ترکی بہ ترکی کہا۔

”اب تم دوبارہ کبھی میری شکل بھی نہیں دیکھو گی۔“

”ok“ عکس نے جواباً کہا۔

”عکس تمہیں انسانوں کی پہچان نہیں ہے۔“ شیر دل نے اس بار بے حد تلخی سے کہا۔ وہ اس کی بات پر چند لمحوں کے لیے ساکت ہو گئی پھر اس نے ٹھنڈے لیکن کچھ عجیب سے انداز میں شیر دل سے کہا۔

”مجھے انسانوں کی پہچان نہیں ہے؟ good joke“

”مذاق نہیں ہے یہ۔“

”انسان واحد پتھر ہے جس کی پرکھ ہے مجھے۔“

”نہیں ہے۔“ شیر دل مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے چل پڑا تھا اس نے پیچھے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ اس کی بات پر عکس کا ردِعمل کیا تھا۔

☆☆☆

گھر پہنچنے کے بعد بھی اس کا موڈ اسی طرح آف تھا اور شہر بانو کو اس کا اندازہ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ ویٹر اور اس کی گفتگو شہر بانو نے فون پر سن لی تھی۔ کسی میڈم کے ساتھ بھی ڈنر کرنے پر شہر بانو کو کسی قسم کی کوئی ٹینشن نہیں تھی...... واحد تجسس جو اسے تھا وہ یہ کہ وہ میڈم کون تھی۔ عکس مراد علی کی طرف کم از کم اس وقت اس کا ذہن نہیں گیا تھا لیکن شیر دل کا موڈ آف دیکھ کر وہ فوری طور پر اس سے اس میڈم کے کوائف کے بارے میں کچھ نہیں پوچھ سکی۔ وہ لوگ شیر دل کے پیرنٹس کے گھر پر ٹھہرے ہوئے تھے اور فیملی کے کچھ لوگ بھی اس وقت وہاں تھے جن کی وجہ سے شہر بانو کو فوری طور پر شیر دل سے کوئی بات کرنے کا موقع نہیں ملا مگر وہ وقتاً فوقتاً لاؤنج میں فیملی ممبرز میں بیٹھے شیر دل کو دیکھتی رہی۔ وہ بہت کم بات کر رہا تھا اور بار بار کچھ سوچتا نظر آ رہا تھا۔

رات کو ایک بجے کے قریب انہیں واپس اپنے بیڈروم میں جانے کا موقع ملا اور اس وقت پہلی بار شہر بانو نے اس سے اس کی پریشانی کی نوعیت جاننے کی کوشش کی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا......بس تھکن ہے......آج بہت دنوں کے بعد ٹینس کی اتنی لمبی چوڑی پریکٹس کی ہے اس لیے۔'' شیر دل نے بڑے آرام سے اسے موضوع سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ وہ ٹی وی پر کوئی فلم لگائے بیٹھا تھا اور شہر بانو سے نظریں تک نہیں ملا رہا تھا۔ شہر بانو چند لمحے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

''کس کے ساتھ ٹینس کھیلتے رہے آج؟''

''بہت سوں کے ساتھ......تم نے پیکنگ کر لی کیا؟'' شیر دل نے شہر بانو کے اگلے سوال سے بچنے کے لیے اس سے سوال کر ڈالا۔

''شیر دل میں پیکنگ کر کے ہی لاہور آئی ہوں......اب یہاں تھوڑی پیکنگ کروں گی میں۔'' شہر بانو نے اسے جتایا تھا۔

''میں ان گفٹس وغیرہ کی بات کر رہا ہوں جو تم نے آج لاہور سے اپنی فیملی کے لیے خریدے ہیں......شاپنگ کر لی تھی نا؟'' شیر دل نے پھر کہا۔

''اتنی لمبی چوڑی شاپنگ نہیں تھی وہ......بس چھوٹی موٹی چیزیں تھیں......دو، تین گھنٹوں میں خرید لی تھیں......اور وہ بھی ساری ایک ہی بیگ میں پیک کی ہیں میں نے۔''

''گڈ!'' شہر بانو کو سمجھ نہیں آیا شیر دل نے اسے کس بات پر سراہا تھا۔ شیر دل اب بیڈ پر سوئی ہوئی مثال کو کہنی کے بل نیم دراز ہوتے ہوئے پیار کرنے لگا تھا۔ فلم سے اس کی توجہ ہٹ گئی تھی۔ وہ اب مثال کے بالوں کو سہلا رہا تھا......اس کے ہاتھوں، گالوں اور ماتھے کو بار بار چوم رہا تھا۔ شہر بانو بیڈ پر دوسری طرف بیٹھی بالکل مسمرائزڈ سی اسے اور مثال کو دیکھتی رہی۔ اسے اپنا باپ یاد آیا تھا......اسے یاد تھا وہ بھی اسے بالکل اسی طرح پیار کرتا تھا جیسے شیر دل مثال کو......اسی طرح باری باری اس کے ہاتھ، گال، ماتھا، سر چومتا رہتا تھا......وہ شہر بانو کے بارے میں obcessed تھا اور پروٹیکٹو تھا......اس کی ماں کے لاکھ اصرار کے باوجود وہ کبھی شہر بانو کو دوسرے بیڈروم میں سلانے پر تیار نہیں ہوا تھا......وہ اپنے باپ کی گود میں دنیا میں سب سے زیادہ محفوظ محسوس کرتی تھی اور ویسا تحفظ اس نے اس کے بعد کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی ماں کے بجائے ہمیشہ اپنے باپ کے پاس سوئی تھی......اس سے لپٹ کر......اس کے سینے پر......اس کے بازوؤں کے گھیرے میں......اس سے کہانیاں سنتے ہوئے......اور شرمین اور اس کے باپ کی طلاق کے بعد امریکا چلے جانے پر بہت عرصے وہ بستر پر اکیلے سو نہیں پائی تھی......اسے یہ سمجھ نہیں آپاتی تھی کہ وہ بستر میں کہاں سوئے گی تو نیند میں کروٹ لینے پر بھی وہ بستر سے نہیں گرے گی......اپنے باپ کے ہوتے ہوئے اسے یہ calculations کبھی نہیں کرنی پڑیں۔ وہ جانتی تھی وہ کہیں بھی سوئے گی اس کا باپ اسے کبھی بستر سے گرنے نہیں دے گا کیونکہ بستر کے سرے پر ہمیشہ وہ ہوتا تھا اور بستر کے دوسرے سرے پر اس کی ماں......وہ جیسے ایک حصار میں محفوظ تھی......شہباز کے زندگی سے نکل جانے کے بعد شرمین کے ساتھ سوتے ہوئے بھی وہ ایک عجیب سے خوف کا شکار رہتی تھی کہ وہ بستر سے ضرور گر جائے گی اور اس کا یہ خوف کبھی بھی غلط ثابت نہیں ہوا تھا......اس نے نیند میں گر کے بہت بار چوٹیں کھائی تھیں، بہت سالوں بعد یہ شیر دل تھا جس نے اسے شہباز کی طرح تحفظ دینے کی کوشش کی تھی۔

''یار تم اسے چھوڑ جاؤ میرے پاس۔'' مثال کو چومتے ہوئے اس نے یک دم شیر دل کو کہتے سنا۔ شہر بانو مسکرا دی۔

''اور میں چلی جاؤں؟ اس نے شکایتاً شیر دل سے کہا۔ شیر دل نے مثال کے اوپر سے ہاتھ بڑھا کر شہر بانو کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پیار سے کہا۔

''No sweet heart تم بھی مت جاؤ۔''

''نہیں تم صرف مثال کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ میرے بغیر تو رہ سکتے ہو۔'' شہر بانو نے مصنوعی خفگی سے اس سے کہا۔

''You really think so'' شیر دل نے جتانے والے انداز میں اس سے کہا۔

''Yes I do'' شہر بانو نے اسی انداز میں اس سے کہا۔

''You are so wrong'' شیر دل نے اس بار بے حد سنجیدگی سے اس سے کہا۔

''تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے؟'' شہر بانو نے یک دم اس سے کہا۔

''نہیں یار......اگر کورس نہ ہوتا تو کوشش کرتا ساتھ جانے کی۔'' شیر دل نے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ وہ اب دوبارہ مثال کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے بال سہلا رہا تھا۔

''پہلی بار تمہارے بغیر کوئی اتنا لمبا سفر کرنے والی ہوں میں شادی کے بعد۔'' شہر بانو نے سنجیدگی سے کہنا شروع کر دیا۔

''تو مت جاؤ نا۔'' شیر دل نے اطمینان سے کہا۔ وہ ہنس دی۔

''اب سیٹس بک نہ کروائی ہوتیں تو میں نہ جاتی۔''

''سیٹس کینسل کروائی جا سکتی ہیں۔'' وہ اسی اطمینان سے کہہ رہا تھا یوں جیسے دانستہ طور پر اسے مشکل میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تم کورس پر مت جاؤ۔'' شہر بانو نے جواباً اسے مشکل میں ڈالا۔ شیر دل بے ساختہ ہنس دیا۔

''میری مجبوری ہے وہاں جانا......تمہاری تو نہیں ہے۔''

''تم اپنے ساتھ لے جاؤ سنگا پور تو میں امریکا نہیں جاتی۔'' شہر بانو نے کہا۔

''یار پہلے کہنا تھا نا......اب بتا رہی ہو......اب نہیں کر سکتا میں یہ اتنے short notice پر۔'' شیر دل نے کہا۔ ''اب تم امریکا ہی جاؤ۔'' وہ اب دوبارہ ریموٹ اٹھا کر TV کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ شہر بانو یک دم اپنے بستر سے اٹھتے ہوئے اس کے پاس آ گئی۔ بچوں کی طرح شیر دل کے سینے میں منہ چھپاتے ہوئے وہ اس سے لپٹ گئی تھی۔

''شبی اب تم رونا مت۔'' شیر دل نے جیسے پلک جھپکتے میں اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اسے وارن کیا۔

''لیکن میں اتنے بہت سارے دن تمہارے بغیر کیسے رہوں گی؟'' شہر بانو واقعی ہی اب روہانسی ہو رہی تھی۔

''دیکھو تم واپس آ جاؤ گی تین ہفتے کے بعد اور آنٹی کتنا خوش ہوں گی تمہیں دیکھ کر......تم کتنی مدت کے بعد ان سے ملو گی۔'' شیر دل اب بالکل اسی طرح اس کے بال سہلا رہا تھا جیسے کچھ دیر پہلے مثال کے سہلا رہا تھا۔ شہر بانو بعض اوقات اس کے لیے ایک دوسرا بچہ ہوتی تھی۔

''لیکن میں پھر بھی تمہیں miss کروں گی۔''

''I know honey۔''

''تم miss کرو گے مجھے؟'' شہر بانو نے یک دم اپنا سر اٹھا کر شیر دل کا چہرہ دیکھا۔

''میں کوشش کروں گا۔'' شیر دل نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

''یعنی نہیں۔'' وہ اٹھا ہو ل...

''یار یہ miss نہیں کروں گا میں......آف کورس کروں گا۔'' اس نے شہر بانو کو ایک بار پھر بچوں کی طرح اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا......وہ مطمئن ہی ہو گئی۔

''تم دونوں کے پاسپورٹس اور ٹکٹس میرے بریف کیس میں ہیں......کچھ کرنسی بھی exchange کروائی ہے آج۔ وہ تم اپنے پاس رکھ لینا۔ پاسپورٹس اور ٹکٹس میں کل ائیرپورٹ پر ہی دوں گا تمہیں۔'' وہ اب اسے ہدایات دے رہا تھا سفر کے حوالے سے......ساتھ بالکل اسی طرح اس کا سر وقفے وقفے سے چوم رہا تھا جیسے کچھ دیر پہلے مثال کا

چوم رہا تھا۔ وہ جانتا تھا شہربانو کو اس طرح کی pampering کی ضرورت پڑتی تھی وقفے وقفے سے...... وہ یقیناً اداس ہو رہی تھی اس سے الگ ہونے کے خیال سے اور اسے اس وقت تسلی کی ضرورت تھی۔

"تم سنگاپور سے مجھے روز فون کرو گے؟" شہربانو نے اسے یاددہانی کرائی۔

"روز فون کروں گا۔"

"اور روز ای میل کرو گے؟"

"او کے۔" شیر دل بڑے آرام سے اس کے سارے مطالبات مانتا گیا تھا۔ "تمہیں کچھ چاہیے سنگاپور سے؟" شیر دل کو خیال آیا۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"یار کچھ تو۔"

"بس اپنا شوہر۔" شیر دل ہنسا۔

"وہ تو ہر بار ہی مل جاتا ہے واپس صحیح سلامت۔" اور بالکل اسی لمحے شہربانو کو دوبارہ اس میڈم کا خیال آیا تھا۔

"شیر دل! تم نے آج کس کے ساتھ کھانا کھایا؟" شہربانو نے اس کے سینے میں منہ چھپائے آنکھیں بند کیے ہوئے پوچھا اور اسے لگا اس کے سوال پر یک دم اس کے گرد شیر دل کے بازوؤں کی گرفت کچھ ڈھیلی پڑی تھی۔ کچھ دیر شیر دل خاموش رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"ایک دوست تھا پرانا۔"

"دوست تھا یا تھی؟" شہربانو نے اسی طرح پوچھا۔ ایک بار پھر اس نے شیر دل کو خاموش ہوتے ہوئے پایا پھر چند لمحوں کے بعد شیر دل نے دوبارہ اس سے کہا۔

"دوست تھے...... اور تھیں...... ایک سے زیادہ لوگوں کے ساتھ ڈنر کیا تھا۔ ارادہ ایک کے ساتھ تھا لیکن پھر کچھ اور لوگ بھی اتفاقاً آ گئے وہاں۔"

"اوہ او کے۔" شہربانو نے اطمینان سے سر ہلا دیا۔ "عکس بھی تھی؟" اسے پتا نہیں یک دم کیوں یہ خیال آیا تھا پوچھنے کا...... شیر دل کو چند لمحے سمجھ نہیں آیا کہ وہ سچ بولے یا جھوٹ۔ اور شہربانو سے عکس کے بارے میں جھوٹ بولنے کا خیال بھی اس کے ذہن میں پہلی بار ہی آیا تھا ورنہ اس سے پہلے ایسی کوئی صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ شہربانو سے کچھ چھپانا چاہتا۔

"ہاں۔" ایک لمحہ چپ رہ کر بالآخر اس نے سچ ہی بولنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے سینے پر سر رکھے ہوئے شہربانو نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں، پتا نہیں اسے کیوں یہ توقع تھی کہ شیر دل کا جواب نہیں میں ہوگا۔

"اور ڈنر کا بل اس نے دیا؟" چند سیکنڈز میں وہ اس "میڈم" کو شناخت کر گئی تھی جس کے بارے میں اس نے فون پر سنا تھا۔ شیر دل اس بار حیران ہوا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"میں نے فون پر سنا تھا ویٹر کہہ رہا تھا۔" شیر دل نے جواب نہیں دیا۔ عکس مراد علی ایک بار پھر اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ مرد تھا۔ چبھن محسوس کرنا چاہتا تھا رنج نہیں...... لیکن وہ رنج محسوس کر رہا تھا...... اس کی زندگی کی کچھ بے خواب اور پریشان راتیں عکس مراد علی کی وجہ سے بھی تھیں۔

چند گھنٹے پہلے ہونے والی تکرار ایک بار پھر اس کے ذہن میں آنے لگی تھی۔ شہربانو کو اندازہ نہیں ہوا اس کے چند سوالوں نے رات کے اس پچھلے پہر اس کے شوہر کو اس کا نہیں رہنے دیا تھا...... وہ شہربانو کے بارے میں سوچتے سوچتے عکس مراد علی کے بارے میں پریشان ہونے لگا تھا۔

عکس مراد علی سے یہ اس کا پہلا جھگڑا نہیں تھا۔ ان کے بہت سے جھگڑے پہلے بھی ہو چکے تھے اور شیر دل کو یہ ماننے میں عار نہیں تھی کہ ان میں سے 70 فیصد جھگڑے شروع کرنے میں اس کا ہاتھ تھا لیکن تقریباً سو فیصد جھگڑے ختم کرنے میں پہل اس نے کی تھی۔ وہ عکس سے بات کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا...... عکس رہ سکتی تھی، یہ اس نے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کی La Belle Dame Sans Mercy تھی...... بے رحم حسینہ...... یا کم از کم شیر دل اس کو یہی نام دیتا تھا۔ شہد کی دلدل اسے کامن کے دوسرے لوگ کہتے تھے۔ شیر دل اسے La Belle Dame Sans Mercy کہتا تھا۔ پہلے وہ اس کا یہ نام اس کے منہ پر نہیں لیتا تھا لیکن بعد میں وہ اسے اسی نام سے پکارتا تھا اور عکس نے کبھی اس پر کسی قسم کا کوئی ردِعمل نہیں دیا تھا۔ وہ شیر دل کی "بکواس" پر کبھی دھیان نہیں دیتی اور وہ اسے یہ openly بتا بھی دیتی تھی۔

عکس مراد علی سے اکیڈمی میں اس کا پہلا جھگڑا اس حسد کی وجہ سے ہوا تھا جو شیر دل نے تب محسوس کیا تھا جب عکس مراد علی نے غنی حمید کے ساتھ مکسڈ ڈبلز کے لیے پارٹنر شپ کی تھی۔ اکیڈمی میں اگر شیر دل کو کسی سے نفرت تھی تو وہ غنی حمید تھا۔ وہ ایچی سن میں اس کا کلاس فیلو رہ چکا تھا اور ایچی سن کے ہر نصابی غیر نصابی مقابلے میں وہ شیر دل کا سب سے بڑا حریف تھا۔ وہ بھی شیر دل ہی کی طرح ایک سول سرونٹ کا بیٹا تھا اور اس کی پوری فیملی کئی نسلوں سے اسی پیشے سے منسلک تھی۔ پنجاب کے وہ دو بڑے بیوروکریٹس کے خاندان آپس میں شدید خار رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک پاکستان کی دو بڑی پولیٹیکل پارٹیز میں سے ایک کی good books میں تھا اور دوسرا دوسری پارٹی کی...... دونوں خاندانوں کی یہ رقابت اگلی نسل تک شاید نہ جاتی اگر غنی حمید اور شیر دل اتنے قریبی حریف نہ بن جاتے اور یہ رقابت اس لیے زیادہ بڑھ گئی کیونکہ ایچی سن میں بہت سی جگہوں پر شیر دل کا سکہ چلتا تھا اور یہ وہ کرسی تھی جو غنی حمید لینے کی کوشش میں رہتا تھا۔ ایچی سن میں گزارے ہوئے تمام سالوں میں غنی حمید یہ نہیں کر سکا لیکن اس نے شیر دل کی سبقت اور برتری بھی تسلیم نہیں کی۔ وہ ان تمام سالوں میں ایک چیلنجر تھا اور چیلنجر ہی رہا اور شیر دل کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں تھی کہ اس نے ایچی سن میں غنی حمید سے زیادہ مشکل حریف اور کوئی نہیں دیکھا۔ وہ بے انتہا قابل، محنتی اور حد درجہ گھٹیا اور کمینہ تھا...... اور شیر دل کو ایسا combination زندگی میں دوبارہ بھی دیکھنے کو نہیں ملا۔

یہ شیر دل کی بدقسمتی تھی کہ ایچی سن کے وہ دونوں rivals سول سروسز اکیڈمی میں بھی ایک ہی سال میں ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں منتخب ہو کر آئے تھے۔ اور اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات شیر دل کے لیے یہ تھی کہ عکس مراد علی نے یہ جاننے کے باوجود کہ پورے کامن میں شیر دل سے زیادہ اچھی ٹینس کھیلنے والا کوئی نہیں تھا غنی حمید کے ساتھ پارٹنر شپ کو ترجیح دی تھی۔ اس نے خود مکسڈ ڈبلز کے بجائے سنگلز اور ڈبلز کو ہی اپنے لیے کافی سمجھا تھا۔ لیکن اسے یہ حیرت ضرور تھی کہ غنی حمید کو مکسڈ پر کیسے تیار ہو گیا تھا جبکہ وہ سنگلز اور ڈبلز میں پہلے ہی تھا اور تیسرے میچ کا مطلب کیا تھا اسے حیرانی تھی کیوں سمجھ نہیں آیا تھا۔ عکس مراد علی کے علاوہ اس pairing کی کوئی اور وجہ شیر دل کو سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ اس سے اگر ٹیم بنانے کا کہتی تو انکار وہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

عکس مراد علی نے ایسی ہی ایک جوڑی بیڈمنٹن میں عثمان علی کے ساتھ بنائی تھی۔ وہ اس کامن میں بیڈمنٹن کا سب سے اچھا پلیئر تھا اور اس پورے کامن میں یک دم وہ دونوں مرد ہر ایک کی نظروں کا مرکز بن گئے تھے۔ وہ دو مرد عکس مراد علی کا انتخاب تھے اور اس کے ساتھ ہر روز ٹینس اور بیڈمنٹن کھیلنے کا اعزاز حاصل کرتے تھے۔ اس سے بے تکلفی سے ساتھ ...... کرتے تھے۔ ان کی قسمت پر ہر مرد کامنر کو رشک آتا تھا۔ صرف شیر دل تھا جس کو فی الحال یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ عکس مراد علی نے بیٹھے بیٹھے سنگلز اور ڈبلز مقابلوں میں کھیلنے کے بجائے سیدھا مکسڈ ڈبلز میں کھیلنے کا فیصلہ کیوں کر لیا تھا۔ اکیڈمی میں بہت کم فیمیل کامنرز مکسڈ ڈبلز کے مقابلوں میں حصہ لیتی تھیں۔ زیادہ تر سنگلز اور ڈبلز کے مقابلوں میں ہی حصہ لیتی تھیں۔

www.Paksociety.com

شیردل نے اکثر شام کو پریکٹس سیشن کے دوران عکس کو کھیلتے دیکھا تھا۔ وہ ایک average پلیئر تھی، یہ کوئی اس کی بیڈمنٹن اور ٹینس skill کو پانچ منٹ دیکھ کر بھی judge کرسکتا تھا۔

لیکن شیردل کے طوطے کبوتر اس وقت اڑ گئے تھے جب اس نے مکسڈ ڈبلز میں عکس مراد علی اور غنی حمید کو جیتتے دیکھا تھا۔ غنی حمید ایچی سن کی ٹینس ٹیم کا شیردل کے بعد سب سے اچھا پلیئر تھا اور عکس مراد علی کے ساتھ مل کر اس نے اورنگ زیب اسحاق اور صوفیہ بدرالدین کی ٹیم کو عکس کی برائے نام participation کے بھی جیت لیا تھا۔ عکس مراد علی نے خود کم کھیلا تھا غنی حمید کو زیادہ کھلایا تھا اور وننگ شاٹ سے بہت پہلے شیردل کو یہ پچھتاوا ہونا شروع ہو گیا تھا کہ اس نے غنی حمید کو واقعی ہی ایچی سن میں Shoot کیوں نہیں کردیا تھا یا کم ازکم لنگڑا کردیتا۔ اس الو کے پٹھے نے اکیڈمی کی اس ہیلن آف ٹرائے کو مکسڈ ڈبلز کی ٹرافی پلیٹ میں رکھ کر پیش کردی تھی۔ اس ہیلن آف ٹرائے کو جو اکیڈمی میں ٹینس پریکٹس کے سیشنز کے دوران اپنا سارا وقت صرف اپنی سروس ٹھیک رکھنے پر صرف کرتی رہی تھی اور اس نے میچ میں صرف کچھ aces لیے تھے یا پھر وہ کورٹ کے ایک کونے میں کھڑی اپنا ریکٹ گھماتی رہی تھی اور غنی حمید نے اپنے کورٹ کے چاروں کونوں میں کسی spider کی طرح بھاگ کر اپنا حشر تو کرلیا تھا لیکن اس نے مکسڈ ڈبلز کی ٹرافی تقریباً تن تنہا اسے جتوادی تھی۔ شیردل نے سنگلز اور ڈبلز کے مقابلوں میں غنی حمید کا مار مار کر بھرکس نکال دیا تھا اور دونوں مقابلے جیتنے کے باوجود اس کا صدمہ اور غصہ ختم نہیں ہوا تھا۔

دو دن بعد بیڈمنٹن کے مکسڈ ڈبلز میں اگرچہ ٹینس والی تاریخ نہیں دُہرائی گئی لیکن وہ میچ جیتنے میں بھی عثمان علی کا رول ستر فیصد تھا۔

شیردل نے اس میچ کے بعد جو تالیاں بجائی تھیں وہ اس ہیلن آف ٹرائے کی ذہانت پر بجائی تھیں جسے اکیڈمی میں دو الو کے پٹھے مل گئے تھے جنہوں نے اسے اسپورٹس میں وہ پوائنٹس دلوادیے تھے جو CTP کی ٹریننگ ختم ہونے کے بعد best probationer کی ٹرافی جیتنے کے لیے ضروری تھے۔

عکس مراد علی ٹینس اور بیڈمنٹن دونوں میں ایک average player تھی۔ وہ اکیڈمی میں لڑکیوں کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتی تھی کیونکہ وہاں بہت سی ایسی لڑکیاں موجود تھیں جو ایسے اداروں سے تعلیم حاصل کرکے وہاں پہنچی تھیں جہاں نہ صرف مختلف کھیلوں کی سہولیات تھیں بلکہ وہ کھیلتی رہی تھیں...... وہ لڑکیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے کسی مقابلے کے فائنل تک کبھی نہیں پہنچتی لیکن اس نے بے حد ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے مکسڈ ڈبلز مقابلوں کے لیے ان دو کھیلوں کے سب سے اچھے کھلاڑیوں کے ساتھ pairing کرلی تھی۔ وہ دو ٹرافیز نہ بھی جیتتے پھر بھی فائنلز تک ضرور پہنچادیتے اس کو...... وہ شیردل کے ساتھ pairing بھی کرلیتی اگر best probationer کے لیے وہ اس کا سب سے قریبی حریف نہ ہوتا...... یہ شیردل کا اندازہ تھا۔

وہ چیس موو تھی...... سوچ سمجھ کر ایک کی جانے والی knight (گھوڑے) کی ٹیڑھی چال...... بظاہر سادہ لیکن بے حد دور اندیش اور سمجھداری سے چلی جانے والی...... جو کم ازکم شیردل کے لیے کاری ثابت ہوئی تھی۔ شیردل ذہانت کے اس مظاہرے پر دانت پیسنے کے بعد عش عش کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

غنی حمید نے میکاولی کی اس فلاسفی پر عمل کیا تھا کہ دشمن کا دشمن آپ کا دوست ہوتا ہے۔ وہ اس کامن میں خود ٹاپ نہیں کرسکتا تھا اور شیردل کو ٹاپ کرتے دیکھ نہیں سکتا تھا...... عکس مراد علی وہ واحد لڑکی تھی جو شیردل کو ہرا سکتی تھی اور غنی حمید نے ہیلن آف ٹرائے کا گھوڑا بننے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں کی تھی۔

عکس مراد علی اور غنی حمید کی دوستی اور شیردل اور عکس مراد علی کی دشمنی کا وہ باقاعدہ آغاز تھا۔ عکس مراد علی نے اس کامن کی best probationer کا اعزاز بے حد آرام سے جیتا تھا۔ best conduct کی ٹرافی بھی اسی کے حصے میں آئی تھی۔ شیردل صرف best sportsman کی ٹرافی حاصل کرسکا تھا۔ وہ پہلا سال تھا جب شیردل کے خاندان کے کسی فرد کے کسی کامن کا حصہ ہوتے ہوئے بھی best probationer کا ایوارڈ کہیں اور گیا تھا۔

☆☆☆

''زندگی میں ایوارڈز اور ٹرافیز سب کچھ نہیں ہوتے لیکن ان کو حاصل کرنے کی قابلیت رکھتے ہوئے بھی حاصل نہ کرپانا بدقسمتی ہے۔'' چڑیا کو ٹھیک سے یاد نہیں تھا خیردین نے اس سے یہ بات کب کہی تھی لیکن اسے یہ ضرور یاد تھا کہ یہ بات خیردین نے ہی کہی تھی۔ خیردین کی باتیں اس کے لیے باتیں نہیں تھیں وہ اس کے لیے quotations تھیں۔ زندگی گزارنے کے گُر...... وہ اس کی زندگی کا پہلا ''بڑا آدمی'' تھا جسے اس نے کبھی ''چھوٹا'' بنتے نہیں دیکھا۔

''بڑا آدمی بننا بہت بڑا کمال ہے لیکن بڑا آدمی بننے کے بعد چھوٹا آدمی نہ بننا اس سے زیادہ بڑا کمال ہے۔''

''نانا آپ مشکل باتیں کرتے ہیں۔'' چڑیا نے اس کی بات سننے کے بعد خیردین سے کہا۔ وہ مسکرادیا۔ ''مشکل باتیں زندگی میں بڑی آسانیاں پیدا کردیتی ہیں۔'' خیردین نے اس سے کہا تھا۔

وہ چھ سیاہ مہینے اب آہستہ آہستہ ان کی زندگی اور رشتے سے اپنی تاریکی اور نحوست کے سائے سمیٹنے لگے تھے...... وہ ڈی سی وہاں سے ٹرانسفر ہو گیا تھا اور اس کے جانے کے بعد خیردین کا وہ خوف بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر بالکل اسی جگہ پر اپنی ریڑھی دوبارہ لگانی شروع کردی تھی جہاں وہ پہلے لگاتا تھا۔ اور کچھ عجیب سی برکت تھی جو اُن کے رزق میں آنا شروع ہوئی تھی۔ اس ریڑھی سے اتنا کچھ بچنے لگا تھا کہ حلیمہ کو گھر میں سلائی کڑھائی کا وہ کام نہیں کرنا پڑتا تھا جو اس نے شہر میں آنے کے بعد شروع کیا تھا۔

دو سال میں خیردین نے ریڑھی کے بجائے اسی علاقے میں ایک چھوٹی سی دکان لے لی تھی۔ چڑیا اب مڈل میں آگئی تھی اور وہ اب خیردین کے ساتھ اس ریڑھی پر بیٹھنا چھوڑ چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی خیردین نے پھلوں کا کاروبار بھی ختم کردیا تھا۔ اس کی دال اب اتنی بکنے لگی تھی کہ اس کے پاس پھلوں کا کاروبار کرنے کا نہ تو وقت تھا نہ ضرورت۔

ایک کمرے کے کرائے کے مکان سے وہ اب دو کمروں کے ایک بہت بہتر مکان میں کرائے پر رہنے لگے تھے اور انہی دو سالوں میں خیردین کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کرنا پڑا تھا...... حلیمہ کی دوبارہ شادی کا...... وہ اسی محلے میں رہنے والا ایک خاندان تھا جس کا ایک بیٹا کویت میں کئی سالوں سے مقیم تھا...... ایک کار ایکسیڈنٹ میں اس

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

آدمی کی بیوی تین چھوٹے بچے چھوڑ کر مرگئی تھی اور وہ تین بچے اب مختلف مسائل کا شکار تھے۔ وہ آدمی نہ تو انہیں اکیلا اپنے پاس رکھ پار ہا تھا نہ ہی پاکستان میں ان کی دیکھ بھال سے مطمئن تھا اور تبھی محلے کے ایک شخص کے توسط سے خیردین سے حلیمہ کا ہاتھ مانگا گیا۔ جس نے کچھ عرصہ اس آدمی کے گھر کی عورتوں کے لیے سلائی کڑھائی کا کام کیا تھا۔

خیردین کے لیے یہ ایک عجیب آزمائش کا موقع تھا۔ اس نے کبھی حلیمہ کی تیسری شادی کا نہیں سوچا تھا۔ اس کے دوسرے شوہر کی وفات کے بعد حلیمہ خود بھی ایک بار پھر ایسے رشتے میں بندھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ تینوں ایک فیملی کے طور پر اپنی زندگی سے مطمئن تھے لیکن چڑیا کے بعد آنے والے کرائسس میں خیردین کو پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اس کو کچھ ہو جانے کی صورت میں حلیمہ اور چڑیا کتنے مسائل کا شکار ہو سکتی تھیں۔ فکرمندی کا یہی احساس تھا کہ اس آدمی کے رشتے کی بات کرنے پر خیردین نے فوری انکار کرنے کے بجائے غور کرنے کے لیے کچھ وقت مانگا تھا لیکن خیردین نے حلیمہ سے بھی پہلے اس مسئلے پر چڑیا سے بات کی تھی۔

وہ اسے ایک دن اسکول کے بعد گھمانے کے لیے ایک پارک لے گیا تھا اور وہاں اسے آئس کریم کھلاتے ہوئے خیردین نے اس سے پوچھا تھا۔

''بیٹا اگر تمہاری امی کی شادی ہو جائے اور وہ پاکستان سے چلی جائیں تو تمہیں کیسا لگے گا؟'' چڑیا خیردین کے اس بے ربطگی سے کیے ہوئے مبہم سوال پر آئس کریم کا کپ ہاتھ میں پکڑے کچھ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

''مجھے؟''

''ہاں تمہیں۔'' خیردین نے متانت سے کہا۔

''آپ امی کی شادی کر رہے ہیں؟'' چڑیا کی زندگی میں خوف کا ایک اور لمحہ آیا تھا۔

''تمہیں برا لگے گا اگر میں ان کی شادی کردوں تو؟'' خیردین نے اس کے سوال پر چڑیا سے ایک اور سوال کیا۔

''لیکن وہ کیوں شادی کریں گی......؟ ہم سب خوش ہیں۔'' چڑیا نے خیردین کی طرف دیکھا۔

''تمہارا نانا بہت بوڑھا ہے چڑیا اور تمہاری امی نے زندگی میں کبھی اپنا گھر، خوشی نہیں دیکھی۔ ہماری زندگی کی واحد خوشی صرف تم رہی ہو...... لیکن میں بعض دفعہ سوچتا ہوں کہ اگر آج مجھے کچھ ہو گیا تو تمہارا اور حلیمہ کا کیا ہوگا؟ میرے بعد تم دونوں دال کی وہ دکان تو نہیں چلاسکتیں...... رشتے دار جیسے ہیں میرے وہ تم پہلے ہی دیکھ چکی ہو...... میں تم دونوں کے لیے بہت ڈرتا ہوں۔''

خیردین اب اس کے ساتھ اپنے وہ خدشات شیئر کر رہا تھا جو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیے تھے اور اس کی باتیں چڑیا کو رنجیدہ کرنے لگی تھیں۔ اس نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کا بہادر نانا اس کے اور اس کی ماں کے حوالے سے کچھ خدشات بھی رکھ سکتا تھا۔ خیردین اسی رسانیت سے اس سے کہہ رہا تھا۔

''اب ایک موقع مل رہا ہے کہ میں تمہاری امی کی شادی کر کے ان کا ایک گھر بنا سکوں تو میں اسے ضائع نہیں کروں گا۔ اس لیے ضائع نہیں کروں گا تاکہ اگر کل کو مجھے کچھ ہو جائے تو تمہاری اور تمہاری امی کی دیکھ بھال کے لیے کوئی ہو۔'' چڑیا نے یک دم خیردین کا بازو پکڑ لیا۔

''نانا آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔'' چڑیا نے جیسے بہت خوفزدہ ہو کر خیردین سے کہا۔

''ہاں بیٹا مجھے کچھ نہیں ہوگا...... لیکن اگر کچھ ہو گیا تو......؟'' خیردین نے اسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔

''آپ امی کی شادی کر دیں گے تو پھر وہ تو چلی جائیں گی ہمارے گھر تو نہیں رہیں گی۔'' چڑیا اب رنجیدگی سے خیردین کو جیسے وہ تصویر دکھانے کی کوشش کر رہی تھی جو اسے خوفزدہ کر رہی تھی۔

''ہاں وہ ہمارے گھر ہمارے ساتھ نہیں رہیں گی لیکن ان کا اپنا ایک بہت اچھا سا گھر ہوگا جیسے سب عورتوں کا ہوتا ہے۔''

''لیکن نانا ہمارا بھی تو گھر ہے نا، وہ امی کا ہی تو گھر ہے۔'' چڑیا نے خیردین کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''ہاں یہ بھی تمہاری امی کا گھر ہے لیکن یہ کرائے کا گھر ہے...... شادی کے بعد ان کا اپنا گھر ہوگا، ان کا شوہر ان کا خیال رکھے گا۔ ان کی ذمے داریاں اٹھائے گا پھر تمہاری امی اور تمہارے نئے ابو تمہاری ذمے داری بھی اٹھا سکتے ہیں۔'' چڑیا کو خیردین کی باتیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں لیکن وہ سنتی رہی۔ اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ ناخوش تھی خیردین کو یہ جاننے میں نہ تو زیادہ دقت ہوئی تھی نہ ہی تعجب...... اس کی جگہ کوئی بھی بچہ ہوتا جس نے ساری عمر اپنی زندگی صرف دو لوگوں کے ساتھ گزاری ہوتی تو وہ اس صورت حال میں ناخوش ہی ہوتا بلکہ اس سے کہیں زیادہ ناخوش ہوتا چڑیا ہوئی تھی۔ آئس کریم کا پورا کپ اس دن چڑیا کے ہاتھ میں ہی پگھل کر گرم اور پھر بے مزہ ہو گیا تھا۔

وہ اس دن واپس گھر جاتے ہوئے بے حد اداس تھی اور اس اداسی کے ساتھ بھی اس نے حلیمہ کو گھر جا کر بڑے غور سے دیکھا تھا...... کیا اس کی امی واقعی شادی کرنا چاہتی تھیں......؟ اسے چھوڑ کر کسی دوسرے آدمی کے ساتھ چلی جانا چاہتی تھیں؟ اسے حلیمہ کو دیکھتے ہوئے یہ یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ واقعی اس گھر سے جانا چاہتی تھیں لیکن بہت آہستہ آہستہ ابتدائی شاک سے ابھرنے کے بعد چڑیا نے جیسے اپنی ماں کے لیے اس سے بہتر گھر اور بہتر زندگی کا خواب دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ لاشعوری طور پر اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی ماں کے لیے ویسا ہی گھر تصور کر رہی تھی جس گھر میں وہ ساری زندگی رہتی رہی تھی...... تو اس کی امی بھی ایک ڈی سی ہاؤس جیسے گھر میں رہیں گی اور ان کے ساتھ رہنے والا ان کا شوہر ان کا ویسے خیال رکھے گا جیسے...... اور اس جیسے کے بعد چڑیا کی آنکھوں کے سامنے وہ تمام آفیسرز اور ان کی بیویاں گھومنے لگی تھیں جن کے ساتھ وہ رہ چکی تھی...... اس کا دل عجیب طرح سے ماں کے حق میں موم ہوا تھا...... اس کی ماں کے لیے بھی نوکر ہوں گے جو اس کے لیے سارے کام کیا کریں گے اور وہ صرف آرام کرے گی یا پھر حکم دے گی...... اور اس کی ماں کے پاس بہت سارے اور اچھے اچھے کپڑے اور زیور ہوں گے اور وہ بھی ایک گاڑی میں گھوما کرے گی۔

خیردین کو یہ نہیں پتا تھا کہ چڑیا ساری رات کیا سوچتی رہی تھی لیکن چڑیا نے اگلے دن صبح سویرے اسکول جانے سے پہلے خیردین سے کہا تھا۔

''نانا آپ امی کی شادی کر دیں...... مجھے بہت اچھا لگے گا جب امی کے پاس بہت ساری چیزیں، ایک بڑا سا گھر اور گاڑی ہوگی تو......'' اس کی آواز بات کرتے کرتے غیر محسوس انداز میں بھرا گئی تھی، خیردین کا دل بھی بھر آیا

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

تھا۔ وہ ایک بچے کے طور پر ایثار کے مفہوم سے آشنا نہ ہونے کے باوجود اپنی ماں کے لیے ایثار کرنے پر تیار تھی۔ اپنی ماں کی اچھی اور بہتر زندگی کے لیے...... خیر دین جانتا تھا کہ چڑیا عام بچوں جیسی نہیں تھی اس کے لیے پھر بھی یہ ماننا مشکل تھا کہ وہ اتنے آرام سے اپنی ماں کی زندگی میں سے خود کو نکالنے پر تیار ہوگئی تھی لیکن حلیمہ اتنی آسانی سے ان لوگوں کی زندگی میں سے نکلنے پر تیار نہیں ہوئی تھی۔ اسے منانے پر خیر دین کو ہفتوں لگ گئے تھے اور شاید مہینوں لگتے کے بعد بھی حلیمہ کبھی ایک اور شادی پر تیار نہیں ہوتی اگر اس نے خیر دین کے گاؤں میں چند مہینے نہ گزارے ہوتے اور اپنے رشتے داروں کے ہاتھوں اپنے مستقبل کی ایک بھیانک تصویر نہ دیکھ لی ہوتی۔ کہیں نہ کہیں اس کے لاشعور میں بھی یہ خوف تھا کہ خیر دین اگر ان کی زندگی سے چلا گیا تو کیا ہوگا اور خاص طور پر چڑیا کا کیا ہوگا۔ وہ اکیلی تنہا عورت کے طور پر اسے کیسے پالے گی۔ وہ روتے دھوتے اور بادل ناخواستہ ہی سہی پر اس شادی پر تیار ہوگئی تھی جس کے بعد اسے کم از کم اپنے لیے زندگی اچھی نظر آرہی تھی لیکن وہ جانے سے پہلے چڑیا سے بہت سارے وعدے کر کے گئی تھی...... اسے بہت ساری یقین دہانیاں کروا کر گئی تھی۔

”چڑیا تم میری واحد اور پیاری اولاد ہو...... میرے دل کا ٹکڑا ہو...... میں ایک اور گھر میں جارہی ہوں لیکن مجھے جتنی محبت تم سے ہے دنیا میں کسی سے نہیں...... کبھی کسی اور سے نہیں ہوسکتی۔“ وہ شادی سے ایک رات پہلے بلک بلک کر روتے ہوئے چڑیا سے کہہ رہی تھی۔ چڑیا ماں کی باتوں سے زیادہ اس کے رونے کی وجہ سے رو رہی تھی...... پتا نہیں کیوں اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ حلیمہ شادی کی بات پر خوش ہوجائے گی۔ ایک اچھا سا گھر ملنے کی امید پر وہ پھولے نہیں سمائے گی پر وہ جس طرح ان چند ہفتوں میں اس گھر میں روتی اور بولائی پھرتی تھی اس نے چڑیا کو عجیب انداز میں پریشان کیا تھا...... کہیں نہ کہیں اس نے اپنے ذہن میں ایک بڑے سے گھر کے تصور پر بھی غور کرنا شروع کردیا تھا...... کہیں نہ کہیں گھر کی اس تعریف میں کچھ خامی تھی جو چڑیا کے ذہن میں تھا اور چڑیا یہی دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کیا خامی تھی لیکن اس کی عمر میں وہ خامی نظر اور سمجھ نہیں آسکتی تھی۔ گھر اور خاندان کا فرق سمجھنا آسان نہیں ہوتا...... بڑوں کے لیے بھی اور وہ تو محض ایک بچی تھی۔

”میں تم سے روز بات کروں گی فون پر، روز ملنے آیا کروں گی تم سے اور جب میں نہیں آؤں گی تب تمہیں اپنے پاس بلالوں گی...... یہاں پاس ہی تو گھر ہوگا میرا۔“ حلیمہ اس سے کہتی جارہی تھی وہ جیسے چڑیا سے زیادہ خود کو فریب دے رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ شادی کے شاید کچھ ہی ہفتوں کے بعد اسے مستقل طور پر اپنے شوہر کے ساتھ کویت چلے جانا تھا اپنے شوہر کے تین بچوں کی دیکھ بھال کے لیے اور پاکستان سے چلے جانے کے بعد زندگی کے اس بہاؤ میں وہ چڑیا کے لیے کہاں سے اور کیسے وقت نکال سکتی تھی۔ کہیں نہ کہیں یہ تلخ حقیقت ہی بھوت بن کر اسے ڈرا اور رُلا رہی تھی لیکن وہ اسے سچ ماننے پر تیار نہیں تھی وہ بھوت کو وہم ہی رکھنا چاہتی تھی وہم ہی ماننا چاہتی تھی۔

چڑیا نے حلیمہ کے ہر وعدے پر سر ہلا دیا تھا۔ اس وقت اسے بھی یقین تھا کہ حلیمہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ یقیناً کر پائے گی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اسے احساس ہوگیا تھا کہ فاصلہ زندگی میں بہت سی چیزوں کا مفہوم بدل دیتا ہے، بہت سی چیزوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ رشتوں پر، ان کی گہرائی پر، ان کی ضرورت پر، ہر چیز پر۔

حلیمہ جب تک پاکستان میں رہی تھی وہ واقعی چڑیا پر بہت توجہ دیتی رہی تھی شادی کے بعد بھی۔ اس کا شوہر بھی ایک کم پڑھا لکھا لیکن اچھا آدمی تھا۔ وہ کویت میں ایک ائر کنڈیشنگ پلانٹ میں بہت عرصے سے کام کررہا تھا اور بہت اچھا کماتا تھا۔ شادی کے دو مہینے کے بعد حلیمہ اس کے اور اس کے تین بچوں کے ساتھ پاکستان سے چلی گئی تھی۔

چڑیا کی زندگی میں اداسی اور تنہائی نئے سرے سے آئی تھی۔ حلیمہ اسے کویت سے باقاعدگی سے فون کیا کرتی تھی وہ اپنی نئی زندگی سے بہت خوش تھی اور اس کی خوشی نہ چاہنے کے باوجود بھی چڑیا کو اداس کرتی تھی۔ خیر دین نے حلیمہ کے چلے جانے کے بعد چڑیا پر پہلے سے بھی زیادہ توجہ دی تھی۔ اب ان دونوں کی زندگی میں صرف وہی تھے ایک

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

دوسرے کے لیے۔ کوئی تیسرا انہیں تھا اور جوں جوں چڑیا بڑی ہو رہی تھی خیر دین پہلے کی نسبت کچھ مطمئن ہو رہا تھا۔ وہ اب گھر خود سنبھال لیتی تھی، خیر دین کو اس کے اور گھر کے ہر کام کے بارے میں پریشان نہیں ہونا پڑتا تھا۔ اس کا کاروبار آہستہ آہستہ بہت مستحکم ہوتا جا رہا تھا۔ خیر دین کی دال اس شہر میں اپنی پہچان بنا چکی تھی اور جب تک چڑیا نے میٹرک کیا خیر دین پانچ مرلے کا ایک گھر خرید چکا تھا۔ ان کے سر پر بالآخر اپنی چھت آ گئی تھی۔

چڑیا کو گلبرڈ میں تعلیم کے لیے بھیجنا خیر دین کا ایک اور خواب تھا اور چڑیا نے خیر دین کا یہ خواب کسی مشکل کے بغیر پورا کر دیا۔ وہ میٹرک بورڈ میں پوزیشن لینے کے بعد کسی بھی ادارے میں آرام سے اسکالرشپ پر پڑھ سکتی تھی لیکن وہ خیر دین کو چھوڑ کر ہاسٹل جانے سے ہچکچا رہی تھی۔

''کتنی لڑکیوں کو اس کالج میں اسکالرشپ پر جا کر پڑھنے کا موقع ملتا ہے چڑیا...... تم نے کبھی سوچا ہے اور اب تمہیں موقع مل رہا ہے تو تم اسے میرے لیے ضائع کرنا چاہتی ہو۔'' خیر دین نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''نانا میں آپ کو یہاں اکیلا کیسے چھوڑ دوں؟'' چڑیا نے خیر دین سے کہا۔

''کل کو جب تم میڈیکل کالج میں جاؤ گی تب بھی تو میں اکیلا ہی رہوں گا اور میں اکیلا نہیں ہوں چڑیا...... تم ہر وقت میرے ساتھ میرے پاس ہوتی ہو۔'' خیر دین اسے پیار سے سمجھا رہا تھا...... ''میں چاہتا ہوں تم بہت پڑھو، پاکستان کی ایک بڑی ڈاکٹر بنو۔ پاکستان سے باہر تک اسپیشلائزیشن کرنے جاؤ۔ تم اپنے نانا کے لیے کب تک اس شہر میں رکی رہو گی۔'' چڑیا نے ایک بار پھر خیر دین کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس نے زندگی میں خیر دین سے کبھی اگر ضد کی بھی تھی تو نو سال کی عمر میں ہونے والے اس حادثے کے بعد کبھی نہیں...... اس نے جیسے اپنا یہ حق ان تکلیفوں کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا جو خیر دین کو اس نے اپنی وجہ سے اٹھاتے دیکھا تھا۔ اس حادثے کے بعد کے چھ سالوں نے چڑیا کو بہت خاموش کر دیا تھا۔ وہ traumatized نہیں تھی نہ ہی نفسیاتی طور پر بہت زیادہ مسائل کا شکار ہوئی تھی اور اس کا سارا کریڈٹ خیر دین کے بعد سسٹر ایگنس کو جاتا تھا جنہوں نے میٹرک تک اس اسکول میں چڑیا پر ہمیشہ ذاتی توجہ دی تھی۔ خیر دین میں کبھی اتنی ہمت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ چڑیا سے اس حادثے کے حوالے سے بات کر پاتا۔ چڑیا سے بہت قریب ہونے کے باوجود خیر دین کبھی اس سے اس ایشو پر کھل کر بات نہیں کر سکا تھا۔ سسٹر ایگنس نے یہ کام ایک بار نہیں بہت بار کیا تھا۔

''جو کچھ ہوا وہ تمہاری کسی mistake کی وجہ سے نہیں ہوا اور جو کچھ ہوا وہ ایک حادثہ تھا، بہت برا اور تکلیف دہ لیکن it was just an accident حادثوں کو بھول جانا چاہیے۔'' انہوں نے پہلی بار ایک لرزتی کانپتی زرد چہرے والی چڑیا سے کہا تھا۔

''یہ جو کچھ ہوا یہ بس اتنا ہی تکلیف دہ ہے جس طرح کوئی ہمیں کوئی اور چوٹ لگا دے...... کوئی انجری ہو جائے بس...... اس سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں ہے اس کی...... کوئی عزت کم زیادہ نہیں ہوتی اس سے اور تم بہت بہادر لڑکی ہو تمہیں اس ہمیشہ یہی یاد رکھنا ہے۔'' سسٹر ایگنس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ پتا نہیں چڑیا کو بات سمجھ آئی یا نہیں آئی لیکن حوصلہ اسے صرف ایک بات سے ملا تھا اور وہ یہ کہ وہ اب بھی چھوت کی بیماری نہیں تھی کسی کے لیے۔ اور انہیں اس کے زخم کریدنے میں دلچسپی نہیں تھی صرف مرہم رکھنے میں تھی۔ خیر دین کا سسٹر ایگنس، خیر دین اور چڑیا کے درمیان ہی رہا تھا...... کانونٹ کی کوئی اور ٹیچر یا سسٹر کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا، کانونٹ میں کسی سے نظریں چرا کر یا سر جھکا کر نہیں رہنا پڑا۔

سسٹر ایگنس نے چڑیا کو کانونٹ کے ہر نصابی غیر نصابی مقابلے میں ہمیشہ شیر کی طرح اتارا تھا اور چڑیا ہمیشہ شیر ہی کی طرح مقابلہ کرتی رہی تھی۔ کانونٹ کے کسی اسٹوڈنٹ نے اس سے پہلے کانونٹ میں انٹر اسکولز مقابلوں کی شیلڈز

www.Paksociety.com

اور ٹرافیز کا وہ ڈھیر نہیں لگایا تھا جو چڑیا نے لگا دیا تھا۔ بہت کم ہی ایسا ہوا تھا کہ وہ کسی مقابلے میں جاتی اور پہلی پوزیشن کے علاوہ کسی اور پوزیشن کی حقدار ٹھہرتی۔

چڑیا کی زندگی میں اس کانونٹ کا اور سسٹر ایگنس کا جو رول تھا وہ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس کے لیے مسیحا کی حیثیت رکھتے تھے۔ کچھ ایسا ہی فخر سسٹر ایگنس بھی اپنی اس اسٹوڈنٹ پر رکھتی تھیں۔ انہوں نے چڑیا پر جتنی توجہ دی تھی چڑیا نے انہیں اس سے بڑھ کر رزلٹ دیے تھے۔

تین سال بعد سسٹر ایگنس کا وہاں سے ٹرانسفر ہو گیا تھا لیکن جانے سے پہلے انہوں نے ایک بار پھر چڑیا کے ساتھ بہت ساری باتیں کی تھیں۔

”زندگی میں ہونے والے یہ حادثے شرم سے مر جانے والے ان کے لیے ہونے چاہئیں جو ان کے ذمے دار ہیں، ان کے لیے نہیں جو نشانہ بنے ہوں۔ کبھی بھی اس تکلیف دہ واقعے کو اپنی زندگی کا وہ کنواں مت بننے دینا جس کی گہرائی اور تاریکی تمہاری پرسنالٹی تمہاری positivity تمہارے سارے ٹیلنٹ کو کھا جائے گا۔ کبھی اپنے آپ پر اس ایک واقعے کی وجہ سے ترس مت کھانا، کبھی نہیں۔ تم اس کانونٹ کی سب سے برائٹ اسٹوڈنٹس میں سے ایک ہو one day you will make us proud of you“ وہ ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔ اس نے سسٹر ایگنس کی باتوں کو ہمیشہ اسی طرح سنا تھا...... لیکن یہ پہلا موقع تھا جب اسے سسٹر ایگنس کی باتوں کی پہلے سے زیادہ سمجھ آئی تھی۔ سسٹر ایگنس نے اس کے ساتھ گزارے ہوئے سالوں میں چڑیا کے زخموں پر ایسے بہت سے مرہم وقتاً فوقتاً رکھے تھے لیکن اس کے باوجود، بہت ساری چیزیں ایسی تھیں جنہیں وہ چڑیا کے اندر سے ختم نہیں کر سکی تھیں۔ وہ بہت ریزروڈ بہت خاموش طبع تھی...... کسی کو بہت قریبی دوست بنانا اس کی زندگی کا جیسے مشکل ترین کام تھا۔ اس کے لیے لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارنا اور خاموشی سے ان کی بات چیت سن لینا آسان تھا لیکن اس کے لیے کسی کے ساتھ بھی ایک خاص حد سے زیادہ بے تکلفی پیدا کرنا بہت مشکل تھا اور ایسا کیوں تھا یہ چڑیا خود بھی کبھی نہیں سمجھ سکی اور یہ دقت اسے کنیئرڈ میں بھی رہی تھی۔

کہیں نہ کہیں فاطمہ کو لوگوں پر اعتبار کرنے میں مشکل کا سامنا تھا اور یہ مشکل کیوں تھی...... اس کے پاس وجوہات کی لمبی فہرست تھی۔ حالانکہ کنیئرڈ تک پہنچتے پہنچتے زندگی اس کے بہت سے مسئلے حل کر چکی تھی۔

خیر دین شہر کے بارونق ترین علاقے میں ایک دکان چلا رہا تھا جس کی دال کھانے کے لیے لوگ بہت دور دور سے آتے تھے اور جس کا پکا ہوا کھانا شام ہونے سے پہلے ختم ہو جاتا تھا۔ اب اس دکان پر خیر دین کے پاس پانچ کام کرنے والے ملازم تھے۔ اس کے باوجود رش اتنا رہتا تھا کہ خیر دین بے انتہا کوشش کے باوجود بھی ایک خاص تعداد سے زیادہ گاہک نہیں بھگتا سکتا تھا۔

خیر دین کا پانچ مرلے کا خریدا ہوا گھر اب ڈبل اسٹوری ہو چکا تھا۔ اس کی اوپر والی منزل اب کسی کرائے دار کے پاس تھی۔ خیر دین کے لیے چڑیا کے چلے جانے کے بعد نیچے والا حصہ بھی ضرورت سے بہت زیادہ تھا اور اس گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔

زندگی کا وہ مشکل دور بہت جدوجہد سے ہی سہی لیکن آہستہ آہستہ گزر گیا تھا لیکن اس کے نقوش اور اثرات ان تمام لوگوں کی زندگیوں پر تھے جو اس میں سے گزرے تھے اور ان تمام سالوں کے بعد اپنے زندگی کے پُرسکون ترین دنوں میں فاطمہ کو اپنی زندگی کے بدترین دنوں کا خیال نہ آتا اگر اس نے کالج کے اس تقریری مباحثے میں ایبک کو نہ دیکھ لیا ہوتا...... فاطمہ نے ایبک کو اس کے نام سے پہچانا تھا۔ وہ نام اس کی یادداشت کے ہر خانے پر جیسے نقش تھا۔ اس نے ایبک کو اس کے چہرے سے پہچانا تھا۔ وہ آج بھی اس کے چہرے کو بھول نہیں پائی تھی اور اس نے ایبک کو اپنی سن کے حوالے سے پہچانا تھا...... صرف سات سال ہی تو گزرے تھے گرمیوں کے اس ایک مہینے کو جو ایبک نے اس ڈی سی

ہاؤس میں اسے ٹینس سکھاتے اور اس کے ساتھ چیس کھیلتے ہوئے گزارے تھے۔ سات سال اتنا لمبا عرصہ تو نہیں ہوتا کہ وہ اسے پہچان نہ لیتی...... اور اگر وہ اسے پہچان سکتی تھی تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ایبک اسے نہ پہچان پاتا۔

وہ فاطمہ کی زندگی کا پہلا مقابلہ تھا جس میں فاطمہ نے کوئی انعام حاصل نہیں کیا تھا...... وہ صرف تالیاں بجانے والوں میں شامل تھی یا اس کی نظریں بار بار ایبک پر بھٹکتی رہی تھیں لیکن اس نے ایبک کو ایک بار بھی اپنی طرف متوجہ نہیں پایا تھا۔ اسے اطمینان ہوا تھا وہ اسے نہیں پہچانا تھا...... اور اگر پہچان گیا تھا تو......

اس دن ہاسٹل میں واپس آ کر فاطمہ نے اپنے سامان میں سے کئی سال پہلے ایبک کی دی ہوئی ایک ٹینس بال نکال کر دیکھی تھی جس پر ایبک نے اپنے سگنیچر کر کے دیے تھے اور ان سگنیچر کے ساتھ ایک جملہ اور بھی تھا۔

”I win coz I can“ وہ اس گیند کو پکڑے بہت دیر اس پر لکھی وہ تحریر دیکھتی رہی یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں نمی آنے لگی تھی۔

”اس ٹینس بال کو بہت carefully رکھنا اپنے پاس...... کیونکہ ایک دن میں بہت بڑا ٹینس اسٹار بن جاؤں گا پھر تو میں کسی کو بھی اس طرح اپنے آٹوگرافس نہیں دوں گا۔ but I like you....and you are a friend تو اس لیے میں تم کو دے رہا ہوں۔“ ایبک نے یہ گیند اس کے لیے سائن کرتے ہوئے بلا کی خود اعتمادی کے ساتھ کہا تھا۔ چڑیا نے تب اس سے یوں عقیدت کے ساتھ بے حد مرعوب ہوتے ہوئے وہ گیند لی تھی جیسے وہ واقعی کسی مستقبل کے سپر اسٹار سے وہ گیند لے رہی تھی۔

اس نے نم آنکھوں کے ساتھ وہ گیند واپس اسی بیگ میں ڈال دی جس میں ایبک کی دی ہوئی اور بہت ساری چیزیں تھیں۔ ایبک کی چین، دو بال پوائنٹ، ایک جیپ کی شکل کا شاپنر، ایبک کی بنائی ہوئی چند ڈرائنگ اور چڑیا کا پنسل سے بنایا ہوا ایک اسکیچ...... چند تتلیاں جو ایک ڈائری کے اندر رکھی ہوئی تھیں اور شیشے کے ایک جار میں پڑے چند کیڑے مکوڑے جن کی حالت اب اتنے سالوں بعد کچھ کی کچھ ہو گئی تھی۔ فاطمہ کو ہمیشہ چیزیں بہت احتیاط سے رکھنے کی عادت تھی چاہے وہ کسی کی بھی دی ہوئی ہوتیں اور یہ تو ایبک کی دی ہوئی چیزیں تھیں۔ اس ڈی سی ہاؤس سے باہر پھینکے جانے والے سامان میں چڑیا کا واحد اثاثہ یہی ایک بیگ تھا۔ وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا دوست تھا اور آخری بھی۔ چڑیا کو زندگی میں دوبارہ کبھی کوئی ایبک نہیں ملا تھا جس سے وہ باتیں کر پاتی جو وہ ایبک سے کرتی تھی۔

☆☆☆

”سر وہ ڈی سی او آپ سے فوری طور پر بات کرنا چاہتی ہیں۔“ آپریٹر کی آواز شیر دل کو جیسے کسی خواب میں آنے والی آواز لگی تھی۔ وہ چند سیکنڈز پہلے انٹر کام کی آواز سے ہی ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔ پچھلی رات شہر بانو اور مثال کو ائرپورٹ پر سی آف کر کے لاہور سے سیدھا اپنے گھر آ گیا تھا۔ لاہور میں دو دن کے stay کے دوران اس کی نیند نہ ہونے کے برابر رہی تھی اور واپس آتے ہی وہ گہری نیند سو گیا تھا۔

نیم تاریکی میں ہی کسی میکانکی انداز میں اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک ہاتھ سے لیٹے لیٹے فون اٹھایا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اپنی رسٹ واچ اٹھا کر وقت دیکھا تھا۔ رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ کسی ایمرجنسی کے علاوہ آپریٹر اسے کال نہیں کر سکتا تھا۔

”ڈی سی او آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔ Its emergency“ اس کے ریسیور اٹھاتے ہی آپریٹر نے عکس مراد علی کی designation اور شہر کا نام لیتے ہوئے اسے ایک بار پھر کہا تھا۔

”عکس مراد علی؟“ شیر دل کو لگا اس نے نیند میں کچھ غلط سنا تھا۔

”yes sir“ آپریٹر نے تصدیق کی۔ شیر دل بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

”کال ملاؤ۔“ اس نے آپریٹر کو ہدایت کرنے کے بعد فوری طور پر سائیڈ ٹیبل لیمپ آن کیا۔ اس کی آنکھیں نیند

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

سے بوجھل تھیں لیکن اس کا دماغ یک دم الرٹ ہوگیا تھا۔ ایسی کیا ایمرجنسی ہوسکتی تھی کہ وہ اسے رات کے اس پہر کال کررہی تھی۔ ابھی پچھلی ہی رات وہ کچھ اور نہیں سوچ سکا۔ اس نے عکس کی آواز فون پر سنی تھی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو۔ تمہارے بیڈروم میں TV ہے؟" عکس نے کسی تمہید کے بغیر پوچھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے بری طرح الجھا۔

"ہاں ہے۔"

"تو پھر TV لگاؤ۔" وہ اسے ایک نیوز چینل کا نام بتاتے ہوئے ٹی وی لگانے کا کہہ رہی تھی۔ شیر دل نے کچھ پریشانی کے عالم میں بیڈ سائڈ ٹیبل پر ریموٹ ڈھونڈنا شروع کردیا۔

"خیریت ہے؟" اس نے اس تلاش کے دوران عکس سے پوچھا اسے اس کی آواز بے حد بجھی ہوئی لگی تھی۔

"نہیں ہے خیریت۔ I'm in a big mess۔" وہ اسے بتا رہی تھی اور بالکل اسی وقت شیر دل نے ریموٹ ڈھونڈ کر سامنے لگی LCD آن کی۔ ایک نیوز چینل پر کسی پولیس اسٹیشن پر ایک بے حد قیمتی گاڑی اور اس میں سے نکل کر پولیس کی حراست میں اندر جانے والے ایک مرد کی فوٹیج بار بار چل رہی تھی۔ جسے شراب نوشی کرتے ہوئے کچھ دیر پہلے کسی سگنل پر پولیس کی کسی موبائل نے اپنی حراست میں لے لیا تھا۔ وہ ایک معروف سیاست دان کا بیٹا تھا اور اس کا نام جواد ملہی تھا...... لیکن شیر دل کا ذہن جو چیز دیکھ کر بھک سے اڑا تھا وہ TV اسکرین پر چلتی پٹی پر آنے والی اس واقعے کے حوالے سے ایک خبر تھی جس میں ملزم کی منگیتر کے طور پر عکس مراد علی کا نام اس کے عہدے کے ساتھ چل رہا تھا۔

"میں تمہیں کچھ دیر بعد فون کرتا ہوں۔" شیر دل نے TV اسکرین پر اس فوٹیج اور پٹی پر چلنے والی خبر پر ایک نظر ڈالنے کے بعد عکس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اسے کہا اور فون بند کردیا۔

☆☆☆

خیر دین نو سال بعد اپنے گاؤں پہلی بار تب گیا تھا جب فاطمہ کو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ملا تھا۔ وہ اپنا یہ فخر جیسے اپنے پورے گاؤں میں بانٹنے اور بتانے گیا تھا...... اس کی نواسی اس علاقے اور اس گاؤں کی پہلی ڈاکٹر بننے والی لڑکی تھی جو ایف ایس سی میں بورڈ کو ٹاپ کرتے ہوئے وہاں پہنچی تھی۔ وہ نو سال پہلے اس گاؤں سے دھکے کھاتے ہوئے سر جھکائے روتا ہوا اپنے دل میں یہ حسرت لیے وہاں سے گیا تھا کہ اس کی نسل میں کوئی مرد ہوتا تو شاید...... اور اس شاید کے آگے کا جواب خود خیر دین کو بھی نہیں آیا تھا۔ اس کی نسل میں ایک مرد ہوتا تو خیر دین کے لیے کیا کرتا؟ اس طرح لڑتا جس طرح اس کے اجڈ اور جاہل بھتیجے اس سے لڑ رہے تھے؟ اس کے ساتھ مار کھانے کے لیے ہر اس جگہ جاتا جہاں خیر دین گیا تھا اور ذلیل ہوکر آیا تھا؟ اس کا نام روشن کرتا اور نام روشن کرنے کے لیے خیر دین کو کسی مرد کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ کام تو چڑیا نے بھی کرلیا تھا...... خیر دین نے ساری عمر بھی ایک خواب دیکھا تھا...... چڑیا کو ایک بہت بڑی ڈاکٹر بنانے کا خواب اور پھر اس گاؤں میں ایک اسپتال بنانے کا خواب......

گاؤں میں اس بار بھی اس کا استقبال مختلف طریقے سے ہوا تھا۔

☆☆☆

"شہر بانو اگر میں کبھی دوسری شادی کرنا چاہوں تو تم کیا کرو گی؟" Emirates ائیر لائنز میں بیٹھے ایک فلم دیکھتے ہوئے شہر بانو کو پتا نہیں کیوں شیر دل کا سوال یاد آیا تھا۔ وہ پچھلی رات کی بات تھی جب وہ اس سے عکس کے حوالے سے پوچھ رہی تھی اور بہت دیر خاموش رہنے کے بعد شیر دل نے یک دم اس سے پوچھا تھا۔

باقی آئندہ ماہ پڑھیں

بوجھ

سیما یاسمین مجتبیٰ

جاب تلاش کرتے ہوئے منزہ تھک کر آخری ... میں داخل ہوئی جہاں انٹرویو تھا اور پھر اسے ... سیلری پر فیلڈ جاب مل جاتی۔ کام کی نوعیت ... انٹرویو کے دوران بتائی جاتی تھی۔

آفس میں دو مرد اور ایک خاتون ٹیبل کے دوسری طرف بیٹھے تھے۔ لمبی سی میز پر سبز کپڑا پڑا ہوا تھا جیسا کہ گورنمنٹ آفسز میں ہوتا ہے اور دیوار پر قائداعظم کی تصویر لگی تھی جو منزہ کو اداس سی محسوس

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ہوئی۔ ظاہر ہے اپنے ملک کے عوام پر ظلم و جبر اور زبردستی تنگدستی میں مبتلا کیے جانے پر اب تو قائداعظم کی تصویریں بھی اشک بار نظر آتی ہیں۔ منزہ سے پہلا سوال کیا گیا۔

"آپ خاصی اسمارٹ لڑکی ہیں۔ ہمیں تو یقین ہے کہ یہ جاب آپ بخوبی انجام دیں گی۔" وہ اکتائے لہجے میں بولی۔

"پہلے مجھے جاب کی نوعیت بتائیں ویسے میں نے ماسٹرز ان سائیکلو جی کیا ہے لیکن بے روزگار ہوں۔" وہ خاتون بڑے غور سے اس کے کاٹن کے سادہ براؤن ڈریس کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"آپ کے کپڑے تو بہت عمدہ سلے ہوئے ہیں۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"شکریہ۔" انہی خاتون نے بناوٹی مسکراہٹ سے کہا۔

"ماسٹرز تو آج کل آٹے دال کے بھاؤ معاشرے میں گھوم رہے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کو کوئی ہنر بھی آتا ہے۔" وہ سمجھ گئی کہ یہ سب باتیں اسے ٹالنے کے لیے کی جا رہی ہیں۔ اس لیے بے پروائی سے بولی۔

"باتیں اچھی بنا لیتی ہوں، جس سے دوسرا کھل کر سامنے آجاتا ہے لیکن اور کوئی ہنر نہیں آتا۔" وہ تینوں افراد ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور ان میں سے ایک بولے۔

"یہی ہنر تو ہمیں چاہیے اپنے ورکرز میں کیونکہ اس کام کی نوعیت یہی ہے کہ آپ دوسرے سے اس کے سب حالات کی حقیقت معلوم کرلیں۔" منزہ گھبرا گئی۔

"کوئی ڈاکا واکا ڈالنے کا ارادہ تو نہیں ہے آپ لوگوں کا؟" وہ لوگ مسکرائے۔

"ارے نہیں، ہم دراصل ایک این جی او سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمیں ایک حکومتی ادارے کی طرف سے یہ کام سونپا گیا ہے کہ کچھ علاقوں کے گھروں کی ہم ایک طرح سے مردم شماری کریں اور پھر فہرستیں اس ادارے کو دے دیں، جس کے بعد وہ لوگ اپنی آفیشل فہرستوں کو ملا کر دیکھیں گے کہ کام کتنا درست ہوا ہے اور نتائج ایک سے آتے ہیں کہ نہیں۔" اب وہ محترمہ بولیں۔

"آپ کو ہم پانچ سوال پوچھنے کو دیں گے۔ جنہیں آپ گھر کے سربراہ سے کریں گی اور فارم میں درست اندراج کر کے وہ سب فارم ہم کو دیں گی پھر ہم اپنے پاس موجود ڈیٹا سے انہیں ٹیلی کریں گے اور سب صحیح ہوئے تو آپ کی سیلری پندرہ دن پر آپ کو پوری ملے گی ورنہ کچھ روک لی جائے گی تاکہ آپ صحیح انفارمیشن لائیں۔" منزہ نے گہری سانس لی۔

"اب اگر کوئی گھر والے ہی غلط انفارمیشن دیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس کوئی پہلے کا ڈیٹا تو ہے نہیں کہ اس جگہ سے یہ نتائج ہونے چاہئیں۔ ویسے بھی میری زندگی میں تو پہلی بار مردم شماری ہو رہی ہے۔ ایسے ہی کتنے گھروں میں نہ جانے کیا کیا تبدیلیاں آئی ہوں۔" ایک صاحب جو ہیڈ تھے اور اسے بڑے غور سے دیکھ رہے تھے بولے۔

"آپ بہت ذہین ہیں، گڈ! اچھے سوال کیے، ہم آپ کو کچھ بریفنگ دیں گے اس لیے فکر مت کریں۔ آپ سب کام آسانی سے کرلیں گی۔ آئی چیلنج یو......" وہ اپنے گھر کے معاشی حالات ذہن میں ابھرتے دیکھ کر گھبرا کر بولی۔

"جی ٹھیک ہے۔" اب وہ محترمہ بولیں۔

"آپ کو لنچ اور چار بجے کی چائے ہماری

www.Paksociety.com

طرف سے ملے گی۔" منزہ اپنی زبان پھسلنے سے نہ روک سکی۔

"گھر بھی جانا ملے گا یا رات کا کھانا بھی آپ کی طرف سے ہوگا۔" وہ تینوں ہنس دیے۔

"آپ کافی دلچسپ لڑکی ہیں۔ اچھا رزلٹ لائیں گی۔ آپ کا آف ہوگا شام چھ بجے جس کے بعد پوائنٹ بس جو آپ کو سروے کے علاقے میں ڈراپ کرے گی وہی واپس اس سینٹرل آفس میں لائے گی جہاں فارمز جمع کرا کے آپ اپنے گھر والی وین میں واپس جا سکتی ہیں۔" منزہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یعنی پک اینڈ ڈراپ ہے۔" وہ لوگ مسکرائے۔

"جی! ہم نے آپ لوگوں کی ہر سہولت کا خیال رکھا ہے، بس آپ کو رزلٹ اچھے دینے ہوں گے۔" منزہ نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

"انشاءاللہ ضرور......"

اور یوں اس کو جاب مل گئی اور وہ اس ادارے کے اسٹاف میں شامل ہوگئی۔ اگلے ہی روز ڈیوٹی کی [illegible]لنگ کے لیے دس بجے سینٹرل آفس پہنچ گئی جہاں اس کا انٹرویو ہوا تھا۔

منزہ نے دیکھا آفس میں پچاس کے لگ بھگ [illegible] لڑکیاں موجود تھے اور سب ہی معاشی پرابلمز [illegible] میں گھرے ہوئے تھے اسی لیے تیز گرمی [illegible] بھی فیلڈ ورک کے لیے تیار ہوگئے۔ جن میڈم [illegible] انٹرویو لیا تھا ان کے ہاتھ میں ایک رجسٹر تھا جس میں کامیاب افراد کے نام لکھے تھے۔ وہ ایک ایک کا نام پکارتیں اور موجود افراد کی حاضری لگا دیتیں پھر سب کو جمع کر کے انہوں نے کہا۔

"میرا نام شمیم افضل ہے، میں آپ لوگوں کے گروپس بنا دوں گی۔ ہر گروپ میں پانچ افراد ہوں گے پھر کس کو کس ایریا کی طرف جانا ہے اس گروپ کو اس ایریا کی چٹ دی جائے گی جو شام کو فارمز کے ساتھ لگا کر واپس کرنا ہوگی۔"

پھر گروپ بننے لگے۔ منزہ کے ساتھ اسی کے رہائشی علاقے بندر روڈ کے تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی تاکہ واپسی میں وہ سب ایک ہی وین میں جاسکیں۔ پھر ان سب کو پانچ سوالات ڈائری میں نوٹ کرا دیے گئے اور پچاس، پچاس فارمز ہر فرد کو دے دیے گئے۔ سب ہی اپنی چیزوں کو دیکھ کر سنبھال کر رکھ رہے تھے۔ منزہ نے بھی اپنے سب فارمز، قلم، ڈائری اور ایریا چٹ سنبھال کر اپنے بیگ میں رکھے۔ ایک کافی بڑے مگر پسماندہ ایریا میں بھیجا گیا تھا۔ اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اب آٹے دال کا بھاؤ پتا چلے گا۔ اس ایریا کے لوگ تو بات بات پر خاصے جذباتی سے ہو جاتے ہیں۔" اس کے گروپ کی لڑکی نرگس نے سن لیا تھا وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اب یہیں تو ہمیں اپنی باتوں کا پٹارا اس انداز میں کھولنا ہے کہ وہ سب ہم سے تعاون کریں۔" منزہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر اپنے گروپ کے ساتھ جانے والی وین میں بیٹھ گئی۔ قریب کے دوسرے ایریا کے گروپس بھی اسی وین میں بیٹھ گئے تو وین چل پڑی۔ سب نے ایک دوسرے سے نام وغیرہ پوچھنا اور بتانا شروع کر دیے۔ یوں اجنبیت کی دیوار گری تو پھر آپس میں ہنسی مذاق بھی شروع ہوگیا۔

منزہ کے گروپ کو ان کے ایریا میں اتار کر وین آگے بڑھ گئی۔ منزہ، نرگس کے ساتھ دانش، عامر اور طارق تھے۔ ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کام

www.Paksociety.com

شروع کیسے کریں۔ منزہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''میں اور نرگس ان گھروں کو دیکھتے ہیں جہاں خواتین ہوں اور آپ لوگ مردوں کو ڈیل کریں۔'' دانش بولا۔

''ایسے موقع پر ہر دروازے پر خواتین ہی ملیں گی۔'' وہ سب ہنس پڑے پھر طے پایا کہ منزہ اور نرگس کے ساتھ طارق ہو جائے تاکہ کوئی پرابلم ہو تو دانش اور عامر کو بلالیا جائے گا اور کام شروع کردیا جائے۔

ایک مکان کے نیلے دروازے پر منزہ نے دستک دی اور پھر گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ سامنے ایک بڑی بڑی مونچھوں والا شخص کھڑا پان چبا رہا تھا۔

''کون ہو تم لوگ؟'' طارق آگے ہوتے ہوئے بولا۔

''ایک پرائیوٹ سروے ہو رہا ہے اس سلسلے میں آپ سے کچھ سوال کرنا ہیں۔'' وہ شخص منہ پھاڑ کر ہنسا۔

''پرائیوٹ سروے! حکومت کا سروے دماغ خراب کرنے کو کم ہے کہ تم لوگ نیا ڈراما کرنے کھڑے ہوگئے۔'' منزہ ایک دم بول اٹھی۔

''پلیز! ہمارا ساتھ دیجیے ورنہ جاب ختم ہو جائے گی۔'' وہ کچھ سوچ کر بولا۔

''چلو تم کہہ رہی ہو تو اوکے، پوچھو سوال؟'' منزہ نے سوالنامے میں دیکھا اور پوچھا۔

''آپ کا یہ گھر کتنا بڑا ہے نقشے کے لحاظ سے اور آپ کتنے لوگ اس میں رہتے ہیں۔'' وہ شخص اپنا نام بتانے کے بعد تلخی سے بولا۔

''تم کو کیا نظر آرہا ہے، یہ کسی وڈیرے کا محل ہے یا کسی امیر کی کوٹھی؟'' پان کی پیک غصے سے تھوکی اور کہنے لگا۔ ''یہ صرف اسّی گز پر ہے اور ہم تین بھائی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں۔ پورا مرغی خانہ ہے۔ سب کے ماشاء اللہ آٹھ، دس بچے ہیں۔ مرد کماتے ہیں صرف۔'' اتنے میں برابر کے دروازے پر کھڑے موصوف بولے۔

''ارے منے خاں! یہ ہم غریبوں پر بھاری ٹیکس لگانے کے سارے ڈرامے ہیں ورنہ وہ جو ڈیفنس میں وڈیروں کے محل ہیں ان کے تو دروازے پر بیٹھے گارڈ کتا سمجھ کر دور بھاگتے ہیں یہ لوگ۔'' پھر ان لوگوں کی طرف دیکھ کر چلایا۔

''دفع ہو جاؤ تم لوگ یہاں سے، کچھ نہیں بتانا۔'' اور دھڑ دھڑ دروازے بند ہوگئے۔ وہ پانچوں ہکا بکا رہ گئے۔ نرگس آہستہ سے بولی۔

''اصل میں مہنگائی نے اور دیگر مسائل نے لوگوں کو چڑچڑا کردیا ہے۔ ہر کسی کو عدم تحفظ کا احساس ہو رہا ہے کہ اب ان کے منہ سے آخری نوالہ چھیننے کے بعد کہیں زمین بھی قدموں کے نیچے سے گھسیٹ لی جائے گی۔'' دانش بولا۔

''ہوں! بس دونوں گھروں سے جو انفارمیشن اچھی بری ملی ہے ... سب لکھ دیتے ہیں فارم میں اور باقی گھروں کو دیکھتے ہیں۔''

سارے دن کے بعد لنچ اور چائے کے دوران بھی وہ لوگ اس جگہ پر لوگوں کے سرد رویوں اور گالیوں کو ہی ڈسکس کرتے رہے۔ طارق نے اپنے فارم کی گنتی کرتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے کہ کسی نے پیٹا نہیں ورنہ یہاں تو ہر کسی کا رویہ جارحانہ ہے۔'' منزہ نے سر تھامتے ہوئے کہا۔

''میرے تو سر میں درد ہو گیا اگر ایسے ہی گالیاں روز ملتی رہیں تو میں تو یہ جاب چھوڑ دوں گی۔'' نرگس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''سکون سے لو سب معاملے کو۔ بہت ایریاز ہیں۔ روز یہاں تھوڑی آنا ہے۔''

☆☆☆

منزہ کو گروپ رپورٹ تیار کرنا تھی سروے کی۔ اس لیے اس نے سب صورتِ حال سامنے رکھ کر جو رپورٹ تیار کی وہ آفس کو بہت پسند آئی اور اس کو اگلا ایریا ایک پوش علاقے کا دے دیا گیا۔ اس کا پورا گروپ خوش تھا کہ اس علاقے میں بڑے گھروں کے لوگوں کے مینرز اور بات چیت کا سلیقہ کم از کم ذہنی کوفت سے محفوظ رکھے گا۔

صبح اچھی طرح تیار ہو کر منزہ اپنے گروپ کے ساتھ جب وین میں بیٹھی تو سب کو ہی نوک پلک سنوارے دیکھ کر اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''یار! ہم لوگ تو آج ایسے ٹیپ ٹاپ سے جا رہے ہیں جیسے دھوپ میں سروے کے لیے نہیں کسی کے گھر لنچ پر مدعو ہوں۔'' دانش مسکرایا۔

''بھئی کہاوت ہے کہ Appearance Counts'' یعنی لوگ آپ کو ظاہری شخصیت سے پہچانتے ہیں۔'' نرگس نے استہزائیہ کہا۔

''ہاں جبھی تو اندر سے دل کالے کیوں نہ ہوں اوپر سے لباس کتنا نکھرا ہوتا ہے۔'' منزہ مسکرائی۔

''ایک بات نوٹ کی تم لوگوں نے، جتنے بڑے کرمنلز ہوتے ہیں وہ سب سفید لباس پہننا پسند کرتے ہیں۔'' عامر ہنسا۔

''ایسا مت کہو، میری دادی کو بھی سفید رنگ بہت پسند ہے۔'' منزہ کو غصہ آگیا۔

''میں تمہاری دادی یا کفن کی بات نہیں کر رہی، آج کل کے تمام دنیا کے معاشرے کو کہہ رہی ہوں۔ جتنے بڑے بڑے لوگ ہیں، غور کرو، سفید شلوار قمیص اور وائٹ کوٹ میں نظر آئیں گے جیسے ان سے زیادہ تو کوئی من کا صاف ہوگا ہی نہیں۔'' طارق ہنسا۔

''اپنا لیکچر اس جگہ نہ شروع کردینا۔ یہاں زیادہ تر ایسے ہی لوگ بستے ہیں، اچھے تو آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔'' اور اسی طرح ہنستے بولتے وہ لوگ ڈراپ پوائنٹ پر پہنچ گئے جہاں وین سے اتر کر انہیں اپنا سروے شروع کرنا تھا۔

یہ وہ ایریا تھا جہاں سڑک کے ایک طرف گھر بنے تھے اور دوسری طرف دیوار کے ساتھ چھوٹے چھوٹے ریسٹورنٹ اور نیچے سمندر بہہ رہا تھا، کبھی پُرسکون تو کبھی غصے سے بپھرتا، بالخصوص مون سون میں سمندر کا جوش دیکھنے کے قابل ہوتا تھا۔ دل چاہتا خود بھی اس کی لہروں پر سوار دیس دیس کی سیر پر نکل جاؤ اور سیپیوں، مونگوں کی زبان سے بے شمار ان کہی کہانیاں دامن میں سمیٹ لاؤ۔ منزہ بھی سمندر کے رخ دیکھتے ہوئے کچھ اسی قسم کی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ نرگس نے اسے کاندھے سے پکڑ کر ہلایا۔

''ہیلو! واپس آجاؤ، بہت کام ہے یہاں مراقبہ بعد میں کرلینا۔'' منزہ نے جھنجلا کر منہ پر سے بال پیچھے ہٹائے اور پھر وہ لوگ خوب صورت بنگلوں کی جانب بڑھ گئے۔ وہ بنگلے کہیں تو سنگ مرمر سے بنے تھے اور کسی جگہ پر بہت مضبوط پتھروں سے۔ جو مختلف پینٹ کے رنگوں کی وجہ سے دلکش نظارہ پیش کر رہے تھے اور وہاں رہنے والوں کی خوشحالی کی منہ بولتی تصویر تھے۔ ان کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ ملک میں کوئی پریشانی یا مہنگائی ہے۔

وہ پانچوں .... پتھروں سے بنے اور ناریل وغیرہ کے لق و دق درختوں سے گھرے ایک بنگلے کے گیٹ کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ وہاں پہرا دیتے گارڈ نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''کیا کام ہے؟'' دانش کو غصہ آگیا۔ طارق

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مسکرا کر میٹھے لہجے میں بولا۔

''ذرا اپنے صاحب کو بلادیں ہم سروے کرنے آئے ہیں۔'' منزہ بھی مسکرائی۔

''یہ سروے بہت ضروری ہے ورنہ وہ الیکشن کی ووٹر لسٹ میں شامل نہیں ہوسکیں گے۔'' گارڈ کے پاس دو چار آدمی آکر کھڑے ہوگئے۔ منزہ اور نرگس گیٹ سے پیچھے ہوگئیں۔ ان میں سے ایک نے لڑکیوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''آئیں......اندر آئیں۔ پانی، شربت پئیں، بہت گرمی ہے۔'' دانش نے زبردستی کی مسکراہٹ سے کہا۔

''ہم الیکشن سروے کے حوالے سے آئے ہیں۔'' وہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز مسکراہٹ سے بولے۔

''ہاں بھئی اپنے ہی لوگ ہو، یہ کسی بڑے افسر صاحب کا گھر ہے۔ ان کے گارڈز اور پولیس کیمپس برابر اور دوسرے گیٹ پر لگے ہیں اور یہاں ہر وقت اسٹاف تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ صاحب کا آفس اسٹاف بھی ہے تو پھر آپ کو کیا گنتی بتائی جائے۔'' وہ پانچوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ وہی مونچھوں والا پھر ہنستے ہوئے بولا۔

''اب گھر کے افراد تو آپ لوگوں کو گنائے نہیں جاسکتے۔ گھر کی مالیت کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ تو جناب میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔ بتائیں بندہ حاضر ہے۔'' منزہ بولی۔

''آپ کا شکریہ کہ آپ نے اتنی اچھی طرح سے ہم سے بات کی۔ تو اس گھر کے نمبر کے آگے ہم بڑا افسر لکھ دیتے ہیں آپ بس ان کا نام ہی بتادیں۔'' وہ شخص چمکتی آنکھوں سے بولا۔

''آپ کی بات افسر صاحب سے نہیں ہوئی تو ان کا نام کیسے لکھ سکتی ہیں۔'' وہ سب پھر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ وہ شاطر شخص ان کو کنفیوز کرکے بہت محظوظ ہورہا تھا۔ اتنے میں ایک بیرا ٹرے میں جوس کے گلاس لیے چلا آیا۔ نرگس کے چہرے کا رنگ مزید اڑ گیا۔

''مت پینا کوئی، پتا نہیں کیا ملایا ہو۔'' اس کی سرگوشی پر سب نے نفی میں سر ہلا دیا اور عامر بولا۔

''شکریہ! ہم کو اجازت نہیں ہے ڈیوٹی پر کسی گھر سے کچھ کھانے پینے کی۔'' وہ شخص مسکرایا۔

''ڈر رہے ہو؟'' پھر بیرے کو گلاس واپس لے جانے کا اشارہ کیا اور ان لوگوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''میرا نام لکھ لیں، میں صاحب کا بہت خاص آدمی ہوں۔'' ان لوگوں نے خاموشی سے بڑے افسر کے گھر کے خانے میں اس شخص نے جو نام اور تفصیل اپنی دی لکھ لی اور لڑکے اس سے نہ چاہتے ہوئے بھی ہاتھ ملا کر آگے بڑھ گئے۔ منزہ اور نرگس نے خدا کا شکر ادا کیا۔

''کیا زہریلا میٹھا تھا۔'' منزہ بولی۔ ''میرا تو ایک سیکنڈ رکنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا کہ جیسے پتا نہیں کیا ہوجائے گا۔'' دانش ایک سادہ سے گلابی پینٹ کے گھر کے سامنے رکتے ہوئے بولا۔

''اس گھر کے لوگ شاید عام سے پاکستانی ہوں۔ یہاں کوئی گارڈ نہیں، خاموشی بھی ہے اور دوسرے گھروں کے مقابلے میں عام سا گھر ہے۔ یہاں سے شاید کچھ قائدے کی معلومات حاصل ہوجائیں۔'' پھر اس نے گیٹ بیل بجائی۔ تھوڑی سی دیر میں مین گیٹ میں بنا چھوٹا دروازہ کھلا اور ایک ملازم لڑکا نمودار ہوا۔

''جی کس سے ملنا ہے؟'' طارق بولا۔

''ہم سروے کررہے ہیں گھر سے کسی کو بلاؤ۔'' وہ بولا۔

''اس وقت تو کوئی نہیں ہے۔ بیگم صاحبہ بڑی ڈاکٹر ہیں ملٹری اسپتال کی اور صاحب جی ہائی کورٹ کے جج ہیں اور دونوں جلدی اپنے دفتر چلے جاتے ہیں۔'' نرگس نے پوچھا۔

''کوئی بیٹا، بیٹی تو ہوں گے۔'' ملازم نے سر ہلایا۔ ''وہ امریکا میں ہوتے ہیں۔ ابھی تو میں ہوں۔'' دانش نے طارق کی طرف دیکھا۔

''واہ! ایک ملازم پر پورا گھر چھوڑا ہوا ہے اور ڈکیتی کا بھی ڈر نہیں نا چوری کا۔'' نرگس جل کر بولی۔

''چوری، ڈاکے شریفوں کے گھر میں پڑتے ہیں اور غریبوں کے ایسے بااثر لوگوں کے نہیں کیونکہ کیس بھی ان کے پاس ہی آتے ہیں لیٹروں کے۔'' ملازم کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

''میں ایماندار شخص ہوں اور صاحب کے پاس کورٹ میں بھی میرے والد اور بھائی کام پر لگے ہیں۔'' وہ لوگ مطلب سمجھ کر مسکرائے اور اس گھر سے بھی محض نام اور ملازم کے حوالے کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ منزہ جھنجلا اٹھی۔

''یار! کیا مشکل ہے، یہاں تو لگتا ہے ملازموں کا سروے کررہے ہیں ہم، کوئی گھر پر ہی نہیں ہوتا۔ عجیب لوگ ہیں۔''

''اب تک زیادہ تر گھروں سے ان لوگوں کو یہی ریسپانس ملا تھا اس لیے ظاہر ہے اس کی بیزاری لازمی تھی۔ دھوپ میں گھوم گھوم کر ان کے سر دکھنے لگے تھے۔ منزہ نے کہا۔

''چلو کچھ دیر دیوار پر بیٹھ کر پیپسی پیتے ہیں

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ
مارچ 2012ء کے شمارے کی دلفریبیاں

ابتدائی سوغات • ایم اے راحت کے قلم سے ایک شاہکار کہانی...... آخرکار
مغرب کے نرالے انداز • مغربی دنیا کی تہذیب اور ماحول کی عکاس جرم اور محبت کی پُردرد ناقابل فراموش کہانیاں
گرداب • پے درپے حادثات سے نکل کے اپنی منزل کی جانب گامزن اسما قادری کی سلسلے وار کہانی
للکار • طاہر جاوید مغل کے جادو اثر قلم کی ایک اور جھلک بُنتر دلان لاہور کے سنگ
سرورق کی کہانیاں
اکھاڑا • کاشف زبیر کے تیکھے قلم کی جولانیاں تیمور شامی کی ہنگامہ آرائیاں
آثار جنوں • جنون اور جوش کی شوریدہ سری میں ڈوبے دیوانوں کی نفسیات انگیز داستان سلیم فاروقی کی تحریر
چینی نکتہ چینی

www.Paksociety.com

ریسٹورنٹ سے لے کر پھر باقی کام کریں گے۔ جس صورتِ حال سے سامنا ہے، وہی لکھ دیں گے۔'' عامر نے گہری سانس بھری۔

''عجیب ہی دنیا کے لوگ ہیں یہ۔ اپنے آپ میں مست اور کوئی انہیں پوچھنے والا بھی نہیں۔'' نرگس بولی۔

''ہاں اور اچھے باعزت بھی سمجھے جاتے ہیں۔ جبکہ جو کرپشن سے دور حق حلال کمارہے ہیں ان کو اتنی مشکلات کا سامنا ہے کہ وہ احتجاج پر مجبور ہو گئے ہیں اور انہیں بدتمیز اور برا سمجھا جاتا ہے۔'' سب نے اثبات میں سر ہلایا۔ منزہ بولی۔

''یہ ہمارے معاشرے کا قصور ہے۔ اچھے برے کا فیصلہ بھی تو اپنے ہی لوگ کرتے ہیں تو کیوں غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط کہتے ہیں۔'' طارق سب کی طرف پیپسی اور چپس کے پیکٹ بڑھاتے ہوئے بولا۔

''چلو یہ انجوائے کرو، میں نے اسے آج کے لنچ میں لکھوالیا ہے۔'' دانش نے کہا۔

''ویسے سمندر کی ہوا واقعی اس وقت لوری سناتی لگ رہی ہے مجھے۔'' وہ سب مسکرادیے اور پھر آپس کی ہلکی پھلکی باتوں میں دن بھر کی کوفت بھول گئے۔ دانش ڈھلتی دھوپ اور خوشگوار ہوا کے جھونکوں سے خود کو فریش محسوس کرتے ہوئے بولا۔

''چلو اب جلدی سے یہاں کا باقی کام نمٹالیں ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔'' اور ایک بار پھر خوشگوار ہوا مگر اڑتی ریت سے ہاتھ منہ صاف کرتے وہ لوگ سڑک کراس کر کے گھروں کی طرف آگئے۔ ہر طرف مکمل سناٹا تھا جیسے وہاں کی ساری آبادی نیند میں ڈوبی ہو۔ اور تب انہیں ایک سرخ کپڑوں میں ملبوس ادھیڑ عمر کی عورت سگریٹ پھونکتی منرل واٹر کی بوتلوں میں بورنگ کا پانی بھرتی نظر آئی۔ اس کے قریب پانی پوری اور بھٹے کے ٹھیلے کھڑے تھے۔ دانش مسکرایا۔

''کیا بات ہے یہاں کے ورکنگ کلاس کی چلو اس ماسی سے انٹرویو کرتے ہیں۔'' ان لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ عورت مسکرائی۔

''آؤ بھٹا کھاؤ جی۔'' منزہ مسکرائی۔

''کیا یہ پانی جو تم منرل واٹر کے نام پر بیچتی ہو اسے پی کر لوگ بیمار نہیں ہوتے؟'' وہ نہایت سادگی سے بولی۔

''نہ جی! یہ پانی نل کے اور لائن کے پانی سے زیادہ اچھا اور میٹھا ہوتا ہے۔ چکھ کر دیکھ لو۔'' نرگس نے اپنے چہرے کو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے منہ بنایا۔

''ابھی تو ریت چکھ رہے ہیں۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''ہاں جی، آج ہوا کی وجہ سے ریت بہت اڑ رہی ہے۔'' منزہ نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

''میرے خیال میں تم ماسی کا کام کرتی ہو اور ساتھ میں ٹھیلے بھی لگاتی ہو۔'' وہ مسکرائی۔

''بس جی، ایک ہی گھر ہے آج کل کام کے لیے جہاں سے چھ ہزار مل جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ٹھیلے میرا شوہر اور بیٹا لگاتے ہیں۔'' سب زیرِ لب مسکرائے۔

''ہم سے تو زیادہ ہی کماتی ہے۔'' عامر کے بولنے پر دانش نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ وہ عورت اپنا ٹھیلا سیٹ کرتے ہوئے بولی۔

''آپ لوگ مردم شماری والے ہو؟'' دانش نے جلدی سے کہا۔

''نہیں، بس ایسے ہی سمندر پر آئے تھے تو اس سناٹے میں تمہیں دیکھ کر اِدھر چلے آئے۔'' وہ فوراً

www.Paksociety.com

زندگی سے ڈرتے ہو

زندگی تو تم بھی ہو
زندگی تو ہم بھی ہیں
آدمی سے ڈرتے ہو
آدمی تو تم بھی ہو
آدمی تو ہم بھی ہیں
آدمی زباں بھی ہے
آدمی بیاں بھی ہے
اس سے تم نہیں ڈرتے
آدمی کے دامن سے زندگی ہے وابستہ
اُن سے تم نہیں ڈرتے
ان کہی سے ڈرتے ہو
جو ابھی نہیں آئی
اس گھڑی سے ڈرتے ہو
پہلے بھی تو گزرے ہیں
دورِ نارسائی کے، بے ریا خدائی کے
پھر بھی یہ سمجھتے ہو، ہیچ آرزو مندی، یہ شبِ
زباں بندی ہے رہِ خداوندی
تم مگر یہ کیا جانو
لب اگر نہیں ہلتے ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
نوک کی زبان بن کر
ہاتھ بول اٹھتے ہیں، صبح کی اذاں بن کر
روشنی سے ڈرتے ہو
روشنی تو تم بھی ہو، روشنی تو ہم بھی ہیں
روشنی سے ڈرتے ہو
شہر کی فصیلوں پر دیو کا جو سایہ تھا چاک ہو گیا آخر
رات کا لبادہ بھی، چاک ہو گیا آخر
ازدحامِ انساں سے فرد کی ندا آئی
ذات کی صدا آئی
راہِ شوق میں جیسے راہروں کا خوں لپکے
اِک نیا جنوں لپکے
آدمی چھلک اٹھے
آدمی ہنسے دیکھو
شہر پھر بسے دیکھو
تم ابھی سے ڈرتے ہو

شاعر: ن۔ م۔ راشد
مرسلہ: صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ

بولی۔

''اس وقت تو یہاں سب لوگ گھروں میں سوئے پڑے ہوتے ہیں۔ چھ بجے سے رونق ہوتی ہے اور پھر رات کو تو جیسے میلا لگا ہوتا ہے جی۔ کوئی کہیں جا رہا ہے تو کوئی آرہا ہے۔ بچے نوکروں کو لیے سائیکلیں چلاتے پھرتے ہیں اور رات تک لگتا ہی نہیں کہ یہاں کسی کو کوئی دکھ ہے، سب خوب مزے کر رہے ہوتے ہیں۔''

''مزے کیسے؟'' طارق نے پوچھا۔ ماسی نے گہرا کش لے کر کہا۔

''کسی گھر میں میوزک خوب بج رہا ہوتا ہے تو کہیں بچوں کی فوج والز کی آئس کریم کھا رہی ہوتی ہے۔ پھر گھر والے گاڑیوں میں بیٹھ کر کلب، ہوٹلز کی طرف نکل جاتے ہیں۔ خوب رونق لگی ہوتی ہے بڑی بڑی گاڑیوں کی۔'' نرگس بے اختیار بولی۔

''یہاں کسی کو کوئی پریشانی نہیں؟'' ماسی ہنسی۔

www.Paksociety.com

''پیسا ہے دور کرلیتے ہیں پھر تفریح میں مگن ہوجاتے ہیں۔'' منزہ مسکرائی۔

''کیا یہاں کوئی ایسی مخلوق رہتی ہے جو ہماری جیسی ہے۔'' ماسی نے اسے سر سے پیر تک دیکھا اور سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔

''نہیں بھئی، تم دیکھنے میں تو بہت خوب صورت ہو، تمہارے جیسی میں نے یہاں کوئی بیگم نہیں دیکھی، پر ان کی قسمت تم سے اچھی ہے۔'' دانش کو غصہ آگیا۔

''سب فضول کی باتیں بند کرو اور جلدی سے باقی کام مکمل کرو۔''

وہ لوگ ایک گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے کہ ایک خاتون کو دیکھ کر رک گئے۔ وہ خاتون اپنے لان کو پانی دے رہی تھیں، مکان کی حالت بھی بس ایسی ہی تھی، کہیں سے پلستر اکھڑا ہوا تو کسی جگہ کریک پڑے۔ اس جگہ پر ایسے مکان کی موجودگی حیرت کی بات تھی۔ منزہ نے سلام کرتے ہوئے کہا۔

''آپ اس گھر میں رہتی ہیں؟'' وہ مسکرائیں۔

''ہوں!'' وہ بولی۔

''آنٹی! آپ نے اپنے گھر کو ٹھیک نہیں کروایا۔ اور جگہ تو گھر......'' وہ بات کاٹتے ہوئے بولیں۔

''حلال کی کمائی میں ایک حد مقرر ہوتی ہے، یہ گھر بھی ٹھیک کرلیتے ہیں جب بجٹ اجازت دے۔ بس وقت لگتا ہے۔'' ان سب کو وہ خاتون اچھی لگیں اور بالکل انہی جیسی۔ نرگس نے کہہ بھی دیا۔

''آپ تو ہماری جیسی لگتی ہیں ورنہ اس جگہ آ کر تو کچھ اور ہی محسوس ہوتا ہے۔ جیسے ملک کے باقی عوام کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔'' وہ خاتون مسکرا دیں۔

''ہاں! اب یہاں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے، شاید اللہ کا خوف ختم ہوگیا ہے یا راتوں رات تجوریاں بھرنے والے سمجھتے ہیں کہ وہ پیسے سے گناہ بھی معاف کروالیں گے اس لیے جو عیش کرسکتے ہیں وہ کرلیں۔'' عامر ہنس پڑا۔

''آنٹی! آپ کی ان لوگوں سے کیسے بنتی ہے؟ آپ تو ان جیسی نہیں۔'' وہ استہزائیہ ہنسی سے بولیں۔

''بنتی کہاں ہے۔ ہر وقت تنگ کرتے رہتے ہیں، کبھی کوڑا پھینک کر، کبھی گھر کے اندر بلی کے بچے مار کر ڈالتے ہیں تو کبھی رانگ نمبرز کروا کر جو ظاہر بھی ہوجاتا ہے کہ ان لوگوں میں سے کون کروا رہا ہے تو کبھی یوٹیلٹی بلز چرا کر۔'' طارق نے حیرت سے کہا۔

''یہ اونچی اونچی پوسٹ اور جاگیروں والے اتنی گھٹیا حرکتیں کرتے ہیں؟ ہم نے تو جاہلوں میں ایسا ہوتے سنا ہے۔'' وہ گہری سانس بھر کر بولیں۔

''یہ ذہنی جہالت اور کم ظرفی ہی تو ہے۔ ایسے ہی اعمال کی بدولت اس ملک میں دیکھ لو کیا ہورہا ہے۔ بس اللہ ہدایت دے ہم سب کو اور رحم کرے۔''

پھر اس کے بعد چند اہم سوالات کا پہلا سوالنامہ تیار کرکے وہ لوگ آگے بڑھے تو دانش بولا۔

''میرے خیال میں یہ واحد سوالنامہ ہے جس کے درست جوابات ملے ہیں ورنہ اب تک تو اپنی اپنی اونچائی بتائی گئی تھی۔'' نرگس ہنسی۔

''مجھے تو اس جگہ پر آنٹی اور ماسی کو چھوڑ کر بس ملازموں سے مالکوں کی برائیوں کے قصے ملے ہیں۔ وہی سب لکھ دیا ہے فارمز میں۔'' دانش ہنسا۔

''ہاں بہتر ہے، پارلیمنٹ میں یہ سب فارمز بھیج دیں تو ٹھیک رہے گا۔ اپنی مرضی کے رزلٹ تیار کرلیں گے وہ لوگ۔''

www.Paksociety.com

اسی طرح کچھ اور گھروں سے وہی پرانے انداز کے جواب لے کر وہ لوگ آگے بڑھتے گئے۔ کچھ آنٹی جیسے شریف گھر بھی مل ہی گئے لیکن اس سب میں شام ہوگئی۔

شام کے رنگ گہرے ہوئے تو دانش نے وین کال کرنے کے لیے موبائل فون نکالا کہ اتنے میں ایک گھر کے سامنے کئی سیاہ پراڈوز گہرے کالے شیشوں کی آکر رکیں اور بنگلے کا گیٹ کھل گیا۔ سب مرد تیزی سے اندر داخل ہوئے اور پھر ایک لینڈ کروزر آکر کھڑی ہوئی۔ جس میں سے لڑکیوں کی کھیپ ہاتھوں میں بیگز لیے اتری اور گیٹ سے اندر داخل ہوگئی۔ دانش نے گیٹ بند ہونے سے پہلے دوڑ لگائی اور چوکیدار کا بازو تھام کر بولا۔

''تم نے کہا تھا یہاں کوئی نہیں رہتا۔ پھر یہ سب کیا ہے؟'' چوکیدار سے پہلے چار باوردی پولیس والوں نے آگے بڑھ کر دانش کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور ایک قدرے دھیمی آواز میں بولا۔

''شریف لگتے ہو اس لیے آرام سے کہہ رہا ہوں کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خاموشی سے یہاں سے چلے جاؤ ورنہ مفت کی مصیبت میں گرفتار ہوجاؤ گے۔'' باقی چاروں بھی خوف زدہ سے کھڑے تھے۔ طارق بولا۔

''سر! ہم تو اپنا کام ہی کررہے ہیں لیکن غلط رپورٹنگ پر ہمارے پیسے کٹیں گے۔'' چوکیدار نے آفیسر کو بتادیا کہ وہ لوگ کون ہیں۔ آفیسر مسکرایا۔

''مجھ سے پوچھو! میں تم لوگوں کے پیسے نہیں کٹنے دوں گا۔'' دانش اور طارق ایک ساتھ کھڑے ہوگئے اور فارمز آفیسر کے آگے بڑھا دیے۔ اس نے ان پر لکھ دیا۔

''گیسٹ ہاؤس آف......'' آگے نام کے ساتھ سیل نمبر لکھ دیا اور مسکرایا۔ ''یہ میرا نمبر ہے اور اس گیسٹ ہاؤس کے مالک کا نام پتا میں خود پوچھنے والے کو بتاؤں گا۔ تم بس یہ فارم اپنے آفس میں دے دینا۔ اور اب جاؤ اندر میٹنگ ہورہی ہے۔''

ان لوگوں نے محسوس کرلیا کہ سب کے چہروں اور آنکھوں میں شیطانی مسکراہٹ تھی۔ پھر ایک نظر اطراف میں پھیلے بنگلوں پر ڈالی جہاں بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ فیملیز گاڑیوں میں بیٹھ رہی تھیں تو کسی گھر کی طرف بچے قرآن پاک پڑھنے جارہے تھے۔ سب کچھ نارمل زندگی کی طرح رواں دواں تھا۔ نوکر چاکر بھی خوش گپیوں میں مشغول تھے اور ان سب کے درمیان پورے زور شور سے اس بنگلے میں سرخ بتی کا کھیل کھیلا جارہا تھا۔ وہ بھی نہایت معتبر شخصیات نہایت ڈھٹائی کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ مکمل سیکیورٹی اور پولیس گارڈ کے ساتھ اور فیملیز آس پاس آباد ہونے کے باوجود کچھ نہ دیکھ رہی تھیں نہ زبان سے کہہ رہی تھیں۔ منزہ اور نرگس نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور منزہ کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں جیسے کہہ رہی ہوں۔

''میرے اللہ! تو نے سچ کہا ہے۔ انسان اپنی مصیبتوں کا خود ذمے دار ہوتا ہے۔ اتنے بڑے پیمانے پر گناہِ کبیرہ کیے جارہے ہیں، تیری نافرمانیاں ہورہی ہیں تو پھر یہ تیرا ہی کرم ہے کہ تو نے اپنی رحمت سے اور اپنے چند نیک بندوں کی خاطر ہماری سلامتی قائم رکھی ہے۔'' نرگس بولی۔

''اے پاک پروردگار! ہمارے ملک پر رحم و کرم فرما۔ اس کی سلامتی قائم رکھ۔ ہمیں ہدایت دے اور ناپاک اور گناہ گاروں سے ہمارے ملک و معاشرے کو پاک کردے تاکہ ہم پر سے یہ مسائل کا بوجھ ہٹے، جس کے ذمے دار خود ہم ہیں۔''

ooo

www.Paksociety.com

زندگی

ناہید سلطانہ اختر

قسط 3

نوکِ شمشیر پہ یوں ہم نے گزارے لمحے
کانچ کی آنکھوں سے خوابوں کا گزر ہو جیسے

زندگی میں جہاں رشتے ناتے اور روابط بہت اہم ہوا کرتے ہیں... وہیں ایک دوسرے کے مثبت رویے بھی کسی خاندان کے لیے مضبوط ستون کا درجہ رکھتے ہیں... مگر ہمیں بہت سے لوگ، بہت سے مواقع ایسے ضرور ملتے ہیں... جب محبت دستک دیتی ہے... اور اس کی خوشبو میں روشنی کی تابناکی بھی ہوا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ... مکر و فریب... سفاکی اور تنگ نظری کے سائے... ازل سے محبت کرنے والوں کے دشمن رہے ہیں اور زندگی بھی یہی ہے کہ کبھی کبھی تڑپ کی دُگی بھی حکم کے اکّے کو کاٹ دیا کرتی ہے...

ہماری مایہ ناز مصنفہ ناہید سلطانہ اختر کے قلم سے ایک شاہکار ناول...... جس کی سطر سطر میں زندگی سفر کرتی نظر آئے گی......

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

دولت خان آفریدی تھے اور ماہتاب شنواری...... دولت خان کی پہلی منکوحہ بی بی جان تھیں۔ بی بی جان کی پہلی شادی دولت خان کے بڑے بھائی رحمت خان آفریدی سے ہوئی۔ رحمت خان اپنے سات بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے ان کے بعد پانچ بہنیں اور پھر دولت خان تھے۔ رحمت خان سے بی بی جان کے دو بیٹے ایاز خان اور ارباز خان تھے۔ دولت خان اپنے بڑے بھتیجے ایاز خان کے ہم عمر تھے۔ رحمت خان کو دل کا دورہ پڑا تو بی بی جان کی عدت کے بعد روایت کے مطابق ان کا عقدِ ثانی دولت خان سے کر دیا گیا۔ دولت خان کو اس نئے رشتے سے ایسی شرم آئی کہ وہ بغیر بتائے کراچی آ گئے اور آٹھ نو سال ایک پلمبرنگ کے استاد کے پاس رہے۔ پھر ایک ریکروٹنگ ایجنسی کے توسط سے کویت جانے کا موقع مل گیا۔ استاد کے کہنے پر ان کی بیٹی ماہتاب سے شادی کر لی۔ ماہتاب نے پرائمری اسکول میں نوکری کی اور بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر دولت خان کا ہاتھ بٹایا۔ دولت خان پردیس میں راہیِ ملکِ عدم ہو گئے مگر

www.Paksociety.com

ماہتاب نے انتہائی حوصلے سے حالات کا مقابلہ کیا۔ بڑی بیٹی نایاب کو ڈاکٹر بنایا اور اچھا رشتہ آنے پر اس کی شادی کردی۔ بہجت خان الیکٹریکل انجینئر تھا اور ایک پرائیوٹ ادارے سے وابستہ تھا۔ بہجت کی بیوی ارم، ماہتاب کی ایک کولیگ کی بھتیجی تھی۔ حجاب نے ایم اے بی ایڈ کیا اور وہ ایک محکمہ تعلیم میں سولہ گریڈ کی آفیسر تھی پھر پبلک سروس کمیشن کے توسط سے خود کو ہیڈ مسٹریس کی اسامی کا اہل ثابت کیا۔ ایک ثانوی تعلیمی ادارے میں حجاب کا تقرر کیا گیا۔ رباب انجینئر بننے جارہی تھی۔ نایاب کے دو بیٹے تھے اور بہجت کی ایک بیٹی تھی انعم۔ ماہتاب اب چاہتی تھیں کہ حجاب کی شادی ہوجائے۔ تقدیم کی اماں سولہ سال سے معذور تھیں اور ابا کینٹ بورڈ میں ملازم تھے۔ تقدیم، تمہید، تسنیم، تنظیم اور تقدیس پانچ بہنیں اور ایک بھائی مونس تھا۔ اماں کی معذوری کی وجہ سے تمہید نے پڑھائی چھوڑ دی اور ان کے ساتھ گھر میں رہتی۔ تقدیم ابلاغ عامہ میں ماسٹر کرنے کے بعد ایک این جی او سے وابستہ تھی۔ تسنیم یونیورسٹی میں شعبۂ نفسیات کی طالبہ تھی مونس فوج میں تھا۔ اپنی نند حمیرا کی بیٹی خوش بخت سے مونس کی شادی کرنے کا ارادہ تھا اماں کا...... بیٹیوں کے جوڑ کے رشتے نہ آنے کی وجہ سے کسی کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ تسنیم یونیورسٹی میں ایک سال جونیئر مدثر میں انوالو تھی۔ عبادالرحمٰن پانچ سال کا تھا جب ابو کا ایک ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا۔ تایا جی نے چالاکی سے آبائی گھر سے بے دخل کرکے انہیں گھر بھیج دیا۔ ماں باپ تھے نہیں بھائیوں کے گھر نوکروں سے بدتر حالت میں وہ رہیں۔ عبادالرحمٰن نے سول انجینئرنگ میں ڈگری لے کر تعمیراتی فرم سے وابستگی اختیار کی تو ماں بیٹا ایک فلیٹ کرائے پر لے کر اس میں رہائش پذیر ہوگئے۔ حجاب امی کے لیے جوتے لینے جاتی ہے تو وہاں الطاف کو وہ پسند آجاتی ہے اور وہ اپنی بہنوں کو حجاب کے گھر رشتے کے لیے بھیجتا ہے۔ مونس کے بیچ میٹ عقیل ہمدانی کے ماموں صبور احمد اسلام آباد میں مقیم تھے۔ عقیل کے ساتھ مونس کا ان کے گھر جانا ہوتا ہے۔ صبور احمد اور طاہرہ کے دو بیٹے منصور اور طہور اور بیٹی عائزہ تھی۔ مدثر اور تسنیم کا عشق شدت اختیار کررہا ہے۔ عبادالرحمٰن کے سیٹل ہونے کے بعد ننھیال ددھیال والے اپنی بیٹیوں کے لیے عباد کی آس لگا رہے تھے لیکن عباد خاندان میں کسی سے شادی کرنے کے لیے تیار نہیں۔

اب آگے پڑھیں

امی، نایاب باجی، ان کے میاں قائم خان، بہجت بھائی، ارم بھابی اور رباب سب ان لوگوں کے ہاں ہو آئے تھے۔ امی کے خیال میں رباب کا جانا کوئی اتنا ضروری نہ تھا۔ وہ تو فقط بہجت بھائی یا حد سے حد نایاب باجی کا چلا جانا بھی کافی سمجھتی تھیں مگر دین سے دنیا تھامنی مشکل ہے۔ نایاب باجی جاتیں اور ان کے شوہر قائم خان کو نہ پوچھا جاتا تو بھی اچھا نہ تھا اور داماد کو لے جاتیں، بہو کو نہ پوچھتیں تو بہو ہی نہیں شاید بیٹے کو بھی گلہ ہوتا۔ رباب بھی منت سماجت کرکے ساتھ ہولی۔ واپسی پر سبھی لڑکے والوں کی امارت اور مہمان نوازی سے انتہائی مرعوب و متاثر دکھائی دیے۔ بالخصوص رباب کہ اس عمر کی لڑکیاں دولت کی چکا چوند سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔

”اُف اللہ! حجاب باجی اتنا بڑا اور شاندار گھر ہے...... لڑکے کا خالص اپنا...... بالکل ذاتی یار...... بندہ اس میں گم ہی ہو کر رہ جائے۔“ رباب نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے بتایا۔

حجاب نے کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی۔

”اے!“ اس نے حجاب کو ٹہو کا دیا۔ ”اتنی ٹھس ہوئی بیٹھی ہیں خوشی نہیں ہوئی آپ کو؟“ اس نے رباب کو دیکھا اور قطعاً سنجیدگی سے بولی۔

”ایسے بڑے گھروں سے جن میں بندے کے گم ہوجانے کا خوف ہو پناہ ہی مانگنی چاہیے۔“

”میں اس کی خوب صورتی میں گم ہوجانے کی بات کررہی ہوں جناب، ایمان سے بالکل افسانوی گھر لگتا ہے۔ بوگن ویلیا کی بیلوں سے ڈھکا...... لان اتنا بڑا اور اتنا ہرا بھرا کہ آنکھوں میں سبزہ اتر آئے۔ ڈرائنگ روم اتنا حسین کہ لگتا ہے کوئی پینٹنگ دیکھ رہے ہیں۔ ڈائننگ ہال کہتا تھا پاؤں اندر مت رکھنا ورنہ پتھر کے بن جاؤ گے۔“

”سب صحیح سلامت تو لوٹے؟“

”فی الحال تو لوٹ آئے ہیں آگے کا پتا نہیں۔“ رباب مسکرائی۔ پھر سلسلۂ کلام دوبارہ وہیں سے جوڑتے ہوئے

www.Paksociety.com

بولی۔ ”اور ڈائننگ ہال کا فانوس! مائی گاڈ! مجھے تو اب تک اپنی آنکھوں میں جھلملاہٹ سی محسوس ہورہی ہے اور کھانے پینے کی چیزیں تو اتنی بہت سی کہ بندہ یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہے کہ کیا کھائے اور کیا نہ کھائے۔ آپ کی وہاں شادی ہوگئی نا تو میں تو آپ کے گھر میں اپنی تصویریں کھینچ کھینچ کر اپنی فرینڈز کو امپریس کیا کروں گی۔“

”اور کچھ۔ یا کہانی ختم؟“ رباب کے چپ ہونے پر حجاب نے کہا۔

”کہانی تو ابھی شروع ہی نہیں ہوئی۔ ابھی تو ٹائٹل چل رہا ہے۔“ رباب چہکی۔ ”نوکروں کا پورا لشکر کا لشکر۔ کوئی چوکیدار کوئی مالی، کوئی باورچی، کوئی اوپر کے کام والی، پتا چلا سب گاؤں سے بھرتی کرکے منگوائے گئے ہیں اور کئی کئی برس ہوگئے انہیں کام کرتے۔ مالکوں کی آنکھ کے اشارے پر اِدھر سے اُدھر لپکتے جی صاحب، جی سائیں، جی بی بی کرتے پھر رہے تھے۔“

”مجھے تو رحم آتا ہے ایسے لوگوں پر۔“ حجاب بولی۔ تبھی امی، نایاب باجی کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوئیں۔

”بھئی بہت ہی اچھے لوگ ہیں۔“ امی نے گویا اسی کو سنانے کو کہا اور نایاب باجی کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ ”کیوں نایاب؟“

”جی امی، آپ کی کوئی نیکی کام آگئی۔“

”ارے میں تو بڑی گناہ گار بندی ہوں۔ اسی نے کسی کے ساتھ کوئی نیکی کی ہوگی جو گھر بیٹھے ایسا رشتہ مل گیا۔“ امی نے حجاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”بھئی حجاب کیا وظیفہ کرتی رہی ہو ہمیں بھی بتاؤ۔“ نایاب باجی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”عالم یہ ہے کہ کہتے ہیں جو شرط آپ لوگ چاہیں رکھ دیں ہمیں سب منظور۔ لڑکے کی بہنیں کہہ رہی تھیں سو تولے سے کم تو ہم زیور نہیں چڑھائیں گے بھابی کو۔ مہر جتنا چاہیں لکھوالیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لڑکے کے لیے مربع دو مربع زمین لڑکی کے نام لکھ دینا تو جیسے کوئی بات ہی نہیں۔ کہتا ہے نکاح کے وقت نکاح نامے میں کوئی جائداد نام لکھوانی ہو تو ابھی سے بتادیں تاکہ کاغذات تیار کروالوں۔“

”خاندانی لوگ ہیں۔ جدی پشتی امیر۔“ امی نے کہا۔

”بھابی تو ہکا بکا تھیں گھر دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر۔“ نایاب باجی بولیں۔

”بہجت بھائی اور بھابی آپ لوگوں کے ساتھ نہیں آئے؟“ حجاب نے پوچھا۔

”نہیں، وہ لوگ وہیں سے اپنے گھر چلے گئے۔ کل آئیں گے۔“

”بہجت کہہ رہا تھا حجاب کی مرضی ضرور لے لیں۔“ امی نے نایاب باجی کو آنکھ سے اشارہ دیتے ہوئے گویا یہ بات بھی اسی کو سنانے کو کہی۔

”ہاں بھئی کیا مرضی ہے تمہاری؟“ نایاب باجی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

وہ چپ رہی۔

”بولو!“ نایاب باجی نے تقاضا کیا۔

”مجھے کیا پتا۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔ تمہیں پتا ہونا چاہیے۔ ماشاء اللہ تعلیم یافتہ ہو، عقل مند ہو۔ اپنا اچھا برا سمجھ سکتی ہو۔ اپنی زندگی کے اہم ترین فیصلے میں تمہاری رائے بہت اہمیت رکھتی ہے۔“ نایاب باجی بولیں۔

www.Paksociety.com

"وہ لوگ تو مصر تھے کہ آج ہی جواب دے کر جائیں مگر بہجت نے ان لوگوں سے بھی یہی کہا کہ بہن کی رضا کے بغیر ہم ہاں نہیں کر سکتے۔" امی نے پھر بالواسطہ طور پر گویا اسی کو سنایا۔

"بتاؤ حجاب!"

"کیا بتاؤں باجی؟"

"تمہارا جواب چاہیے۔ امی ان لوگوں کو ہاں کر دیں نا؟"

"مجھے استخارہ کر لینے دیں۔" نایاب باجی اور امی دونوں نے بے ساختہ چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر امی نہایت ملائم لہجے میں بولیں۔

"ہاں، ہاں ضرور کرو...... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

"تم اتنی مذہبی کب سے ہو گئیں؟" نایاب باجی نے اسے استہزائیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے ایک حدیث پڑھی تھی کہ زندگی کے معاملات میں اللہ سے استخارہ کرنا اولادِ آدم کی خوش بختی ہے اور اللہ سے استخارہ نہ کرنا بدبختی ہے۔"

"بالفرض تمہیں استخارہ کر کے کوئی انڈیکیشن نہ ملی تو؟"

"انڈیکیشن ملنا ضروری نہیں۔" حجاب کے بجائے امی بولیں۔ "جب بندہ اپنی کسی حاجت کے سلسلے میں رب سے استعانت کا طلب گار ہوتا ہے اور اس سے دعا کرتا ہے کہ فلاں کام میرے حق میں میرے دین کے اعتبار سے اور انجام کے اعتبار سے یا میری دنیوی زندگی کے اعتبار سے یا اُخروی زندگی کے اعتبار سے بہتر ہے تو تو اس کو میرے لیے مقدر فرما دے اور اس میں آسانی اور برکت عطا فرما اور اگر یہ کام میرے حق میں بہتر نہیں تو اس کام کو مجھ سے اور مجھے اس سے دور کر دے۔ تو اگر وہ کام بندے کے حق میں بہتر ہوتا ہے تو آپ ہی آپ اس کا دل اس کام پر ٹھہر جاتا ہے اور غیب سے آسانیاں نصیب ہوتی ہیں لیکن اگر خدانخواستہ وہ کام ہمارے حق میں بہتر نہیں ہوتا ہے تو بندے کا دل آپ ہی آپ اس طرف سے پھر جاتا ہے، ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ کام ہو ہی نہیں پاتا۔"

"مرضی ہے آپ لوگوں کی۔" نایاب باجی نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"ہماری مرضی کی بات نہیں بیٹا، یہ اللہ کے پیارے نبیؐ کی سنت ہے۔ سچی بات ہے مجھے تو خوشی ہوئی کہ حجاب نے اس طرف ہماری توجہ دلائی جس طرف میں جھوٹ کیوں بولوں کم از کم میرا دھیان تو نہیں گیا تھا۔ شادی بیاہ کے معاملات میں والدین کو بلکہ خود اہلِ معاملہ کو استخارہ ضرور کرنا چاہیے۔"

"اچھا امی میں تو اب چلتی ہوں۔ قائم اکیلے بیٹھے بور ہو رہے ہوں گے۔" نایاب باجی نے کہا۔

"ہو سکے تو کل اسپتال سے واپسی پر اِدھر چکر لگا لینا۔" امی بولیں۔

"کوئی خاص بات؟"

"بھئی اب ان لوگوں کو بلانے کی تیاری بھی تو کرنی ہے۔"

"پہلے یہ استخارہ تو کر لیں۔" نایاب باجی نے حجاب کی جانب دیکھا۔

"انشاء اللہ اچھا ہی آئے گا۔" امی کے لہجے میں یقین تھا۔

☆☆☆

آپ کی بیزاری بھی صحیح ہے۔ ایک سچے اور مخلص ساتھی کی کمی رفتہ رفتہ آپ کو احساسِ کمتری میں مبتلا کرتی جا رہی ہے۔ آپ کے حوصلے ماند پڑتے جا رہے ہیں۔ اور شوق کم۔

لوگ کہتے ہیں ایک اور ایک گیارہ مگر میری نظر میں دو مل کر سب دُنیا کے برابر ہیں۔ ایک محبوب دوست۔ ایک مخلص ہمراز۔ ایک پُرخلوص آواز۔ پیار کی ایک نظر۔ پُرعزم مُسکراہٹ کی ایک جھلک۔ پُراُمید گفتگو کا ایک فقرہ۔ ہمت افزا تحریر کا ایک ورق۔ محبت کی پُرنور شعاعوں کا جھلملاتا سا عکس۔ ایک ہمدرد ہاتھ کی مدد۔ تعاون کا ایک لفظ' انسان کو آفاق کی اُن وسعتوں میں لے جاتا ہے جہاں اُفق کی تمام حدود مِٹ جاتی ہیں۔

اقتباس از بخود دیدی ○ مُصنّفہ: رفعت

ہمدرد

پہلے دن وہ نمازِ استخارہ پڑھ کر دعا مانگ کر سوئی تو نہ خواب میں کچھ دکھائی دیا نہ دل نے کوئی گواہی دی۔ دوسری رات اس نے پھر استخارے کی غرض سے نفل ادا کیے اور دعا مانگ کر اپنے صاف ستھرے بستر پر دائیں کروٹ سو رہی۔ اس رات اس نے خواب دیکھا جیسے اس کی شادی کی تصویریں فوٹوگرافر کے ہاں سے دھل کر آئی ہیں اور وہ بیٹھی تصویریں دیکھ رہی ہے۔ ہر تصویر میں اس کے ساتھ بیٹھے دولھا کا سر غائب تھا۔ وہ جاگی تو دل ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار تھا۔ نہ وحشت نہ ٹھہراؤ، نہ خوشی نہ ملال۔ ہلکی سی الجھن۔ اس خواب کا کیا مطلب تھا؟ کیا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا اس سے؟ امی کو بتایا تو وہ بولیں۔

"یہ تمہارے دماغ کا خلل ہے۔ اللہ نے اپنی مہربانی سے گھر بیٹھے اچھا رشتہ بھیج دیا ہے۔ چاہیے تھا شکر کرتیں تم تو مین میکھ نکالنے بیٹھ گئیں کہ امیر ہیں تو اپنے جیسوں میں کیوں نہیں گئے۔ شریف آدمی ہوتا تو پیچھا نہ کرتا۔ ارے بھئی اس نے کوئی غلط سلط حرکت تو نہیں کی نا۔ شرافت سے آیا گھر دیکھ کر چلا گیا پھر اپنے گھر والوں کو لے آیا۔ میرا دل مطمئن ہے بس ٹھیک ہے۔"

نایاب باجی نے اس کا خواب سنا تو مسکرا کر بولیں۔ "تم نے تو بے چارے دولھا کو ہی سر کٹا بنا دیا۔"

"فتور ہے دماغ کا۔" امی بولیں۔ "اچھا بھلا خوب صورت لڑکا ہے۔"

"لڑکا تو نہ کہیں امی۔ چالیس سے کم تو کسی صورت نہ ہوگا۔" نایاب باجی نے کہا۔

"کہتے ہیں مرد ساٹھا بھی پاٹھا۔ چالیس سال کا مرد جوان ہی ہوتا ہے اور مرد شادی سے پہلے لڑکا ہی کہلاتا ہے۔"

"اچھا خیر تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"لڑکے کی بہن نے تو کل بھی فون کیا تھا۔ بے چین ہیں کہ کب ہاں ہو۔"

"کیوں بھئی کر دیں ہاں؟" نایاب باجی نے حجاب کی طرف دیکھا۔

"مرضی ہے آپ لوگوں کی۔"

"ٹھیک ہے امی بلا لیں آپ ان لوگوں کو۔"

"پہلے تو گھر کو تھوڑا سا ٹھیک کرنا پڑے گا۔"

"اور انہیں جلدی جو ہے۔"

www.Paksociety.com

"ہو جائے گا سب ہو جائے گا۔ اتوار کو بلا لیتے ہیں انہیں۔ ہمیں بھی تیاری کو چار دن مل جائیں گے۔"
امی نے کہا۔

☆☆☆

تسنیم ان دنوں خاصی پریشان تھی۔ کورٹ میرج کے لیے مدثر کا اصرار روز بروز بڑھتا چلا جا رہا تھا بلکہ ایک روز تو وہ اس معاملے میں اس سے الجھ بھی پڑا تھا۔ وہ دونوں یونیورسٹی میں اپنی اپنی کلاسیں بھلائے بزبان شاعر بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے، کی مجسم تفسیر بنے ایک پارک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تسنیم اپنے دائیں ہاتھ میں ایک تنکا لیے بے آب و گیاہ زمین پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے میں مستغرق تھی اور وہ اس کے نزدیک ہی اپنے بائیں پہلو کے بل دراز کہنی زمین پر ٹیکے اپنے چہرے کا بایاں حصہ ہتھیلی کی مسند پر دھرے گہری نگاہوں سے اس کے استغراق کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تو پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟" اس نے پوچھا۔

"کس سلسلے میں؟" تسنیم نے بے ساختہ چونک کر تجاہلِ عارفانہ سے کہا۔

"اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔" وہ اٹھ کر سیدھا ہو بیٹھا اور قدرے ناگواری سے بولا۔ "کل یہ نہ پوچھنے بیٹھ جانا کہ تم ہو کون؟"

"پلیز!" اس نے مدثر کو خوشامدانہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا...... میں کوئی گدھا ہوں۔"

"مدثر!"

"بھاڑ میں گیا مدثر۔" وہ بھبک کر بولا۔ "مجھے تمہارا جواب چاہیے۔" تسنیم جو اس کی زبان سے رومانی مکالمات سننے کی عادی تھی اسے یوں بھبکتے دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔

"کیا ہوا مدثر!" اس نے شاکی لہجے میں کہا۔ "یہ تو سوچیں ابھی میری اسٹڈیز چل رہی ہیں۔ تعلیم مکمل کیے بغیر.... میں شادی کا کیسے سوچ سکتی ہوں؟"

"نوکری نہیں کروانی ہے مجھے تم سے۔"

"تعلیم صرف نوکری کرنے کے لیے تو حاصل نہیں کی جاتی۔" اس نے محتاط انداز میں کہا۔

"میں بحث میں نہیں پڑنا چاہتا...... مجھے تمہارا جواب چاہیے...... اور ہاں میں چاہیے...... ورنہ......"

"ورنہ؟"

"تمہارا اور میرا راستہ جدا۔"

وہ دم بخود رہ گئی۔ یہ کیا کہہ رہا تھا وہ؟ اتنی دور جا کر راستہ جدا۔ اس سے پہلے کسی اور کے ساتھ یوں گھومی پھری تھی وہ۔ اس سے پہلے کسی اور مرد نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ کسی اور نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرنے کی جسارت کی تھی۔ کسی اور مرد کے لب اس کے لبوں سے......! اوہ اتنی دور نکل جانے کے بعد وہ راستہ جدا ہونے کی بات کر رہا تھا۔

کاش! یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔ وہ تو بہت نخریلی اور سر پھری لڑکی ہوا کرتی تھی۔ ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دیتی۔ خلافِ مزاج بات پر اشتعال میں آجاتی۔ چیخ چیخ کر زمین آسمان ایک کر دیتی۔ کمرے میں بند ہو جاتی۔ کئی کئی وقت گھر

www.Paksociety.com

کا کھانا ہی نہ کھاتی۔ البتہ گھر سے باہر تینوں وقت کا حساب پورا کر لیتی۔ اماں کا دل دکھتا رہتا، نوالے حلق میں اٹکتے کہ اس نے کھانا پینا بند کر رکھا ہے مگر اسے نہ اماں کی پروا تھی نہ ابا کی، نہ کسی اور کی۔ اماں، ابا، بھائی، بہنیں سب کس قدر خائف رہا کرتے تھے اس کی تنک مزاجی سے۔ ابا سربراہِ خانہ تھے مگر ان کی پسند، ناپسند اور خوشی، ناخوشی کا بھی اتنا خیال نہ رکھا جاتا جتنا کہ اس کا رکھا جاتا تھا۔ مونس کے جانے کے بعد اس نے محض اپنی پرائیویسی کے لیے چھوٹی دونوں بہنوں کو کس طرح نکال باہر کیا تھا اپنے کمرے سے۔ گھر میں کوئی بول نہیں سکا تھا اس کی مرضی کے خلاف۔

"ٹھیک ہے دے دو اسی کو پورا کمرا۔" ابا نے کہا۔ دونوں بہنیں اپنا اپنا سامان سمیٹ کر خاموشی سے کمرے سے دستبردار ہو گئی تھیں۔ کسی میں مجال تھی اس سے ٹکر لینے کی۔ اسکول، کالج، یونیورسٹی ہر جگہ ساتھیاں اس سے ڈرتی رہی تھیں۔ منٹ لگاتی تھی وہ اپنے مقابل کے بخیے اُدھیڑ دینے میں۔

"تسنیم کے منہ نہ لگنا بھئی۔" ایک دوسرے کو متنبہ کیا جاتا۔

"بہت بدتمیز اور لڑاکا ہے۔ ایک سیکنڈ میں بندے کی عزت اتار کر اس کے ہاتھ میں تھما دیتی ہے۔"

"توبہ توبہ! تسنیم! اس سے کون بات کرے۔"

گھر والوں کی طرح باہر بھی لوگ اس سے عزت بچا کر رکھتے تھے۔ مگر مدثر نے اس کے پندار پر کیسی ضرب لگائی تھی۔ اس کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا کر کتنے آرام سے کہہ رہا تھا جواب ہاں میں چاہیے ورنہ تمہارا اور میرا راستہ جدا! وہ کیا کہتی اس کے پاس کہنے کو تھا ہی کیا۔ مکافاتِ عمل۔

دوسروں کے دل دکھاؤ گے تو تمہارے اپنے دل پر بھی گھاؤ لگیں گے۔ دوسروں کو ذلیل کرو گے تو تمہیں ایک دن خود بھی ذلیل ہونا پڑے گا۔

اماں، ابا اور بھائی، بہنوں کا کتنا دل دکھایا کرتی تھی وہ۔ کبھی اس بہانے کبھی اس بہانے اور کبھی جو اسے اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی ہو۔ خود کو صحیح اور باقی سب کو غلط سمجھتی تھی وہ۔ انجام، مدثر کی بات نے اس کا بہت دل دکھایا تھا۔ ٹپ...... ٹپ...... ٹپ...... اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ عورت کے آنسو جو مرد کو بر ما دیتے ہیں۔

"کم آن یار۔" مدثر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی مگر وہ مرد تھا۔

"میں نے تم سے رونے کو تو نہیں کہا۔"

"رُلانے والی بات تو کی۔" وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

"میں تو رو بھی نہیں سکتا۔" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"مرد ہونے کی لاج جو نبھانی پڑتی ہے۔" وہ اس کے بہت نزدیک ہو گیا۔ "جب منعم کو بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے اور باہر آتے جاتے دیکھتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کوئی تو میرا ساتھی بھی ہو۔ میں اس سے بڑا ہوں پہلے میری شادی ہونی چاہیے تھی یار۔ یہ کیا بے ایمانی ہوئی کہ وہ لڑکی بھگا لایا اور اب دونوں عیش کر رہے ہیں۔ نہ صرف وہ دونوں بلکہ ان کا بچہ بھی۔ ممی ڈیڈی جان چھڑکتے ہیں اس پر۔ بیمار ہوتا ہے تو شہر کے سب سے بڑے چائلڈ اسپیشلسٹ کے پاس لے جایا جاتا ہے۔ ممی اپنے لیے ایک جوڑا خریدتی ہیں تو دو منعم کی بیوی کے لیے۔ جب منعم اسے بھگا کر لایا تو بالکل دبلی پتلی تھی۔ اب کھا کھا کر بھینس بن گئی ہے۔ میں جلتا ہوں، کھولتا رہتا ہوں کہ اس عیش و آرام پر میرے بیوی بچوں کا حق بھی تو ہونا چاہیے۔"

"کرلیں۔" تسنیم جو اپنی رقت پر قابو پا چکی تھی خفگی آمیز لہجے میں بولی۔ "بہت مل جائیں گی آپ کو لڑکیاں۔"

"مجھے بہت نہیں۔" وہ اس کی ناک اپنی انگشتِ شہادت سے چھوتے ہوئے اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔ "صرف ایک لڑکی چاہیے اور وہ تم ہو...... صرف تم میری جان...... آئی لو یو۔"

وہ اسے شاکی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"مجھے معلوم ہے تم اس لیے روئیں کہ تمہیں میری بات بری لگی۔" یکایک اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کردیے۔ "آئی ایم رئیلی سوری۔"

تسنیم نے آہستگی سے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اسے محبت سے دیکھنے لگی۔ وہ اس کے اور نزدیک ہوگیا اور اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے جدا کرکے اپنا بازو اس کے شانوں پر دراز کرتے ہوئے بولا۔

"دیکھو میں آج ممی سے کہوں تو وہ کل میری شادی کسی لڑکی سے کردیں لیکن مجھے کسی اور سے نہیں تم سے شادی کرنی ہے۔ ممی ڈیڈی کو میری اپنی پسند کی لڑکی سے شادی پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ دونوں اس معاملے میں بڑے لبرل ہیں۔"

"تو پھر کورٹ میرج کی بات کیوں کرتے ہو؟"

"کیونکہ میری جان تم جو کہتی ہو کہ تمہارے گھر والے بڑی بہنوں سے پہلے تمہاری شادی کے لیے راضی نہ ہوں گے۔ میرے پاس تو کوئی لڑکے نہیں تمہاری بہنوں کے لیے ورنہ لے جاکر کھڑا کردیتا انہیں تمہارے والدین کے سامنے کہ ان کا بھی نکاح پڑھوائیں اور میرا بھی۔" وہ بے ساختہ مسکرادی۔

"شکر ہے مسکرائیں تو تم...... اچھا اب بتاؤ...... کیا ارادہ ہے؟"

"تھوڑا انتظار کرلیتے ہیں مدثر۔" اس کے لہجے میں لجاجت تھی۔

"کس بات کا انتظار؟"

"ہوسکتا ہے تمہید باجی یا تقدیم آپی کے لیے کوئی رشتہ آجائے۔ دونوں میں سے کسی ایک کی بھی ہوگئی ناتو ہمارے لیے کچھ آسانی ہوجائے گی۔ پھر شاید تم اپنے ممی ڈیڈی کو ہمارے ہاں بھیجو تو اماں ابا راضی ہوجائیں۔"

"نہیں۔" وہ قطعیت کے ساتھ بولا۔ "ایک ایک دن مشکل ہے۔"

"پلیز۔"

"نو۔"

"فار مائی سیک۔" وہ گڑگڑا ہی تو دی۔

"فار مائی سیک!" وہ لجاجت سے بولا۔ اس نے سر نہوڑا لیا۔

مدثر نے اس کا سر تھپتھپایا۔ وہ سر اٹھا کر اسے کھوئی کھوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھے تمہارا جواب چاہیے میڈم۔"

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"زندہ باد۔" اس نے نعرہ لگایا اور اپنے دونوں بازو اوپر کھڑے کرکے بیٹھے بیٹھے مٹکنے لگا۔

www.Paksociety.com

تسنیم نے اقرار تو کرلیا تھا مگر سخت تذبذب میں تھی۔ ابھی تو وہ زندگی کے راستے پر دو گام ہی چلی تھی مگر احتیاطی نے اسے کس مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔

☆☆☆

الطاف کے گھر والے بقول رباب "باضابطہ رشتہ" لے کر آرہے تھے۔

"یہ باضابطہ رشتہ کیا ہوتا ہے؟" حجاب نے رباب سے کہا تھا۔

"ہوتا ہے آپ نہیں جانتیں؟"

"دادی اماں آپ ہی بتادیں۔"

"چپ کرکے بیٹھیں لڑکیاں زیادہ نہیں بولتیں۔"

"اپنی باری آنے دو پوچھوں گی۔"

گھر آنے والے مہمانوں کے خاطر خواہ استقبال کے لیے امی گھر کی صفائی ستھرائی اور آرائش میں ایسے مصروف تھیں جیسے کسی اعلیٰ افسر کے دورے کی اطلاع پاکر ماتحت عملہ لیپا پوتی میں لگ جایا کرتا ہے۔ نایاب باجی امی کو اپنے گرانقدر مشوروں سے دامے، درمے، سخنے نوازنے کے ساتھ آرائش خانہ کے جدید رجحانات سے بھی آگاہ کیے جارہی تھیں۔ گھر کی سجاوٹ کے لیے انہوں نے کئی چیزیں اپنے گھر سے لاکر مستعار دی تھیں۔ آنے والے مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے وہ اپنے جہیز کی کراکری بھی اٹھالائی تھیں۔ امی نے اپنے اسکول کی آپا جمیلہ کو اپنی مدد کے لیے بلالیا تھا۔ بیوہ اور فارغ البال عورت تھی۔ دو بیٹے تھے جن کے گھر بسا چکی تھی۔ اسٹاف ممبرز میں جس کے گھر غمی خوشی ہوتی حسبِ خواہش وضرورت آپا جمیلہ کی خدمات سے مستفید ہوا تھا۔ بابا کی موت کے بعد نذر نیاز، نایاب باجی اور بہجت بھائی کی شادیاں سب اسی نے نمٹوائی تھیں۔ اپنوں سے غیر بھلے۔ امی اسے بلالیتیں اور وہ امی کا دست وبازو بن جاتی۔ دوپٹا سر پر منڈھے، شلوار اڑنگی کیے جوانوں کی طرح ادھر سے ادھر لپکتی پھرتی۔ عمر اتنی تھی بھی نہیں اب اس وقت کوئی پچاس کے پیٹے میں تھی۔ شوہر کے انتقال کے بعد اس نے ملازمت کرکے دونوں بیٹوں کو پالا پوسا تھا اور ڈاڑھی مونچھ کا ہوتے ہی ایک کے لیے بھانجی اور دوسرے کے لیے بھتیجی کو بہو بنا کر گھر لے آئی تھی۔ دونوں بیٹے ایک ہی گھر میں رہتے۔ آپا جمیلہ بھی انہی کے ساتھ رہتی۔ کسی کی نگران کی پابند نہ تھی۔ جہاں مرضی ہوتی آتی جاتی۔ دوسروں کی غمی خوشی کٹوانے کو دس دس پندرہ پندرہ دن گھر سے چلی جاتی۔ کس کی مجال کہ پوچھ گچھ کرے۔ جہاں جاتی وہیں سے اپنا سلسلۂ ملازمت بھی برقرار رکھتی۔ جن کی غمی خوشی بٹاتی وہ اسے خوش کرکے واپس بھیجتے۔ امی نے بھی کام چھڑتے ہی اپنی مدد کے لیے آپا جمیلہ کو بلا بھیجا تھا۔

لڑکے والوں کا گھر دیکھنے کے بعد امی کو اپنا گھر میلا اور ہر شے پرانی اور کمتر سی لگنے لگی تھی۔ بہجت بھائی سے کہا کہ انہوں نے صرف بیٹھک میں رنگ وروغن شروع کروانا تھا مگر بہجت بھائی نے صرف بیٹھک کے بجائے پورے گھر پر رنگ وروغن کا پروگرام بنالیا۔ کام جلدی ختم کروانے کی غرض سے چار آدمی کام پر لگائے ٹھیکے پر کام دیا تاکہ کام کرنے والے سستی نہ دکھائیں۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ چار آدمیوں نے تین دن میں کام نمٹا دیا۔ صوفوں کی کہنگی چھپانے کے لیے امی نے محلے کی ایک درزن سے صوفوں کے کورز سلوائے۔ سوتی کشن کورز کو خوش رنگ ریشمی کورز سے بدلا۔ سینٹر ٹیبل سیٹ کے لیے دیدہ زیب ٹیبل میٹس اور کارنرز کے لیے گلدان

www.Paksociety.com

خرید کر لائیں جس میں مصنوعی مخملیں گلدستہ آراستہ تھا۔ بیٹھک کے ایک کونے میں ایک آرائشی لیمپ بھی لا کر سجایا۔ بیٹھک کی کھڑکیوں کے لیے منگل بازار کے لنڈا اسکشن سے دیدہ زیب ''امپورٹڈ'' پردے خرید لائیں جن کی خود ہی کتر بیونت کر کے انہیں بیٹھک کی کھڑکیوں کے مطابق کر لیا۔ دروازے پر بقول نایاب باجی پردے ڈالنے کا رواج پرانا ہو چکا تھا۔ رباب نے بیٹھک کی دیواروں کو نئے کیلنڈر، نئی وال کلاک، تصاویر اور دیوار گیر آرائشوں سے مزین کیا۔ امی مہمانوں کو جدید رجحانات سے اپنی آگہی سے متاثر کرنے کو ایک ٹی ٹرالی بھی خرید لائیں حالانکہ اس سے پہلے پلاسٹک ٹرے سے بخوبی کام چل رہا تھا۔ ایک دو مہمان ہوتے تو چھوٹی ٹرے استعمال کر لی جاتی۔ دو سے زیادہ مہمان ہوتے تو بڑی استعمال میں آتی اور کبھی کبھی بڑی کے ساتھ حسبِ ضرورت چھوٹی بھی۔ گھر کے صحن میں امی نے آٹھ نئے گملے بھی منگوا کر رکھے۔

مہمانوں کی آمد والے دن امی کی ہدایت پر حجاب کو بادلِ ناخواستہ خصوصی تیاری کرنی پڑی۔ اسکول یا گھر سے باہر کہیں جاتے ہوئے تیار ہونا اور بات تھی مگر گھر میں بن سنور کر رہنا حجاب کو کبھی پسند نہ رہا تھا۔ گھر میں تو وہ بڑے سادہ سے حلیے میں رہا کرتی تھی۔ چھٹی والے دن تو بال بھی آراستہ نہ کرتی۔ مگر امی کا حکم تھا سو تعمیل ضروری ٹھہری۔ نایاب باجی کے مشورے سے اپنا بہترین جوڑا زیب تن کیا۔ زلف و رخسار کی آراستگی میں رباب نے بھرپور مدد کی۔ اسے آئینے کے روبرو بٹھا کر اتنے ہیئر اسٹائل بنا کر دیکھے کہ وہ چڑ ہی تو گئی۔

''بس باندھ دو جیسے بندھتے ہیں۔'' اس نے رباب سے کہا۔

''ارے واہ واہ امی سے جوتے پڑوائیں گی کیا۔ انہوں نے کہا ہے ذرا اچھے سے بال بنانا ورنہ وہ تو اپنے پرانے اسٹائل سے ہی بال بنائے گی۔'' رباب بولی۔

''امی نے ایسا کہا؟'' اس نے آئینے کے توسط سے رباب کو دیکھا۔

''تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟''

''لگتا ہے، بہت امپریسڈ ہو گئی ہیں امی اُن لوگوں سے۔''

''وہ لوگ ہی ایسے ہیں۔ ایمان سے آپ کی قسمت کو تو دیسی گھی کا تڑکا لگ گیا۔''

''زیادہ باتیں مت بناؤ...... میرا جو حشر بنانا ہے بناؤ اور مجھے فارغ کرو۔'' بالآخر چھوٹی سی آڑی مانگ کے ساتھ ایک ہیئر اسٹائل بنا کر رباب اس کے بالوں کی آرائش سے تو فارغ ہوئی۔ پھر ہلکا ہلکا میک اپ کیا۔ کانوں میں زبردستی چھوٹے چھوٹے آویزے پہنائے اور اس کے ہزار تردد کے باوجود اس کی دائیں کلائی میں اپنا نگینوں والا بریسلٹ بھی پہنایا۔ زیورات تھے تو مصنوعی مگر رباب نے کسی حد تک اس کے لباس کی مناسبت سے منتخب کرنے کی کوشش کی۔ ستاروں اور موتیوں سے مرصع کولہاپوری اسٹائل کی چپلیں پہن کر جب وہ قدِ آدم آئینے کے سامنے سے ہٹی تو رباب نے اس کے سامنے اپنی ہتھیلی پھیلاتے ہوئے کہا۔

''نکالیں بیوٹیشن کی فیس۔''

''دو اتنی دیر نیم حکیم خطرۂ جان کے رحم و کرم پر رہنے کا معاوضہ۔'' حجاب نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کرتے ہوئے ترکی بہ ترکی کہا۔ وہ ہنس دی۔

''خدا کی قسم آفت لگ رہی ہیں۔'' رباب نے کہا۔ ''آج تو وہ حضرت پورے کے پورے کام سے جائیں گے۔''

www.Paksociety.com

"بکواس مت کرو۔" حجاب نے اسے گھورا۔

لڑکے والے آئے تو مردوں کو بیٹھک میں اور عورتوں کو امی کے کمرے میں بٹھایا گیا۔ تازہ رنگ وروغن پردوں کی دھلائی اور استری، امی کے بیڈ پر نئی چادر اور تکیوں کے غلاف، موڑھوں پر نئے غلافوں اور برش کے ذریعے واشنگ پاؤڈر سے دھلی پلاسٹک کی کرسیوں نے امی کے کمرے کو بھی تازہ منظر دے رکھا تھا۔

مہمانوں کی خاطر مدارات کا حیثیت سے بڑھ کر اہتمام تھا۔ امی نے مہمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے اپنی طلائی چوڑیاں ہاتھوں میں پہن رکھی تھیں لیکن جب مہمان آئے تو لڑکے کی دونوں بہنوں کے ٹھوس زیورات کو بار بار بظاہر اچٹتی نظروں سے دیکھتے ہوئے امی اپنی چوڑیوں کے ہلکے پن پر دل ہی دل میں خفیف ہوتی رہیں۔ یہ چوڑیاں ان کے لیے بابا کی یادگار تھیں جو وہ اُن کے لیے کویت سے لائے تھے۔ سونا تھا خالص مگر کہاں مہمان خواتین کے بھاری زیورات، موٹے موٹے ٹھوس اور مرصع کنگن اور کہاں امی کی نازک نازک چھ چوڑیاں! دونوں بہنیں سونے میں پیلی تھیں۔ ان کی قیمتی پوشاکیں اور عمدہ پاپوشیں ان کی امارت کی غماز تھیں۔ ان کے وجود سے اٹھتے خوشبوؤں کے جھونکوں نے گھر کی فضا کو معطر کر رکھا تھا۔ مردوں کے ٹھاٹ باٹ سوا تھے۔ لڑکے کے ساتھ اس کے دونوں بہنوئی بھی آئے تھے۔ بہترین لباس، چمچماتے جوتے، قیمتی کلائی گھڑیاں اس پر مستزاد ان کے جسموں سے اٹھتی نوع بنوع خوشبوؤں کی ملی جلی سحر انگیز مہکار۔

"کیا زبردست پرفیوم لگا کر آئے ہیں یہ لوگ۔" کچن میں آپا جمیلہ کا ہاتھ بٹاتی رباب نے ایک گہری سانس یوں کھینچی جیسے ساری کی ساری خوشبو میں اپنے مشامِ جاں میں بسا لینا چاہتی ہو۔

"آہستہ بولو۔" نایاب باجی نے جو کچن میں جاری کام کا جائزہ لینے کے لیے آئی تھیں رباب کو گھٹی گھٹی آواز میں تنبیہ کی۔

"آپ نے گاڑیاں دیکھیں باجی۔ اس دن جب ہم ان کے گھر گئے تھے وہاں دوسری گاڑیاں تھیں یہ اور ہیں۔" رباب اتنی ایکسائیٹڈ تھی کہ نایاب باجی کی تنبیہ کو بھی نظر انداز کر گئی۔

"ایک لینڈ کروزر ہے دو مرسیڈیز۔" نایاب باجی دھیمے سُروں میں بولیں۔ تبھی حجاب کچن میں داخل ہوئی۔

"ان کے تو ٹھاٹ ہوں گے بھئی۔" رباب نے حجاب کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اللہ نے میڈم صاحبہ کی نیکیوں کا انعام دیا ہے۔" آپا جمیلہ بولیں۔ حجاب چپ تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

"سن رہی ہیں آپا جمیلہ کی بات؟" رباب کے لہجے میں شوخی تھی اور نظریں حجاب پر۔

"ان لوگوں کو کوئی اور گھر نہیں ملا تھا۔" حجاب نے دھیمی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" نایاب باجی چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"انہوں نے اپنی بڑی بڑی گاڑیاں ہمارے گھر کے سامنے کیوں لا کھڑی کیں...... اپنے جیسے کسی امیر گھرانے میں کیوں نہیں گئے؟" اس نے کہا۔

"کیونکہ امیر گھرانوں میں پیدائشی حوریں نہیں بستیں...... لعل تو گدڑیوں میں ہی ملتے ہیں۔" رباب کا لہجہ انتہائی شوخ تھا۔

"شکر کرو۔" نایاب باجی نے حجاب کی ناشکر گزاری پر اسے قدرے ناگواری سے گھورا۔ پھر قدرے توقف سے بولیں۔ "خود کوالیفائیڈ ڈاکٹر اور ایک ڈاکٹر کی بیوی ہو کر بھی میرے پاس سیکنڈ ہینڈ گاڑی ہے...... لوگ تو ایسے کھاتے پیتے رشتے آنے پر شکرانے کے نفل پڑھتے ہیں اور ایک تم ہو کہ......"

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے باجی۔" وہ سہمے سہمے لہجے میں بولی۔

"کیوں؟" نایاب نے ابرو چڑھائی۔

"یہ جو امیر لوگ ہوتے ہیں نا...... لینڈ کروزر، پجیرو اور مرسیڈیز رکھنے والے...... یہ اسٹیٹس کانشس ہوتے ہیں۔ اپنے سے کمتر لوگوں سے رشتے جوڑنا تو دور کی بات ہے ہاتھ ملانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ہم ورکنگ کلاس لوگوں کے گھر اُن کا رشتہ لے کر آنا دل کو ڈراتا ہے۔" نایاب باجی نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر دھر دیا اور اسے اپنی بلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"اسٹیٹس کانشس لوگوں کو اپنی بڑی بڑی گاڑیوں کی اگلی سیٹ پر بٹھانے کے لیے ایک خوب صورت گھر والی کی ضرورت بھی تو ہوتی ہے۔ جانتی تو ہو وہ تم پر فریفتہ ہو کر یہاں تک پہنچا ہے۔"

"یہ بات اور زیادہ ڈرانے والی ہے...... اس کا مطلب ہے اسے ایک شوپیس کی ضرورت ہے۔" اس نے لمحے بھر کو توقف کیا پھر الجھے الجھے لہجے میں بولی۔ "مجھے شوپیس بننے سے ڈر لگتا ہے۔"

"تم پاگل ہو۔" نایاب باجی بولیں۔

"یہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا...... اتنی نروس ہو رہی ہیں...... کہیں سے اسکول کی پرنسپل لگتی ہیں یہ؟" رباب نے آنکھیں پٹ پٹائیں۔

حجاب اضطراب کے عالم میں اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے بائیں ہاتھ کی انگلیاں چٹخانے لگی۔

"نایاب!" امی نے کچن میں جھانکا۔

"جی امی۔" نایاب باجی بے ساختہ چونک کر پلٹیں۔

"آؤ نا...... مجھے اکیلا چھوڑ کر تم یہاں آ گئیں...... میں سخت نروس ہو رہی ہوں۔" امی نے کہا۔

امی کا نروس ہونا انتہائی حیران کُن بلکہ ناقابلِ یقین بات تھی۔ امی تو اس گھر کی مرد تھیں۔ اس سے پہلے کبھی کسی نے سنی تھی ان کے منہ سے یہ بات۔ بڑی سے بڑی مشکل، سخت سے سخت آزمائش میں بھی وہ سیسہ پلائی دیوار کی طرح ثابت قدم رہی تھیں۔ زندگی میں پہلی بار ان کی اولاد نے ان کے منہ سے کمزوری کا اعتراف سنا تھا۔ وہ اس وقت گھر آئے مہمانوں کے سامنے خود کو کمزور محسوس کر رہی تھیں۔

"آ رہی ہوں امی...... میں تو یہ دیکھنے آئی تھی کہ چائے تیار ہے یا نہیں۔" نایاب باجی نے کہا۔

"تیار ہے؟" امی نے دھیرے سے پوچھا۔ ان کے لہجے میں گونہ بے قراری تھی۔

"جی میڈم صاحب چائے بالکل تیار ہے۔" آپا جمیلہ نے امی کو اطمینان دلایا۔

"بس تو بھجواؤ فوراً۔"

نایاب باجی، امی کے ہمراہ جاتے جاتے حجاب کو سرگوشی میں ضروری ہدایات دے گئیں۔ اسے چائے لے کر مہمانوں کے سامنے جانا تھا۔ چائے مرد و خواتین کو ایک ساتھ بیٹھک میں دی جانی تھی۔ اس کے ہاتھ

پاؤں یخ ہوئے جا رہے تھے۔ سخت نروس ہو رہی تھی وہ...... کالج میں پڑھنے والی کسی نو عمر طالبہ کی طرح۔ اس کے دل کی دگرگوں کیفیت بھانپ لینے والا کب یقین کرتا کہ وہ صوبائی سطح پر ان خوش نصیب سربراہانِ مدارس میں سے ایک تھی جنہیں حسنِ کارکردگی پر حکومت کی جانب سے نقد انعام کے ساتھ عمرے کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی۔ جس کے اپنے تعلیمی ادارے میں رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ اس کے ایک بار گھنٹی بجانے پر درجہ چہارم ملازمین ہاتھ باندھے لپکے چلے آتے تھے اور جس کی ماتحتی میں کام کرنے والی چٹے سروں اور ڈھلکی ہوئی جلد والی استانیاں بھی اس کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھتی تھیں۔ اور جو اپنی جواں عمری اور صرف نو سالہ تجربے کے باوجود اپنے حسنِ کارکردگی کی بنا پر اربابِ بست و کشاد تک اتنی رسائی رکھتی تھی کہ اس کی ایک رپورٹ پر ادارے میں کام کرنے والے کسی بھی فرد کا کسی ہارڈ اسٹیشن پر تبادلہ کیا جا سکتا تھا۔ ٹی ٹرالی کا دستہ پکڑتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش تھی۔

”جاؤ بی بی فی امان اللہ۔“ آپا جمیلہ نے آشیر باد دی۔ رباب بے ساختہ ہنس دی۔

”تمہیں ہنسی کیوں آ رہی ہے؟“ حجاب نے اسے گھورا۔

”کیوں، ہنسنا منع ہے؟“ رباب نے پھو کے منہ سے کہا۔

”میں تمہیں قتل کر دوں گی۔“ حجاب نے دانت کچکچائے۔

”فی الحال تو آپ ان کے قتل کی فکریں جو ڈرائنگ روم میں آئے بیٹھے ہیں۔“ رباب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”بائی دا وے انہیں نظروں سے قتل کریں گی یا اپنی مسکراہٹ سے؟“

”چائے دے آؤں پھر پوچھوں گی تم سے۔“ حجاب نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

”آپ کیا پوچھیں گی، پوچھیں گے تو ہم کہ وہاں کیا ماجرا رہا۔“ رباب کو مذاق پر مذاق سوجھ رہا تھا۔ ٹی ٹرالی کو احتیاط سے دھکیلتے ہوئے حجاب کچن سے نکل گئی۔

☆☆☆

عقیل اپنے والد کی علالت کے بہانے چھٹی پر گھر گیا ہوا تھا۔ چھٹی لینے کے لیے اسے کتنے پاپڑ بیلنا پڑے تھے یہ وہ یا اکیڈمی میں اس کے دو تین قریب ترین ساتھی ہی جانتے تھے۔

صبور احمد نے مونس کو فون کیا۔ ”مونس میاں ویک اینڈ پر آ رہے ہیں نا آپ؟“

”انکل! آپ کو تو معلوم ہے عقیل چھٹی پر گھر گیا ہوا ہے۔“ اس نے کہا۔

”ہاں، مجھے معلوم ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”وہ آ جائے گا تو پھر آئیں گے ہم دونوں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“ صبور احمد شاکی لہجے میں بولے۔ وہ خفیف سا ہو گیا۔

”بیٹے! عقیل کی اپنی حیثیت ہے تمہارا اپنا مقام...... تم تو اب ہمارے لیے فردِ خانہ بن گئے ہو۔ تمہارے بغیر ہمارا کوئی پروگرام مکمل ہی نہیں ہوتا۔“ صبور احمد نے غیر معمولی اپنائیت سے کہا پھر قدرے توقف سے بولے۔ ”بیٹے! کل عائزہ بیٹی کا برتھ ڈے ہے لیکن صرف تمہاری شرکت یقینی بنانے کے لیے ہم برتھ ڈے پارٹی کل نہیں بلکہ سٹر ڈے کو رکھ رہے ہیں۔“

برتھ ڈے پارٹی! یعنی تحفہ بھی لے جانا پڑتا... اور بجٹ تھا ان دنوں خاصا ٹائٹ۔

www.Paksociety.com

”انکل ہو سکتا ہے اس دفعہ مجھے ویک اینڈ پر چھٹی نہ ملے۔“ اس نے بہانہ پیش کیا۔

”کوئی بات نہیں...... اگلے ویک اینڈ پر سہی...... عائزہ کی برتھ ڈے پارٹی تمہارے آنے پر ہی ہوگی۔“

جانے کا خواہاں تو وہ خود بھی تھا۔ صبور احمد کے ہاں جا کر گھر کی پیاس کچھ کم ہو جایا کرتی تھی مگر برتھ ڈے پارٹی کا سن کر اس نے محض تحفے کی وجہ سے بہانہ گھڑا تھا۔ راہِ فرار مسدود دیکھی تو کہا۔

”دیکھتا ہوں انکل! اگر آؤٹ پاس مل گیا تو...... آ جاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے...... ہم پارٹی کے لیے تیاری رکھیں گے...... جیسے ہی تم آئے ارینج کر لیں گے...... تمہاری آنٹی سامنے بیٹھی ہیں اور تمہیں پیار کہہ رہی ہیں۔“ مونس کو اپنی اہمیت کا احساس ہوا اور ساتھ ہی صبور احمد اور ان کے اہلِ خانہ کی حد درجہ شفقت اور اپنائیت کا بھی۔

”لو ان سے بات کرو۔“ صبور احمد نے کہا۔

”ہیلو!“ مسز صبور کی آواز کو اب وہ بخوبی پہچان سکتا تھا۔

”السلام علیکم آنٹی۔“

”جیتے رہو...... کیا حال ہے بیٹے؟“

”ٹھیک ٹھاک آنٹی۔“

”اچھا بیٹے، میں تمہارے انکل کی باتیں سن رہی تھی...... دیکھو جب تک تم نہیں ہو گے عائزہ اپنی سالگرہ کا کیک نہیں کاٹے گی۔“

”میں پوری کوشش کروں گا آنٹی۔“

”ہم تمہارا انتظار کریں گے۔“ صبور احمد کی بیگم شوہر کی جانب معنی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے بولیں۔ صبور احمد نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بیگم کی تائید کی۔

بات یہ نہیں کہ مونس کوئی غیر معمولی لڑکا تھا مگر صبور احمد اور ان کی بیگم کی زمانہ شناس نگاہیں جانتی تھیں کہ اب گھر بیٹھے انہیں اپنی قبول صورت بیٹی کے لیے ایک روشن مستقبل والا لڑکا ہاتھ لگ رہا تھا تو اسے ہاتھ سے جانے دینا کفرانِ نعمت ہوتا۔ بے شک عائزہ کا مستقبل بھی یکساں تابناک سہی مگر حقیقت یہ تھی کہ اس کی اپنی قبول صورتی ایک ہم پلہ رشتہ ملنے میں آڑے آ سکتی تھی۔ فی زمانہ لوگ ایک لڑکی میں ساری خوبیاں تلاش کرتے ہیں۔

☆☆☆

اس روز جب الطاف اور اس کے گھر والے رشتہ لے کر آئے تو رشتہ طے پانے کے ساتھ بہت سی اہم باتیں اسی نشست میں طے پا گئیں۔ الطاف کے ایک بہنوئی نے اس موقع پر بڑے قرینے سے کہا۔

”آپ لوگوں نے رشتہ قبول کر کے ہماری عزت افزائی کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں تمام اہم معاملات آج ہی طے کر لیے جائیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے ہمارا بار بار آپ کو تکلیف دینا اور آنا جانا مناسب نہ ہوگا۔“

باہم گفت و شنید سے طے پایا کہ دو ہفتوں بعد الطاف کی دبئی واپسی سے قبل نکاح کر دیا جائے۔ مہر کا معاملہ زیرِ غور آیا تو الطاف نے بلا مطالبہ مہرِ مثل سے پانچ گنا مہر رکھنا پسند کیا۔ قائم خان ششدر رہ گئے۔ ان کے گھر والوں نے اسی گھر کی بڑی بیٹی سے جو ڈاکٹر بھی تھی ان کی شادی کے موقع پر ایک لاکھ روپیہ مہر بھی خاصی

www.Paksociety.com

بحث وتمحیص کے بعد منظور کیا تھا اور الطاف اپنی خوشی سے پانچ لاکھ روپیہ مہر رکھنے کو کہہ رہا تھا۔ نکاح کے وقت حجاب کو پچاس تولہ طلائی زیورات بطور تحفہ چڑھائے جانے تھے۔ اور اس تحفے کا نکاح نامے میں اندراج بھی کیا جانا تھا۔ پچاس تولہ زیورات کے علاوہ آبائی زرعی زمین میں سے الطاف کے حصے سے ایک مربع زمین کی رخصتی کے موقع پر حجاب کے نام انتقال اور مزید پچاس تولہ طلائی زیورات۔ گفت وشنید میں الطاف خود بہت فعال رہا۔ بہنیں اور بہنوئی اس کی توثیق میں پیش پیش رہے۔ نایاب باجی نے ازراہِ تفنن کہا۔

”ماشاء اللہ دولھا میاں کافی بولڈ ہیں، اپنے معاملات خود طے کر رہے ہیں۔“

”اچھا ہے نا جی۔“ الطاف کے بڑے بہنوئی نے کہا۔ ”خود کفالت کا دور ہے۔“

الطاف نے شرط رکھی کہ جہیز میں حجاب اپنے گھر سے ایک سوئی بھی نہیں لے جائے گی۔ عروسی ملبوسات نکاح اور رخصتی دونوں مواقع پر سسرال سے آئیں گے اور حجاب تمام ملبوسات اور زیورات اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی پسند سے اپنی ہونے والی نندوں کے ساتھ جا کر خریدے گی۔

”آپ بھی ساتھ ہوں گے؟“ ارم بھابی کو ہونے والے نندوئی سے چھیڑ چھاڑ سوجھی۔

”ظاہر ہے جی، پے منٹ تو مجھے ہی کرنی ہوگی۔“

”ساتھ جانے کا بہانہ ہے۔“ نایاب باجی مسکرائیں۔ ”ورنہ والٹ تو آپ بہنوں کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں۔“

”کیوں آپ ایک یادگار شاپنگ کے موقع سے محروم رکھنا چاہتی ہیں مجھے۔“ الطاف نے کہا۔

”جائیے معاف کیا۔“

”تھینک یو۔“

ان لوگوں کے جانے کے بعد امی اور باقی گھر والے تادیر الطاف اور اس کی بہنوں اور بہنوئیوں کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ ان کی ایک ایک بات حجاب کو سنانے کو بار بار دہرائی گئی۔ وہ چپ رہی۔ نہ جانے کیوں اسے یہ سب کچھ بڑا مصنوعی اور معنی خیز لگ رہا تھا۔

☆☆☆

تسنیم کی بدلی ہوئی جون باقی اہلِ خانہ کے لیے کتنی ہی دل خوش کُن سہی تقدیم کے نزدیک خاصی معنی خیز تھی۔ تقدیم کی چھٹی حس کہتی تھی کچھ گڑبڑ ضرور تھی۔

اس روز یومِ اقبال تھا اور سرکاری تعطیل۔ ابا بھی نماز پڑھ کر دوبارہ سو چکے تھے۔ سب سو رہے تھے۔ سوائے تمہید اور تقدیم کے۔ تمہید حسبِ معمول باورچی خانے میں مصروفِ کار ہو چکی تھی۔ تقدیم نے واشنگ مشین لگا رکھی تھی۔ تسنیم جو چھٹی والے دن بہت دیر تک سونے کی عادی تھی حسبِ عادت لمبی تانے سو رہی تھی۔ دھلے کپڑوں کو الگنی پر ڈالنے کے لیے تقدیم برآمدے سے گزری تو تسنیم کے کمرے سے آتی موبائل فون کی میسج ٹون نے اسے ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا۔ کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور کھڑکی پر پڑا پردہ دائیں جانب سے سرکا ہوا تھا۔ تسنیم کا موبائل فون کھڑکی کے نزدیک بک شیلف پر رکھا دکھائی دے رہا تھا۔ موبائل فون سے منسلک چارجر دیوار میں نصب سوئچ بورڈ میں لگا ہوا تھا۔ تقدیم کی رگِ تجسس پھڑکی۔ کھلی کھڑکی سے ہاتھ اندر داخل کر کے اس

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

آہستگی سے چارجر کو موبائل سے نکالا اور موبائل اٹھالیا۔ دھلے کپڑوں کی باسکٹ اس نے صحن میں چھوڑی اور موبائل کو دوپٹے کے آنچل میں لپیٹے دم سادھے چھت پر جانے والے زینے کے انتہائی بالائی اسٹیپ پر جا بیٹھی۔
اس نے فون کالز کا ریکارڈ دیکھا پھر ان باکس میسجز دیکھنا شروع کیے۔ صرف گزشتہ رات ایک ہی نمبر سے اس فون پر بھیجے جانے والے میسجز کی لائن لگی ہوئی تھی اور اسی نمبر پر تسنیم کے موبائل سے بھی جوابی میسجز بھیجے گئے تھے۔ موصولہ اور جوابی پیغامات سے معاملے کی تہ تک پہنچنا چنداں دشوار نہ تھا۔ تسنیم کے جوابی پیغامات سے تقدیم کو اس شخص کا نام بھی پتا چل گیا تھا۔ تقدیم دبے پاؤں نیچے اتری۔ میسجز کرنے والے کا نمبر بہت احتیاط سے اپنی ڈائری میں درج کیا اور موبائل کو تسنیم کے کمرے کی کھڑکی سے جوں کا توں واپس رکھ دیا۔
شام تک وہ سخت مضطرب رہی۔ بار بار اس کا دھیان تسنیم کے موبائل فون پر آنے والے پیغامات اور جوابی پیغامات پر جاتا رہا۔ سرکاری تعطیل تھی۔ شام کو مونس نے فون کیا تو کافی دیر تک باری باری سب سے بات کی۔ تسنیم کا حال چال بھی بطورِ خاص پوچھا۔ اماں مغرب کے بعد رات کا کھانا کھالینے کی عادی تھیں۔ انہیں کھانا کھلانے کے بعد تقدیم، تسنیم کے کمرے میں جا پہنچی۔ تسنیم اس وقت بھی فون کان سے لگائے آہستہ آہستہ باتیں کررہی تھی۔ تقدیم کو دیکھ کر وہ چونکی ہوگئی۔ اس نے کال ڈراپ کی اور موبائل اپنی گود میں دبکانے کی کوشش کرنے لگی۔
"کس کا فون تھا؟" تقدیم نے کوئی تمہید باندھنی غیر ضروری سمجھی۔
"کسی کا نہیں...... کسی کا بھی نہیں۔"
"اتنی گھبرا کیوں گئیں؟"
"میں...... میں کیوں گھبراؤں گی۔" اس نے بظاہر بڑے اعتماد کا مظاہرہ کیا مگر اس کا چہرہ، اس کی جھکی جھکی نظریں، اس کا لہجہ سب اس کے جھوٹ کی چغلی کھا رہے تھے۔
"ایک بات پوچھوں؟"
"ہوں۔"
"کسی سے دوستی چل رہی ہے تمہاری؟"
اس نے ہڑبڑا کر تقدیم کو دیکھا۔
"جھوٹ بولنے یا چھپانے کی کوشش مت کرنا۔" تقدیم نے بہت آہستگی اور پیار سے اس کی پیشانی پر بکھری لٹوں کو دائیں بائیں سمیٹا۔
اس نے پہلو بدلا۔
"تم نے جواب نہیں دیا میرے سوال کا؟" تقدیم نے پھر کہا۔
"کون سا سوال؟" وہ انجان بن گئی۔
"وہی جو میں نے پوچھا تھا...... یہ...... مدثر کون ہے؟" تسنیم یک بیک اٹھ کھڑی ہوئی۔
"آپ نے میرے موبائل کو چھوا؟" اس کی جھکی جھکی آنکھیں اب کاسۂ چشم سے نکل پڑنے کو تھیں۔
"چھوا نہیں بلکہ اچھی طرح دیکھا اور پڑھا۔" تقدیم نے بلاخوف کہا۔
"کیوں؟"

www.Paksociety.com

”میں تمہاری بڑی بہن ہوں اور مجھے حق پہنچتا ہے کہ اگر تمہیں غلطی کرتے دیکھوں تو تمہاری اصلاح کی کوشش کروں۔“

”پہلے آپ اپنی اصلاح تو کرلیں۔“ وہ بڑی بدتمیزی سے بولی۔

”میری کوئی غلطی ہے تو مجھے بتاؤ۔“

”چلی جائیں یہاں سے۔“ وہ کمرے کے دروازے کی سمت انگلی اٹھاتے ہوئے غصے سے بولی۔

”یہ ہمارا گھر ہے اور اس کمرے پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ تمہارا۔“ تقدیم کو بھی ضد آگئی۔

”میں کہتی ہوں نکل جائیں۔“ اس نے آنکھیں نکالیں۔

”مجھے تعظیم یا تقدیس سمجھنے کی ضرورت نہیں جنہیں تم نے اس کمرے سے یوں نکال باہر کیا جیسے دودھ سے مکھی۔“

”سنبھالیں...... سنبھالیں یہ کمرا...... چلی جاؤں گی میں۔“ اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آ[نسو] تیرنے لگے۔ ”میں جانتی ہوں آپ سب کو اس کمرے کی بہت تکلیف ہے۔“

”آہستہ بولو ابا گھر میں ہیں۔“

”ہونے دیں...... مجھے کسی کی پروا نہیں۔“

”یہ تو مجھے معلوم ہے۔ لیکن ہم سب اس خوش فہمی میں مبتلا ہوگئے تھے کہ تم شاید بدل گئی ہو لیکن نہیں...... ویسی ہی ہو۔“

”ہاں ہاں کہہ دیں خودغرض، مکار۔“ وہ چلا کر بولی۔

”آہستہ۔“ تقدیم نے اسے تنبیہہ کی۔

”کیوں بولوں میں آہستہ...... مجھے کسی کا ڈر ہے؟ آپ مجھ پر شک کر رہی ہیں، بہتان لگا رہی ہیں ا[ور] میں کچھ نہ بولوں...... چپ رہوں...... کیوں چپ رہوں؟“ وہ چیخ کر بولی۔

”فارگاڈز سیک تسنیم۔“ تسنیم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دل پر اتنے دن سے چھائے غبار کو نکلنے [کے] لیے کوئی تو بہانہ چاہیے تھا۔ ابا، تمہید باجی، تعظیم اور تقدیس سب تسنیم کے کمرے کی طرف دوڑے چلے آ[ئے] ہر نظر میں ایک ہی سوال تھا۔

”کیا ہوا؟“ ابا نے پوچھا۔

”کچھ نہیں ابا...... بس ایسے ہی چھوٹی سی بات۔“ تقدیم نے کہا۔

”چھوٹی سی بات۔“ تسنیم غرائی اور تقدیم کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے ابا کی جانب دیکھ کر شاکی [لہجے] میں بولی۔ ”یہ الزام لگا رہی ہیں مجھ پر۔“

”کیسا الزام؟“ ابا چونکے۔

”کچھ نہیں ابا۔“ تقدیم نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔ مگر تسنیم کو حیا تھی نہ حجاب۔

”کہتی ہیں تمہاری کسی سے دوستی ہے۔“ ابا کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا۔

”بری بات بیٹا...... بڑی بہن ہو ماں کی جگہ ہو۔“ ابا نے تقدیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اماں بھی وہیل [چیئر] خود چلاتی تسنیم کے کمرے میں آپہنچی تھیں۔ تسنیم زور زور سے رونے لگی۔ ابا نے آگے بڑھ کر اس کا سر تھپتھپایا۔

”کیا ہوا؟“ اماں ہکا بکا ایک ایک کا منہ بے بسی سے تک رہی تھیں۔

”کچھ نہیں اماں۔“ تقدیم ان کا سر اپنے سینے سے لگا کر انہیں تسلی دیتے ہوئے بولی۔

”کیا ہوا؟ مجھے کچھ تو بتاؤ...... میری طبیعت ویسے ہی پریشان رہتی ہے۔“ اماں روہانسی ہوگئیں۔

”کچھ نہیں اماں...... کچھ بھی تو نہیں۔“ تقدیم نے انہیں اطمینان دلانا چاہا۔

اماں بے بسی سے ایک ایک کا منہ دیکھنے لگیں۔ آخر میں ان کی نظریں تسنیم پر آگئیں۔ تقدیم نے ابا کو مدد [طلب] نگاہوں سے دیکھا۔

”کچھ نہیں...... کچھ نہیں تقدیم کی ماں...... بہنوں کی جھڑپ ہوگئی ہے ہلکی سی۔“

”کس کس کی؟“

”تقدیم اور تسنیم کی۔“ ابا بولے پھر انہوں نے تقدیم سے کہا۔ ”تقدیم بیٹے اپنی اماں کو ان کے کمرے میں لے جاؤ۔“ [تقد]یم نے اماں کی وہیل چیئر کی پشت پر اپنے ہاتھ دھرے اور آہستہ آہستہ وہیل چیئر کو دھکیلتی اماں کو کمرے سے لے گئی۔

”کیا ہوا تھا؟“ اماں نے اپنے کمرے میں آنے کے بعد تقدیم سے پوچھا۔ تقدیم ان کے قدموں میں [بیٹھ] کر دھیرے دھیرے ان کے گھٹنے دباتے ہوئے دل شکستگی سے بولی۔

”ہم سب کو دھوکا ہوا تھا اماں...... تسنیم بدلی نہیں، وہ ویسی ہی ہے جیسی تھی۔ بدتمیز اور......“

”میں تو شکر ادا کر رہی تھی اللہ کا کہ آئے دن کا دنگا فساد اس گھر سے ختم ہوا۔ آج پھر شروعات ہوگئی۔ ایک [تمی]ز ہو تو دوسرا نظرانداز کردیا کرے۔“ تقدیم کو لگا اماں اسے مورد الزام ٹھہرا رہی تھیں۔

”اور اگر بات نظرانداز کیے جانے کے لائق نہ ہو؟“ اس کے لہجے میں دل گرفتگی تھی۔

”ایسی کیا بات تھی؟“ اماں بولیں۔ وہ ٹال گئی۔ اماں کو بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اماں بے چاری [ک]ر بھی کیا سکتی تھیں۔ وہ تو آپ اپنے وجود کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھیں۔ رات کو ابا صبح ناشتے کے لیے انڈے [لا]نے باہر جانے لگے تو انہوں نے اس سے کہا۔

”تقدیم بیٹی چلتی ہو؟“

اس کا ماتھا ٹھنکا۔ ابا کو اس سے کوئی خاص بات کرنا ہوتی تو اسے کسی بہانے سے باہر لے جاتے تھے۔ چھوٹا [سا] گھر تھا وہاں تو رازداری سے بات کرنا محال تھا۔ وہ ابا کے ساتھ ہولی۔ راستے میں ابا نے بات چھیڑ دی۔

”ہاں بیٹی آج تسنیم کے ساتھ جھگڑے کا کیا قصہ تھا؟“

وہ [کش]مکش و پیچ میں پڑ گئی۔ بتائے نہ بتائے؟ بتانا ضروری ٹھہرا۔ ویسے بھی تسنیم تو آغاز داستان کر ہی چکی تھی۔ گھر سے باہر [گلی] کی تاریکی میں ابا کے چہرے کے تاثرات تو وہ نہ دیکھ سکی مگر ان کی گہری اور ٹھنڈی سانس ان کے قلبی دکھ کی تفسیر بن گئی۔

”یہ موبائل فون بہت بڑی اور بری لعنت آئی ہے ہمارے معاشرے میں۔“ ابا پُرملال لہجے میں بولے۔

”ابا چیز تو کارآمد ہے مگر اس کے غلط استعمال نے اسے لعنت بنادیا ہے۔“

”ٹھیک کہتی ہو مگر عاقبت نااندیش اولادوں نے تو اسے ہم جیسے ماں باپ کے لیے باعثِ ذلت اور [وب]ال بنادیا ہے...... کیا کیا جائے۔“ آخری تین الفاظ ابا نے اتنی بے بسی سے ادا کیے کہ تقدیم کا دل دکھنے لگا۔ [ا]سے قابلِ نفرین محسوس ہو رہی تھی۔

www.Paksociety.com

☆☆☆

سنیچر کی شام مونس، صبور احمد کے گھر پہنچا ہوا تھا۔ لاری اڈے پر ٹویوٹا ہائی ایس سے اترنے کے بعد اس نے جی نائن مرکز سے عائزہ کے لیے سالگرہ کا تحفہ بھی خرید لیا تھا۔ صبور احمد اور ان کے اہلِ خانہ اسے دیکھ کر کھل اٹھے۔

"میاں! تم آتے ہو تو ہمارے گھر میں ایسی رونق آجاتی ہے جسے دیکھ کر ایک پرانے ناول نگار کے ناول کا عنوان یاد آنے لگتا ہے...... عنوان تھا...... چپکے سے بہار آجائے۔" صبور احمد نے خوش دلی سے کہا۔

"تھینکس فار کمنگ۔" عائزہ نے موقع ملتے ہی سرگوشی کی۔

"ہیپی برتھ ڈے۔" اس نے چمکدار بنفشی رنگ کے ریپر میں ملفوف تحفہ اپنے بیگ سے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ابھی نہیں لفظین صاحب...... کیک کٹنے کے بعد۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"اوکے۔" اس نے عائزہ کی بات کو سالگرہ کے آداب و قواعد سے اپنی ناآگہی پر محمول کرتے ہوئے جھینپ کر کہا۔

برتھ ڈے پارٹی کے انعقاد کے لیے جملہ اہلِ خانہ ہنگامی بنیادوں پر حرکت میں آگئے تھے۔ کسی نے ریفریجریٹر سے کیک نکالا۔ کسی نے دہی بوندی کے لیے دہی پھینٹنا شروع کردیا۔ صبور احمد کی بیگم نے فرنچ فرائز کے لیے کڑاہی چولھے پر رکھ دی۔ طہور غبارے پھلا پھلا کر قالین پر ڈھیر کرنے لگا۔ منصور نے لاؤنج کو سجانا شروع کردیا۔ صبور احمد بازار سے کچھ اور خریداری کرنے چلے گئے اور عائزہ اپنی نوک پلک سنوارنے کے لیے ڈریسنگ ٹیبل کے روبرو بیٹھ گئی۔ مونس نے بھی اس برتھ ڈے پارٹی کی تیاریوں میں جو محض اس کی خاطر اتنی رکھی گئی تھی اپنا حصہ بٹانا لازم سمجھا۔ وہ کیک کے گرد موم بتیاں جمانے لگا۔

"آنٹی جی! کتنی کینڈلز لگانی ہیں؟" اس نے بیگم صبور سے پوچھا۔ وہ ٹھٹک گئیں۔

"ایسا کرو بیٹے چھوٹی موم بتیاں پیکٹ میں جتنی بھی ہیں سب لگالو۔ رنگ برنگی اچھی لگیں گی، بڑی کینڈل بس ایک کافی رہے گی۔" وہ بڑی سمجھداری سے عائزہ کی عمر اس سے چھپا گئیں۔ تاہم عقیل نے اسے بتا رکھا تھا کہ عائزہ اس سے تقریباً ڈیڑھ سال بڑی تھی اور عقیل کی اور اس کی اپنی تاریخ پیدائش میں تقریباً پانچ ماہ کا فرق تھا۔ گویا عائزہ اس سے کوئی تیرہ ماہ بڑی تھی۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔

کتنی دل گدگدا دینے والی بات تھی یہ کہ اکیڈمی کے بہت سے دوسرے کیڈٹس کی طرح اس کا بھی ایک لڑکی سے خواہ وہ اس سے برس بھر بڑی سہی افیئر چل رہا تھا۔ اب تو وہ اکثر اسے رات کو فون بھی کرنے لگی تھی۔ پارٹی خاصے اہتمام سے ہوئی۔ اسبابِ خور و نوش اتنا تھا کہ بچ بھی گیا۔ پھر بھی رات کو صبور احمد سب کو کھانا کھلانے کے لیے فوڈ پارک لے گئے۔ مونس کو گھر فون کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ فوڈ پارک سے واپسی پر بارہ بج چکے تھے۔ اتنی رات کو اماں کی نیند میں خلل ڈالنا مناسب نہ تھا۔ اس کا بستر منصور اور طہور کے کمرے ہی میں لگا دیا گیا تھا۔

☆☆☆

الطاف اور اس کی بہنوں کے ہمراہ شاپنگ کے لیے جا کر حجاب کو الطاف کی قوتِ خرید کا اندازہ ہوا۔ نکاح کا جوڑا مع میچنگ پرس اور سینڈلز ایک نامور فیشن ڈیزائنر کی آؤٹ لیٹ سے منتخب کیا گیا۔ زیورات ایک مشہور و معروف جیولر کے ہاں سے خریدے گئے۔ الطاف کی بہنیں بڑی دکانوں سے خریداری کی عادی معلوم ہوتی تھیں۔ حجاب کے لیے

www.Paksociety.com

...والا اتفاق تھا۔ نایاب باجی بھی ہمراہ تھیں۔ شاپنگ کے بعد الطاف سب کو ریفریشمنٹ کے لیے "فینڈوز" لے گیا۔

گھر واپسی پر نایاب باجی نے انتہائی مرعوبیت سے شاپنگ کی تفصیل امی کے گوش گزار کی۔ رباب بھی ...ی اور انہماک سے سنتی اور گاہے بہ گاہے لقمے دیتی رہی۔

"امی بہت ہی کھلے ہاتھ کا آدمی ہے آپ کا ہونے والا داماد۔ مجال ہے جو کہیں کسی چیز کی قیمت کم کرائی ہو۔ اگر چیز پسند آئی... تو جتنے کی بھی تھی ٹھیک تھی۔ ذرا بوجھیں تو نکاح کا جوڑا کتنے تک کا ہوگا۔"

"دس ہزار کا؟" امی نے کہا۔

"جی نہیں۔"

"پندرہ ہزار؟" رباب نے اپنا قیاس ظاہر کیا۔

"حجاب! ذرا بتاؤ تو کتنے کا ہے۔" نایاب باجی نے حجاب کو بھی شریکِ گفتگو کرنے کی کوشش کی۔

"سراسر اسراف! جس طرح وہ لوگ پیسہ خرچ کر رہے تھے مجھے تو اس سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔" حجاب نے کہا۔

"ناشکری مت کرو۔" امی بولیں۔

"ناشکری نہیں امی، میں اس فرق سے ڈر رہی ہوں جو پیسے کے اعتبار سے ان میں اور ہم لوگوں میں ہے۔ ایسی بے جوڑ شادی میں ایک فریق ہمیشہ احساسِ کمتری کا شکار ہی رہتا ہوگا۔" حجاب نے بلاتامل کہا۔

"نایاب! سن رہی ہو اس کی باتیں۔"

"آپ اس کی باتوں کی پروا نہ کریں امی۔ جو ہو رہا ہے اچھا ہو رہا ہے۔"

"بلکہ بہت اچھا ہو رہا ہے۔" رباب نے نایاب باجی کی بات پر لقمہ دیا۔

"جی ہاں یہ تو وقت بتائے گا۔" حجاب بولی۔

"جب سے بات چلی ہے یونہی ناشکری کیے جا رہی ہے یہ۔" امی نے حجاب کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھا۔ "...بھی اسے ان کا گھر بڑا ہونے کا ذکر سن کر خوف آنے لگتا ہے۔ کبھی ان کی گاڑیوں سے ڈر لگنے لگتا ہے۔ اسے کبھی ...کے نوکروں پر رحم آنے لگتا ہے اور تو اور استخارہ کیا تو شادی کی تصویروں میں دولھا کا سر ہی غائب کردیا۔"

"میں نے غائب کیا؟" اس نے شاکی نظروں سے امی کو دیکھا۔

"تو کیا میں نے؟" امی ناگواری سے بولیں۔

"پلیز...... پلیز!" نایاب باجی یوں شرمندہ سی دکھائی دینے لگیں جیسے حجاب اور امی کے درمیان اس نزاع کی ساری ذمے دار وہی تو ہو۔

"کوئی ماں غلط فیصلہ کرسکتی ہے اپنی اولاد کے لیے۔" امی کی نگاہوں میں خشونت تھی۔

"آپ جیسی ماں تو بالکل بھی نہیں۔" امی کا دل مٹھی میں لینے کو نایاب باجی نے اپنا بازو اُن کے شانوں پر ...دیا۔ حجاب اپنی جگہ سے اٹھ کر امی کے پاس آبیٹھی اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔

"خدا کی قسم امی! آپ نے میری باتوں سے غلط نتیجہ اخذ کیا ہے۔ آپ کے بارے میں یہ سوچنے کا تصور ...کر سکتے ہم بھائی بہن کہ آپ ہمارے لیے کبھی کوئی غلط فیصلہ کرسکتی ہیں۔"

امی چپ رہیں۔

"فارگاڈ سیک امی آپ بدگمان نہ ہوں۔" وہ گڑگڑائی۔

"تو پھر ان ساری باتوں کا مطلب؟" امی نے شاکی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

وہ یوں خاموش رہی جیسے اب اس کے چپ رہنے کی باری ہو۔

"اس رشتے کو بے جوڑ کہنے کا مقصد؟" امی کا لہجہ سوالیہ تھا۔

"خدانخواستہ آپ کی طرف سے کوئی بدگمانی یا بے اعتباری ہرگز نہیں۔" اس نے بوجھل آواز میں کہا۔

"تو پھر؟"

"آپ یقین کریں گی؟"

"اگر سچ ہوا تو۔"

"میں آپ سے جھوٹ بولنے کو گناہ سمجھتی ہوں۔"

نایاب باجی اور رباب دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگیں کہ وہ کون سا سچ تھا جس کا وہ امی کے سامنے اظہار کرنے جا رہی تھی۔ حجاب سر جھکائے دھیمے سُروں میں کچھ اس طرح جیسے اعترافِ جرم کر رہی ہو، بولی۔

"جس دن سے یہ سلسلہ چلا ہے ایک نامعلوم سا خوف مجھے ڈرائے جاتا ہے۔" امی اسے دیکھنے لگیں پھر گمبھیر لہجے میں بولیں۔

"دیکھو میں نے تم لوگوں سے ہمیشہ بہت کھل کر بات کی ہے۔" چند ثانیے توقف کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوئیں۔ "کہیں اور تو ارادہ نہیں ہے تمہارا؟" اس نے بے ساختہ چونک کر امی کی جانب دیکھا پھر پلکیں جھپکاتے ہوئے دھیرے سے مسکرائی اور امی کے قیاس کو پوری شدت سے رد کرتے ہوئے بولی۔

"کیسی بات کرتی ہیں امی...... اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں آپ کو ضرور بتا دیتی۔ آپ ہماری ماں نہیں دوست بن کر رہی ہیں...... ایسی کوئی بات نہیں...... بالکل بھی نہیں۔"

☆☆☆

اپنی دانست میں وہ پوری تیاری کے ساتھ گھر سے نکلی تھی۔ چائنا میڈ بڑے سے بیگ نے جو وہ عموماً یونیورسٹی جاتے ہوئے اپنے استعمال میں رکھتی تھی خاصا کام دکھایا تھا۔ کنگھا، شیشہ اور کاسمیٹکس تو ہر وقت اس بیگ میں موجود رہا ہی کرتے تھے، کتابوں اور نوٹ بکس کے نیچے اس نے دو جوڑے بھی تہ کر کے رکھ لیے۔ تعلیمی اسناد رول کر کے ان پر ربر بینڈ چڑھا کر بیگ کی پہلوی جیب میں اڑس لیں۔ شناختی کارڈ کے لیے مدثر نے بار بار ہدایت کی تھی۔ اسے بھی سنبھال کر بیگ کی اندرونی جیب میں رکھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ابا حسبِ معمول دفتر جانے کے لیے گھر سے نکل چکے تھے۔ ان کی ریٹائرمنٹ میں ابھی تقریباً ڈیڑھ برس کا عرصہ باقی تھا۔ تمام عمر وقت پر دفتر پہنچنے کا جو معمول رہا تھا اسے ریٹائرمنٹ تک برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ گھر سے نکلنے سے پہلے اس نے اماں کو آخری مرتبہ دیکھا۔ سلام کر کے یا خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر جانے کی اسے کبھی توفیق نہ رہی تھی سو اس روز بھی بے نتھے بیل کی طرح گھر سے نکل گئی۔ قدم کہیں رکھتی کہیں پڑتا، دل کی حالت دگرگوں تھی۔ اسٹاپ پر پہنچی تو مدثر کو حسبِ پروگرام اپنا منتظر پایا۔

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟" اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تو وہ بولا۔

"نہیں۔"

"گڈ!"

"مدثر!"

"ہاں۔"

"ایک بار پھر سوچ لو۔"

"کیا سوچ لوں؟"

"اپنے پیرنٹس کو ایک دفعہ ہمارے گھر بھیج کر دیکھ لو، کیا پتا میرے گھر والے راضی ہو جائیں۔"

"اٹس ٹو لیٹ...... اب ان چوچلوں کا وقت نہیں رہا۔" وہ دم بخود اسے دیکھنے لگی۔

"میں جو اتنے دن بکواس کرتا رہا۔" اس نے زور سے اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ مارا۔ "تب تو تم نے ایک ہی رٹ لگائے رکھی کہ گھر والے بڑی بہنوں سے پہلے تمہارے رشتے کے لیے راضی نہیں ہوں گے۔"

"ہاں...... بات تو یہی تھی۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ "دو تین رشتے آئے تھے میرے لیے بھی مگر ندیم باجی یا میرے لیے جب بھی کوئی رشتہ آتا اماں، ابا یہی کہہ دیتے پہلے بڑی کا کریں گے۔ تمہید باجی سے پہلے وہ کسی کے بارے میں سوچنا ہی نہیں چاہتے تھے۔"

"تو اب بھگتیں سزا۔" وہ بھبک کر بولا۔

"سزا! کس بات کی سزا مدثر؟" مدثر نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"بے وقوف ہیں تمہارے ماں باپ۔ جس کا رشتہ آئے اس کی شادی کر دینی چاہیے تھی، پہلے بڑی کی نہ ہو تو چھوٹی کا کیا قصور؟"

"اگر میری شادی کسی اور سے ہو گئی ہوتی تو میں اس وقت تمہارے ساتھ کیونکر بیٹھی ہوتی۔"

"بیٹھی ہو تو چپ چاپ بیٹھی رہو...... ہم کورٹ جا رہے ہیں شادی کرنے...... اینڈ دیٹس اٹ!" وہ چپ ہو رہی۔ خاموشی کے سوا اور کیا راہ تھی اس کے لیے۔

کچہری کی کار پارکنگ میں مدثر کی گاڑی سے اترنے سے قبل اس نے اپنا چہرہ اور اچھی طرح دوپٹے سے چھپا لیا۔ مدثر اسے ایک وکیل کے پاس لے گیا جس سے اس نے تمام معاملات پیشگی طے کر رکھے تھے۔ تسنیم کے ہاتھ پاؤں خوف سے ٹھنڈے ہوئے جا رہے تھے۔ قانونی کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد وہ دونوں کچہری سے نکل کر باہر آئے تو اس نے مدثر سے کہا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈر کا وقت گیا...... اب کس بات کا ڈر؟" دفعتاً اس نے تسنیم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اب تم میری بیوی ہو۔" گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اس نے کہا۔ "دو تین دن کے لیے میں نے اپنے ایک دوست کے گھر میں اپنے اور تمہارے رہنے کا بندوبست کر رکھا ہے۔"

"اپنے گھر کیوں نہیں؟" تسنیم نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا اور کہا۔

www.Paksociety.com

"سمجھا کرو یار...... ممی، ڈیڈی کو بتانے کے بعد ہی لے جا سکوں گا نا میں تمہیں اپنے گھر۔"

"تم نے اب تک بتایا نہیں؟"

"تم لڑکیوں کا کیا اعتبار۔ آخر وقت میں دھوکا دے جاتیں تو میں انہیں منہ دکھانے کا رہتا۔"

"اب تو اعتبار آ گیا؟"

"ہاں میری جان بالکل آ گیا۔"

"تو پھر اب اپنے گھر لے جانے میں کیا قباحت ہے؟"

"قباحت تو کوئی نہیں مگر بہتر یہی ہے کہ دو تین دن ہم کہیں اور ہی گزاریں۔ اس دوران تمہارے والے بھی ٹھنڈے ہو کر بیٹھ جائیں گے اور میں بھی ممی، ڈیڈی کو بتا دوں گا۔"

تسنیم جس نے ہنوز آنکھوں کے سوا باقی چہرہ دوپٹے سے چھپا رکھا تھا اسے الجھی الجھی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ مدثر نے گردن گھما کر ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

"تمہیں دیکھ رہی ہوں اور کیا دیکھ رہی ہوں۔"

"اتنے غصے سے کیوں جنابِ عالی؟"

"مجھے اپنے گھر لے چلو پلیز!" وہ گڑگڑائی۔ مدثر ہنس دیا اور اپنا بایاں ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا کر اس کی کمر کے گرد بڑی بے تکلفی سے حمائل کرتے ہوئے بولا۔

"یار گھر بھی لے چلوں گا...... نادر میرا بڑا اچھا دوست ہے۔ چار بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے۔ اماں، ابا کو اس کا سہرا دیکھنے کی اتنی جلدی تھی کہ میٹرک پاس کرتے ہی بے چارے کو باندھ دیا۔ مویشیوں کے اسپتال میں کلرک لگا ہے۔ خود بھی اب گدھا ہی دکھنے لگا ہے۔ بیوی کافی تیز ہے۔ دو بچے ہیں ان کے۔ دو کمروں کا فلیٹ کرائے پر رکھا ہے۔ اس کے ایک کمرے میں ہم بھی اپنا ہنی مون منائیں گے۔" تسنیم کو اس کی بے حجابی سے حیا محسوس ہوئی۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ نادر میرے لیے بھائیوں جیسا ہے۔ بھابی اگر کچھ کہیں سنیں تو تم پروا نہ کرنا۔"

"بھابی کون؟"

"ارے یار نادر کی بیوی میری بھابی ہی تو ہوئیں۔"

کورٹ میرج کے بعد مدثر کی دو منزلہ کوٹھی میں جس کا باہر باہر سے نظارہ وہ اسے ایک روز اپنی گاڑی میں گھماتے پھراتے دور دور سے کرا چکا تھا جانے کا خیال ہوا ہو چکا تھا۔

نادر کے گھر پہنچے تو بھابی نے بڑی عجیب سی نظروں سے ان کا استقبال کیا اور سرد لہجے میں بولیں۔ "نادر دفتر گئے ہوئے ہیں ویسے انہوں نے مجھے بتا دیا تھا کہ ہو سکتا ہے تم لوگ آؤ۔"

"ہو سکتا ہے نہیں بھابی ہم سچ مچ دو تین دن تک آپ کے ہاں دھرنا دینے آ گئے ہیں۔" مدثر نے مان نہ مان میں تیرا مہمان کے مصداق کہا۔ بھابی نے تسنیم کو کن انکھیوں سے دیکھا اور دھیمی سی ناگواری سے بولیں۔

"برا مت ماننا مدثر بھائی، کہیں تمہارے اس چکر میں نادر پر تو کوئی مصیبت نہیں آ جائے گی؟" مدثر نے پہلو بدلا اور خجالت سے بولا۔

www.Paksociety.com

زندگی

زندگی کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے۔ اسے جاننا اور پہچاننا اور بھی مشکل ہے۔ زندگی اپنے کمالات کے اظہار کا نام ہے جو آنسوؤں اور قہقہوں کے درمیان اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی کے ہر لمحے کو حسین و دلکش بنا کر اس میں کچھ کر گزرنے کے عزم کا اعادہ کریں۔ یوں تو زندگی ہر انسان کو عزیز ہوتی ہے لیکن بہادر اور غیرت مند انسان کے لیے عزت زندگی سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ زندگی کو ہم سمندر سے تشبیہ دے سکتے ہیں کیونکہ جس طرح سمندر اپنے پانی کو بادلوں کی شکل میں ڈھال کر نامعلوم مقام کی طرف روانہ کرتا ہے اور پھر انہیں الوداع کہنے اور اس میں گرتے ہوئے مختلف دریاؤں کے پانی کو خوش آمدید کرتا ہے۔ زندگی کو مختلف لوگوں نے اس انداز سے دیکھا اور بیان کیا ہے۔

☆ زندگی ایک مسافر ہے جس کا آغاز مہد اور انجام لحد ہے۔............ حضرت امام غزالیؒ

☆ زندگی کا وقفہ نہایت قلیل ہے لیکن اگر مصیبت ہو تو یہ کافی طویل ہے۔............ سقراط

☆ زندگی ایک ہیرا ہے جسے تراشنا انسان کا کام ہے۔............ جارج برنارڈ شا

☆ زندگی ایک غیر معمولی زبان ہے جس کا ہر تلفظ ہر کوئی غلط ادا کر سکتا ہے۔............ کرسٹو فر مایو

مرسلہ: عابیہ انصاری، میر پور خاص

"ارے نہیں بھابی! آپ فکر مت کریں۔"

"میں نے اس لیے پوچھا کہ یہ چکر برے ہوتے ہیں۔ اللہ نہ کرے جس گھر کی لڑکی جاتی ہے وہ چین سے تھوڑی بیٹھتے ہیں...... عزت کا معاملہ ہوتا ہے نا بھئی...... لڑکی والے سوچتے ہیں ہماری عزت تو گئی ہم دوسرے کی عزت کو بھی دو کوڑی کی کیوں نہ کر کے رکھ دیں...... اللہ سب کی عزت محفوظ رکھے۔" بھابی نے تسنیم کو پھر کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے اپنے دونوں گال ہاتھوں سے پیٹتے ہوئے کہا۔

تسنیم نے اپنی نظریں نیچی کر لیں۔

"کھانا لاؤں؟" بھابی نے بڑے رسمی سے لہجے میں پوچھا۔

"کھلا دیں تو مہربانی۔" بھابی کھانا لانے چلی گئیں تسنیم کو شدید خفت محسوس ہو رہی تھی۔

"مدثر مجھے لگتا ہے تمہارے دوست کی بیگم کو ہمارا آنا اچھا نہیں لگا۔"

"بھئی اچھا لگے یا نہ لگے برداشت تو کرنا پڑے گا انہیں۔" دفعتاً تسنیم کے بیگ سے اس کے موبائل بجنے کی آواز سنائی دی۔ دونوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ تسنیم نے زپ کھینچی اور بیگ کی چھوٹی اندرونی جیب سے موبائل نکالا۔

"اماں کی کال ہے۔" اس نے نمبر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ساڑھے چار بج گئے۔" مدثر نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔

"اُہ، لگ اماں پریشان ہو رہی ہوں گی کہ دیر ہو گئی۔" فون مسلسل بجے جا رہا تھا۔

"ریسیو کر لو یار یا پھر ڈراپ کر دو۔" مدثر نے منہ بنا کر کہا۔

"کیا کہوں گی میں ان سے؟"

"بتا دو انہیں کہ تم......" اس نے اپنی قمیص کا کالر چٹکی سے پکڑ کر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "اپنی مرضی سے ایک

www.Paksociety.com

ہینڈسم نوجوان سے کورٹ میرج کر چکی ہو۔''

''اماں تو مر جائیں گی۔'' اس نے بے ساختہ چونک کر مدثر کی طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی۔

''سب بیکار کی باتیں...... کوئی نہیں مرتا۔'' وہ بڑی بے رحمی سے بولا ''دیکھ لینا تمہارے گھر والے بھی زندہ رہیں گے۔''

موبائل فون کی آواز تسنیم کو اماں کی دکھ میں ڈوبی کراہ محسوس ہونے لگی۔ اسے یوں لگا جیسے فون اماں کی کمزور سی آواز میں پکار رہا تھا۔ ''تسنیم! تسنیم! تو کہاں ہے تسنیم؟'' اسے لگا کچھ دیر فون اور بجتا رہا تو اس کے دل کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ اس نے آہستگی سے موبائل آف کر دیا۔

''یار! یہ بھابی کہاں چلی گئیں اب تک کھانا نہیں لائیں۔ بھوک سے آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں۔'' مدثر خودکلامی کی کیفیت میں بڑبڑایا۔

کوئی اور وقت ہوتا تو مدثر کی اس بے تابی پر وہ کھلکھلا کر ہنسنا اپنا فرض سمجھتی لیکن اس وقت وہ انتہائی دل گرفتہ تھی۔ اسے گھر اور گھر والے سب بے طرح یاد آ رہے تھے۔ سچ ہے چیزوں کی قدر انہیں کھو دینے کے بعد آتی ہے۔

وہ اپنا موبائل دوبارہ بیگ میں رکھنے لگی تو مدثر نے اس کا ہاتھ روک لیا۔ وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کال ریسیو کرنے کی ہمت نہیں ہے تو میسج کر دو اپنی اماں، ابا یا کسی بہن کے نمبر پر تاکہ وہ تمہیں اِدھر اُدھر تلاش نہ کرتے پھریں۔''

تسنیم اس کا منہ دیکھنے لگی۔

''مذاق سمجھ رہی ہو...... اونسلی! بالکل صحیح مشورہ دے رہا ہوں تمہیں۔'' اس نے توقف کیا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''آفٹر آل میرے ان لاز ہیں۔ زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتا میں انہیں۔''

تسنیم کو شرمندگی اور ملال نے آ لیا۔ ایک مدثر تھا کہ غیر ہو کر بھی خواہ مذاق ہی میں سہی اس کے گھر والوں کی پریشانی کی فکر کر رہا تھا اور ایک وہ خود تھی۔ کیا چھوڑ آئی تھی وہ اپنے پیچھے اپنے گھر والوں کے لیے؟ دکھ، بدنامی اور شرمندگی! اوہ خدا! اماں اپنی معذوری اور ابا سن رسیدگی میں یہ صدمہ کیونکر سہہ پائیں گے۔ مونس اس کے اکلوتے ماں جائے پر نہ جانے کیا گزرے گی! کیونکر سامنا کر پائے گا وہ دنیا کا اور اس کی طرف سے ملنے والی اس بدنامی کے بعد بھی اس کا منہ دیکھنا بھی پسند کرے گا کہ نہیں! بہنوں کے لیے کیا میراث چھوڑ آئی تھی وہ۔ شرمندگی، بے بسی اور طعن و تشنیع۔ اس کے اس اقدام کے بعد کون شریف گھرانا ان بے چاریوں کو اپنے گھر کی عزت بنانا پسند کرے گا۔ سفلی جذبات ہوا ہو چکے تھے۔ جو ہو چکا تھا اس پر اور جو ہوتا دکھائی دے رہا تھا اس پر بھی اسے سخت شرمندگی تھی۔ پچھتاوا تھا اور وہ بھی شاید اس لیے کہ اس کی رگوں میں شریف ماں باپ کا خون تھا اور نہ جس راستے کا اس نے انتخاب کیا تھا وہ تو عاقبت نااندیشوں کا راستہ ہوتا ہے جنہیں نہ اپنے انجام کی پروا ہوتی ہے نہ دوسروں کی فکر۔

بھابی کھانا لے آئی تھیں۔ ایک رکابی میں آلو کی بھجیا اور دسترخوان میں لپٹی تین چپاتیاں! کورٹ میرج کے بعد دولہا دلہن کا پہلا کھانا۔ کمرے سے بھابی کے جانے کے بعد تسنیم نے بیگ سے دوبارہ اپنا موبائل فون نکالا اور خاصی دیر تک سوچ بچار کے بعد بالآخر تقدیم کے نمبر پر میسج کر دیا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنی مرضی سے کورٹ میرج کر لی ہے۔''

(باقی آئندہ)

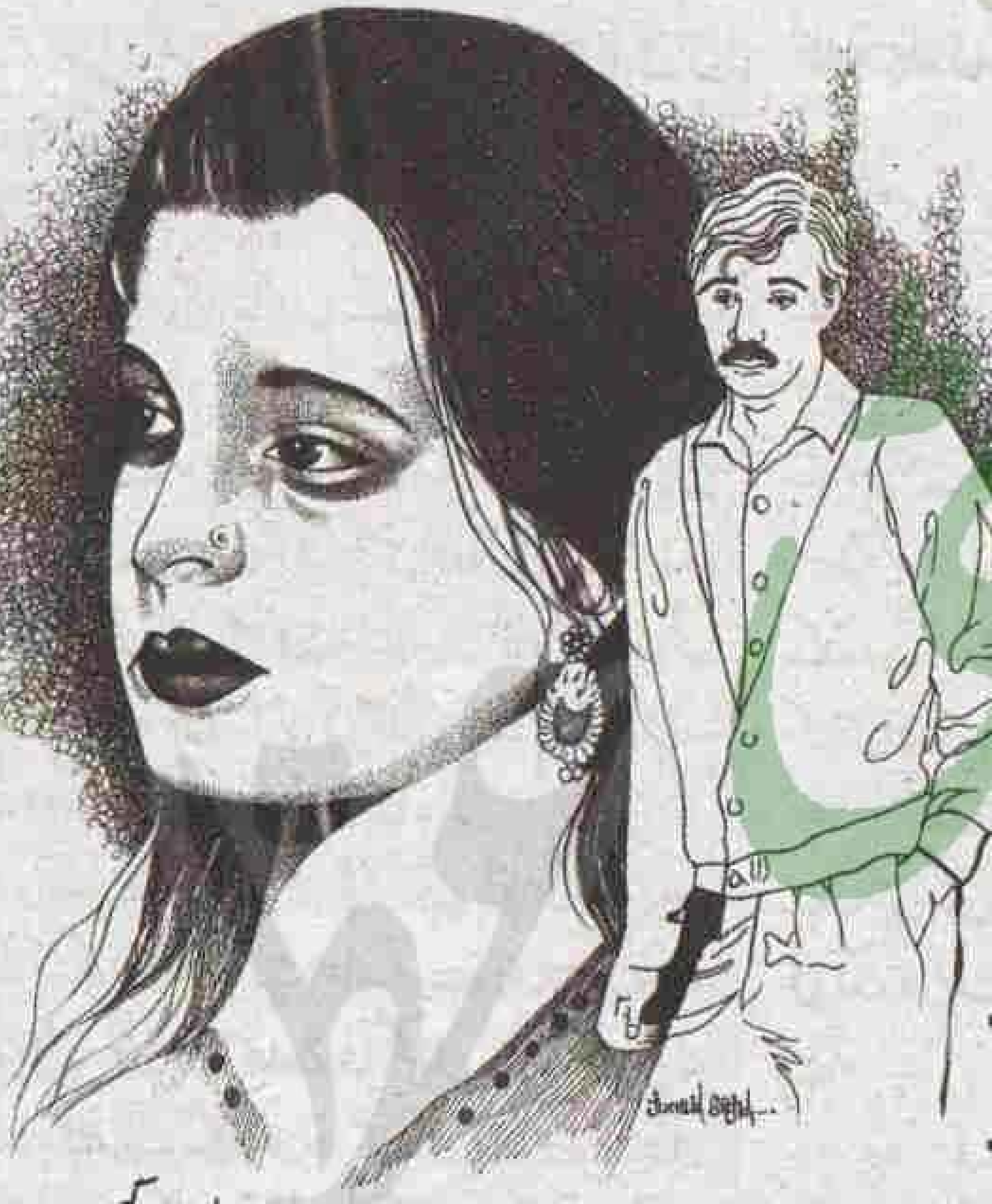

پھولوں کے سوداگر

نظارت نصر

پھولوں سے بھرے تخت جیسا احساس یا پھر خوشبو، ایسی خوشبو جو دھیرے دھیرے حواسوں کو سلب کرتی ہے۔ نیند اور خوابوں کی میٹھی وادیوں کی سیر کو لے جاتی ہے۔ انصر نے ایک مرتبہ پھر آگے جاتی اس کومل سی لڑکی کو دیکھا جو سڑک پر یوں قدم رکھ رہی تھی گویا ہوا میں تیر رہی ہو۔ اس کے دل کی دھڑکن ایک مرتبہ پھر نئے سُر تال سے بجنے لگی۔ وہ خراماں خراماں بالکل کسی تنویمی کیفیت میں اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ اسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ وہ اپنے راستے سے ہٹ کر بالکل دوسری سمت آنکلا ہے۔ لڑکی کالج کے سامنے ایک لمحے کے لیے رکی اور پھر اپنی اسی ہوش ربا چال سمیت کالج میں داخل ہو گئی۔

انصر جیسے ہوش میں آ گیا۔ وہ کوئی دل پھینک قسم کا...... نوجوان نہیں تھا۔ پچیس برس کا ایک سمجھدار برسرِ روزگار سلجھا ہوا مرد تھا۔ آج سے پہلے اس نے کبھی کسی لڑکی کے لیے ایسے جذبات محسوس نہیں کیے تھے۔

''جانے کیا بات ہے پہلے تو کبھی میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔'' اس نے خودکلامی کی تھی واپسی کے لیے اس کے اٹھتے قدموں کے ساتھ دوبارہ یہاں آنے کی خواہش بلاوجہ لپٹی چلی آئی تھی۔

اس کا اپنا جنرل اسٹور تھا، بہت اچھی انکم ہو جاتی تھی۔ اس کے گھر کا شمار محلے کے کھاتے پیتے گھرانوں میں ہوتا تھا۔ اس نے اگر اب تک شادی نہیں کی تھی تو اس کی وجہ کچھ اور تھی۔ اسے شازیہ کا دکھ لے بیٹھا تھا مگر آج اسے لگ رہا تھا کہ شازیہ کے دکھ کی شدت کم ہو رہی ہے۔

وہ گھر سے اپنے جنرل اسٹور جانے کے لیے ہی نکلا تھا مگر سڑک پر اس کی نظر اس حسین عشوہ طراز پر پڑ گئی۔ اب وہ واپس اپنے اسٹور کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆

شازیہ بھی اسی کالج میں پڑھتی تھی۔ جیسے ہی گھڑی نے ایک بجایا وہ میکانکی انداز میں کرسی سے

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اسے علم تھا سوا ایک بجے کالج کی چھٹی ہو جاتی ہے۔ وہ بھی تو کبھی کبھار شازیہ کو لینے جایا کرتا تھا۔

آج پھر کئی سالوں کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر چھٹی سے پہلے اسی کالج کے سامنے سڑک کی دوسری طرف موجود تھا۔ اتنے سالوں میں بھی کالج کی روٹین نہیں بدلی تھی۔ چھٹی ہو چکی تھی۔ اس کی متلاشی نگاہیں اس پھولوں سے لدی شاخ کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ اس کی تلاش رائگاں نہیں گئی۔ اسے وہ صبح والی لڑکی نظر آگئی تھی۔

ایک مرتبہ پھر وہی کھیل شروع ہوگیا۔ لڑکی آگے آگے اور انصر کچے دھاگے سے بندھا اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ لڑکی گلیاں پار کرتی ایک متوسط طبقے کے محلے میں داخل ہوئی۔ انصر خاموشی سے اس کے پیچھے چلتا رہا۔ لڑکی اپنے تعاقب سے بے خبر اپنے گھر میں داخل ہوگئی۔

انصر نے آگے بڑھ کر گھر کا پتا اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھالیا اور یوں لوٹ آیا جیسے کسی خزانے کا مدفن تلاش کر آیا ہو۔

پھر جیسے یہ انصر کا معمول بن گیا۔ وہ صبح سویرے اٹھ کر اچھی طرح تیار ہوتا اور لڑکی کے گھر سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو جاتا پھر اسے کالج چھوڑ کر اپنے جنرل اسٹور کا رخ کرتا۔ یہی روٹین واپسی میں بھی دُہرائی جاتی۔

انصر خوش رہنے لگا تھا۔ کبھی کبھی وہ بلاوجہ ہی اتنا خوش ہو جاتا کہ آس پاس کے لوگ مشکوک ہو جاتے مگر وہ اپنے آپ میں مست تھا۔ اسے شازیہ کے غم سے رہائی ملنے والی تھی۔

''ماں جی جلدی سے کھانا دے دیں، دیر ہو جائے گی۔'' اچھی طرح تیار ہو کر وہ کمرے سے نکلا تو جلدی جلدی کا شور مچا دیا۔ ماں جی کو غصہ آ گیا۔

''انصر تمہارا رویہ بہت دنوں سے بدلا ہوا ہے۔ تمہارا اپنا کاروبار ہے مگر تم دیر ہونے کا شور یوں مچاتے ہو جیسے کسی آفس میں کام کرتے ہو۔ کیا بات ہے جو تمہیں وقت کی اتنی فکر ہونے لگی ہے۔'' وہ بری طرح گڑبڑایا۔ آج سے پہلے نہ کبھی ماں جی نے اس کے رویے کا نوٹس لیا تھا نہ کبھی اسے خود یہ خیال آیا تھا کہ اس کا رویہ بہت تبدیل ہو گیا ہے۔

''کچھ نہیں ماں جی! ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس میں کاروبار پر توجہ دینے لگا ہوں تو وقت کی قدر و قیمت کا احساس بھی ہونے لگا ہے ورنہ پہلے تو......''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ ماں جی اس کی ادھوری بات کا پورا مطلب اور اس کی خاموشی کی بولتی زبان کو پوری طرح سمجھ گئی تھیں۔ انہیں افسوس سا ہوا، اچھا بھلا وہ بھولے بیٹھا تھا پھر یاد دلا دیا۔ انہیں خود پر بے طرح غصہ آیا سو تلافی کرتے ہوئے انہوں نے اسے اچھا سا ناشتا بنا کر دیا اور دعاؤں کے سائے میں رخصت کیا۔ وہ باہر نکلتے نکلتے رک گیا۔ ماں جی نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''ماں جی! دعا کریں، اللہ کبھی مجھے بے مراد نہ کرے۔'' ماں جی کا دل دہل گیا۔ انصر کو اس دعا کی ضرورت کیوں پڑ گئی تھی؟ وہ روانہ ہو گیا تھا۔ ماں جی کے دل کو پتنگے لگ گئے وہ کچھ پوچھ بھی نہیں سکی تھیں۔ سارا دن بے کل سی اس کے لیے 'بامراد' ہونے کی دعائیں مانگتی رہیں۔

☆☆☆

آگے جاتے جاتے ایک دم وہ مڑی تھی۔ انصر

بری طرح ٹھٹک کر رکا۔ آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ کچھ پریشان سا ہو گیا۔

''شکل سے تو آپ گھٹیا نہیں لگتے مگر حرکتیں آپ کی بالکل گھٹیا ہیں۔ میں پچھلے ایک ہفتے سے آپ کو اپنا تعاقب کرتے دیکھ رہی ہوں۔ کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ اس نازیبا حرکت کی کیا وجہ ہے؟'' لڑکی خاصے غصے میں دکھائی دے رہی تھی۔

انصر کو اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ کڑے تیوروں سے اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ انصر نے خود کو سنبھالا۔ یہ اچھا موقع تھا۔ وہ اسے ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور بولا۔

''دیکھیں مس......'' وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا مگر لڑکی کا تعارف کروانے کا کوئی ارادہ نہ دیکھ کر اس نے بات آگے بڑھائی۔ ''میں کسی وجہ سے ہی آپ کے پیچھے آتا رہا ہوں۔ وجہ اتنی عام بھی نہیں ہے کہ میں یوں بیچ راہ میں آپ کو بتا دوں۔ اگر آپ مجھے چند لمحے دیں تو ہم کسی اچھی جگہ بیٹھ کر بات کرلیں۔ اگر نہیں تو کوئی بات نہیں۔ آپ بس یہ بتا دیں کہ آپ...... میرا مطلب ہے کہ......'' وہ ہچکچا کر رکا پھر نڈر سا ہو کر بولا۔ ''کہیں انگیج تو نہیں ہیں؟ میں اپنی والدہ کو آپ کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ جس طرح سے چاہیں میرے بارے میں اپنی تسلی کر سکتی ہیں۔ میں کوئی ایسا ویسا شخص نہیں ہوں۔''

اب وہ کافی پُراعتماد نظر آ رہا تھا۔ لڑکی کا چہرہ لمحہ بھر میں سرخ ہو گیا۔ انصر کو کوئی تشبیہ نہیں سوجھ رہی تھی کہ وہ غصے میں کیسی دکھائی دے رہی تھی۔

''ان حرکات کے بعد بھی آپ کو خوش گمانی ہے کہ آپ ایسے ویسے نہیں ہیں۔ آج کے بعد اگر آپ مجھے اس راستے میں نظر آئے تو نتائج کے ذمّے دار آپ خود ہوں گے۔'' انگلی اٹھا کے اسے تنبیہ کرتی وہ مڑ کر ایک مرتبہ پھر کالج کو جاتے راستے پر چلنے لگی۔ انصر کو اپنے قدموں پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ کالج تک اس کے پیچھے ہی گیا۔

کالج گیٹ پر لمحے بھر کو رک کر لڑکی نے قہر برساتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور اندر داخل

سردیوں کا انمول تحفہ کاجو

کاجو انتہائی خوش ذائقہ میوہ ہے، جسے فرائی بھی کر کے کھایا جاتا ہے۔ اس میں زنک کی کافی مقدار پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے استعمال سے اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ کینیڈا میں کی گئی ایک حالیہ طبی تحقیق کے بعد ماہرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کاجو کا استعمال ذیابیطس کے علاج میں انتہائی اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ کاجو کے بیج میں ایسے قدرتی اجزا پائے جاتے ہیں جو خون میں موجود انسولین کو عضلات کے خلیوں میں جذب کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق کاجو میں ایسے ایکٹو کمپاؤنڈز پائے جاتے ہیں جو ذیابیطس کو بڑھنے سے روکنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں لہٰذا ذیابیطس کے مریضوں کے لیے کاجو کا باقاعدہ استعمال انتہائی مفید ہے مگر کولیسٹرول کے مریض احتیاط کریں۔

جبین ہاشمی، بھیرہ

www.Paksociety.com

ہوگئی۔ وہ خود بھی پشیمان سا ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ لڑکی کی عزت کتنی نازک ہوتی ہے۔ بات کا بتنگڑ بنتے دیر نہیں لگتی۔ اسے اس لڑکی کی عزت بہت پیاری تھی مگر وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اب اسے اس معاملے میں کسی کی مدد درکار تھی۔

سارا دن وہ ماں جی سے بات کرنے کے لیے الفاظ ترتیب دیتا رہا۔ دل میں عہد کر چکا تھا کہ اب اس کے پیچھے نہیں جائے گا مگر جونہی گھڑی کی سوئیاں مطلوبہ ہندسے پر پہنچیں وہ پھر سے بے اختیار ہوگیا۔ اسے آگے بڑھتے اپنے قدموں پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ مگر وہ صبح کی تنبیہ بھولا نہیں تھا۔ اب صرف ایک نظر اسے آتے اور اپنے پاس سے گزر کر جاتے دیکھتا رہا۔

شام میں گھر پہنچ کر اسے احساس ہوا کہ ماں جی اس سے بات کرنے کے لیے بے چین ہیں خود اس کی بھی ایسی ہی کیفیت تھی۔ وہ ماں جی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ ماں جی نے اس کے سر میں انگلیاں پھیرنا شروع کردیں۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے ساری بات ماں جی کو بتادی۔ وہ نہال ہوگئیں۔ وہ منتیں کر کر کے ہار گئی تھیں مگر انصر ایک ہی دکھ کو سینے سے لگائے زندگی کی سب خوشیوں سے منہ موڑ چکا تھا۔ انہیں اس کی دعا کی وجہ بھی سمجھ آگئی تھی۔

☆☆☆

سر جھکائے وہ افسردگی سے اپنے جوتے پالش کر رہا تھا۔ جانے زندگی نے دکھوں کے لیے ان کا گھر ہی کیوں چن لیا تھا' ایک دم ہی اتنی قنوطیت طاری ہوئی کہ اس نے جوتے اور برش ہاتھ سے پھینک دیے اور خود اوندھے منہ بستر پر لیٹ گیا۔ ماں جی نے کھلے دروازے سے اسے اس طرح گرتے دیکھا تھا' کلیجے پر ہاتھ رکھ کر وہ وہیں بیٹھ گئیں۔

''اے اللہ' میرے بچے کو سکون دے۔ اس کی زندگی میں جو خوشی تو نے نہیں لکھی اس سے اس کا دل بھی پھیر دے۔ میرے بچے نے پہلے ہی بہت دکھ دیکھے ہیں۔'' شام میں وہ اسی طرح افسردہ سا ایک طرف خاموش بیٹھا تھا۔ ماں جی ہمت کر کے مخاطب ہوئیں۔

''بیٹا! اس طرح خود کو اذیت کیوں دے رہے ہو۔ ان لوگوں کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ لڑکی بچپن سے اپنے چچا زاد کی منگ ہے پھر ان کی ذات برادری بھی دوسری ہے۔ وہ اپنی ذات سے باہر رشتہ نہیں کرتے... تو بھی خود کو سنبھال لے۔ دنیا میں کیا لڑکیوں کی کمی ہے۔ میں خود تیرے لیے چاند سی دلہن لاؤں گی۔ تو بس خود کو سنبھالنے کی کوشش کر۔'' اس نے زخمی نگاہوں سے ماں کو دیکھا انہوں نے نظر چرالی مگر وہ چرکا لگانے سے باز نہیں آیا۔

''شازیہ کا غم کم ہوگیا تھا؟'' ماں جی دہل گئیں۔

''پتر! کیوں ماں کے کلیجے پر ہاتھ ڈالتا ہے؟ دیکھ تجھے رب کا واسطہ، کچھ ایسا ویسا مت کرنا میں تو پہلے ہی دکھوں کے ہاتھوں ادھ موئی ہوچکی ہوں۔ اب تم بھی الٹی بات کر رہے ہو، وعدہ کرو مجھے دکھ دینے کی کوشش نہیں کروگے۔'' انصر خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔ ماں جی رونے لگیں۔ وہ ماں کے آنسوؤں کے سامنے ہار کر اپنی تکلیف بھول کر ماں جی کو سنبھالنے لگا۔

☆☆☆

بادلوں سے ڈھکا آسمان مٹیالا سا ہو رہا تھا۔ آندھی آنے کا امکان بھی تھا۔ دن میں خوب گرمی پڑی تھی۔ شام کو بادل آئے تو بارش کی امید بندھی مگر اب آندھی کے آثار بتارہے تھے کہ بادل بن

برسات کے ہی گزر جائیں گے۔

انصر قبر کے پاس خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ قبرستان میں ہُو کا عالم تھا۔ وہ دھیرے دھیرے قبر کی مٹی کو سہلانے لگا۔ کبھی ایسا کرنے سے اسے سکون ملا کرتا تھا مگر آج وحشت بڑھتی ہی جارہی تھی۔ وہ کچھ دیر بیٹھا رہا پھر ایک دم اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا قبرستان سے نکلتا چلا گیا۔

وہ بے خبری میں سمت کا تعین کیے بغیر آگے بڑھ رہا تھا۔ قدم رکے تو اسے احساس ہوا کہ وہ اسی گھر کے سامنے پہنچ گیا تھا جہاں اسے آنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ ایک ماہ کے بعد ان گلیوں میں آیا تھا مگر یوں لگ رہا تھا جیسے ہمیشہ سے یہیں رہ رہا ہو۔

اگلے کئی روز تک وہ صبح شام ان گلیوں کے چکر لگاتا رہا مگر اسے وہ چہرہ نظر نہ آیا۔ بے کلی بڑھتی گئی۔ پتا نہیں کس طرح وہ خود پر قابو پائے ہوئے تھا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ سیدھا ان کے گھر جا کے پتا کرے کہ وہ کالج کیوں نہیں جارہی۔ ملنا نصیب میں نہیں، نہ سہی کم از کم دیدار تو ہو۔

دن گزرتے رہے، ہفتے مہینوں میں ڈھلنے لگے۔ وہ مایوس ہو کر ان راہوں پر جانا چھوڑ چکا تھا کہ اچانک سر راہ اسے وہ نظر آگئی۔ اسے لگا ہر طرف پھول بکھر گئے ہیں۔ اس کے اندر ٹھنڈی معطر ہوائیں چلنے لگیں۔ بے اختیار اس نے اسے روک لیا۔

''اتنے عرصے تک آپ نظر نہیں آئیں خیریت تو تھی؟'' لڑکی نے اپنی گھنیری پلکیں اٹھائیں، سیاہ آنکھیں لبالب بھری ہوئی تھیں۔ وہ پہلے کی نسبت کافی کمزور ہوچکی تھی۔ انصر کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

''اگر آپ مناسب خیال کریں تو کچھ دیر بیٹھ کر

زندگانی

یہ تیری نشانِ سجدہ کی ضوفشانی
حق صداقت کی ہے جاودانی
ولولۂ شوق میں ارتقا تیرا
تجھ پہ کی ہے خدا نے یہ مہربانی
خالقِ تقدیر کے آگے یہ جھکنا تیرا
رحمت کی کرن پھوٹی سنوری زندگانی
عقیدے کی حرارت اور رفاقت
دعوتِ آغاز ہے مقام سلطانی

شاعرہ......رفاقت جاوید، اسلام آباد

بات کر لیتے ہیں۔'' اس کا انداز اتنا ملتجیانہ تھا کہ لڑکی کو رحم آگیا یا پھر وہ خود بھی اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ بہر حال انصر کی مراد بر آئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آمنے سامنے ایک پارک میں بیٹھے ہوئے تھے۔

لڑکی نے لمحے بھر کو اسے بغور دیکھا پھر بولی۔

''میرا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔'' اس نے چہرے سے چادر کھسکائی اور اپنا بایاں ہاتھ بھی چادر سے باہر نکال لیا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی نہیں تھی اور بائیں گال پر کان کے پاس ایک زخم کا لمبا سا مندمل شدہ نشان تھا۔ لڑکی نے گلے میں اٹکے آنسوؤں کے پھندے کو بمشکل نگلا پھر بولی۔

''میرے منگیتر نے رشتہ توڑ دیا کہ وہ ایک کج والی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' انصر کو لگا اس کے سامنے شازیہ بیٹھی ہے۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ جاتے ہوئے اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا کہ لڑکی کے واپسی کے لیے اٹھتے قدموں سے کیسی تھکن لپٹی ہوئی تھی۔

☆☆☆

''عائشہ......! ارے بھئی عاشی! جلدی کرو، کتنا

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

کام رہ گیا ہے تمہارا؟'' ٹی وی سے بیزار ہو کر انصر نے بہ آواز بلند عائشہ کو پکارا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ دوپٹے سے ہاتھ خشک کرتی آن موجود ہوئی۔ وہ کھل اٹھا تھا۔

''کیا ہے؟ اس طرح تو نہ کیا کریں، ماں جی کے سامنے شرم آتی ہے مجھے۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی تھی۔

''کیوں، ہم تمہیں ماں جی کے لیے تو نہیں بیاہ کر لائے۔ اپنے لیے لائے ہیں تو اپنے پاس دیکھنا بھی چاہیں گے۔'' وہ شوخ ہو رہا تھا، خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''کیوں بلایا تھا آپ نے؟'' دل ہی دل میں اپنے بخت پر نازاں ہوتی وہ بظاہر بے نیازی سے پوچھ رہی تھی۔

''میرا سر دبا دو۔'' خوامخواہ ہی بہانہ تراشا گیا۔ وہ ہنستے ہوئے سر دبانے بیٹھ گئی۔ اس کا بغیر چھنگلی والا ہاتھ بڑے مان سے انصر کا سر دبا رہا تھا۔ شادی کے روز ہی انصر سے اس نے پوچھ لیا تھا۔

''میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کو میری اس کمی سے کوئی فرق کیوں نہیں پڑا، آپ نے باقی لوگوں کی طرح مجھے کیوں نہ ٹھکرایا بلکہ اتنی جلد بازی میں شادی کروالی کہ کچھ سوچنے سمجھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔'' وہ کرب سے مسکرایا تھا پھر کچھ تذبذب کے بعد بولا۔

''میری ایک اکلوتی بہن تھی، نام تھا اس کا شازیہ۔ اسی کالج میں پڑھتی تھی جس میں تم پڑھتی تھیں۔ اس کی سہیلی کا ایک بھائی اس کا طلبگار تھا۔ انہوں نے صحیح معنوں میں ہماری دہلیز گھس دی تھی ہاں کروانے کے لیے۔ ہم نے سوچا قدردان لوگ ہیں، شازیہ کی منگنی کر دی۔ شازیہ بہت خوش تھی۔

ایک دن اس کا سیڑھیوں سے پاؤں پھسل گیا۔ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ہم نے بہت علاج کروایا مگر وہ پہلے کی طرح چل پھر نہ سکی۔ اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ آگئی تھی۔ اس کے منگیتر نے وہی الفاظ کہے تھے جو تمہیں سننے پڑے۔ شازیہ نے اس دکھ کو برداشت نہیں کیا اور اپنی جان لے لی۔ مجھے تمہارے بارے میں بھی یہی ڈر لگا تھا۔ میں نے اپنی بہن کے دکھ کو بڑے عرصے تک اور بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ''میری زندگی'' بھی شازیہ کی طرح کوئی جذباتی فیصلہ کرے۔''

وہ حیران رہ گئی تھی۔ اسے شازیہ کی موت کی وجہ معلوم نہیں تھی۔ بس اس روز وہ گھر گئی تو چند لمحوں بعد ایک شفیق سی خاتون اس کے لیے انصر کا پیغام لے کر آگئی تھیں۔ وہ ایک مرتبہ پہلے بھی آچکی تھیں۔ عائشہ کے ماں باپ نے رسمی سوچ بچار کے بعد ہاں کر دی تھی۔ انصر نے منگنی کے بجائے ایک ہفتے کے بعد شادی کی تاریخ رکھوا دی اس طرح وہ بہت جلد دلہن بن کر اس کے آنگن میں اتر آئی تھی۔ انصر نے اس سے کہا تھا۔

''دنیا میں سب پھولوں کے خریدار ہی نہیں ہوتے۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو جسموں سے نہیں روحوں سے پیار کرتے ہیں۔ انہیں جسم میں آنے والی کسی کمی سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ تم مجھے ان ہی میں سے ایک شمار کر سکتی ہو۔ میرے لیے تو تم آج بھی تازہ گلاب کی طرح ہو۔ مجھے تو تم میں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔'' اور عائشہ نے طمانیت سے آنکھیں موند لی تھیں۔ ایسا بہترین ہمسفر یقیناً قسمت والوں کو ہی ملتا ہے۔

www.Paksociety.com

سُراغِ زندگی

عظمیٰ سید افتخار

ضوباریہ اردو مائیکروسوفٹ کے ذریعے اپنا افسانہ کمپیوٹر پر ٹائپ کر رہی تھی۔ اسے ہمیشہ ہی اردو، ان پیج میں لکھتے ہوئے آسان لگتی تھی کہ اگر کوئی جملہ یا لفظ اضافی لکھنا ہو یا مٹانا ہو تو آسانی رہے۔

ساتھ ہی اس نے فیس بک اور یاہو (yahoo) بھی آن کیا ہوا تھا اور گاہے بہ گاہے ان پر نظر ڈال رہی تھی۔

''ہائے۔'' سمرہ خالد آن لائن ہوئی۔ ضوباریہ

www.Paksociety.com

نے بھی جواباً ”ہائے“ کا میسج بھیج دیا۔ اس لڑکی کو ایک مہینا ہی ہوا تھا فیس بک پر موجود ضوباریہ کے آفیشل پیج کو جوائن کیے ہوئے۔ ویسے تو ضوباریہ کے ان گنت قاری تھے مگر یہ لڑکی یوں زیادہ یاد رہ گئی تھی کہ پہلے دن سے ہی وہ یہ کہتی آرہی تھی کہ میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں اور آپ کی ساری کہانیاں بہت ذوق وشوق سے پڑھتی ہوں۔ یہی نہیں بلکہ وہ ضوباریہ کی لکھی ہوئی کہانیوں کو پڑھ کر اسے کھوجنے کی کوشش کرتی تھی اور اس کی یہ کوشش اکثر کامیاب بھی رہتی تھی۔

”مجھے لگتا ہے آپ کا فیورٹ کلر بلیو اور پنک ہے ضوباریہ جی۔ کیونکہ آپ کی کہانی کی ہیروئن ہر خاص موقع پر ان ہی دو رنگوں کا انتخاب کرتی ہے۔“ ضوباریہ کے پاس انکار کی گنجائش نہ تھی۔ اول اسے دروغ گوئی کی عادت نہ تھی۔ دوم یہ سچ تھا کہ وہ خود بھی ہر خاص موقع پر ان ہی دو رنگوں میں ملبوس نظر آتی تھی۔

کبھی لکھتی... آپ کی ہیروئن اکثر سادہ مزاج کی حامل ہوتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ آپ بھی سادہ مزاج کی ہوں گی مگر سادگی میں بھی یقیناً غضب ڈھاتی ہوں گی۔“ اور ایسے ہی کئی جملے جو سمرہ خالد چیٹ باکس (chat box) میں لکھتی تھی اور وہ ضوباریہ پر فٹ بیٹھتے تھے۔ کبھی کبھی اسے لگتا کہ سمرہ کو جیسے ٹیلی پیتھی آتی ہے یا پھر اسے نفسیات سے دلچسپی ہے کہ وہ ضوباریہ کو ہیروئن کے خاکے میں کھوجنے کی کوشش کرتی ہے مگر جب پچھلے مہینے اس کی برتھ ڈے گزری... اور سمرہ خالد نے نہ صرف کئی وش کارڈز اس کی آئی ڈی پر بھیجے... بلکہ کوریئر کے ذریعے اس کے گھر کیک بھی بھجوایا تھا تب ضوباریہ دل ہی دل میں اس بات کی ضرور قائل ہوگئی تھی کہ سمرہ واقعی اس کی رئیل فین ہے کیونکہ برتھ ڈے کے بعد جب ضوباریہ آن لائن آئی تب اتفاقاً سمرہ بھی آن لائن تھی۔ ضوباریہ نے اسے کیک کے لیے شکریہ کہا اور ساتھ ہی یہ پوچھا کہ آپ کو میرا ایڈریس کہاں سے ملا تو وہ ٹال گئی مگر ضوباریہ کے بہت اصرار کرنے پر بس اتنا ہی کہا کہ ”دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔“

”ماما۔“ طلحہ اور عدن ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے اور اسے سلام کیا۔ ضوباریہ کا افسانہ مکمل ہو چکا تھا اور وہ اب پرنٹ آؤٹ نکال رہی تھی۔ فیس بک اور یاہو (yahoo) سے وہ پہلے ہی آف لائن ہو چکی تھی۔

”جی میری جان۔“ ضوباریہ نے سلام کا جواب دیا اور دونوں کے لیے اپنی باہنیں پھیلا دیں۔

”ماما، بڑی خالہ کے گھر کب چلیں گی؟ منال آپی کب سے بلا رہی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا جب تم لوگ آؤ گے تو میں اسٹرابیری کیک بنا کے کھلاؤں گی۔“ طلحہ نے اپنا مدعا بیان کیا۔

”بیٹا! چھٹیاں کب ہیں آپ کی؟“ اس نے طلحہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

”یہ دیکھیں ماما، ہمارے اسکول میں ایک تربیتی ورکشاپ ہے۔ اس لیے اسکول کی تین دن کی چھٹیاں ہیں۔“ طلحہ نے اسکول ڈائری اس کی نظروں کے سامنے کی۔ وہ ڈائری پڑھنے لگی۔ اسکول واقعی تین دن کے لیے بند تھا۔

”یہ تو گڈ نیوز...... چلو پھر ٹھیک ہے شام کو پاپا سے پوچھیں گے پھر کل چل چلیں گے، اوکے؟“ ضوباریہ نے سوالیہ نظروں سے دونوں کی جانب دیکھا، دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”مگر اس سے پہلے آپ لوگوں کو آج شام ہی سارا ہوم ورک ختم کرنا ہوگا، پرامس؟“ اس نے اپنا

www.Paksociety.com

ہاتھ پھیلایا اور دونوں نے اس کے ہاتھ پر اپنے ننھے ننھے ہاتھ رکھ دیے۔ ضوباریہ دونوں کو دیکھ کر مسکرا دی اور انہیں لیے بچوں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی کہ یونیفارم بدلوا کر انہیں کھانا کھلانا تھا۔

طلحہ اور عدن دونوں میں ڈیڑھ سال کا فرق تھا۔ طلحہ آٹھ سال کا جب کہ عدن ساڑھے چھ سال کی تھی۔ ضوباریہ اور اس کے شوہر فرحان کی یہ انتہائی دلی خواہش تھی کہ ان کے بچے حافظِ قرآن ہوں۔ وہ صرف قرآن کو رسماً نہ پڑھیں بلکہ اسے سمجھ کر پڑھیں اور کسی ایسے اسکول سے تعلیم حاصل کریں جہاں دینی اور دنیاوی دونوں طرح کی تعلیم سے مستفید ہو سکیں۔ ڈیڑھ سال تک وہ ایسا اسکول تلاش کرتے رہے اور پھر ان کی تلاش اس وقت ختم ہوئی جب اتفاقیہ طور پر ضوباریہ اور فرحان نے اسی طرز کے ماڈل اسکول کے ایک فارغ التحصیل بچے کی تلاوت سنی۔ یوں لگا کہ وقت انہیں کھینچ کر کئی صدیاں پیچھے عرب کے صحراؤں میں لے گیا ہو جہاں دینِ حق کی آواز انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہو۔ اتنی خوش الحانی کہ بیان سے باہر اور ادائیگی اتنی عمدہ تھی کہ ایک ایک لفظ اپنی انفرادیت کے ساتھ سنائی دے رہا تھا۔ سونے پر سہاگا جب اس بچے نے ترجمہ بھی پڑھ کر سمجھایا تو دل نے کہا کتنے خوش نصیب ہیں وہ ماں باپ جن کی یہ اولاد ہے۔ بس قدم وہیں رک گئے۔ ضوباریہ نے دونوں بچوں کو سابقہ انگلش میڈیم اسکول سے نکال کر اس اسکول میں داخل کرا دیا تھا۔ اس اسکول میں گرمی کی تعطیلات کے بجائے رمضان میں تعطیلات ہوتی تھیں اور رمضان کی مصروفیات ایسی ہوتی تھیں کہ ضوباریہ چاہنے کے باوجود بچوں کو ان کے ننھیال اور ددھیال نہیں لے جا پاتی مگر اب جو یہ تین چھٹیاں میسر آئی تھیں تو ضوباریہ نے سوچا کہ ایک ایک دن سب جگہ گزار لے تاکہ بچوں کی تشنگی بھی کسی طور کم ہو جائے۔

ضوباریہ چار بہنیں اور دو بھائی تھے۔ سب سے بڑی راضیہ باجی۔ پھر ریحان اور عدنان بھائی پھر عطیہ اور عالیہ جو جڑواں تھیں اور ان کے بعد وہ خود ضوباریہ۔ سب بہن بھائی ماشاء اللہ گھر بار والے تھے۔ والد کی کافی عرصے پہلے ڈیتھ ہو چکی تھی۔ اس لیے والدہ جنہیں سب ماں جی کہا کرتے تھے ریحان بھائی کے پاس رہا کرتی تھیں۔ جب تک ماں جی حیات تھیں سب بہنیں ہر عید، تہوار پر ریحان بھائی کے گھر جمع ہوتی تھیں مگر پانچ سال قبل جب ماں جی کا انتقال ہوا تو راضیہ باجی نے کہا کہ سب بہن بھائیوں میں، میں بڑی ہوں اس لیے میرے گھر کو اپنا میکا سمجھو۔ گو کہ ریحان بھائی کو اس بات پر کافی اعتراض ہوا کہ بھئی جیسا اتنے سالوں سے چل رہا ہے ویسا ہی چلنے دو مگر حقیقتاً ماں جی کے بعد اب ریحان بھائی کے گھر میں پہلے جیسی بات نہیں رہی تھی۔

مائیں بھی کیا چیز ہوتی ہیں۔ جب تک حیات رہتی ہیں، اولاد کو اکائی کی طرح سمیٹے رکھتی ہیں اور ماں جی تو تھیں بھی ایسی۔ ان کی موجودگی میں ہفتے میں ایک دن سب بہن بھائی، ریحان بھائی کے گھر جمع ہوتے تھے۔ گو کہ ملنا ملانا تو اب بھی تھا مگر وہ پابندی نہ رہی تھی۔ ماں جی زندگی کے آخری ایام تک اپنے کام خود سر انجام دیتی رہی تھیں۔ انہیں طہارت اور پاکیزگی کا بڑا خیال رہتا تھا۔ نماز روزے کا بے حد اہتمام کرتی تھیں۔ قرآن پاک کی باقاعدگی سے تلاوت مع تفسیر کیا کرتی تھیں۔ اپنے بچوں کے مسائل بڑے غور سے سنتیں پھر تدبر اور معاملہ فہمی سے انہیں نمٹانے کی کوشش کیا کرتی تھیں۔ ہمیشہ کہتی تھیں

www.Paksociety.com

کہ بزرگوں کا قول ہے۔"خدمت قریب قریب کی، ادب دور دور کا اور علم اندر کا۔" ضوباریہ سے ان کا تعلق بڑا خصوصی اور قلبی تھا۔ اولادوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ سارے بہن بھائیوں کی شادیاں ہونے کے بعد جب تک اس کی شادی نہ ہوئی تھی ماں کے سب سے زیادہ قریب وہی رہی تھی۔ سب ضوباریہ کو ماں جی کا پرتو کہتے تھے۔ وہ اکثر اسے کہتی تھیں کہ بچپن میں ماں بیٹی کی سہیلی ہوتی ہے پر جب بیٹی بڑی ہوجائے تو وہ ماں کی سہیلی بن جاتی ہے۔ شادی کے بعد بھی ضوباریہ جب کبھی میکے جاتی، وہ اس سے بہت محبت سے پیش آتیں اور خاص خیال رکھتیں۔ طلحہ کی پیدائش کے وقت اکثر اسے اپنے پاس بٹھاتیں اور کہتیں..."بیٹی زندگی میں اصل وقت تو اب آیا ہے۔ خدا تمہیں تکلیف سے گزار کر ایک بہت بھاری ذمّے داری عطا کرنے والا ہے۔ دیکھو، ماں کا منصب بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس کا حق ادا کرنے میں اپنی جان لڑا دینا کہ اچھی مائیں ہمیشہ اچھی قوم دیتی ہیں۔"

وہ کبھی بھی پیار میں بیٹی کو بیٹا کہہ کر مخاطب نہیں کرتی تھیں اور اس بارے میں ہمیشہ کہتی تھیں..."پیار میں خدا کی بھیجی رحمت کو نعمت کے نام سے پکاروں۔ ارے نعمت کی پوچھ گچھ ہوگی مگر اس رحمت کے صدقے تو میں بخشی جاؤں گی۔" اسی لیے جب ماں جی دنیا سے رخصت ہوئیں تو سب سے زیادہ ضوباریہ ہی متاثر ہوئی۔ یوں لگا کہ کسی چھتنار درخت کا سایہ اس سے دور ہوگیا ہو کہ پہلے طلحہ اور پھر عدن کے بعد اسے صحیح معنوں میں ان کے تجربے اور علم کی ضرورت تھی۔

طلحہ کی پیدائش سے پہلے ضوباریہ ایک بہترین مقامی اسکول میں نویں اور دسویں کے طالب علم کو انگریزی اور ریاضی کے مضامین پڑھایا کرتی تھی مگر پھر یکے بعد دیگرے دونوں بچوں کی پیدائش ہوئی تو اس نے اسکول کی نوکری چھوڑ دی مگر قلم کا سفر نہ رکا۔ پہلے کلاس روم میں علم بانٹا کرتی تھی، اب اپنی تحاریر سے لوگوں کے اذہان پر دستک دیتی تھی۔ اس کے نوکری چھوڑنے پر سب بہنوں اور بھابیوں نے خوب ہی ریکارڈ لگایا تھا..."بھئی ہم نے بھی تو بچے پالے ہیں مگر یوں اپنی نوکریاں نہیں چھوڑیں۔ آج کل کے زمانے میں صرف مرد کی کمائی سے گھر نہیں چل پاتا۔ صرف بچوں کی ضرورت اور خواہش کی ہی کئی چیزیں ہوتی ہیں جن پر ہزاروں روپے لگ جاتے ہیں۔" یہ سب کی ہی مشترکہ آرا تھی۔

اور یہ سچ بھی تھا، بہنوں اور بھابیوں میں سے کسی نے بچوں کے لیے آیا رکھ لی تھی، کسی نے بچوں کو نرسری میں ڈلوا دیا تھا اور کوئی اپنے سسرال میں چھوڑ دیتا تھا مگر جاب کسی نے نہیں چھوڑی تھی۔ راضیہ باجی ایک مونٹیسوری اسکول کی نگراں تھیں۔ بڑی بھابی عائزہ کا اپنا پارلر تھا، چھوٹی بھابی انیقہ کالج میں پڑھاتی تھی۔ عطیہ ایک پرائیوٹ آفس میں جاب کرتی تھی اور عالیہ ایک بینک میں کیشئر تھی مگر ضوباریہ کی سوچ پر ماں جی کا عکس تھا۔ وہ کہتی تھیں۔"بیٹی یہ جو بچے ہوتے ہیں نا، یہ چھوٹے چھوٹے بوٹے ہوتے ہیں۔ گرمی، دھوپ، سختی، بہت بارش سے مرجھا جاتے ہیں۔ ان کی بڑے دھیان سے آبیاری کرنی پڑتی ہے تب کہیں جا کے ان کی جڑیں زمین کے اندر پھیلتی ہیں اور اس کے بھی کافی عرصے بعد ان پر پھل آتے ہیں۔" وہ بھی بس یہی چاہتی تھی کہ اس کے چھوٹے سے گلستاں کے یہ گل بوٹے صحیح طرح سے نمو پائیں۔

☆☆☆

"سنیں فرحان۔" کچن کے کاموں سے فراغت ملی تو ضوباریہ فرحان کے لیے نیم گرم دودھ کا گلاس لیے چلی آئی۔

"جی جانِ فرحان...... یہاں بیٹھیں۔" فرحان نے اپنے برابر میں اس کے لیے جگہ بنائی۔

"پہلے یہ بتائیں بچے سو گئے؟"

"جی، پہلے دونوں کو سلایا پھر کچن کا کام سمیٹا۔ جب تک وہ والی نظم نہ سن لیں۔

the hands that rock the cradle

the hands that rule the world

(جو ہاتھ جھولا جھلاتے ہیں۔ وہی ہاتھ دنیا پر حکمرانی کرتے ہیں) انہیں نیند ہی نہیں آتی۔" کہتے ہوئے ضوباریہ نے اپنے دونوں پیر اوپر کرلیے اور کمبل پیروں پر ڈال لیا۔

"آپ سناتی بھی تو مزے سے ہیں اور جب آپ اس پر انہیں ایکٹ (عمل) کرکے دکھاتی ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں۔" فرحان نے اسے توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرا دی۔

"بچوں کے اسکول میں اساتذہ کی تربیتی ورکشاپ ہے۔ اس لیے تین دن کی چھٹیاں ہیں بچوں کی۔ تو کیوں نہ بچے ایک ایک دن اپنی بڑی خالہ، ماموں اور بڑے تایا کے گھر رہ آئیں۔" فرحان کے بھی والد، والدہ حیات نہ تھے صرف دو بڑے بھائی تھے جو ایک ساتھ رہتے تھے۔

"ہوں! آئیڈیا تو اچھا ہے مگر یہ خادم آپ لوگوں کے بغیر کیونکر رہے گا؟" فرحان نے اسے اپنے سے قریب کیا۔ اچھی بیوی کیسی پیاری نعمت ہوتی ہے؟ یہ احساس ضوباریہ کو دیکھ کر ہوتا تھا۔

"میں تو آپ کو ہرگز نہ چھوڑ کر جاؤں مگر کیا کروں بچوں کا اصرار ہے۔ کھانے کی آپ کو پریشانی نہ ہوگی، میں نے آج ہی تین مختلف طرح کی ڈشز بنادی ہیں۔ صرف روٹی بازار سے لانی پڑے گی اور چاہے تو آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں، تین دن کی تو بات ہے۔" ضوباریہ کو شوہر کے اکیلے پن کا احساس تھا۔

"ارے میری جان...... آپ بے فکر ہو کر جائیں اور تین دن مزے کرکے آئیں۔ میرے آفس میں تو آڈٹ چل رہا ہے۔ مشکل ہے چھٹی کرنا۔" فرحان نے لگاوٹ سے کہا اور دودھ کا گلاس لبوں سے لگالیا۔

☆☆☆

راضیہ باجی کے گھر اس کا ہمیشہ کی طرح بھرپور استقبال ہوا تھا۔ گھر سے نکلنے سے پہلے اس نے عطیہ اور عالیہ کو بھی فون کرکے راضیہ باجی کے گھر آنے کا کہا تھا...اور دونوں نے ہی وعدہ کیا تھا کہ شام تک چکر لگائیں گی۔۔ راضیہ باجی نے آج اس کے آنے کی خوشی میں اپنے مونٹیسوری اسکول سے چھٹی کرلی تھی اور اس وقت کچن میں لنچ کی تیاری کررہی تھیں۔ طلحہ اور عدن تو آتے ہی اپنی منال آپی کے ہوگئے تھے۔ وہ بھی بچوں میں بچہ بنی ان کے ساتھ لان میں کرکٹ کھیل رہی تھی اور ساتھ ساتھ ضوباریہ سے باتیں بھی کرتی جارہی تھی۔ گفتگو فیشن، کپڑوں اور کھانوں سے ہوتی ہوئی ضوباریہ کی تحریروں پر آگئی۔

"خالہ جانی میں نے جو فیس بک پر آپ کا آفیشل پیج بنایا ہے وہ تو بڑا ہٹ جارہا ہے۔ اور ایک لڑکی سمرہ خالد...... کتنے ڈھیر کمنٹ کرتی ہے ناں وہ۔" منال نے کہتے ہوئے طلحہ کی کرائی گئی گیند پر

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

زور سے بلے کے ذریعے شاٹ مارا۔

''ہاں، وہ لڑکی اکثر مجھے بھی حیران کردیتی ہے۔ کہتی ہے بہت ہی ذوق وشوق سے آپ کی تحریریں پڑھتی ہوں۔'' ضوباریہ نے تائید کرتے ہوئے پوچھا۔ ''منال، شجاع کہاں ہے؟ نظر نہیں آرہا۔ آپی تو کہہ رہی تھیں کہ امتحانات ہونے والے ہیں اس لیے آج کل وہ گھر پر ہوتا ہے۔''

''ارے خالہ جانی ابھی تو صرف ساڑھے دس ہوئے ہیں۔ موصوف کی گیارہ بجے سے پہلے صبح نہیں ہوتی۔ اپنے ہی کمرے میں محوِ استراحت ہوں گے۔'' منال نے کہا اور ضوباریہ مسکرادی۔

''ایسی بات ہے تو میں اس کو سرپرائز دوں گی۔'' اس نے منال سے کہا اور اندر کی طرف رخ کیا۔ پیچھے طلحہ اور عدن، منال کو شام میں کیک بنانے کی یاددہانی کرا رہے تھے۔ ضوباریہ مسکراتے ہوئے شجاع کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ بچپن میں شجاع بھی ضوباریہ کے آگے پیچھے اسی طرح پھرا کرتا تھا اور ضوباریہ نے بھی اس کے بڑے ناز اٹھائے تھے۔ راضیہ باجی کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑا شجاع تھا جو بی ایس سی کر رہا تھا۔ پھر منال جو بی اے تھرڈ ائیر میں تھی اور سب سے چھوٹا حمزہ جو میٹرک میں تھا۔

ضوباریہ شجاع کے کمرے میں داخل ہوئی تو کمرے میں کوئی نہ تھا۔ بیڈ پر اس کے استری شدہ کپڑے رکھے تھے اور باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔

''ہوں تو موصوف نہانے کا شغل کر رہے ہیں۔'' ضوباریہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بچپن میں شجاع نہانے کا بہت چور تھا۔ اسے آج بھی اچھی طرح یاد تھا کہ راضیہ باجی جب ماں جی کے گھر آتی تھیں تو ضوباریہ اسے نہ جانے کس کس چیز کا لالچ دے کر نہانے لے جاتی تھی۔ ماضی کی اوٹ سے جھانکتی یادوں کے مزے لیتی وہ کمپیوٹر کی طرف آگئی۔ جو کھلا ہوا تھا۔ یقیناً شجاع نے بستر چھوڑنے کے بعد پہلے کمپیوٹر کے درشن کیے ہوں گے کہ آخر کمپیوٹر سائنس میں بیچلر جو کر رہا تھا مگر جو کچھ اسکرین پر موجود تھا اس نے لمحوں میں ضوباریہ کی ساری مسکراہٹ غائب کردی تھی، کتنے ہی ثانیے وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی رہ گئی، اسے یہ بھی خبر نہ ہوسکی کہ شجاع باتھ روم سے نکل آیا ہے۔

''اوہ...... خالہ جانی آئی ہیں۔'' وہ تولیے سے بال رگڑتا ہوا قریب آیا۔ ''کب آئیں آپ؟ اور آپ کے چشم و چراغ کہاں ہیں؟''

''بس جب تم نے دیکھا...... وہ دونوں منال کے ساتھ ہیں۔'' ضوباریہ نے کہتے ہوئے اسے غور سے دیکھا اور اسی وقت شجاع کے موبائل کی ٹون بجنے لگی۔ اس نے فون اٹھایا۔

''نہیں یار...... بس ریڈی ہوں ناشتا کر کے نکل رہا ہوں...... ہاں، چل ٹھیک ہے، اوکے بائے۔'' اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کیا پھر وہ سم نکالی، سم نکال کر اس نے دوسری سم لگائی۔ کسی کو دو تین میسجز بھیجے اور پھر واپس سابقہ سم لگالی۔

''جھنجٹ نہیں لگتا شجاع تمہیں ایک سم نکال کر دوسری سم لگانا۔ اس سے تو بہتر ہے کہ ڈبل سم والا موبائل لے لو۔'' ضوباریہ نے مشورہ دیا۔

''ویسا موبائل ہے میرے پاس۔ اور ویسے بھی صرف سم کی بات تھوڑی ہے۔ چار پانچ سمز ہیں میرے پاس۔ آج کل ویسے بھی ملٹی ٹاسکنگ کا دور ہے خالہ جانی۔'' شجاع نے فخریہ کہا۔

''ویسے آپ نے اچھا نہیں کیا طلحہ اور عدن کو ان کے پرانے اسکول سے نکال کر، کافی اچھا معیار تھا اس انگریزی اسکول کا۔ ماما نے بتایا تو مجھے سن کر اچھا محسوس نہیں ہوا۔ آپ اتنی بیک ورڈ تو نہیں ہیں۔'' شجاع کے لہجے میں افسوس کے ساتھ حیرانی بھی تھی۔

''دنیا کے ساتھ ساتھ دین بھی تو بے حد ضروری ہے ناں۔'' ضوباریہ نے نرم لہجے میں کہا۔

''مگر اس کے لیے یہ ضروری تو نہیں کہ انہیں اچھے بھلے اسکول سے نکال کر کسی مدرسے میں ڈال دیا جائے۔'' شجاع نے مضحکہ اڑایا۔

''وہ مدرسہ نہیں ہے بلکہ ایک انگریزی اسکول ہی ہے مگر اس میں قرآنی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔'' ضوباریہ نے وضاحت دی۔

''کچھ عجیب سی ہے آپ کی بات۔ دنیا آگے کی طرف جارہی ہے اور آپ پیچھے کی طرف۔'' ان ایک نظر ڈال کر وہ آئینے کی سمت متوجہ ہوگیا اور بالوں میں کنگھا کرنے لگا۔

''شجاع! عجیب بات تو یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو معاشرتی لحاظ سے اپ ٹو ڈیٹ کرنے کے لیے تو بہترین ادارے ڈھونڈتے ہیں مگر قرآن جو صرف ایک مذہبی کتاب ہی نہیں بلکہ مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کی تعلیم کے لیے کسی تربیتی ادارے کی مدد نہیں لیتے بلکہ ایک عام سے استاد پر اکتفا کرلیتے ہیں۔'' ضوباریہ کے لہجے میں افسوس تھا۔

''دھیان رکھیے گا خالہ جی، یہ باتیں کسی اور کے سامنے مت کہیے گا۔ آج کل بہت آسانی سے بنیاد پرست کا لیبل لگ جاتا ہے۔'' شجاع نے طنز کیا۔

''ڈیئر شجاع! دھوکے باز کا لیبل لگنے سے تو بہتر ہے کہ انسان پر بنیاد پرست کا لیبل لگ جائے۔'' اب کے ضوباریہ نے بھی طنز کیا۔

''کیا مطلب؟'' شجاع جو اپنے استری شدہ کپڑے اٹھا کر ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ رہا تھا ٹھٹک کر رک گیا۔

''مطلب یہ......'' کہتے ہوئے ضوباریہ نے کمپیوٹر اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سمرہ خالد کی پروفائل کھلی ہوئی تھی۔ یہ شجاع ہی تھا جو سمرہ خالد کے نام سے ضوباریہ سے متعارف تھا۔

''اوہ...... تو آپ کو پتا لگ گیا۔ خالہ جانی یہ صرف مذاق ہے، میرے سارے دوست جانتے ہیں کہ میری دو تین اس طرح کی پروفائل ہیں۔''

''شجاع مذاق وہی اچھا ہوتا ہے جس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ مجھے بہت اچھا لگتا اگر تم اپنے اصل کے ساتھ میرے سامنے آتے۔ بھلے سے تم میری تحریریں نہ پڑھتے۔ بحیثیت سمرہ خالد کے ایک اچھے قاری ہونے کا میرے ساتھ ناٹک نہ کرتے مگر صرف میرے بھانجے کی حیثیت سے بحیثیت مصنفہ میری حوصلہ افزائی کرتے۔'' ضوباریہ کو بے حد افسوس تھا۔ ایک مہینے سے وہ شجاع کے ہاتھوں بے وقوف بن رہی تھی۔

''آئی ایم سوری خالہ جانی! میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔'' وہ ان کے قریب آیا۔ بے شک وہ معافی مانگ رہا تھا مگر ندامت اس کے انداز میں نہیں تھی کیونکہ اس کے نزدیک یہ سب ایک مذاق تھا۔

''ایک بات یاد رکھنا شجاع، بزرگ کہتے ہیں کہ دھوکے کی ایک بڑی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مالک کا گھر کبھی نہیں بھولتا۔ جہاں سے چلتا ہے وہاں واپس آتا ضرور ہے۔'' ضوباریہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ شجاع کو سرپرائز دینے آئی تھی خود سرپرائز ہو کے جارہی تھی۔ شجاع چند

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

منٹ اپنی جگہ کھڑا پھر سر جھٹک کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

تین دن ننھیال اور ددھیال میں گزار کر بچے جب اتوار کو واپس گھر پہنچے تو بہت تازہ دم تھے مگر جو تھکن ضوباریہ کے ذہن ودل پر شجاع کے انداز اور عمل کو دیکھ کر چھائی تھی وہ ریحان بھائی کے گھر اور پھر اپنے سسرال میں بھی زائل نہ ہو سکی۔ جب وہ گھر پہنچی تو ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔ اسے فرحان کی یہ عادت بہت پسند تھی کہ وہ ہر چیز ٹھکانے پر رکھتے تھے۔ جب تک بچے باپ کے گلے کا ہار بنے رہے اس نے رات کا کھانا تیار کرلیا۔

''خوشبو بتارہی ہے کہ ہماری بیگم نے کوئی خاص چیز تیار کی ہے۔'' فرحان دونوں بچوں کے ہاتھ دھلوا کر ٹیبل پر لے آئے۔

''جی جناب' آپ کی پسندیدہ چکن ہانڈی اور ساتھ میں سبزی پلاؤ۔'' ضوباریہ نے چٹخارا لے کر بتایا تو فرحان کے منہ میں بھی پانی بھر آیا۔

''ایسی بات ہے تو پھر جلدی سے ڈھکن اٹھائیں۔ دیر کس بات کی ہے؟'' فرحان نے کہتے ہوئے پلیٹ اپنے آگے کی پھر بچوں کی پلیٹ میں سالن ڈالا۔ فرحان کی عادت تھی پہلے بچوں کو کھانے کو دیتے پھر خود کھانا شروع کرتے تھے۔ بچوں نے کھانے سے پہلے کی دعا پڑھ کر کھانا شروع کیا تو فرحان اور ضوباریہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے پھر دونوں میاں، بیوی نے بھی کھانا شروع کیا۔

کھانے کے بعد وہ چاروں اپنے چھوٹے سے لان میں آگئے۔ بچے گھاس پر کھیلنے لگے جبکہ وہ دونوں آہستہ روی سے چہل قدمی کرنے لگے۔

''کیا بات ہے ضوباریہ...... کچھ ڈسٹرب سی ہیں؟'' فرحان نے اس کی گہری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''بس ایسے ہی...... باجی کے بچوں اور خاص طور پر شجاع اور بھائی جان کے بچوں سے ملی تو لگا کہ وقت شاید کافی آگے نکل گیا ہے۔'' اس کے لہجے میں تاسف تھا۔ ''ایک بات بتائیں فرحان، بڑے ہو کر کیا ہمارے بچوں کی بھی ترجیحات بدل جائیں گی؟ کہ یہاں تو جس کو دیکھو وہ اسکرین فوبیا کا شکار نظر آتا ہے۔ موبائل، کمپیوٹر، ایل سی ڈی، ایل ای ڈی، ٹی وی وغیرہ، وغیرہ۔'' ضوباریہ نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

''ضوبی...... یہ سب کچھ اس بات پر منحصر ہے کہ انہوں نے کن ہاتھوں میں تربیت پائی ہے اور ان پر ماحول کا کتنا اثر ہے۔ اگر تربیت کا اثر گہرا ہو تو ماحول زیادہ دیر تک اثر انداز نہیں رہ سکتا۔ اس لیے قبل از وقت پریشان مت ہو...... اور رہی بات اسکرین فوبیا کی تو اس کے لیے حضرت علامہ اقبالؒ کیا خوب ہی فرما گئے ہیں کہ

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

آئی سمجھ۔'' فرحان نے اس کو بازوؤں کے گھیرے میں لیا تو ضوباریہ نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔

''ضوبی تمہاری یہ آنکھیں ڈسٹرب ہونے کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کو ڈسٹرب کرنے کے لیے ہیں۔ یہ غزال جیسی آنکھیں......'' فرحان نے محبت سے کہا تو وہ شرما گئی۔

''چلو ایک نظم سناتا ہوں، ان آنکھوں پر۔ امجد اسلام امجد صاحب کی۔

سادہ سے اِک چہرے پر کیا جادوگری آنکھیں ہیں
جو دیکھے ان کا ہو جائے
جو اترے وہ تھاہ نہ پائے......''

فرحان نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ بچے بھاگتے ان دونوں کے قریب آگئے۔

''ماما چلیں ناں...... ہمیں کہانی سنائیں۔'' [illegible]ان کو نہ صرف اپنے لفظوں کو بریک لگانا پڑا بلکہ [illegible]باریہ کے کندھوں سے ہاتھ بھی ہٹانے پڑے۔

''بیٹا آج تمہارے پاپا نظم سنا رہے ہیں...... وہ سنو۔'' ضوباریہ نے فرحان کی سمت دیکھ [illegible]ہنستے ہوئے کہا۔ فرحان بھی جواباً ہنس دیا۔ اس [illegible]طلحہ کو اپنی گود میں لے لیا اور ضوباریہ نے عدن [illegible]اور بچوں کو کندھے پر لے کر تھپکنے لگے۔ فرحان [illegible]ٹھہر ٹھہر کر دوبارہ نظم سنانا شروع کی۔

سادہ سے اِک چہرے پر کیا جادوگری آنکھیں ہیں
جو دیکھے ان کا ہو جائے
جو اترے وہ تھاہ نہ پائے
کتنے سپنے جاگ رہے ہیں
ان پلکوں کے سائے سائے
شمع سحری، چارہ گری، نامہ بری آنکھیں ہیں
انجانی، پہچانی بھی
اپنی اور بیگانی بھی
ایک ہی منظر کا حصہ ہیں
[illegible] بھی اور حیرانی بھی
ساحل جیسی لگتی ہیں وہ اور بھنور سی آنکھیں ہیں
سادہ سے اِک چہرے پر کیا جادوگری آنکھیں ہیں

نظم ختم ہونے تک بچے آنکھیں موند چکے تھے [illegible]ضوباریہ اور فرحان دونوں کے معصوم چہروں کو [illegible]مسکرا دیے اور اندر کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

شجاع خالد ہونٹوں سے وسل بجاتا، اپنے [illegible]میں نک سک سے تیار ہو رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں کسی کو روبرو دیکھنے کی چاہ تھی۔ دل میں جذبات کا طوفان ہمک رہا تھا اور ہونٹ کچھ کہنے کی چاہ میں بے اختیار کھل اور بند ہو رہے تھے۔ وہ اپنی بے اختیاری پر مسکرا اٹھا۔ آج وہ کرن سے ملنے جا رہا تھا۔ کرن سے اس کی پہلی بار بات چیت دو مہینے پہلے فیس بک پر ہوئی تھی۔ جیسے جیسے وہ کرن سے قریب ہوتا گیا کرن کے جوہر اس پر کھلتے گئے۔ وہ نئے دور کی بڑی ٹیلنٹڈ لڑکی تھی۔ اس کی معلومات بہت اپ ٹو ڈیٹ رہتی تھیں۔ جب پہلی بار اس نے کرن سے موبائل پر بات کی تو وہ اس کی آواز کا مداح ہو گیا۔ آواز تھی کہ گویا بہتے پانی کا جھرنا، وہ بہتا چلا گیا اور جب پہلی بار اس نے ویب کیم کے ذریعے صرف ایک اسکرین کے فاصلے سے کرن کو روبرو دیکھا تو فدا ہو گیا۔ وہ ایک پری چہرہ لڑکی تھی۔

اور آج اس کی کرن سے پہلی باضابطہ ملاقات تھی۔ کرن نے اسے ایک آئسکریم پارلر میں بلایا تھا۔ gelatto affairs شجاع کا پسندیدہ آئسکریم پارلر تھا۔ وہ اکثر وہاں اپنے دوستوں کے

پیار کا رنگ

سندر سپنا میرا تھا
اس میں عکس وہ تیرا تھا
ڈمپل گالوں میں پڑتے تھے
زلفوں کا رنگ سنہرا تھا
چاند سا مکھڑا اس کا تھا
کالے تل کا پہرا تھا
جھیل سی اس کی آنکھیں تھیں
آنکھوں میں کاجل پھیلا تھا
جذبے دونوں کے سچے تھے
تو پیار کا رنگ بھی گہرا تھا

شاعرہ، فریدہ جاوید فری، لاہور

www.Paksociety.com

ساتھ جا کر مزے کرتا تھا۔ مگر آج سب کچھ نیا نیا اور انوکھا تھا۔ ایک جگہ رک کر اس نے ایک خوب صورت سا بوکے لیا۔ بائیک اس نے آئسکریم پارلر کے احاطے میں پارک کی اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اندر داخل ہو کر اس نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ نظر آخری ٹیبل پر جا کر ٹھہر گئی۔ کرن اسے دیکھ کر ہاتھ ہلا رہی تھی۔ کالے رنگ کی فراک میں اس کی کھلی کھلی رنگت خوب دمک رہی تھی۔ وہ کرن کو دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرایا اور اس کی سمت بڑھ گیا۔

''کیسی ہو کرن؟'' شجاع خالد کی آواز میں ہلکی سی جھجک تھی۔ اسے خود پر حیرت ہوئی کہ وہ تو اپنوں سے بھی ملتے ہوئے شرماتا تھا۔

''ویسی ہوں، جیسی ہمیشہ ہوتی ہوں۔'' کہتے ہوئے کرن کھلکھلا کے ہنس دی اور اس کی نقرئی ہنسی کا جلترنگ دور تک بکھر گیا۔

''یہ تمہارے لیے۔'' شجاع نے سرخ گلابوں کا گلدستہ اس کی سمت بڑھایا۔ اس نے ایک ادا سے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ پھر شجاع نے اس کے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔ کتنی ہی دیر خاموشی ان کے بیچ رقص کرتی رہی۔

''کرن......'' آخر شجاع نے ہی ابتدا کی۔

''ہوں۔'' کرن نے ہوں کہنے پر ہی اکتفا کیا۔

''مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔''

''اور مجھے بھی آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' کرن نے بھی اپنا مدعا سامنے رکھا۔

''تو پھر پہلے تم کہو۔'' شجاع کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ اسے یقین تھا کہ آج کرن بھی اپنے دل کی بات اس سے کہہ دے گی۔

''میرا خیال ہے پہلے ایک ایک کپ آئسکریم ہو جائے پھر کوئی بات کی جائے۔'' کرن نے تجو[...] دی اور شجاع نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ پھر آئسکریم کھا[...] تک کرن کپ پر نظر جمائے رہی اور وہ کرن کو ا[...] نگاہوں میں جذب کرتا رہا۔ آئسکریم کھانے کے ب[...] شجاع نے کرن کا ہاتھ تھام لیا۔ نرم، کومل سا ہاتھ جسے کئی بار اپنے خوابوں میں تھام کر وہ روپہ[...] راستوں پر کرن کے سنگ چلتا رہا تھا۔

''کرن...... بے شک یہ جملہ ہر روز بہ[...] سارے لوگ کئی بار بولتے ہوں گے اور جب تک[...] دل پر محبت کی واردات نہ ہو یہ جملہ سننے میں عام[...] لگتا ہے مگر آج اپنے دل کی پوری گہرائیوں [...] بولتے ہوئے مجھے احساس ہو رہا ہے کہ یہ تین حر[...] لفظ اپنے اندر کتنے معانی سمیٹے ہوتا ہے۔ آئی لو[...] کرن۔ آئی لو یو ویری مچ۔'' وہ ایک جذب [...] ساتھ کہتا جا رہا تھا کہ پیچھے سے کسی کی تالیوں [...] آوازوں پر چونک اٹھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا ا[...] کے کالج کے دوست ذیشان، راحم اور علی کھڑے تھے۔ ذیشان اور راحم سے تو اب بھی اس کی ملاقات رہتی تھی مگر علی امتحانوں کے بعد آج نظر آیا تھا...او[...] امتحانات ہوئے بھی دو مہینے ہو چکے تھے۔ ان تینوں [...] دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ساتھ ہی کرن نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی اور پھر جو کچھ اس نے دیکھا وہ ا[...] اپنی جگہ پر منجمد کرنے کے لیے کافی تھا۔ کرن جا [...] ذیشان کے برابر میں کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھ[...] کی ہتھیلی پر اب تک کرن کے لمس کا احساس تھا۔

''یار کیا ڈائیلاگ بازی کی ہے تو نے۔ مان گئے استاد۔'' ذیشان نے اسے داد دی۔ راحم نے بھی اسے وکٹری کا نشان دکھایا۔ ایک صرف علی تھا جو خاموش کھڑا تھا اس کے چہرے پر ناقابلِ فہم تاثرات تھے۔

''بکواس مت کرو میں۔ نے کوئی ڈائیلاگ [...]ی نہیں کی ہے۔ میں واقعی کرن سے محبت کرتا [...]وں۔'' وہ پھٹ پڑا۔ ''کرن پلیز ان لوگوں کی [...]وں میں مت آنا۔ یہ یقیناً کوئی جوک کر رہے ہوں [...]۔'' کرن کو مخاطب کرتے ہوئے اس کا لہجہ ملتجی [...] گیا۔

''مگر میں کوئی جوک نہیں کر رہی، میں تم سے [...] نہیں کرتی مسٹر شجاع خالد...... میٹ مائی [...]ی...... ذیشان احمد...... آئی لو ہم۔'' (میرے [...]یتر ذیشان احمد سے ملو۔ میں ان سے محبت کرتی [...]وں) کہتے ہوئے کرن نے ذیشان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تم یہ سب کیا کہہ رہی ہو کرن، کیوں اس [...]رح میرے دل سے کھیل رہی ہو، میرے جذبات [...]ون کر رہی ہو۔'' شجاع کے انداز میں حیرت تھی، [...]وس تھا۔

''وہی شجاع خالد، جو تم اب تک کرتے آئے [...] ایک تفریح...... ایک مذاق۔'' کرن کے بجائے [...]شان نے جواب دیا۔

''میں نے ہی کرن کو تمہارا نام، فون نمبر، ای [...]ل، آئی ڈی، تمہاری پسند ناپسند سے آگاہ کیا تھا۔ [...] اس روپ میں تمہارے سامنے آتی رہی جو تمہیں [...]ا تھا۔''

''مگر کیوں؟'' وہ چیخ اٹھا۔

''اس کیوں کا جواب دینے کے لیے ہی ہم [...] یہاں آئے ہیں۔'' ذیشان کے لہجے میں حد [...] سرد مہری تھی۔ ''تم بھول گئے شجاع، تم نے اپنے [...]ن دوستوں کے ساتھ کیا کیا۔ مذاق، مذاق میں [...] دل سے، ان کے جذبات سے کھیلتے رہے۔ [...] جو تم سے اپنی ہر بات شیئر کرتا تھا اسے تم بہت [...] تک سمرہ خالد بن کر بے وقوف بناتے رہے۔

تم جانتے تھے ناں علی ہمارے گروپ کا سب سے شرمیلا لڑکا ہے۔ لڑکیوں سے دوستی نہیں کرتا۔ تم اس کی ساری خوبیوں، خامیوں سے آگاہ تھے۔ پھر پر بھی مسلسل پانی پڑے تو سوراخ ہو جاتا ہے۔ پھر سمرہ خالد کی محبت بھری باتیں علی کے دل کو کیوں نہ چھوتیں...... اور جب وہ تمہارے پاس آیا اپنے جذبات، اپنے احساسات تم سے شیئر کرنے تو تم کتنا ہنسے تھے۔ کتنا مزہ لیا تھا تم نے اس کی بے تابی کا کہ جس لڑکی پر وہ بے چارہ فدا ہو گیا ہے اس کا تو دنیا میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ جسے تم نے جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے پہلے تخلیق کیا پھر وائس چینجر اور فیس بک کے ذریعے پروان چڑھایا۔ دو ہفتوں تک وہ بخار میں پھنکتا رہا پھر اس کے بعد اس نے تو کالج ہی چھوڑ دیا۔ میرا خیال ہے آج تمہیں اپنے مذاق کی قیمت ضرور مل گئی ہوگی۔'' کہتے ہوئے ذیشان نے آئسکریم کے پیسے جو کرن اور شجاع نے کھائی تھی اس کے سامنے ٹیبل پر پھینکے اور اپنے دوستوں کو لیے باہر نکل گیا۔

شجاع ٹیبل پر پڑے نوٹوں کو دیکھتا رہا۔ اسے لگا کہ ان نوٹوں پر کچھ لفظ ابھر آئے ہیں، ان کو اگر جوڑا جائے تو دھوکا...... مذاق...... دھوکا...... مذاق کی تکرار دور تک جاتی نظر آ رہی ہے۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے پارلر میں موجود سارے لوگ اس پر ہنس رہے ہوں۔ وہ بے ربط قدموں سے باہر نکل آیا۔ وہ بائیک پر بیٹھا تو لگا کہ لوگوں کے قہقہے اس کی بائیک کے پہیوں سے چمٹ گئے ہوں۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا پھر اس کا توازن بگڑا اور بائیک سلپ ہو گئی۔ اس کے بعد اسے کچھ ہوش نہیں رہا۔

☆☆☆

رات کے ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا جب فون کی بیل نے ضوباریہ کو نیند سے جگا دیا۔

''خالہ جانی...... خالہ جانی...... شجاع بھائی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' منال کی روتی آواز نے ضوباریہ کا دل جکڑ لیا تھا۔

''یا اللہ خیر...... میرے بچے کو اپنے امان میں رکھنا......'' ضوباریہ کے دل سے بے اختیار نکلا۔ اس نے کسی طور منال اور راضیہ کو تسلی دی کہ وہ لوگ اسپتال میں تھے۔ خود اس وقت اس کا جانا ممکن نہ تھا کہ دونوں بچے سو رہے تھے۔ انہیں اکیلا کس کے پاس چھوڑ کر جاتی۔ مگر فرحان نے اسی وقت اسپتال جانا مناسب سمجھا کہ خالد بھائی (شجاع کے ابو) کو اس وقت یقیناً کسی اپنے کی شدید ضرورت ہوگی۔ ضوباریہ نے وہ رات نہایت بے چینی میں کاٹی اور بچوں کے اسکول جاتے ہی وہ فرحان کے ساتھ صبح ہی اسپتال پہنچی تھی۔ دائیں ہاتھ میں فریکچر ہوا تھا، دائیں ٹانگ پر بھی کافی گہرے زخم آئے تھے اور ماتھے پر بھی چوٹیں لگی تھیں۔ خالاؤں، ماموؤں سب کا چہیتا تھا، ہر کوئی اس کے ناز بچپن سے اٹھاتا آ رہا تھا۔ اسے اس حالت میں اسپتال کے بیڈ پر پڑے دیکھ کر سب کے دل پر گھونسا سا پڑا تھا۔

چار دن اسپتال میں رہ کر شجاع گھر آ گیا۔ مگر جانے کیا بات تھی ایکسیڈنٹ کے بعد اسے چپ سی لگ گئی تھی۔ اور یہ چپ گھر آ کر بھی نہیں ٹوٹی تھی۔ سب پریشان تھے کہ جانے کیا ہو گیا ہے اور سب سے زیادہ تو راضیہ باجی پریشان تھیں۔

''بہت تیار ہو کر دوست کے گھر جانے کے لیے نکلا تھا۔ جانے کس کی نظر لگ گئی میرے بچے کو۔''

اگلا دن چھٹی کا تھا۔ گھر کے کام نمٹا کر ضوباریہ تھوڑی دیر کے لیے راضیہ باجی کے گھر جانا چاہتی تھی کہ شجاع کو دیکھ آئے، اسی وقت راضیہ باجی کا فون آ گیا۔

''پلیز ضوباریہ تم گھر آ جاؤ۔ شجاع بچپن سے تم سے بہت قریب رہا ہے ناں...... شاید تم سے کوئی بات کرے۔'' اور اب وہ اس وقت شجاع کے سامنے والی کرسی پر بیٹھی تھی۔

''شجاع کچھ تو بولو...... ہفتہ ہو گیا ہے، یہ ایک چھوٹا سا ایکسیڈنٹ تھا اور بس...... بیٹا زندگی میں اس سے بھی بڑی تکلیفیں جھیلنی پڑتی ہیں۔'' وہ اپنے اسی مخصوص نرم انداز میں سمجھا رہی تھی جو اس کا خاصہ تھا۔

ضوباریہ کی دانست میں ایکسیڈنٹ کی وجہ سے اس کو ذہنی دھچکا لگا تھا۔ شجاع کافی دیر تک اپنی خالہ جانی کو خاموشی سے دیکھتا رہا اور پھر ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔

''خالہ جانی...... پلیز مجھے معاف کر دیں۔ آپ ٹھیک کہتی تھیں، دھوکے کی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مالک کا گھر نہیں بھولتا۔ وہ واقعی اپنے مالک کا گھر نہیں بھولا تھا۔ جو مذاق میں نے اپنے عزیزوں، رشتے داروں اور دوستوں کے ساتھ شروع کیا تھا وہ مجھ پر ہی ختم ہوا۔'' وہ یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور پھر شروع سے آخر تک سب کچھ کہہ ڈالا۔ اس کے بہتے ہوئے آنسوؤں نے ضوباریہ کے دل کو پگھلا دیا اور وہ بھی اس کے ساتھ رونے لگی۔ دونوں کو ہی خبر نہ ہوئی کہ راضیہ بھی دروازے کی اوٹ میں کھڑی رو رہی ہیں۔

''شجاع صبح کا بھولا اگر شام کو لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ قرآن شریف میں سورۃ التین میں اللہ فرماتا ہے۔ ''ہم نے انسان کو اچھی صورت پر پیدا کیا۔ پھر رفتہ رفتہ اسے بدل کر پست سے پست کر دیا۔ پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔''

''تو بیٹا...... وہ جو تمہارا اور میرا رب ہے ناں اس نے تمہیں اور مجھے احد اور حد کے درمیان چلتے رہنے کا حکم دیا ہے اور جو اس سے تجاوز کر جائے اسے پھر اسی طرح ٹھوکریں ملتی ہیں۔ اس نے تمہیں اچھی صورت پر پیدا کیا ہے۔ وہ تمہارے اندر برے اوصاف نہیں پنپنے دینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے تمہیں تکلیف دے کر واپس صحیح راستے پر لا ڈالا۔'' وہ شجاع کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے کہتی چلی جا رہی تھی۔ ''ہمیں زندگی اس لیے نہیں ملی شجاع کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہم کتنے ملٹی ٹیلنٹڈ ہیں؟ کتنی ڈگریاں ہمارے پاس ہیں؟ کتنی ڈھیر ساری سمز کے ذریعے ہم لوگوں سے وابستہ رہتے ہیں۔ زندگی ہمیں اس لیے ملی ہے تاکہ ہم اشرف المخلوقات ہونے کا حق ادا کر سکیں۔ خدا کی بہترین تخلیق ہونے کا احساس ہمارے اندر جاگے یہی دراصل سراغِ زندگی ہے اور یہ سراغ صرف من کی دنیا کو روشن کرنے سے ملتا ہے۔'' ضوباریہ کی نرم، پُرتاثر آواز، شجاع کے کانوں سے ہوتی اس کے دل تک راستہ بنا رہی تھی۔ وہ اپنی پچھلی کوتاہیوں پر نادم تھا مگر ان ساری کوتاہیوں کے بیچ ایک حقیقت ضرور تھی کہ وہ واقعی کرن سے محبت کرنے لگا تھا اور شاید ہمیشہ کرتا رہے گا۔ دروازے کے ساتھ لگی راضیہ باجی کی آنکھوں سے اب تک آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے اور باقی دوسرے بہن بھائیوں نے اپنے بچوں کو ہر طرح کی آسائش اور پُرتعیش زندگی دینے کی کوشش کی تھی مگر یوں ماں جی کی طرح تربیت کرنے کا ہنر صرف ضوباریہ کے حصے میں آیا تھا۔ آج اس نے واقعی ثابت کر دیا تھا کہ جو ہاتھ جھولا جھلاتے ہیں وہی دنیا پر حکمرانی کرتے ہیں۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

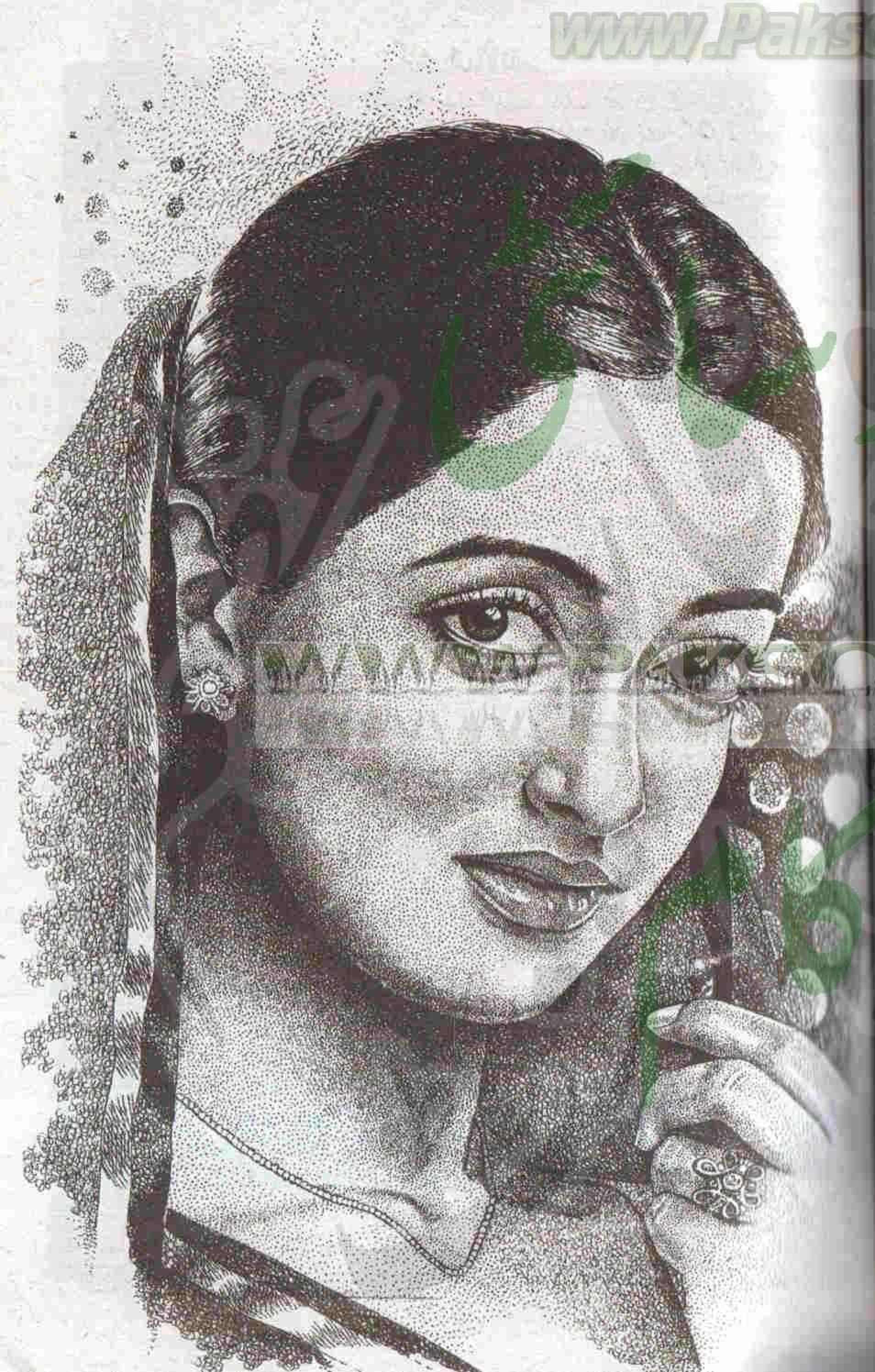

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں

قسط 12

شیریں حیدر

آئیں دیکھتے ہیں کہ مرد و زن کے اس تعلق میں کون کیا کھوتا ہے اور کیا پاتا ہے

اس ناول میں شیشوں سے مراد صنفِ نازک ہی ہے کہ جس کے ساتھ مرد نے کبھی بھی اور کسی بھی دور میں ایسا سلوک روا نہیں رکھا، جیسا کہ رکھا جانا چاہئیے تھا- تخلیق کائنات سے لے کر اب تک مرد اور عورت کے مابین نت نئے رشتے قائم ہوتے رہے ہیں، یہ رشتے جو محبت اور احترام کے متقاضی بھی ہوتے ہیں، کبھی انہیں یہ محبت اور احترام میسر آتا ہے اور کبھی نہیں... ان دونوں کے مابین ایک ازلی رشتہ ہوس کا ہے، عورت ہمیشہ مرد کا پسندیدہ شکار رہی ہے اور رہے گی - عورت کا احترام عموماً مرد نے جن رشتوں میں کیا ہے وہ ماں، بہن یا بیٹی ہیں... بیوی کم کم ہی احترام کی حقدار ٹھہرتی ہے، وہاں بھی جہاں محبت کے بلند و بانگ دعوے کیے جاتے ہیں- بد قسمتی سے بہت سی ایسی صورتِ حال بھی آجاتی ہیں، جب عورت کا احترام بالکل ہی نہیں کیا جاتا، خواہ وہ ماں ہو، بہن یا بیٹی... مرد پر جب غصہ سوار ہو یا اس کی انا اور ضد کا معاملہ ہو تو سبھی رشتے ناتے پسِ پشت ڈال دیتا ہے- غصہ مرد کے دماغ پر حکمرانی کرتا ہے تو وہ عورت کو اپنی چٹکیوں میں مسل کر اپنی مردانہ حس کی تسکین کرتا ہے-

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

مرادنگر نامی گاؤں میں تقسیم ہندوستان سے قبل ہر مذہب اور عقیدے کے لوگ اکٹھے رہتے تھے، جس طرح پاکستان کے سب حصوں میں تھے۔ چوہدری مراد علی اور نور علی دو بھائی تھے، جن کے دادا کے نام پر اس گاؤں کا نام رکھا گیا تھا۔ فطرتاً دونوں با لکل مختلف ہیں، مراد علی شریف النفس اور نور علی عیاش طبع۔ مراد علی کی بیوی عابدہ اور تین بیٹے جہانگیر، شجاع اور شیر علی ہیں۔ شجاع عادات میں اپنے چچا پر ہے حتیٰ کہ ایک رات اپنی بھابی رابعہ کی عزت پر ہاتھ ڈالتا ہے، مراد علی بیٹوں میں فساد پڑ جانے کے باعث رابعہ کو یہ بات جہانگیر سے چھپانے کو کہتے ہیں اور جہانگیر، رابعہ اور شیر علی کو شہر منتقل کر دیتے ہیں۔ شہر جا کر رابعہ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوتی ہے جس کا نام عمران رکھا جاتا ہے۔ نور علی کی بدمزاج بیوی شکیلہ ہے اور بیٹے اکبر اور بابر ہیں۔ نور علی کا بڑا بیٹا اکبر علی جس کے ہاں دو بیٹیوں کے بعد دو جڑواں بیٹیوں کی ولادت ہوتی ہے تو اس کی ماں شکیلہ بیگم، ان بچیوں کے قتل کا حکم ملازماؤں کو صادر کرتی ہے۔ منشی قائم علی چند برس پہلے اپنے گاؤں خوشحال نگر سے اسی گاؤں میں آ گیا تھا۔ بچیوں کی گمشدگی کو معراج کی غفلت جان کر قائم علی نے اس کو شہر بھیج دیا۔ قائم علی سکون کی تلاش میں ایک کوٹھے پر جا پہنچا۔ ماہ تاج سے زیادتی کرنے والا سہیل ایک آوارہ اور بدکردار نوجوان ہے جو ماں باپ کے باہمی اختلافات کے باعث ذہنی انتشار کا شکار ہے۔ اس نے اپنے ساتھ زبردستی اپنے دوست سلیم کو شریک جرم کر لیا۔ سہیل کا باپ اسلم کردار کا کمزور آدمی ہے۔ قائم علی کی جڑواں بیٹیوں میں سے ایک، جہاں آرا نامی طوائف کے ہاتھ لگتی ہے جس کے پاس اس سے قبل ہر عمر کی چھ لڑکیاں پہلے سے موجود ہیں۔ الماس سب سے بڑی ہے اور اس کا نام فیروزہ رکھا جاتا ہے۔ جہاں آرا کا اپنا سگا بیٹا، دلاور ہے، جسے عرف عام میں دلی کہتے ہیں۔ زرتاج جب چوہدرانی شکیلہ کا حکم سنتی ہے تو خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ پیدا ہونے والی بچیوں میں سے ایک تھوڑی دیر کے بعد مر جاتی ہے اور اکبر علی کی بیوی فاخرہ کی حالت بھی خراب ہو جاتی ہے۔ زرتاج بے اختیاری میں اس بچی کو اٹھا کر شاکر کے پاس جاتی ہے۔ بی بی جی گاؤں کی بچیوں کو قرآن کی تعلیم دیتی ہیں۔ ان کا بیٹا عباس اور بیٹی کلثوم...... دو ہی اولادیں ہیں۔ عباس ہندو گھرانے کی ایک لڑکی سے دوستی قائم کر لیتا ہے۔ عباس، دیا کو لے کر بھاگ جاتا ہے اسی رات کلثوم کی سہیلی کاجل خودکشی کر لیتی ہے کیونکہ وہ دیا کے بھائی شیکھر کی منگیتر ہے اور گھر والوں کو شک ہے کہ کاجل دیا کی شریک راز تھی، حقیقت بھی یہی تھی۔ اسی رات کی سحر کو بی بی جی فجر کی نماز پڑھتے ہوئے ایسی سجدے میں گئیں کہ اٹھ ہی نہ سکیں کلثوم بھری دنیا میں تنہا رہ گئی۔ سہیل کے فیل ہونے پر اس کا باپ اسے برا بھلا کہتا ہے۔ فاخرہ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ دیا نے اسلام قبول کر کے عباس سے شادی کر لی۔ اس کا نام زہرہ ہے اس کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ شجاع کے آدمی معراج کے گھر میں گھس کر زرتاج کو لے جانے کی کوشش کرتے ہیں مگر کامیاب نہیں ہوتے۔ موجی، قائم علی سے طلاق کا مطالبہ کر دیتی ہے اور دوسری طرف الماس قائم سے شادی پر زور دیتی ہے۔ ناہید کو اس کا شوہر طلاق دے دیتا ہے۔ کلثوم ماں بننے والی ہے لیکن گھوٹو یعنی جہانداد نہیں چاہتا کیونکہ اگر کلثوم ماں بن گئی تو اس کو کام کرنا پڑے گا۔ اکبر علی کی ملاقات رانی سے ڈیرے پر ہوتی ہے اور وہ اس کو دوبارہ آنے کے لیے کہتا ہے۔ رانی نگی ہے کہتی ہے تو نگی جانے سے انکار کر دیتی ہے۔ رابعہ حویلی آتی ہے تو عمران کی پیدائش کی خوشی میں دعوت کا اہتمام ہوتا ہے، زرتاج وہاں فیضی کو دیکھ کر رابعہ سے اس کے بارے میں پوچھتی ہے۔ ناہید کی بیٹی اور شاکر کی بیٹی کا نام سیما اور ربیعہ رکھا جاتا ہے، ناہید کو انور طلاق دے دیتا ہے۔ سہیل کو اس کا ضمیر ملامت کرتا ہے اس کے ذہن سے سلیم کا تصور محو نہیں ہوتا۔ رابعہ شہر آ کر جہانگیر کو شجاع کی حرکت کے بارے میں بتاتی ہے جس پر جہانگیر غصہ کرتا ہے۔ کلثوم جہانداد کو اندازہ نہیں ہونے دیتی کہ اسے اس کی سازش کا علم ہو گیا ہے۔ نگی رانی کے لیے پریشان ہوتی ہے دلاور، جہاں آرا کی لاکھ کوشش کے بعد گزرتے وقت کے ساتھ اسی رنگ میں رنگ گیا جو ایسے جگہوں پر رہنے والوں کے ہوتے ہیں۔ شاکر گاؤں جانا چاہتا ہے لیکن بچی کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے جا نہیں پاتا۔ جہانگیر شجاع کو شہر لے جانا چاہتے ہیں لیکن مراد علی منع کر دیتے ہیں۔ جاوید کے انتقال پر مریم، سائرہ کے پاس جاتی ہے اور بتاتی ہے کہ اس نے سب کو یہ بتایا ہے کہ یہ بچی سائرہ کی ہے۔ عابدہ بیگم، شجاع کو بتاتی ہیں کہ زرتاج کے گھر کچھ لوگ کو دے تھے تو شجاع فیضی کو خبردار کر دیتا ہے۔ قائم علی، پرویز سے صلاح لیتا ہے تو وہ بھی اس کو شادی کرنے کا کہتا ہے۔ عباس کو پتا چلتا ہے کہ زہرہ پھر ماں بننے والی ہے تو وہ بہت چڑتا ہے۔ چوہدرانی کلثوم کو کہتی ہے کہ وہ آرام کرے راشن اس کے گھر پہنچ جائے گا۔ پرویز جہاں آرا کو بتاتا ہے کہ دلی کو عشق ہو گیا ہے۔ مریم سینا آنٹی کے ہاں آتی ہے اور جاب کرتی ہے تو اس کی ملاقات سائرہ سے ہوتی ہے۔ چوہدری اکبر علی کی خاص ملازمہ زرتاج کے گھر جاتی ہے تاکہ پتا لگا سکے کہ ان کے گھر کون لوگ کودے تھے لیکن معراج اسے بھگا دیتی ہے۔ سینا کے گھر پرویز مریم کو دیکھتا ہے تو اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ نینا اسکول سے جلدی گھر آتی ہے تو خوش ہوتی ہے کہ اسلم کو سرپرائز دے گی لیکن گھر پر ایک سرپرائز خود اس کا منتظر ہوگا اس کا نینا کو علم نہ تھا۔

(اب آگے پڑھیں)

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

بے چینی جہاں آرا کی رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہی تھی، دلی کو وہ ایک خاص بچہ سمجھتی تھیں، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ وہ عامیانہ قسم کے پیار محبت میں مبتلا ہو کر ان کا نام ڈبوئے گا۔ کبھی سوچتیں کہ اس سے کھل کر بات کریں مگر جانتی تھیں کہ اولاد اور ماں، باپ کے درمیان ایک حدِ فاصل ہونا ضروری ہے، جس دن یہ فریقین کھل کر ایک دوسرے کے سامنے آ جاتے ہیں، اس دن ادب اور لحاظ کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔ پرویز جو چنگاری چھوڑ گیا تھا اس میں ضرور کوئی سچائی تھی ورنہ وہ اتنے دعوے سے بات نہ کرتا۔

''بہتر ہے کہ میں خاموشی سے اس کی نگرانی کروں، اس کے اٹھنے بیٹھنے پر نظر رکھوں...... لڑکیوں کو شاید علم ہو......'' انہوں نے سوچا۔ ''مگر ان سے بھی کھل کر بات کی تو بات دلی تک پہنچ جائے گی۔'' یہی سوچ کر انہوں نے یہ ارادہ بھی ملتوی کر دیا۔ ''کتنے برس بیت گئے...... دلی اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ عشق جیسا جنجال پال لے۔ کون ہو سکتی ہے جس نے میرے معصوم لال کو پھانس لیا ہے۔'' اپنے بیٹے کو ہر ماں کی طرح معصوم سمجھتے ہوئے انہوں نے تصور میں اپنے اردگرد نظر دوڑائی کہ اپنی مجرمہ کو جان سکیں۔

لڑکیاں اپنی شام کی تیاریوں میں مصروف تھیں، الماس اپنی حالت کے باعث صرف گلوکاری کر رہی تھی۔ روبی، نیلم اور یاقوت رقص کی تربیت لے رہی تھیں...... بارہ تیرہ سالہ زمرد بھی اپنی عمر کے لحاظ سے بڑی لگتی تھی، ابھی تک اس کی رونمائی نہیں ہوئی تھی مگر رقص کرتے وقت جو لچک اور لوچ اس کے جسم میں نظر آتا تھا، وہ کسی اور میں نہ تھا۔ حالات کے تقاضوں کے مطابق چاروں انگریزی بول چال کی تربیت بھی حاصل کر رہی تھیں اور اس کے علاوہ ہائی سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کے آداب کی تربیت بھی۔ انہیں دیکھ دیکھ کر ان کی آنکھوں کے چراغ روشن تھے کہ وہ ان کے بڑھاپے کا سہارا تھیں۔ مرجان سات برس کی اور فیروزہ تو ابھی انتہائی کم عمر تھی۔ ''جانے میں ان کے منزل تک پہنچنے تک ہوں گی بھی کہ نہیں۔'' انہوں نے آنکھیں میچ کر سوچا۔

''اماں۔'' ایک نحیف سی آواز نے انہیں خیالوں سے حقیقت کی دنیا میں لا پٹخا۔

''کیا بات ہے روبی؟'' انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

''الماس آپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اماں۔'' اس کا کہنا تھا کہ وہ کرنٹ کھا کر اپنی جگہ سے اٹھیں، تقریباً بھاگتے ہوئے اس طویل برآمدے کو عبور کیا اور وہ سیڑھیاں جو وہ کبھی کبھار ہی چڑھتی تھیں، انہیں کسی ہرنی کی طرح پھرتی سے سر کیا اور اوپری برآمدے تک پہنچتے پہنچتے ہانپنے لگیں تو ذرا رک کر سانس لینے لگیں۔

''تو چل روبی بھاگ کر اس کے پاس، میں آتی ہوں!'' سانس بحال ہوئی تو انہوں نے قدم بڑھائے۔ دلی کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور اندر نیم تاریکی تھی، ہولے ہولے سرگوشیوں کی آواز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا، وہ دبے پاؤں اندر کی طرف بڑھیں۔ ان کی طرف ان دونوں کی پشت تھی، ایک تو دلی تھا...... اسے وہ آنکھیں بند کر کے پہچان سکتی تھیں اور اس کی گود میں سر دھرے، زمرد کے سوا کوئی اور کیسے ہو سکتی تھی۔ انہی دبے قدموں سے وہ دہلیز سے ہی مڑ کر الماس کے کمرے کی طرف چلیں...... دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔ دلی کو تو انہوں نے یہی بتایا تھا کہ وہ پانچوں اس کی سگی بہنیں تھیں، فقط مرجان اور فیروزہ کے بارے میں دلی کو شک تھا اور وہ اسے یقین نہ دلا پائی تھیں کہ وہ اس کی بہنیں تھیں۔

''تو کیا دلی رشتوں کی پہچان بھول گیا ہے؟'' وہ ایک مختلف انداز سے سوچ رہی تھیں، انہیں معلوم ہی نہ

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

تھا کہ دلی وہ سب کچھ بھی جان چکا تھا جو شاید انہیں بھی معلوم نہ تھا۔

''اس زمرد کا تو پتا صاف کرنا پڑے گا!'' انہوں نے دل ہی دل میں کہا اور اپنے دماغ کو کوئی منصو بنانے میں مصروف کرلیا...... الماس جو کچھ کر چکی تھی، وہ کسی اور کو یہ سب کرنے کی اجازت نہیں دے تھیں۔ وہ الماس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ کراہ رہی تھی، غسل خانے میں اس کا پاؤں پھسل گیا تھا اس کی کمر میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔

''اچھا ہے...... خود ہی جان چھوٹ جائے گی!'' انہوں نے دل میں کہا۔

''حوصلہ کرو میری بچی، سب ٹھیک ہو جائے گا......'' اس کو ساتھ لگا کر انہوں نے تسلی دی۔

''مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو اماں۔'' اس نے تکلیف سے کہا۔

''لے چلتی ہوں۔'' انہوں نے کہا۔ ''جانے یہ دلی کم بخت کہاں چلا گیا ہے، کہیں نظر ہی نہیں آرہا ہے!''

''اماں...... وہ زمرد کے کمرے میں ہوگا، وہیں ہوتا ہے آج کل، دن رات......'' روبی نے فوراً کہا جہاں آرا کے دل کی کئی دھڑکنیں اتھل پتھل ہو گئیں۔

''یہ کم بختیں بھی سب جانتی ہیں مگر مجھے کسی نے بھنک بھی نہیں پڑنے دی، اگر پرویز نہ بتاتا تو میں...... بے خبر ہی رہتی۔ میرا اپنا خون ہوتیں تو ان کے دل میں میرے لیے احساس ہوتا نا۔'' دل ہی دل میں وہ بڑبڑائیں۔

☆☆☆

''تم بہت معصوم ہو مریم...... تمہارا دل بالکل پاک اور صاف ہے اور تم ہر کسی کو سادگی سے دیکھتی ہو، تا اگر وہ تمہیں ٹھیک لگتا ہے تو ہم اس سے مل کر دیکھ لیتے ہیں...... جاوید بھی اس سے بات چیت کر کے اندازہ کر لیں گے کہ کیسا ہے!'' سائرہ آپا نے اس کی بات سن کر کہا تھا۔ اس وقت اسٹاف روم میں وہ دونوں ہی بیٹھی تھیں۔

''مجھے تو کوئی راہِ فرار چاہیے، گھر پر بیٹھے رہنے اور اس اسکول میں ملازمت کرنے سے تو مجھے کوئی او ملنے سے رہا...... سنیتا آنٹی کے گھر پارٹیوں میں جن لوگوں کا آنا جانا ہے، ان میں یہ مجھے سب سے بہتر لگتا اور ایک بات اور بھی ہے۔'' سائرہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ مجھے چاہتا بھی ہے!''

''اس نے یہ کہا تم سے؟'' سائرہ نے پوچھا۔

''نہیں...... مگر میں اس کی نظروں کا مطلب سمجھتی ہوں!''

''ارے...... تم تو بہت ہوشیار ہو گئی ہو، میں تو تمہیں معصوم سی سمجھتی تھی......'' سائرہ کے کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی...... اسے لگا اس سے قبل وہ کبھی اتنا کھل کر نہ ہنسی تھی۔

''اچھا اس جمعے کو چھٹی ہے، اسی روز اس سے مل لیتے ہیں!'' سائرہ نے اس سے وقت طے کرلیا اور یہ بھی کہ مریم اسے لے کر ان کے گھر آئے گی۔

☆☆☆

دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا گیا تھا، معراج کے دل کو ہر وقت دھڑکا سا لگا رہتا تھا، معراج نے زرتاج کو دیکھا جو بے نیازی سے ہانڈی بھون رہی تھی۔ اس نے ماں کو سر اٹھا کر دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو

www.Paksociety.com

لی۔ دروازہ پھر کھٹکھٹایا گیا تو وہ اٹھ گئی۔

''تو اپنا کام کر، میں کھولتی ہوں دروازہ۔'' انہوں نے پاؤں میں سلیپر اڑسے اور پاؤں گھسیٹتے ہوئے باہر کی طرف چلیں، دروازہ کھولا اور دو اجنبی شکلوں کو دیکھ کر ان کا پورا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

''ہم شاکر کی بہنیں ہیں، زینب اور زینت۔'' ان میں سے نسبتاً عمر میں بڑی نظر آنے والی نے تعارف کروایا۔ ''آپ خالہ معراج ہیں؟''

''ہاں، میں ہی معراج ہوں، آؤ آؤ اندر آجاؤ۔'' انہوں نے ایک طرف ہٹ کر انہیں اندر آنے کو کہا۔ وہ آگے پیچھے اندر داخل ہوئیں، بنظرِ غور زرتاج کو دیکھا اور اسے سلام کیا۔ زرتاج نے ان کے سلام کا جواب دیا۔

''شاکر کی بہنیں ہیں۔'' معراج نے مختصراً تعارف کروایا اور شاکر کے نام سے جو لالی زرتاج کے چہرے پر گلال بن کر آئی تھی اس نے ان دونوں کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ زرتاج تھی، ان کے بھائی کی منگ...... ورنہ وہ پہننے ہی والی تھیں کہ وہ زرتاج ہی تھی۔ ویسے تو انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ معراج دائی کی ایک ہی بیٹی ہے۔

''شاکر کہاں ہے؟'' معراج بی بی نے ان سے سوال کیا۔ زرتاج نے ہانڈی چولھے سے ہٹا کر دو گلاس دودھ گرم کیا تھا اور ان دونوں کے لیے سلیقے سے سینی میں رکھ کر لے آئی تھی، انہوں نے مسکرا کر گلاس لیے اور زرتاج کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''یہی پوچھنے تو ہم آپ کے پاس آئے ہیں، زندگی میں پہلی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ہمارا بھائی ہمیں عید پر بھی نہیں آیا اور نہ ہی عرصے سے خیر خیریت پوچھی ہے۔'' ایک نے بتایا۔

''ارے لو...... مجھے بھلا کیا معلوم کہ وہ کہاں چلا گیا ہے!'' معراج نے خفگی سے کہا۔

''خالہ ہمارا بھائی آپ کا ہونے والا داماد ہے اور اس گاؤں میں سوائے آپ کے اس کا اور ہے بھی کون...... ہم سمجھے کہ آپ کو کچھ نہ کچھ بتا کر گیا ہوگا اور اسی لیے پوچھتے ہوئے آپ کے پاس آئے ہیں!'' بڑی والی نے متانت سے کہا تو معراج کو اپنے لہجے کی سختی کا احساس ہوا۔

''سو تو ہے...... میرا تو بیٹا ہے وہ، داماد تو بنے گا سو بنے گا!'' معراج نے اب کی بار تحمل سے کہا۔ ''لیکن بات تو یہ ہے کہ ہر بات میں مجھ سے مشورہ کرنے والا اتنے عرصے کے لیے بنا بتائے کہاں غائب ہو گیا ہے!'' معراج کے لہجے میں پریشانی کا رنگ تھا، وہ تو اس کی بہنوں سے یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھیں کہ گاؤں کے حالات کے پیشِ نظر وہ تو چاہتی تھیں کہ آج شاکر واپس آئے تو کل زرتاج کو اس کے ساتھ وداع کردیں۔

تھوڑی دیر۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور پھر انہوں نے اجازت چاہی تو معراج نے اصرار کر کے انہیں کھانے پر روک لیا۔ گھر کا سادہ سا کھانا مگر زرتاج کا سلیقہ اور اس کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کا لطف ایسا تھا کہ انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور جاتے وقت دونوں نے کچھ رقم زرتاج کو دینا چاہی تو معراج بی بی نے زبردستی ان کی رقم لوٹا دی...... شاکر نے انہیں بتا رکھا تھا کہ اس کی دونوں بہنوں کے مالی حالات اچھے نہ تھے۔

ان کے گھر کا، معراج کے اخلاق اور زرتاج کی مہمان نوازی کا بڑا اچھا تاثر لے کر وہ روانہ ہوئیں تو جاتے جاتے یہ کہنا نہ بھولیں کہ ان کا بھائی بڑا خوش قسمت ہے۔

☆☆☆

www.Paksociety.com

"لالہ جی...... گاؤں جانا ہے مجھے!" شیر علی نے جہانگیر سے کہا۔

"مگر گاؤں تو میں جا رہا ہوں اور اگر تم بھی چلو گے تو رابعہ اکیلی ہوگی!" جہانگیر نے کہا۔

"مگر میرا تو کبڈی کا میچ ہے لالہ جی...... مجھے جانا ہی ہوگا!" شیر علی نے اصرار کیا۔

"تو پھر اس کا کیا حل نکالا جائے؟" جہانگیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بابو جی نے مجھے ضروری کام بلوا بھیجا ہے اور تمہارا کبڈی کا میچ ہے...... رابعہ!" جہانگیر نے رابعہ کو پکارا۔

"جی کیا بات ہے؟" چند ہی لمحوں میں رابعہ حاضر تھی۔

"گاؤں چلو گی؟" جہانگیر کا پوچھنا تھا کہ وہ خوشی سے چیخ پڑی۔

"کیوں نہیں...... کب؟" اس نے پوچھا۔

"ایک بار ڈاکٹر کو دکھا لو اور اگر وہ سفر کی اجازت دے تو!" جہانگیر نے صلاح دی۔

"ٹھیک ہے، میں آج ہی چلی جاؤں گی، گاڑی بھی آئی ہوئی ہے۔" جوش اس کے چہرے سے نمایاں تھا۔ "مگر چلنا کب ہے؟"

"تمہارا میچ کب ہے شیر علی؟"

"لالہ جی میچ تو اگلے جمعے کو ہے مگر کچھ دن پریکٹس بھی تو کرنا ہوگی نا۔" شیر علی نے کہا۔ "میں اسکول سے کچھ دن کی چھٹی لے لوں گا!"

"چلو پھر تیاری کر لو رابعہ اور ہاں تیار ہو کر پہلے ڈاکٹر کی طرف سے ہو آؤ۔" جہانگیر کے کہنے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"عمران کو گھر چھوڑ کر جاؤں گی!" اس نے جاتے جاتے کہا۔ "ذرا دیر کو سنبھال لیں گے نا آپ؟"

"کیوں نہیں...... میری جان ہے یہ تو، میرا شہزادہ اور پھر چاچا ہے نا اس کا یار۔" وہ ہنسا۔ "تم بے فکر ہو کر جاؤ۔"

عمران باپ کی گود میں جا کر کھلکھلا رہا تھا اور ہمک ہمک کر شیر علی کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆

چوہدرانی شکیلہ کے ہاں سے راشن آیا تھا، گندم، چاول اور کچھ دالیں تھیں۔ کلثوم کے دل میں شرمندگی تو بہت تھی، وہ دل میں سوچ رہی تھی کہ جب ٹھیک ہو جائے گی تو بلا معاوضہ چوہدرانی شکیلہ کے ہاں کام کر کے ان کے اس احسان کا بدلہ ضرور چکا دے گی۔ اس کی رگوں میں غیرت مند ماں کا خون تھا اور یوں کسی کی طرف سے امداد آنا اس کے لیے بھیک کے مترادف تھا مگر یہ سوچ کر کہ ضرورت کے وقت مردار بھی جائز ہو جاتا ہے۔ گھوٹو تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ دیکھ رہا تھا۔

"کیوں بھیجا ہے چوہدرانی نے یہ راشن؟" گھوٹو نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر پوچھا۔

"مجھ پر ترس کھا کر...... کہ میرا شوہر کچھ نہیں کرتا اور مجھے اس حالت میں بھی مشقت کرنا پڑتی ہے اور اب تو میں کچھ کر بھی نہیں سکتی......"

"یہی بات ہے کیا...... یا کچھ اور قصہ ہے؟" اس نے شک بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

"اور کیا بات ہوگی؟" کلثوم نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ محرم کیا ہوتا ہے؟" اس نے ایک غیر متعلق سا سوال کیا تو کلثوم کچھ سمجھ نہ سکی۔

"میں سمجھی نہیں!"

"سمجھنے والی اس میں کیا بات ہے...... سیدھا سا سوال ہے، محرم کیا ہوتا ہے؟"

"محرم وہ رشتے ہیں جن سے آپ کا نکاح نہیں ہو سکتا اور اس کے علاوہ شوہر محرم ہوتا ہے۔" کلثوم نے اس کی ذہنی اپچ کے مطابق آسان الفاظ میں اسے سمجھایا۔

"تو کیا تو چوہدری نور علی سے نکاح کرنا چاہتی ہے یا وہ تجھ سے؟" اس نے بے وقوفانہ انداز میں کہا۔

"یہ کیا احمقانہ سوال ہے...... میں کیوں کروں گی کسی سے نکاح؟ بیوی ہوں میں تمہاری اور ایسی بات کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے تمہیں!"

"شرم مجھے آنی چاہیے یا تجھے...... جو چوہدری سے نکاح کرنے کو مری جا رہی ہے اور اس بات کو لے کر اس روز چوہدری نے میری وہ پٹائی کروائی ہے کہ ابھی تک بدن دکھتا ہے!" اس نے غصے سے کہا۔ "اور اب راشن بھیج رہا ہے، سو کر آئی ہوگی نا تو اس کے پاس۔"

"شرم کرو تم۔" وہ چیخی۔ "تمہیں اپنی بیوی سے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں۔" اس کا اتنا کہنا تھا کہ وہ اپنے اوچھے ہتھکنڈوں پر آ گیا، کلثوم کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ محلے والے کلثوم کی چیخیں سن کر دخل اندازی کیے بنا نہ رہ سکے۔ انہوں نے نہ صرف کلثوم کو اس ظالم کے پنجے سے چھڑوایا بلکہ اسے کان سے پکڑ کر گھر سے باہر بھی نکال دیا۔ دو پڑوسنیں کلثوم کے پاس ہی رک گئیں، انہوں نے اس کے زخموں پر مرہم لگایا اور اسے دودھ گرم کر کے پلاتی رہیں، تھوڑا سکون آیا تو کلثوم سو گئی۔ سونے سے پہلے وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی، گھوٹو کی زندگی سے نکل جانے کا...... یا دوسرے الفاظ میں اسے اپنی زندگی سے نکال دینے کا۔

☆☆☆

حکیم جی نے کیسے صاف الفاظ میں اس کی نبض دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ اسے کسی دائی کے پاس لے جائے اور وہاں موجود لوگوں کے سامنے شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

"مگر کیوں حکیم صاحب؟" اس نے شرمندگی چھپانے کو سوال کیا۔

"ارے کوئی زنانہ بیماری ہے، میرے پاس اس کا علاج نہیں۔" حکیم صاحب نے بھی مصلحتاً ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے ٹالا تھا۔

"ٹھیک ہے جی!" وہ اٹھی، ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اٹھایا، اس کے ہاتھ کی گرفت انتہائی سخت تھی، اتنی کہ اس کی سسکی نکل گئی۔ "کتنے پیسے ہوئے جی حکیم صاحب؟"

"کوئی پیسے نہیں...... جب میں نے علاج ہی نہیں کیا تو!" وہ سلام کر کے باہر نکل آئی اور اس کا رخ دائی معراج کے گھر کی طرف تھا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر کافی دیر تک اندر سے جواب نہ آیا تو وہ مایوس ہو کر پلٹنے والی تھی جب اندر سے قدموں کی آواز آئی، وہ رک گئی، حکیم کی دکان سے لے کر یہاں تک ماں بیٹی کے مابین کوئی بات نہ ہوئی تھی۔

"کون ہے؟" اندر سے پوچھا گیا تھا۔

"ماسی دروازہ کھولیں، میں ہوں سکھاں، بالے ترکھان کی بیوی۔"

www.Paksociety.com

"اچھا اچھا۔" ساتھ ہی دروازہ کھل گیا اور ماں بیٹی آگے پیچھے اس گھر میں داخل ہو گئیں۔ اندر صحن میں زرتاج دھوپ میں کھڑی اپنے بال سکھا رہی تھی، انہیں دیکھ کر سلام کیا اور بال سمیٹنے لگی۔

"کیا بات ہے؟" معراج نے پوچھا تھا۔

"وہ جی۔" وہ زرتاج کو دیکھ کر ذرا سا ہکلائی تھی۔

"بے فکر ہو کر بات کرو...... میری بیٹی بھی یہی کام کر لیتی ہے بلکہ مجھ سے بہتر کر لیتی ہے۔ آج شہر جا رہی ہے امتحان دینے، اپنے ماموں کے ہاں رہے گی اور پڑھ لکھ کر اس کام کو بہتر انداز سے کرے گی!"

"جی ٹھیک ہے مگر...." وہ پھر بھی متذبذب تھی۔

"زرتاج تم اندر جاؤ...... اپنا سامان تیار کرو تاکہ گڈو تمہیں جا کر بس پر بٹھا آئے اور تم اجالے، اجالے میں شہر پہنچ جاؤ!" معراج نے اسے وہاں سے ہٹایا، وہ دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی مگر فطری تجسس کے باعث کوئی کام کرنے کے بجائے کان اس طرف لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"ماسی جی...... اس کو الٹیاں بہت آ رہی تھیں، حکیم جی کے پاس لے کر گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ کے پاس لے جاؤں!"

"کب سے آ رہی ہیں الٹیاں اور دست وغیرہ تو نہیں؟" معراج نے پوچھا۔

"نہیں جی، دست تو نہیں ہیں۔" سکھاں نے ہی جواب دیا، وہ اس سارے قصے سے بے نیاز بیٹھی تھی جیسے کسی اور کی بات ہو رہی ہو۔ اس کی شانِ بے نیازی پر معراج کو غصہ آ گیا۔

"خود گونگی ہے یہ؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔" پھر سکھاں نے جواب دیا۔

"تو خاموش رہ سکھاں اور مجھے مریضہ سے بات کرنے دے......" معراج بی بی کے لہجے میں نرمی آ گئی۔ "ہاں تو بیٹیا! کس وقت الٹیاں زیادہ آتی ہیں؟"

"وقت تو کوئی مقرر نہیں جی...... ہانڈی کی خوشبو سے بھی آ جاتی ہیں اور صبح سویرے تو بہت زیادہ ہوتی ہیں!" اس نے بیزار سے لہجے میں کہا۔

"اچھا چلو شاباش ...... ذرا لیٹ جاؤ!" معراج کے کہنے پر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور چارپائی پر لیٹ گئی۔ معراج نے اس کا معائنہ کیا اور اپنی تسلی کی۔ "کہاں بیاہ کیا ہے تم نے اس کا سکھاں؟" رانی کا دل دھڑکا اور سکھاں حیرت سے معراج کو دیکھنے لگی۔ "بڑی پیاری بیٹی ہے تمہاری!"

"شکل صورت کا کیا ہے ماسی جی! ہماری بیٹیوں کے نصیب کھلتے بھی ہیں تو تب جب ہم پر چڑھے ہوئے قرض در قرض کم ہوتے ہیں اور بعض دفعہ تو یہی بیٹیاں قرض اتارنے کے کام آتی ہیں۔"

"کیا اس کی شادی نہیں ہوئی؟" معراج نے حیرت سے کہا۔ "مگر اس کے پیٹ میں تو بچہ ہے!" سکھاں کے سر پر بم پھٹا تھا اور وہ بھی حیران تو ہوئی مگر اس کا چہرہ یک دم بے تاثر ہو گیا۔

"آپ دوبارہ چیک کریں...... آپ کو غلطی نہ لگی ہو......"

"میرے چیک کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... تمہاری بیٹی کا چہرہ اس کی خود ہی تائید کر رہا ہے اور میں نہیں اس کی ڈھٹائی دیکھ کر یہ بھی بتا سکتی ہوں کہ اس پر کوئی زور زبردستی نہیں ہوئی۔" معراج کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا تھا۔

www.Paksociety.com

"کچھ کریں ماسی جی...... ورنہ ہماری بدنامی ہو گی!" سکھاں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"پہلے اس سے پوچھو...... پھر مجھ سے بات کرنا!"

"آپ کو اللہ کا واسطہ ہے ماسی جی...... آپ اس بچے کو ضائع کر دیں!" سکھاں کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ "جانے کم بخت کہاں منہ کالا کر کے آ گئی ہے...... اس کا باپ سب سے پہلے تو میرے ٹوٹے کر دے گا اور پھر اس کے......"

"خبردار......" وہ چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "جو کسی نے اس بچے کو ضائع کرنے کی بات بھی کی، یہ میرا بچہ ہے اور کسی لاوارث کی اولاد نہیں ہے۔"

"بے غیرت!" سکھاں نے اسے دھکا دے کر چارپائی پر گرا دیا اور اپنی لاتوں سے اسے ٹھڈے مارنے لگی۔ "اللہ کرے تو ابھی مر جائے، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" ساتھ والے کمرے میں کان لگائے ہوئے زرتاج کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا، معراج نے کھینچ کر سکھاں کو علیحدہ کیا جو رانی کا گلا دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"سکھاں...... میرے گھر پر یہ تماشا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اٹھا اپنی اس بے غیرت اور بدزبان بیٹی کو اور جو کچھ کرنا ہے، اپنے گھر پر جا کر کرو...... میرے گھر میں جوان بیٹی ہے اور میں نہیں چاہتی کہ ایسے گند کی باتوں کی بھنک بھی اس کے کانوں میں پڑے۔" زرتاج فوراً دروازے کے پاس سے ہٹی اور اپنا سامان پیک کرنے لگی۔ وہ سننا چاہتی تھی کہ رانی کے ساتھ یہ کس نے کیا مگر اماں نے پوچھا ہی نہ تھا مگر یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ جو کچھ بھی ہوا تھا، اس کی مرضی سے ہوا تھا۔ ان ماں بیٹی کے جانے کے بعد معراج کمرے میں آئیں تو زرتاج کو سامان سمیٹتے ہوئے دیکھ کر مطمئن ہو گئیں کہ اس نے کچھ نہ سنا ہو گا۔

"تیار ہو تم۔" معراج نے پوچھا۔

"جی اماں!" اس نے آہستگی سے کہا۔

"اچھا آ کر دروازہ بند کر لو، میں گڈو کو بلا کر لے آؤں تاکہ وہ تمہیں ساتھ والے گاؤں سے بس پر بٹھا آئے، پہلے ہی کافی وقت نکل گیا ہے!" وہ ماں کے ساتھ باہر کے دروازے تک آئی اور دروازے کو بند کر لیا۔ چند منٹ میں ہی معراج، گڈو کو لے کر آ گئی تھیں۔ جلدی سے زرتاج کو ضروری ہدایات دے کر فارغ کیا اور گڈو کو بھی اچھی طرح تاکید کر کے اس پر آیاتِ قرآنی کا وِرد کر کے اسے روانہ کیا۔

دروازے پر پھر دستک ہوئی تھی، وہ سمجھی کہ زرتاج ہی کسی وجہ سے لوٹ کر آئی ہے مگر دروازہ کھولتے ہی اسے کلثوم کا مرجھایا ہوا چہرہ نظر آیا تھا، اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا، اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کم بخت نے پھر اسے دھنک کر رکھ دیا ہو گا، یہ احساس کیے بغیر کہ وہ کس حالت میں تھی۔

"آؤ، آؤ بیٹا اندر آؤ......" وہ نقاہت سے چلتے ہوئے اندر آ گئی۔ معراج نے دروازہ بند کیا اور اسے لے کر اندر آ گئیں۔ "لیٹ جاؤ یہاں!" اس نے کوئی حیل و حجت نہ کی اور لیٹ گئی۔ معراج نے اسے لٹا کر ہلکی سی چادر اوڑھائی اور باہر آ کر اس کے لیے دودھ نیم گرم کیا اور اسے زبردستی پلایا، تھوڑی دیر میں وہ سو گئی۔

www.Paksociety.com

معراج نے ابھی تک اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا، بس تھوڑا سا معائنہ کیا تھا، یہ جانچنے کے لیے کہ بچہ ٹھیک تھا۔
کلثوم سوتی ہوئی فرشتوں جیسی معصوم لگ رہی تھی، عمر میں وہ زرتاج سے چھوٹی تھی۔ ”میری ماہ تاج زندہ ہوتی تو اسی عمر کی ہوتی۔“ معراج کے سینے میں درد اٹھا اور پورے جسم میں پھیل گیا۔ وہ سوئی ہوئی کلثوم کے بال سہلانے لگیں، اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ اسے ماہ تاج کہہ کر آنسوؤں کی تسبیح رول رہی تھیں اور وہ تو جانے بے ہوش تھی کہ اسے کچھ علم نہ تھا کہ کہاں ہے اور کس حال میں...... ہاں اسے اتنی بے ہوشی میں بھی اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتا ہوا، اپنی ماں کے ہاتھ کا لمس محسوس ہو رہا تھا، وہ درد سے کراہی تھی کہ معراج چونک گئیں...... اسے کندھوں تک چادر اوڑھا کر وہ باہر نکل آئیں۔ پرانی یادوں نے پھر ان کے وجود کا احاطہ کر لیا تھا، جب بھی کوئی ایسا وقت آتا تو زرتاج ہمیشہ ماں کو دائیں بائیں کی باتیں کر کے بہلا لیتی تھی مگر آج درد حد سے سوا ہو گیا تھا اور اس درد کا درماں کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔

☆☆☆

خوشی خوشی سارا قافلہ گاؤں کی طرف روانہ ہوا تھا، سب سے زیادہ... خوشی رابعہ کے چہرے پر تھی جو ہر وقت گاؤں کی یاد میں تڑپتی رہتی تھی۔ ہنسی مذاق، چٹکلوں اور ننھے عمران کی شرارتوں سے محظوظ ہوتے سفر کیسے گزرا پتا بھی نہ چلا اور حویلی پہنچتے ہی سب لوگ ان کی آمد کا سن کر نہال ہو گئے۔ عابدہ بیگم تو عمران کو دیکھ کر بے تابانہ اس کی طرف لپکیں اور اسے اپنی آغوش میں لے لیا، وہ بھی ہمک کر دادی کی گود میں آیا اور خوشی سے تالیاں بجانے لگا۔
”ارے چھوٹے...... کیسا ہشیار ہے تو، دادی کی طرف تو بھاگ کر گیا ہے اور بابے سے کوئی راہ و رسم ہی نہیں جیسے!“ انہوں نے اسے اپنی طرف بلایا تو وہ دادی سے لپٹ گیا، سب کا مشترکہ قہقہہ گونجا، حویلی کی رونقیں لوٹ آئی تھیں۔ ایک بچہ پورے ماحول کو کس طرح تبدیل کر دیتا ہے، سب اس کے ساتھ بچے بنے بیٹھے تھے اور اس کے انداز میں باتیں کر کر کے ہنس رہے تھے۔
”چوہدری صاحب! باہر کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔“ ملازم نے آ کر اطلاع کی تھی۔
”کون ہے؟ یہیں بلا لو!“
”ساتھ والے گاؤں کے چوہدری صاحب کا کاما ہے جناب اور آپ سے ہی مل کر پیغام دینا چاہتا ہے۔“ اس نے بتایا۔
”میں دیکھتا ہوں بابو جی۔“ جہانگیر اٹھ کر باہر نکلا اور برآمدے میں کھڑے کامے کے پاس جا کر اس کی آمد کا مقصد پوچھا۔
”جمعے کے دن ہمارے گاؤں میں ایک پنچائیت ہے جناب اور چوہدری صاحب پنچ ہیں، ان کا آنا ضروری ہے، اسی لیے چوہدری صاحب نے ایک ہفتے پہلے کہلوا بھیجا ہے تا کہ اگر ان کی کوئی مصروفیت ہو تو۔“ اس نے وضاحت کی۔
”اچھا تم رکو! میں بابو جی سے پوچھ کر آتا ہوں۔“ جہانگیر نے کہا۔ ”اکرم! کوئی پانی لسی پلایا ہے اس کو کہ نہیں؟“
”جی چھوٹے چوہدری صاحب۔“ اکرم نے کہا۔

www.Paksociety.com

”بہت نوازش ہے جناب کی!“ کامے نے سینے پر ہاتھ رکھ کر تعظیم دی۔ جہانگیر نے بابو جی سے پوچھا اور خود باہر جا کر کامے کو بتایا کہ بابو جی پنچائیت میں آئیں گے اور اندر شیر علی باپ سے الجھ رہا تھا کہ اس روز اس کا کبڈی کا فائنل میچ تھا اور ان کا وہاں آ کر اپنے بیٹے کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری تھا۔
”تو یار پنچائیت کون سا دن بھر کے لیے ہوتی ہے، بس میں جاؤں گا اور جلد آ جاؤں گا...... اپنے بیٹے کا فائنل میچ میں کیسے بھول سکتا ہوں!“ انہوں نے اسے ساتھ لگا کر کہا۔ بڑے دونوں بیٹوں سے ایک تکلف کی حد تھی مگر شیر علی ان کا چھوٹا اور لاڈلا بیٹا تھا اور اس سے وہ اپنے پیار کا اظہار اسی طرح کرتے تھے جبکہ جہانگیر کو اندازہ تھا کہ وہ اسے ساتھ لگا کر چاہے پیار نہ کریں مگر وہ اپنے سارے بیٹوں کو بے حد چاہتے تھے۔
”جہانگیر۔“ عابدہ بیگم نے بیٹے کو پکارا۔ ”کتنے دن رہو گے؟“
”اگلے جمعہ کو شیر علی کا میچ ہے، اس کے بعد چلے جائیں گے تا کہ اس کے اسکول کا حرج نہ ہو ورنہ جتنے دن بابو جی کہیں گے، انہوں نے ہی مجھے بلایا ہے!“
”اچھا آپ نے بلایا ہے اور مجھے بتایا تک نہیں، کیوں بلایا ہے آپ نے؟“ عابدہ بیگم نے پوچھا۔
”کوئی خاص بات نہیں...... یونہی دل اداس تھا، عمران کو ملنے کو دل چاہ رہا تھا، گاؤں کے بکھیڑے مجھے نکلنے نہیں دیتے، اس لیے انہی کو بلا لیا ہے اور اس بدمعاش کو دیکھو، مجھے پلٹ کر دیکھ بھی نہیں رہا!“
”میں تو اس کے پاس رہی ہوں اس لیے مجھے پہچانتا ہے، آپ سے بھی دو ایک دن میں مانوس ہو جائے گا!“ عابدہ بیگم نے انہیں تسلی دینے کے انداز میں کہا۔
”کون جانے...... جب یہ ہم سے مانوس ہو تو ہم ہی نہ ہوں!“ سب کے منہ سے ایک ساتھ، اللہ نہ کرے کے الفاظ ادا ہوئے تھے اور چوہدری مراد علی کو ان سب کی محبت محسوس کر کے اپنے الفاظ پر شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔
”معاف کر دو بابا...... منہ سے غلطی سے نکل گیا!“ انہوں نے عابدہ بیگم کے سامنے ہاتھ باندھ کر کہا تو ایک ساتھ سب ہنسے۔

☆☆☆

ایک بار نہیں...... کئی بار شاکر نے گاؤں جانے کا ارادہ کیا مگر ہر بار کوئی نہ کوئی رکاوٹ حائل ہو جاتی اس کے ارادے میں۔ اسے اپنی بہنوں کا خیال بھی آتا تھا مگر ایسے گورکھ دھندے میں پھنسا تھا کہ انہیں بھی بھلا بیٹھا تھا بلکہ بھلایا تو نہیں تھا بس وقت اور موقع نہیں مل پا رہا تھا کہ ان سے رابطہ کرتا۔ ان بے چاریوں کے حالات بھی اچھے نہ تھے اور بھائی مدد کرتا تھا۔ اس بار تو عید بھی ان کے بغیر ہی گزر گئی تھی، اس نے ان کی عیدی بھی نہیں بھجوائی تھی۔ گاؤں سے تو کوئی نہ کوئی ان کے گاؤں جاتا رہتا تھا اور وہ ہر آتے جاتے کے ہاتھ ان کے لیے کچھ نہ کچھ بھجوا دیتا تھا۔
”جانے کس حال میں ہوں گی......“ اس نے سوچا خود پر شرمندگی بھی ہوئی کہ کس طرح وہ سب کچھ بھلا کر ایک زرتاج کی امانت کی حفاظت کر رہا تھا۔ مگر اس سے بڑھ کر اس کے قدم جماتے کاروبار نے اس کے پیروں کو بھی جکڑ رکھا تھا۔ ”زرتاج......“ منہ سے یہ لفظ ایک آہ کی صورت برآمد ہوا تھا۔ ”جانے کیا کیا سوچتی ہو گی

www.Paksociety.com

میرے بارے میں۔" وہ اسے سوچ رہا تھا اور اسی شہر کے ایک محلے میں وہ اپنے ماموں کے ہاں قیام پذیر تھی، اپنے امتحان کے لیے۔ شاکر کو جو معلوم ہوتا تو قریہ قریہ گھوم کر بھی اسے ڈھونڈ نکالتا۔ "بس اب اور نہیں......" اس نے خود سے عہد کیا کہ پہلی فرصت میں یہاں سے نکلنا ہے۔ پہلے بہنوں کے پاس جانا ہے اور انہیں ساتھ لے کر مراد نگر...... جہاں اس کی دلی مراد پوری ہونا تھی۔ "اب بہت انتظار ہو گیا...... گاؤں میں گھر بنانے کی ضرورت بھی نہیں رہی، اس کی اماں سے کہوں گا کہ میں اس کی شہزادی کو شہر لے جا کر رکھوں گا، اپنے دل کی ملکہ بنا کر رکھوں گا، اس کی ہر خواہش پوری کروں گا، اسے کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔"

اس کا تصور ہی اتنا روح افزا تھا کہ وہ پہروں اس سے لطف اندوز ہو سکتا تھا، انہی سوچوں میں وہ سو گیا تھا اور اس کے خوابوں کی رانی...... ہر لمحہ اس کے ساتھ ساتھ رہی تھی۔ علی الصباح...... سیما کے رونے کی آواز نے اس کے خوب صورت خوابوں کا تسلسل توڑ دیا تھا۔ اس نے غالباً اپنا بستر گیلا کر دیا تھا۔ پہلے تو شاکر اسے ماں ہی سلاتا تھا مگر خود بھی رات بھر بے آرام رہتا تھا اسی لیے اس نے اس کے لیے پنگوڑا لے لیا تھا، ایک پنگوڑا اس نے ناہید کی بیٹی ربیعہ کے لیے بھی لیا تھا۔ آخر وہ اس کی بیٹی کو دودھ پلا رہی تھی تو کیا وہ اس کا اتنا سا خیال بھی نہ کرتا۔

گھر کے خرچے میں بھی وہ کافی حصہ ڈالتا تھا اور سعید اور سلمیٰ کے منع کرنے کے باوجود سودا سلف لے آتا تھا۔ ناہید، سیما کو دودھ تو پلا رہی تھی مگر اس کے علاوہ اس کی دیکھ بھال سلمیٰ ہی کرتی تھی بلکہ ربیعہ کو بھی وہی دیکھتی تھی کیونکہ ناہید کو کمزوری کے باعث نیند بہت آتی تھی۔ گھر کے کام کاج بھی سلمیٰ دیکھتی تھی اور ہر طرح سے ناہید کے آرام کا خیال کرتی تھی۔ اسے اس کے دکھ کا احساس تھا اور اس کے وجود میں ایک انتہائی حساس دل دھڑکتا تھا، ناہید کو وہ اپنی بہن بلکہ بیٹی سمجھتی تھی اور چاہتی تھی کہ اس کی زندگی میں آنے والا خزاں کا یہ دور زیادہ طویل نہ ہو۔ اس سے متعلق اس کے ذہن میں ایک اچھوتا خیال تو تھا مگر اس خیال کو اس نے ابھی تک اپنے سامنے بھی نہ دہرایا تھا۔ وہ مناسب وقت کی تلاش میں تھی اور یوں بھی ایک سمجھ دار اور دانا عورت تھی، سوچ سمجھ کر اور بات کے ہر پہلو کو نظر میں رکھ کر بات منہ سے نکالنے کی عادی۔

☆☆☆

"ماشاء اللہ...... نینا! کہاں چھپا کر رکھا تھا اب تک اپنے بیٹے کو تم نے، کتنا پیارا ہے اور کیسا قد کاٹھ والا خوب صورت جوان...... اللہ نظرِ بد سے بچائے!" وہ اپنے بارے میں اپنی ماں کی سہیلی کے منہ سے تعریفی کلمات سن کر شرم سے لال ہو رہا تھا، ایسا دبو یا شرمیلا تو وہ ہرگز نہ تھا مگر یوں کوئی کھلے ڈلے الفاظ میں تعریف کرے تو......

"بیٹا یہ تمہاری آنٹی ہیں، شرماؤ نہیں۔" نینا نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ "بہت عرصے کے بعد میری اس سے ملاقات ہوئی ہے مگر اسکول اور کالج میں یہ میری بہترین دوست ہوا کرتی تھی۔ شگوفہ نام ہے اس کا اور صرف نام ہی نہیں، اس کا کام بھی شگوفے چھوڑنا ہی ہے!" نینا اس طرح شگوفہ کا تعارف کروا رہی تھیں کہ جیسے ان کی ملاقات شگوفہ سے برسوں کے بعد ہوئی ہو حالانکہ ان کی ملاقات اکثر رہتی تھی۔ شگوفہ ماہر نفسیات تھی اور نینا نے سہیل کا مسئلہ اسے بتایا تھا اور اسی نے تجویز کیا تھا کہ اس طریقے سے اس کی ملاقات سہیل سے کروائے کہ اسے معلوم ہی نہ ہو کہ وہ ماہر نفسیات ہے۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

’’شکریہ آنٹی!‘‘ اپنی تعریف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس نے پہلی بار غور سے اس عورت کو دیکھا تھا، اس کی ماں اسے بتا رہی تھی کہ وہ اس کی کلاس فیلو تھی، اس نے ان دونوں عورتوں کا موازنہ کیا...... اسے اپنی ماں شگوفہ کی نسبت زیادہ عمر کی لگی۔ مرجھائے ہوئے چہرے والی اور آنکھوں کے گرد حلقے...... جبکہ شگوفہ...... کسی شگوفے ہی کی طرح تھی، تروتازہ اور خوشگوار احساس دلاتی۔ اس کی جبلّت جاگ اٹھی اور اس نے اس عورت کو ایک خوب صورت عورت سمجھ کر دیکھا، اسے اچھا لگا۔

’’آپ کے کتنے بچے ہیں آنٹی؟‘‘ اس نے سوال کیا۔ ’’کیا میری عمر کا کوئی بچہ ہے آپ کا؟‘‘

’’ضرور ہوتا۔‘‘ وہ ہنسی۔ ’’اگر میری شادی ہو جاتی تو!‘‘

’’اوہو...... آپ کی شادی نہیں ہوئی!‘‘ اس نے تاسف سے کہا۔ ’’مگر کیوں؟‘‘

’’کیونکہ تم جو نہیں ملے مجھے...... نہ ہی تم جیسا کوئی اور۔‘‘ اس نے جلترنگ بجاتی ہنسی میں بات مذاق میں اڑائی، اس کی اس بات پر بے اختیار سہیل کی ہنسی نکل گئی اور نینا کے اندر سکون اترنے لگا۔

’’اب تو مل گیا ہوں نا!‘‘ اس نے بھی مذاق کا جواب مذاق میں دیا۔

’’شرارتی لڑکے...... میں تو مذاق کر رہی تھی!‘‘ وہ فوراً پینترا بدل گئی۔ ’’شادی تو میری ہو گئی تھی مگر تم جیسا پیارا بیٹا نہیں ملا مجھے، فقط دو بیٹیاں ہیں میری!‘‘

’’اچھا؟‘‘ وہ پھر ہنسا۔ ’’کہیں سے لگتا نہیں کہ آپ دو بیٹیوں کی اماں ہیں!‘‘

’’تم کیا فلرٹ کر رہے ہو مجھ سے؟‘‘

’’نہیں آنٹی...... ہرگز نہیں، فلرٹ کرنا ہوا تو آپ کی بیٹیاں ہیں نا!‘‘ اس نے حاضر جوابی سے کہا۔

’’اچھا، چلو بھاگو اب یہاں سے، ہمیں چائے پینے دو اور اپنے سنہرے دن یاد کرنے دو!‘‘ شگوفہ نے اسے چپت لگائی اور وہ وہاں سے اٹھ گیا۔

’’شگوفہ...... سچ مانو! میں نے بہت دن کے بعد اپنے بیٹے کو ہنستے دیکھا ہے!‘‘ اس کے جاتے ہی نینا نے احسان مندی سے شگوفہ سے کہا۔

’’یہ ضروری تھا نینا، ہم اپنے مریضوں سے یوں بے تکلف تو نہیں ہوتے مگر تمہارا بیٹا میرے لیے بیٹے جیسا ہے، مجھے تو اپنا بیٹا ہی لگا۔ جب تک وہ مجھ سے بے تکلف نہیں ہوگا کھل کر اپنا مسئلہ نہیں بتائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ میں دوسری ملاقات میں اس کی شخصیت کی پرتیں کھولنا شروع کروں اور اس کے اس مسئلے کو جاننے کی کوشش کروں جس نے تمہاری نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔‘‘

’’میں تمہاری بہت احسان مند ہوں شگوفہ۔‘‘ نینا نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

’’ارے پاگل...... کیا کر رہی ہو، میں تمہاری بہن جیسی ہوں!‘‘

’’اچھا بتاؤ بیٹیاں کیسی ہیں تمہاری؟‘‘ نینا نے بات بدلی۔

’’بہت اچھی ہیں، کبھی وقت ملے تو آ کر خود ہی دیکھ لو۔‘‘

’’دیکھ ہی رہی ہو میرا مسئلہ اور پھر میرے گھر کے حالات کب چھپے ہیں تم سے!‘‘

’’تم نے اپنی زندگی خود ہی برباد کی ہے نینا، اس ایک بچے کی خاطر جسے تم اکیلے بھی پال سکتی تھیں اور کسی

www.Paksociety.com

اچھے آدمی سے شادی کر کے بھی!‘‘

’’بس کرو...... اب ایسی باتوں کا کوئی فائدہ نہیں!‘‘ اس نے سینے سے گہری سانس خارج کی۔ ’’اب تو پانی پلوں کے نیچے سے بہت بہہ چکا، اب پچھتاووں کے ناگ مجھے ڈستے ہیں مگر میرے پاس اس.... زہر کا کوئی تریاق نہیں۔ سچ کہتی ہو میں کسی بھلے آدمی سے شادی کر لیتی تو میرے بیٹے کی زندگی میں شاید ایسا عدم توازن نہ ہوتا!‘‘ اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا، آنکھیں بند کیں تو کتنے ہی آنسو پلکوں کے بند توڑ کر بہہ نکلے۔ شگوفہ نے اسے تسلی دینے کو اس کا ہاتھ تھپکا۔

’’کب آ رہی ہو میرے گھر؟‘‘

’’جلد آؤں گی۔‘‘ نینا نے مسکرا کر کہا۔

’’اور ہاں...... اپنے پیارے سے شہزادے کو ضرور ساتھ لانا!‘‘ اس نے وعدہ لیا۔

نینا نے سادگی سے وعدہ کر لیا مگر اسے علم ہی نہ ہوا کہ کس طرح شگوفہ اس کے بیٹے کو دیکھ کر اپنی بیٹیوں کے مستقبل کے حوالے سے سنہرے سپنے بُننے لگی تھی۔

☆☆☆

’’اگر تو مجھے نہیں بتائے گی کہ وہ کون ہے تو میں تیرے باپ کو سیدھے سبھاؤ سب کچھ بتا دیتی ہوں، وہ خود ہی نمٹ لے گا تجھ سے بھی اور تیرے اس یار سے بھی، کم بخت...... تجھ جیسی اولاد کو پیدا کرنے سے پہلے میں اپنے ہاتھوں سے مار دیتی تو اچھا تھا۔ آج میرے منہ پر یہ کالک تو نہ ملتی تو۔‘‘ وہ اسے دو ہتھڑ مار مار کر نڈھال ہو چکی تھی۔

’’اماں تو مجھے جان سے مار دے...... پہلے نہیں مارا تو اب مار دے مگر مجھ سے اس کا نام نہ پوچھ! ابا کو بتانا چاہتی ہے تو بے شک بتا دے مگر میں کسی سے ڈرنے والی نہیں...... میرے بچے کو کسی نے کچھ کرنے کو کوشش کی تو اس کا باپ خود ہی نمٹ لے گا!‘‘ اس کے لہجے میں ایسی ہٹ دھرمی تھی کہ سکھاں بھی خوف زدہ ہو گئی۔

’’کون ہے اس حرامی کا باپ؟‘‘

’’حرامی نہ کہہ اسے اماں...... یہ ہمارے پیار کی نشانی ہے، وہ مجھ سے شادی کرے گا، وہ مجھے بہت چاہتا ہے!‘‘ وہ خلا میں گھورتے ہوئے بول رہی تھی۔ ’’ہاں اماں اگر تجھے مجھ سے ذرا سا پیار بھی ہے تو صرف چند دن ابا کو نہ بتانا، میں خود بتا دوں گی ابا کو...... صرف ایک بار میں اس کو جا کر بتاؤں گی کہ ہمارے پیار کی نشانی...... بس اماں ایک بار جانے دینا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تیری بیٹی اتنے بڑے گھر میں جائے گی کہ میرے جیسی لڑکیاں ایسے گھر خوابوں میں بھی نہیں دیکھ سکتیں!‘‘

’’اپنی اماں کو نہیں بتائے گی میری بیٹی کہ کون ہے وہ؟‘‘ اس نے لہجے میں نرمی پیدا کی کہ جو گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے...... ’’کون سے بڑے گھر میں جائے گی میری بیٹی؟‘‘

’’وہ اس گاؤں کا...... بلکہ ارد گرد کے پچاس گاؤں کا بھی سب سے خوب صورت جوان ہے اماں، اسے دیکھ کر لڑکیوں کے دل دھڑکنا بھول جاتے ہیں اماں! مگر وہ کہتا ہے کہ اس کا دل مجھے دیکھ کر دھڑکنا بھول جاتا ہے۔ میں اس کے دل کی رانی ہوں، اب اس کے گھر کی رانی بھی بن جاؤں گی۔‘‘ سکھاں کی چالاکی بھی کام نہ آئی تھی، وہ پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہی تھی۔ سکھاں سوچ رہی تھی کہ کسی وقت اکیلے جا کر معراج

بی بی سے کوئی دوا لے کر آئے گی اور اسے کسی حیلے سے پلا دے گی، اس کے باپ کو علم ہونے سے پہلے......

''تم سمجھتی ہو کہ وہ تم سے شادی کر لے گا؟'' سکھاں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''لڑکیوں کو پھنسا کر اور ان سے اپنے غلیظ مقاصد پورے کر کے، انہیں رول دینا ان امیر زادوں کا مشغلہ ہوتا ہے، تیرا حسن تیرا دشمن بن گیا رانی اور مجھے تو یہ دکھ کھاتا ہے کہ تو نے اپنی مرضی سے۔'' وہ چھکوں پھکوں رونے لگی۔

''اماں پاگل ہو گئی ہے کیا؟ کیا کوئی ماں اس بات پر روتی ہے کہ اس کی بیٹی ماں بننے والی ہے!''

''حرام زادی۔'' سکھاں کے لہجے کی ساری نرمی ہوا ہو گئی۔ ''آنے دے اپنے باپ کو...... اگر آج ہی تیرے ٹوٹے نہ کروائے تو!'' اب تک کتنی بہادر بنی ہوئی تھی مگر باپ کا ذکر سن کر اس کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اگر ابا نے اس کے ٹوٹے کر دیے تو اکبر علی کیسے اس کے بغیر جی پائے گا...... اس کے تصور میں پھر اکبر علی چھن سے اتر آیا جس کے پاس وہ جلد ہی جانے والی تھی، اسے خوش خبری سنانے کے لیے۔

☆☆☆

''فقط ایک بار اماں...... ایک بار جانے دے، اس کے بعد کبھی تجھ سے نہ کہوں گی، مجھے جا کر اسے بتانے تو دے اماں!'' رانی کو اس بات سے حوصلہ ہوا تھا کہ اماں نے ابا کو نہیں بتایا تھا اس لیے اگلے ہی روز وہ اس کی منتیں اور ترلے کر رہی تھی۔

''جب تک تو مجھے بتائے گی نہیں کہ وہ ہے کون، میں کیسے تجھے جانے دوں؟'' سکھاں نے بھی اپنی ضد نہ چھوڑی تھی۔

''وعدہ کرتی ہوں اماں کہ واپس آ کر بتا دوں گی آج......'' دل میں ہزار خدشات کے باوجود سکھاں کو اسے اجازت دیتے ہی بنی۔ شاید وہ اسے منا لے نکاح کرنے پر تو اس کے باپ کو کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

''جا دفع ہو مر۔'' اس کا اجازت دینے کا انداز جیسا بھی تھا، رانی کے لیے غنیمت تھا۔ اس نے ذرا سی دیر بھی نہ کی اور فوراً منہ ہاتھ دھو کر آنکھوں میں کاجل ڈالا اور اپنے محبوب سے ملنے، اسے خوش خبری سنانے کو بے تابی سے چل دی۔ حسنِ اتفاق وہ اسے وہیں نظر آ گیا مگر اس کے ایک کامے نے اسے بتایا کہ چوہدری صاحب کے کوئی یار دوست آئے بیٹھے ہیں، اسے دوسرے کمرے میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرنا ہوگا۔ واپس تو وہ کوئی فیصلہ کن گفتگو کیے بنا جا نہ سکتی تھی، اس لیے مجبوراً دوسرے کمرے میں جا کر بیٹھ گئی۔ اس کمرے کا راستہ کھیتوں کی طرف سے آتا تھا، اس نے اندر سے دروازہ احتیاطاً بند کر لیا۔

ساتھ والے کمرے سے چار پانچ مردوں کی آوازیں آ رہی تھیں، ہنسی، قہقہے، فضول گفتگو، لطیفے اور پھکڑ پن کی گفتگو...... باتیں کرنے والے نشے میں بھی تھے مگر اسے کیا علم کہ شراب کا نشہ کیا ہوتا ہے۔ اسے طویل انتظار نہیں کرنا پڑا، اکبر علی آئے اور اپنے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔ ان کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی، اس کے قریب آ کر انہوں نے پورے استحقاق سے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا، کوئی مزاحمت نہ ہوئی...... وہ تو انہیں مالک ومختار سمجھ ہی چکی تھی، ان کے پیار کی خاطر ہی تو وہ یہاں آتی تھی۔

''کیوں آئی ہو آج، میں نے تو نہیں کہا تھا آج آنے کو؟'' انہوں نے اس کے کان کے پاس سرگوشی کی۔

''مجبوری بن گئی تھی میرے مالک۔''

''کیا مجبوری؟ کیا اداس ہو گئی تھیں میرے بغیر یا کوئی پیسے ویسے چاہئیں؟'' وہ ہنسے اور دراز دستی کی، وہ بھی ہنس دی۔

''یہی سمجھ لیں۔''

''اچھا سیدھی بات کرو۔'' اسے ابکائی آئی، اکبر علی نے اپنا منہ اس کے چہرے کے قریب کیا تو اسے عجیب ناگوار سی مہک آئی اور اس سے اس کی طبیعت مالش کرنے لگی۔

''کس چیز کی بو ہے یہ، میری طبیعت مالش کر رہی ہے۔'' اس نے احتجاج کیا اور انہیں ذرا سا پرے دھکیلا۔

''کیا بات ہے رانی! بڑے نخرے کرنے لگی ہے، اب تیری طبیعت مجھے دیکھ کر مالش کیوں کرنے لگی ہے، کیا اس سے پہلے......''

''اب میری حالت ایسی ہے مالک کہ......''

''کیا ہوا ہے تیری طبیعت کو؟''

''ہم ماں باپ بننے والے ہیں مالک۔''

''کیا کہا؟ کون کیا بن رہا ہے؟''

''مالک میں ماں بننے والی ہوں اور آپ باپ...... اس بچے کے۔'' اس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم...... میں تو بہت دفعہ باپ بن چکا ہوں مگر مجھے تمہارے بچے کا باپ بننے کا کوئی شوق نہیں اور وہ بھی ناجائز۔'' وہ سمجھی کہ وہ مذاق کر رہے ہیں۔

''مگر سرکار آپ نے تو مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا......'' اس نے سہم کر کہا۔

''میں نے...... کب؟'' وہ لہرا رہے تھے۔ ''میری تو شادی ہو چکی ہے!''

''مگر آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے!''

''مگر میں تم سے شادی کیوں کروں گا؟'' وہ لڑکھڑا کر دروازے کی طرف بڑھے۔ ''تمہیں شادی کا شوق ہے تو اس کا بندوبست میں کر دیتا ہوں، میری نظر میں کچھ اچھے لڑکے ہیں، تم انہیں دیکھ لو...... صرف دیکھو نہیں...... پرکھ بھی لو، جس طرح میں نے تمہیں پرکھا ہے اور اپنے قابل نہیں پایا۔'' انہوں نے درمیانی دروازہ کھولا، رانی کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کہاں کام کر رہی تھیں۔ ''تم انہیں اکیلے اکیلے پرکھنا پسند کرو گی یا اکٹھے اور ہاں پھر اس کے بعد فیصلہ کر لینا کہ کسے تم نے اس بچے کا باپ بنانا ہے، جو نہ جانے کس کا ہے اور تم میرے سر مڑھنے چلی آئی ہو!'' پھر اس نے اشارہ کیا تو اکبر علی کے چار پانچ غنڈے نما دوست اس کمرے میں داخل ہوئے...... شکلوں سے ہی چھٹے ہوئے بدمعاش...... رانی نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں مگر کبوتر کے آنکھیں بند کر لینے سے بھلا بلی کہیں چلی جاتی ہے، اس ویرانے میں اس کی چیخوں کی آواز بھی کوئی نہیں سن سکتا تھا۔

☆☆☆

''بالی تو بڑا ہو کر کیا بنے گا؟'' تالاب کے کنارے بیٹھے...... پانی میں کنکر پھینکتے ہوئے اچانک شیر علی نے سوال کیا۔

''بڑے ہوں گے تو دیکھیں گے!'' بالی نے مسکرا کر شرارت سے کہا۔

www.Paksociety.com

"کتنا بڑا ہو کر دیکھے گا تو، کیا تجھے بیل بننا ہے جو بڑا ہو کر سوچے گا۔" اس نے چڑ کر کہا۔

"یار شیرو! جب تو چڑتا ہے نا...... مجھے بہت پیارا لگتا ہے!" بالی ہنسا۔ "بننا کیا ہے یار...... جو تو کہے گا وہ بن جاؤں گا۔ آج تک کچھ اکیلے کیا ہے جو اَب کرنے کا سوچوں گا؟"

"میرا دل چاہتا ہے بالی کہ میں استاد بنوں۔" خلا میں گھورتے ہوئے شیر علی نے کہا۔

"استاد تُو تو کیا بنے گا، تو وہ بن جا، سوچنے والا...... جیسے علامہ اقبال، جنہوں نے سوچا اور پاکستان بن گیا۔"

"وہ تو تُو بن، تیرا تو نام بھی وہی ہے!" شیر علی نے پلٹ کر جواب دیا۔ "مجھے تو استاد ہی بننا ہے!"

"استاد تو تُو تھا نا میرا، ہے نا!" بالی نے کہا۔ "سچ شیرو، تو مجھے نہ پڑھاتا تو میں پاس بھی نہ ہو سکتا، اب تو شہر چلا گیا ہے تو میرا نہ پڑھائی میں دل لگتا ہے نہ کسی اور کام میں!"

"جماعت میں توجہ دیا کر بالی...... اگر کچھ بننا ہے تو سنجیدگی سے پڑھائی کیا کر، شرارتوں اور کھیل کے لیے تو عمر پڑی ہے۔" شیر علی نے اسے سمجھانے کا یہ موقع بھی ضائع نہیں کیا۔

"زندگی زندہ دلی کا نام ہے شیرو، کسی شاعر نے ہی کہا ہے نا؟" بالی نے بات کو مذاق میں اڑایا۔

"زندگی پھولوں کی سیج بھی نہیں ہے بالی، یہ بھی کسی عقلمند نے ہی کہا ہے......" شیر علی نے ناراضی سے کہا۔

"کوئی موقع تو ضائع کر دیا کر میرے یار مجھے نصیحت کرنے کا، لگتا ہے میرے ابا جی نے تجھے اس ملازمت پر رکھ لیا ہے کہ تجھے جب بھی موقع ملے تو میرے دماغ میں گھول گھول کر یہ ڈالتا رہ کہ میں بے پروا ہوں، پڑھائی پر توجہ نہیں دیتا، مستقبل کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہوں اور اگر اچھے نمبروں سے کامیاب نہیں ہوں گا تو شہر کے کالج میں داخلہ نہیں ملے گا وغیرہ وغیرہ......" بالی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میری طرف سے تو نہ پڑھ بالی، مجھے چاچا کیوں کہے گا یہ سب کہنے کو...... کیا مجھے خود علم نہیں کہ تم کتنے بے پروا ہو۔ کیا میں اس بات پر پریشان نہیں ہوتا کہ اگر تمہیں شہر کے کالج میں داخلہ نہ ملا تو میں بھی تمہارے بغیر شہر میں دل نہ لگا پاؤں گا...... بھلا تمہارے بغیر مجھے کیا مزہ آئے گا؟" شیر علی نے سنجیدگی سے کہا۔

"اداس نہ ہو میرے یار...... بالی کسی نہ کسی طرح پاس ہو جائے گا اور تیرے پاس شہر بھی آ جائے گا!" بالی نے عزم سے کہا۔ "مجھے علم ہے کہ تمہارے خواب بہت دور تک جانے کے ہیں اور تم نے اپنے ہر خواب میں مجھے بھی ساتھ ضرور گھسیٹنا ہے، اس لیے میں ضرور پاس ہو جاؤں گا شیرو...... مگر یہ یاد رکھنا، اس لیے نہیں کہ یہ ابا جی کا خواب ہے بلکہ اس لیے کہ یہ تیرا خواب ہے...... بالی سب کچھ چھوڑ سکتا ہے شیرو، تیری یاری نہیں، تیرا ساتھ نہیں......" دونوں ساتھ لپٹ کر ایک دوسرے کو دوستی کا یقین دلا رہے تھے، انہیں تو کیا کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ انسان کی منصوبہ بندی کچھ ہوتی ہے، اس کے عزائم کچھ اور ہوتے ہیں اور دستِ قدرت اس کے لیے کچھ اور ہی تحریر کر رہا ہوتا ہے۔

☆☆☆

شام ہوتے ہی گاؤں میں تنور پر روٹیاں پکنے کی خوشبو پھیل جاتی تھی، سادہ خوراک، دال یا سبزی ہر گھر کا کھا جاتا تھا۔ کسی سے کوئی تکلف نہ تھا، ایسے میں گاؤں کے کسی گھر میں اچانک کوئی مہمان آ جاتا تو اس کی مدارات کے لیے زیادہ سے زیادہ گھر میں موجود انڈے بھون لیے جاتے تھے۔ فریج اور فریزر کا نہ ہونا ایک لحاظ سے نعمت ہی تو تھا کہ ہر گھر میں ہر روز تازہ کھانا بنتا تھا، کوئی بھی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا تھا۔ ایک گھر کا مہمان

www.Paksociety.com

پورے گاؤں کا مہمان ہوتا تھا۔ ہر گھر سے لوگ اس مہمان کو دیکھنے اور اس سے ملنے کے لیے آتے تھے، اس کا مقصد مہمان کو عزت دینا ہوتا تھا۔

گاؤں میں زندگی کی عام سہولیات بھی نہ ہونے کے برابر تھیں، البتہ لوگوں میں خود شعور تھا، اس لیے انہوں نے اپنی مدد آپ کے تحت ہی گاؤں کی صفائی ستھرائی اور بنیادی سہولیات کا بندوبست کر رکھا تھا۔ حکومت کی طرف سے کچھ عرصے قبل ہی لڑکیوں کے مڈل اسکول کو ہائی اسکول کا درجہ دیا گیا تھا اور یہ خوش آئند بات تھی۔ اس سے قبل تو نوجوان لڑکے بھی دس جماعتیں پڑھ کر ہی بیٹھ جاتے تھے یا پھر شہر میں جا کر چھوٹی موٹی ملازمتیں کر لیتے تھے۔ بہت کم کسی کے ذہن میں یہ بات آتی تھی کہ ان کے بچے بھی شہر جا کر پڑھ سکتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ تو یہی تھی کہ کاشتکاری ان کا بنیادی پیشہ تھا، جس پر انہیں فخر تھا اور انہیں اسی سے اس قدر آمدن ہو جاتی تھی کہ جس سے زیادہ کی انہیں ضرورت ہی نہ تھی۔

چوہدری مراد علی کا یہی خواب تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہر بھیج کر پڑھائیں مگر جہانگیر اور شجاع کے لیے ایسا ممکن نہ ہو سکا تھا۔ وہ اکثر اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے بیٹوں کے سامنے کرتے تھے، اسی لیے شیر علی کے ذہن میں یہ بات بہت شروع سے جم گئی تھی کہ اس کا شہر جا کر پڑھنا اس کے باپ کا خواب ہے۔ بالی کے بغیر شہر جانے کا تصور بھی مشکل تھا مگر بالی کے گھر کے حالات ایسے نہ تھے کہ وہ شہر جا کر رہ سکتا اور تعلیم حاصل کر سکتا۔

بالی اتنا ذہین نہ تھا جیسا شیر علی تھا، استاد جماعت میں جو کچھ بھی پڑھاتے تھے اس پر بالی کم کم ہی توجہ دیتا تھا اسی لیے ہر ٹیسٹ اور امتحان میں کامیابی کے لیے شیر علی اس کی مدد کرتا تھا۔ بالی کھیل تماشوں میں خوش رہتا تھا، گلی ڈنڈا، کنچے، والی بال اور کبڈی وغیرہ...... ان کھیلوں میں سے کبڈی ایسا کھیل تھا جو شیر علی کو بھی پسند تھا۔ دونوں دوست گاؤں کی کبڈی ٹیم کے بہترین کھلاڑی تھے۔ جس میچ میں بھی وہ دونوں ہوتے تھے، اس میچ کا کسی اور ٹیم کے لیے جیتنا ناممکن...... ہوتا تھا۔ اپنے گاؤں کے علاوہ وہ اپنے گاؤں کی ٹیم کے ساتھ دوسرے دیہات میں بھی جاتے رہتے تھے۔

بالی کے گھر کی چھت پر اس روز بھی وہ اپنے معمول کی ورزش کر رہے تھے کیونکہ اگلے روز ان کا ساتھ والے گاؤں میں میچ تھا۔ ان کی ورزش ختم ہوئی تو بالی نے منڈیر سے لٹک کر اپنی اماں کو آواز دی کہ وہ کام والے لڑکے کے ہاتھ ان دونوں کے لیے دودھ بھجوا دیں۔ خود اس نے دو چارپائیاں بچھائیں اور دونوں دوست ان بغیر بستر کی چارپائیوں پر لیٹ گئے۔ سیڑھیوں سے کسی کے قدموں کی آواز آ رہی تھی، وہ یہی سمجھ کر لیٹے رہے کہ بخشو ہو گا۔

"بھائی!" مترنم سی نسوانی آواز آئی...... "اماں نے آپ کے لیے دودھ بھجوایا ہے!"

"بخشو کہاں ہے؟" بالی نے پوچھا۔

"وہ بیمار ہے بھائی......" وہی آواز دوبارہ آئی۔ "اماں نے مجھے بھیجا ہے، آپ آ کر مجھ سے جگ گلاس لے لیں!"

"آ کر یہاں رکھ جاؤ، میں لیٹا ہوا ہوں!" بالی نے وہیں لیٹے لیٹے سستی سے کہا۔ دونوں گھرانوں کے [illegible]وں میں آپس میں دوستی اور تعلقات کے باوجود ان گھروں کی لڑکیوں اور لڑکوں کا آپس میں آمنا سامنا نہ ہوتا تھا۔ لڑکوں کی دوستی گھر سے باہر تھی، بزرگوں کی طرف سے اس حدِ فاصل کو قائم کر دیا گیا تھا اور اس کی

پابندی بھی کرتے تھے۔ ذرا سا وقفہ آیا شاید وہ سوچ رہی تھی، بالی نے دوبارہ اس سے پوچھا کہ کیا وہ واپس چلی گئی تھی...... پھر قدموں کی آواز آئی، ہولے ہولے چلتے ہوئے وہ آگے آئی اور قریب رکھی میز پر جگ اور گلاس رکھ کر اسی خاموشی سے واپس لوٹ گئی۔

وہ تو لوٹ گئی تھی، جگ اور گلاس رکھ کر...... بغیر کچھ لیے! لیکن یہ صرف ایک خام خیالی تھی، وہ کسی کا بہت کچھ ساتھ لے گئی تھی۔

''یہ نرگس تھی......'' بالی نے کہا۔ ''تیسرے نمبر والی، چھٹی جماعت میں پڑھتی ہے، اسے پڑھنے کا بہت زیادہ شوق ہے، ابا سے کہتی ہے کہ شہر جا کر بھی پڑھنا پڑا تو پڑھے گی...... تو ہی بتا بھلا ایسا ہو سکتا ہے؟''

''کیسا؟'' شیر علی نے تو جیسے کچھ سنا ہی نہ تھا۔

''کہاں کھویا ہوا ہے تو؟'' بالی نے اسے گلاس میں شربت ملا دودھ بھر کر دیا، وہ غٹا غٹ ایک گلاس چڑھا گیا تو بالی نے اسے ایک اور گلاس بھر کر دیا۔ دوسرا گلاس چڑھا لینے کے بعد جیسے اس کے وجود میں ٹھنڈک سی اترنے لگی تھی۔

''کیا کہہ رہا تھا تو بالی؟'' شیر علی نے پوچھا۔

''تو کیا بے ہوش تھا، جب میں تجھ سے بات کر رہا تھا؟'' بالی کو اس پر تعجب ہو رہا تھا۔

''یار میرا دھیان نہ تھا تیری طرف!'' شرمندگی سے شیر علی نے کہا۔

''کس طرف دھیان تھا تیرا، ذرا مجھے بھی تو علم ہو!'' بالی نے چڑ کر کہا۔

''بال کی کھال نہ اتارنا شروع کر دیا کر تو، میں اپنے کل کے میچ کے بارے میں سوچ رہا تھا!'' بالی سے جان چھڑانا اسے مشکل لگ رہا تھا۔ ''تیری تیاری ہو گئی ہے کیا؟''

''تو ساتھ ہے نا تو مجھے تیاری کی کیا ضرورت ہے......'' بالی ہنسا۔ ''یار مجھ سے یہ امید نہ کیا کر کہ میں کلاس میں ہونے والے ٹیسٹ بھی پاس کروں، تجھ سے وعدہ کیا ہے نا کہ سالانہ امتحان میں پاس ہو جاؤں گا، اس وقت محنت کروں گا......''

''بالی اگر تو بے پروائی کرے گا تو تجھ سے چھوٹے بھی تیری ہی تقلید کریں گے، بڑے بہن بھائی چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے چراغ کی طرح ہوتے ہیں، جن کی روشنی سے ان کی زندگیاں بھی منور ہوتی ہیں۔'' کتنی سمجھداری کی بات کر رہا تھا وہ حالانکہ عمر میں وہ دونوں برابر ہی تھے۔

''اچھا اب تو مجھے بقراط بن کر نہ دکھا......'' بالی نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔ ''یوں بھی مجھ سے چھوٹی تو ساری بہنیں ہی ہیں، جنہوں نے پانچ جماعتیں پڑھ کر گھر داری کرنی ہے......''

''کیوں؟ تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے ضروری ہے، اس کے لیے ہمارا مذہب مرد اور عورت میں تفریق نہیں کرتا!'' شیر علی نے نکتۂ بحث اٹھایا۔

''اماں اور ابا کا خیال ہے کہ لڑکیوں کے لیے اتنی تعلیم کافی ہے کہ وہ اپنے خط وغیرہ خود پڑھ سکیں......'' بالی نے ہنس کر کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے بالی، کیا تم بھی لڑکیوں کے لیے اتنی ہی تعلیم کو کافی سمجھتے ہو؟'' شیر علی نے امید کا ایک

www.Paksociety.com

سرا پکڑا۔

''لڑکیوں کے لیے؟'' بالی نے قہقہہ لگایا۔ ''یار میں تو کہتا ہوں کہ لڑکوں کے لیے بھی اتنی ہی تعلیم کافی ہے...... ہمیں بھی تو پڑھ لکھ کر...... بالآخر کاشتکاری ہی کرنی ہے۔''

☆☆☆

''بابو جی! آپ کو معلوم تھا کہ آج ہمارا کبڈی کا بڑا سخت مقابلہ ہے...... پھر بھی آپ نے کہیں اور جانے کا پروگرام بنا لیا ہے؟'' شیر علی ذرا ناراض نظر آ رہا تھا۔

''پتا تھا پُتر، پتا تھا مگر کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جانا پڑتا ہے!'' مراد علی نے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''پر تجھ سے پکا وعدہ ہے کہ تیرا میچ ختم ہونے سے پہلے پہلے پہنچ جائیں گے۔''

''پر بابو جی اگر آپ سارے کھیل کے دوران وہیں ہوتے تو ہماری زیادہ حوصلہ افزائی ہوتی، ہم نے اتنی محنت کی ہے، اتنی تیاری کی ہے......'' وہ ٹھنک رہا تھا۔

''کہا ہے ناں پُتر، جتنا جلد ہو سکا پہنچ جائیں گے!'' مراد علی نے اسے اپنے ساتھ لگا کر کہا۔

''ٹھیک ہے بابو جی، جلد پنچایت نمٹائیں اور آ جائیں...... زیادہ لمبی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' شیر علی نے باپ کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''میں تو بالکل نہیں بولوں گا، جلدی جلدی پنچایت نمٹا کر لوٹ آئیں گے......'' مراد علی نے ہنس کر کہا۔

''اپنا خیال رکھنا بیٹا...... میچ کے دوران کسی سے جھگڑا نہ کرنا، کئی طرح کے لوگ آئے ہوں گے، ایسا نہ ہو کہ کسی اور کے پھڈے میں ٹانگ اڑا بیٹھو، شجاع تم بھی جاؤ گے نا شیر علی کا میچ دیکھنے، اس کا خیال رکھنا!'' جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا، شیر علی ان سب کی نظروں میں چھوٹا ہی تھا۔

''آپ فکر نہ کریں بابو جی! میں اپنی ذمے داری کو اچھی طرح سمجھتا ہوں!'' شجاع نے باپ کو تسلی دی۔

''میں سمجھتا ہوں، میرا بیٹا بہت سمجھدار ہے......'' اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے کہا تو چشمِ فلک نے بھی اس نظارے کو حیرت سے دیکھا تھا۔

''کس سلسلے میں پنچایت ہے آج؟'' عابدہ بیگم نے پوچھا۔

''ہے کوئی معاملہ......'' انہوں نے ٹالا۔

''پھر بھی کوئی خبر تو ہو کہ کیا معاملہ ہے؟'' عابدہ بیگم نے اصرار کیا۔

''چلو پُتر تم تیاری کروانی جا کر......'' مراد علی نے شیر علی کو اٹھایا۔ ''کبھی کوئی بات بچوں کے سامنے نہیں بھی کرنے والی ہوتی، تم خوامخواہ اصرار کرنے لگتی ہو!'' اور ہولے ہولے پنچایت والے معاملے کی بابت بتانے لگے۔

''آپ خوامخواہ میں دوسرے گاؤں کی بیٹی کے معاملے میں پڑ رہے ہیں، وہ بھی ترکھانوں کی بیٹی۔'' عابدہ بیگم نے رسان سے کہا۔

''بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں، اس طرح کی بات نہیں کرتے......'' انہوں نے فوراً بیوی کو سرزنش کی۔ ''کمان بھی تو انسان ہوتے ہیں، ان کی بیٹیوں کے ساتھ کوئی زیادتی کر دے تو اسے کیا اس لیے برداشت کر لینا چاہیے کہ اس کا باپ غریب آدمی ہے...... ہمیں اللہ نے اگر اس قابل بنایا ہے کہ کسی کی بیٹی کے سر پر چادر لوٹا

www.Paksociety.com

سکیں تو کیا ہم اپنا فرض پورا نہ کریں؟''

''ہاں...... جیسے کل کو آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو جائے تو بالے ترکھان آپ کی مدد کے لیے آئے گا!'' عابدہ بیگم جیسے بے سوچے سمجھے بول گئیں۔

''حیرت ہوتی ہے عابدہ، تمہارے منہ سے ایسی چھوٹی بات سن کر......'' مراد علی نے غصے سے کہا۔ ''اللہ سے دعا کیا کرو کہ وہ ہمیں کسی کا محتاج نہ بنائے، اس نے ہمیں اس قابل بنایا ہے کہ ہم کسی کے کام آئیں تو یقین کرو کہ یہ اس کا بہت بڑا کرم ہے ہم پر اور ہمیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔''

''آپ چائے پئیں گے؟'' عابدہ بیگم دل سے اپنے منہ سے نکل جانے والی بے تکی بات پر شرمسار تھیں۔

☆☆☆

اسکول کا بڑا سا میدان اردگرد کے دیہات سے آنے والے تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، میزبان گاؤں کے لوگ فرائضِ میزبانی ادا کرتے ہوئے خود کھڑے تھے تاکہ مہمانوں کو جگہ مل سکے۔ ڈھول کی آواز پس منظر میں چلی گئی تھی کیونکہ لوگوں کی بھنبھناہٹ ہی اتنی زیادہ تھی۔ جگہ جگہ ٹھیلے لگے ہوئے تھے اور ان پر کھانے پینے کی اشیا فروخت ہو رہی تھیں۔ گاؤں کے دکانداروں کے لیے یہ بھی کمائی کا ایک موقع تھا، منہ مانگے دام وصول کیے جا رہے تھے، خصوصاً شربت اور لسی بیچنے والوں کی تو اس روز چاندی تھی، گرمی اتنی شدت کی تھی، اس پر میدان بھرا ہونے سے مٹی گرد بھی اڑ رہی تھی اور لوگوں کی پیاس میں کئی گنا اضافہ کر رہی تھی۔

مٹی اور گرد سے اٹے ہوئے سموسے اور پکوڑے بھی لوگ کھا رہے تھے، وہ بھی مزید ان کی پیاس بڑھا رہے تھے۔ تماشائی تو آ چکے تھے، اب انتظار تھا مہمانِ خصوصی کا...... ایک اور گاؤں کے ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب مہمانِ خصوصی تھے۔ جیتنے والی ٹیم کو انعامات انہی کے ہاتھ سے دیے جانے تھے۔ میدان میں ایک طرف ایک اونچی جگہ پر ایک میز رکھ کر اس پر نقرئی کپ رکھا گیا تھا جو کہ جیتنے والی ٹیم کو ملنا تھا، تیز دھوپ کی شعاعوں سے وہ کپ چمک کر دور سے نظر آ رہا تھا۔ مقابلے میں شریک ہونے والی سبھی ٹیموں کے کھلاڑی اس کپ کو دیکھ رہے تھے جو اُن میں مقابلے کی ہمت پیدا کر رہا تھا۔

کھلاڑی میدان میں ہلکا ہلکا دوڑ رہے تھے، یہ تماشائیوں کے سامنے کھلاڑیوں کے تعارف کی ایک صورت تھی۔ خوب صورت کسرتی جسم، کسے ہوئے پٹھے اور چوڑے چکلے شانے...... سبھی کھلاڑی اپنی نمائش کر رہے تھے، پس منظر میں مائیکروفون پر ان کھلاڑیوں کا تعارف کروایا جا رہا تھا، جس کھلاڑی کا نام لیا جاتا تھا، وہ میدان کے درمیانی حصے کا پورا چکر لگاتا تھا، اس دوران ڈھول کی تھاپ تیز ہو جاتی تھی اور لوگ تالیاں پیٹ پیٹ کر داد دے رہے تھے، لوگوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ شیر علی کو ساتھ والے گاؤں کے لوگوں پر غصہ آ رہا تھا، جنہیں اسی روز پنچایت رکھنا تھی۔

میدان کا چکر لگاتے ہوئے جب شیر علی اس جگہ کے سامنے سے گزرا جہاں شجاع مہمانِ خصوصی کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا تھا اس نے چلّا کر اسے پکارا تھا۔ ''لالہ...... لالہ!'' اتنے شور کے باوجود بھی شجاع کے کانوں سے اپنے بھائی کی آواز ٹکرائی تھی اور اس نے ہاتھ ہلا کر اس کو جواب دیا تھا۔

☆☆☆

www.Paksociety.com

''نذیر احمد! بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں...... اگر کوئی بیٹی ترکھان کے ہاں پیدا ہو جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس کی کوئی عزت نہیں...... اسے جو چاہے اور جب چاہے چٹکی میں مسل دے......'' برکت علی پنچایت سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے، جو کہ بالے ترکھان کی بیٹی کے ساتھ زیادتی ہونے پر رکھی گئی تھی اور مجرمان نامعلوم تھے کیونکہ وہ نوجوان لڑکی بالکل بول نہیں رہی تھی اور سکتے کی کیفیت میں تھی، اس وقت سے جب اسے دونوں گاؤں کی سرحد سے انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں اٹھایا گیا تھا۔

''جوان خون ہے لالہ! سبھی کے بیٹے یہی کچھ کرتے پھر رہے ہیں، تیرے بھی یہی کر رہے ہیں، ان کمیوں کی بیٹیوں کو چھوڑ کر کیا مزارعوں اور زمینداروں کی......'' وہ بولتے بولتے رکا۔

''کچھ خدا کا خوف کر نذیر......'' مراد علی نے دہاڑ کر کہا۔ ''اللہ نہ کرے کہ میرے بیٹے ایسا کریں اور یقین کرو کہ اگر میرے بیٹوں میں سے کسی نے ایسا کیا اور ثابت ہو گیا تو میں انہیں اپنے ہاتھوں سے ختم کر دوں گا......'' سارے مجمعے کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا، مراد علی کی باتیں ہمیشہ اسی طرح کھری ہوتی تھیں اسی لیے تو اسے ہر پنچایت کی اہم ضرورت سمجھا جاتا تھا۔ ''کہاں ہے مجرم، اسے بلاؤ یہاں!''

''جو بات کرنا ہے وہ مجھ سے کریں، انہیں جو ہرجانہ لینا ہے مجھ سے لیں...... جوان لڑکوں کا خون بھی گرم ہوتا ہے، پنچایت کے ادب آداب سے واقف ہوتے ہیں نہ ہی پنچایت کے فیصلوں کو مانتے ہیں!'' نور علی نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

گاؤں کے دو تین لوگوں نے گواہی دی تھی کہ انہوں نے چوہدری اکبر علی کے کارندوں کو اس بے ہوش لڑکی کو وہاں پھینک کر واپس جاتے دیکھا ہے مگر نور علی اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ زیادتی اس کے بیٹے نے نہیں کی، وہ اس وقت گھر پر تھا، ڈیرے پر اس کے کچھ شہری دوست یار ٹھہرے ہوئے تھے۔ پھر سوال یہ بھی اٹھایا گیا کہ کوئی اس لڑکی کو اٹھا کر نہیں لے گیا، وہ لڑکی خود چل کر اس ڈیرے تک گئی تھی۔ اس بیان کو بھی درست تسلیم کر لیا گیا تھا کیونکہ چند لوگوں نے اسے خود چل کر اس ڈیرے کی طرف جاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ ڈیرے کے نزدیک تو کوئی گھر نہ تھا مگر اس راستے سے گزرتے ہوئے بھی اسے کئی لوگوں نے اکثر دیکھا تھا۔

''کسی کی کھوئی ہوئی عزت کا کیا ہرجانہ ہو سکتا ہے نور علی؟ اگر تم سمجھتے ہو کہ ہمارا یوں یہاں اکٹھا ہونا بالکل بیکار ہے اور تمہارا بیٹا اپنی اڑی چھوڑنے والا نہیں ہے تو پھر یہ معاملہ کورٹ کچہریوں میں طے کر لیتے ہیں...... وہاں کے فیصلوں کو تو تمہارا بیٹا مان ہی لے گا ناں؟'' مراد علی کا لہجہ غصے سے بھرپور تھا اور چہرہ لال بھبھوکا......

''نہیں لالہ، میرا یہ مقصد نہ تھا، میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ ہرجانہ ہی دینا ہے تو مجھے بتائیں، میں ہی دوں گا...... کون سا اس لڑکی سے میرے لڑکے نے نکاح کرنا ہے جو اسے یہاں بلانے کی ضرورت ہے......'' نور علی نے ڈر کر کہا۔

''اصولاً تو تمہارے بیٹے کو اس لڑکی سے نکاح ہی کرنا چاہیے تھا مگر میں اکیلے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا، جو فیصلہ پنچایت کرے گی وہ درست فیصلہ ہوگا!'' برکت علی نے کہا، پھر سبھی لوگ سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک صلاح مشورہ کرتے رہے اور پھر سب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، احاطے میں موجود سبھی لوگ ہمہ تن گوش تھے۔ اس گاؤں کے چوہدری نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور مخاطب ہوئے۔

''چوہدری نور علی! یوں تو تمہارے بیٹے کا جرم ایسا نہیں کہ جس کی معافی دی جا سکے مگر یہ سوچ کر کہ تم ایک

www.Paksociety.com

عزت دار شخص ہو پنچایت نے تمہارے بیٹے کے لیے ہلکی سزا تجویز کی ہے۔ ایک تو یہ کہ تم اتنی رقم بالے ترکھان کو دو گے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی عزت کے ساتھ کر سکے۔ ان اخراجات کا تخمینہ بھی گاؤں کے تین سمجھدار لوگوں کی کمیٹی کرے گی، اس کے لیے ہم نے گل محمد، ریاست علی اور محمد صغیر کے نام تجویز کیے ہیں، یہ کمیٹی اپنا تخمینہ تیار کر کے پہلے بالے ترکھان اور پھر پنچایت کمیٹی سے اس کو منظور کروائے گی......"

"یہ کیا بات ہوئی؟" نور علی اٹھ کھڑے ہوئے۔ "یہ سراسر زیادتی ہے......"

"نور علی......!" چوہدری مراد علی نے دہاڑ کر کہا۔ "آرام سے بیٹھو اور پورا فیصلہ سنو...... ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں پنچایت کے فیصلے پر اعتراض ہوگا، پوری بات سن لو تا کہ تمہیں علم ہو جائے کہ فیصلے سے اختلاف کی صورت میں تمہارے پاس کیا صورت باقی رہ جاتی ہے......" نور علی صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔

"جن معاشروں میں قوانین صرف غریبوں کے لیے ہوتے ہیں اور امیر ان سے مستثنیٰ ہوتے ہیں وہ معاشرے ہمیشہ عدم توازن کا شکار ہوتے ہیں، قانون اور پنچایت کے فیصلوں کا احترام ہم سب پر واجب ہے!" چوہدری مراد علی گویا تھے۔ "دوسری اور اہم بات کہ بالے ترکھان کی بیٹی کے علاج کا خرچہ بھی تم اٹھاؤ گے اور حالات و واقعات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس روز نہ سہی مگر اس سے قبل .... تمہارے بیٹے کے اس سے غلط تعلقات تھے جس کے نتیجے میں وہ ماں بننے والی تھی۔ وہ قصہ تو زیادتی کے اس گھناؤنے واقعے سے خود ہی ختم ہو گیا مگر اکبر علی نے ایک لڑکی کا استحصال کیا ہے، اس سے شادی کرنے پر پنچایت اسے مجبور نہیں کر سکتی...... مگر اسے اس لڑکی سے معافی مانگنا ہوگی اور وہ بھی چار مرد گواہوں کے سامنے......"

"میں اس پنچایت کے کسی فیصلے کو نہیں مانتا...... یہ میرے خلاف سازش ہے اور میرے بیٹے کو پھنسانے کی دشمنوں کی ایک چال......" نور علی کے منہ سے کف نکل رہا تھا۔

"کون دشمن ہے تمہارا ایسا نور علی؟" مراد علی نے تحمل سے کہا۔

"تم سے بڑا کون دشمن ہو سکتا ہے میرا لالہ......" نور علی کے ان الفاظ سے مراد علی کو لگا کہ کسی نے ان کے سینے میں برچھی اتار دی ہو۔

☆☆☆

شیر علی کے اسکول کی ٹیم چھ مختلف ٹیموں کے ساتھ کھیل کر یہی فائنل تک پہنچی تھی اور ان کی ٹیم کا شہرہ چہار اطراف تھا اور اس روز کے مقابلے کے لیے آنے والی ٹیم کو جیت کے لیے ہدف سخت نظر آتا تھا۔ کھچا کھچ بھرا ہوا میدان، گرمی عروج پر اور لوگوں کا شور مل کر ایک سخت ترین مقابلے کی فضا پیدا کر رہے تھے۔

دونوں ٹیمیں میدان میں اتریں اور مارچ کرتے ہوئے پورے میدان کا چکر لگایا، ان دونوں ٹیموں کے کوچ ان کے ہمراہ تھے، جو کہ یقیناً ان اسکولوں کے پی ٹی ماسٹر تھے، اس وقت ان کے سر بھی فخر سے تنے ہوئے تھے کیونکہ ان کی ٹیمیں مقابلے جیت کر فائنل تک آ پہنچی تھیں۔ اپنے کوچ کی ہمراہی میں دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں نے قطار بنائی، ان کا رخ اس طرف تھا جہاں اسٹیج بنایا گیا تھا، جس پر میز اور کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ اسٹیج پر مہمانِ خصوصی کے علاوہ مقابلے میں حصہ لینے والی دونوں ٹیموں کے اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان اور چند اور اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان بھی تھے، ان لوگوں کو جج کے فرائض بھی سرانجام دینا تھے۔

www.Paksociety.com

ٹیمیں قطار میں کھڑی ہو گئیں تو ڈھول کی تھاپ اور بھی اونچی ہو گئی تھی۔ ڈھول کو رکوایا گیا اور مائیکروفون پر تلاوتِ کلامِ پاک کی صدا گونجی...... پورے مجمع پر تلاوت کے احترام میں خاموشی چھا گئی۔ تلاوت ختم ہوئی پھر اس کے بعد ایک اور طالبِ علم نے خوش الحانی کے ساتھ نعت پڑھی۔ اس کے بعد اعلان کیا گیا کہ مقابلہ شروع ہونے والا ہے، قواعد و ضوابط کا اعلان کیا گیا اور پھر ڈھول کی تھاپ پر دونوں ٹیمیں آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں۔

مجمعے سے دونوں ٹیموں کی حمایت اور مخالفت میں لگائے جانے والے نعرے بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس مقابلے کو جیتنا یا ہارنا زندگی کی بازی جیتنے یا ہارنے کے برابر تھا۔ "کبڈی...... کبڈی...... کبڈی...... کبڈی۔" کی آوازیں ہر آواز پر حاوی ہونے لگیں۔

☆☆☆

"میں تمہارا دشمن کیوں ہوں گا نور علی، بھائی ہو تم میرے، میں نے ابھی کہا ہے کہ اگر میرا بیٹا زیادتی کرے گا تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے......"

"یہ انتہا ہے لالہ...... آپ ان ٹکے ٹکے کے لوگوں سے میرے بیٹے کو معافی مانگنے کو کہہ رہے ہیں، ایسے لوگوں کو تو وہ منہ بھی نہیں لگانا چاہتا......" نور علی بپھرے ہوئے لہجے میں بولے۔

"منہ تو خیر اس نے لگایا ہے نور علی! تم اپنی اولاد کی محبت اور حمایت میں حد سے بڑھ کر جذباتی ہو رہے ہو......" مراد علی نے بڑے تحمل سے کہا تھا۔ "اگر تمہیں لگتا ہے کہ تمہارا بیٹا بالے ترکھان سے معافی نہیں مانگے گا تو ایسا کرو کہ یہیں، ہم سب کی موجودگی میں تم اس سے اپنے بیٹے کی طرف سے معافی مانگ لو...... معافی مانگنے والے کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی مگر جو تمہاری غلطی سے دکھی ہوتا ہے اس کا ذرا بھرم رہ جاتا ہے ورنہ کھوئی ہوئی عزت تو اس کی لوٹ کر نہیں آنے والی!"

"نہیں مانگنی مجھے کسی سے کوئی معافی وافی...... نہ ہی میں اس پنچایت کے کسی فیصلے کو مانتا ہوں!" نور علی کا انداز حتمی اور اکھڑ تھا۔

"پنچایت کے کسی فیصلے سے اختلاف ہونے کی صورت میں تمہارے پاس صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے نور علی، اور نہ صرف یہاں بیٹھے ہوئے بلکہ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی ہمارے اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس سے قبل بھی پنچایت کے فیصلوں سے انحراف کرنے والوں کے لیے یہی راستہ تجویز کیا جاتا ہے اور یہی پنچایت کا فیصلہ تمہارے خاندان کے لیے بھی ہوگا...... اگلے دس دن کے اندر اندر تمہارا بیٹا اس گاؤں میں نظر نہیں آنا چاہیے...... کبھی بھی نہیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے یہ گاؤں چھوڑنا ہوگا!"

"اس گاؤں کو کیسے چھوڑ سکتا ہے وہ، یہ ہمارے اور اس کے آبا و اجداد کا گاؤں ہے......" نور علی نے احتجاج کیا۔

"یہ رسم و رواج، یہ قاعدے یہ پنچایتیں بھی ہمارے آبا و اجداد کی بنائی ہوئی ہیں، اس گاؤں میں رہنے کا حق صرف ان لوگوں کو ہے، جو دوسروں کی جان، مال اور عزت کے تحفظ کا احساس کر سکیں......" مجمعے کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا، ہر کوئی توقع کر رہا تھا کہ اس سزا سے بچنے کے لیے نور علی ابھی معافی مانگ لیں گے...... مگر نور علی نے اپنی اکڑی ہوئی گردن کو مزید اکڑا لیا اور بغیر کسی کو سلام کیے دندناتے ہوئے احاطے سے باہر نکل

www.Paksociety.com

گئے۔ ایک عجیب سا خوف سب کے دلوں میں بس گیا تھا، آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا تھا، لوگ نور علی کے بیٹے سے خوفزدہ تھے اور انہیں اس کے گاؤں بدری کے فیصلے سے خوشی ہوئی تھی۔

لسی سے مہمانوں کی تواضع کی جا رہی تھی، چوہدری مراد علی اور سلطان نے اجازت چاہی کیونکہ انہیں اپنے بچوں کا کبڈی میچ ختم ہونے سے پہلے پہلے اپنے گاؤں پہنچنا تھا، ورنہ ان کے بچوں کے دل ٹوٹ جاتے۔ ملازموں کو ان کے گھوڑے لانے کا حکم ملا تو دو منٹ میں گھوڑے پہنچ گئے۔ دونوں نے اٹھ کر اس محفل میں موجود ہر شخص سے سلام لیا، جاتے وقت ان ملازموں سے بھی ہاتھ ملایا اور اللہ حافظ کہہ کر چل دیے۔ تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ کھیتوں کی طرف سے کسی عورت کی چیخوں کی آواز آئی۔

''کچھ سنا تم نے سلطان؟'' چوہدری مراد علی نے کہا۔ ''کسی عورت کی چیخوں کی آواز آ رہی ہے!''

''آ تو رہی ہے...... مگر اب اگر ہم اس کی تفتیش کرنے چل دیں تو دیر ہو جائے گی، ہوگا کوئی کسی کا آپس کا معاملہ، خود ہی نمٹ لیں گے وہ لوگ!'' سلطان کو بالی کا مایوس چہرہ یاد آ رہا تھا، جو اس وقت ہو گیا تھا جب اسے یہ علم ہوا تھا کہ اس کے ابا اس کے کبڈی میچ کے بجائے پنچایت پر جا رہے تھے۔

''ہو سکتا ہے کہ کوئی مشکل میں ہو سلطان...... میں کسی کو اس طرح مشکل میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا یار!'' چوہدری مراد علی نے کہا۔ ''اس طرح کی چیخیں سن کر کیا تمہیں یہ نہیں لگتا کہ ہمیں جا کر دیکھنا چاہیے......؟''

''چلو یار جس طرح تم کہو، ویسے تو بہت دیر ہو چکی...... بچے انتظار کر کر کے مایوس ہو چکے ہوں گے......''

دونوں نے اپنے گھوڑوں کا رخ موڑا۔ اسی وقت اچانک فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، وہ تذبذب میں تھے کہ کیا کریں...... اس طرح نہتے کیا وہاں جانا مناسب تھا جہاں تڑ تڑ گولیاں برس رہی تھیں...... ایک طویل لحۂ فکریہ دونوں کے بیچ اترا تھا۔ فائرنگ کی آوازوں سے گھوڑے بھی بدک رہے تھے۔ اسی وقت ایک اندھی گولی آئی اور وہ ہوا جس کا ان دونوں میں سے کسی نے سوچا بھی نہ تھا۔

☆☆☆

شیر علی اور بالی کی ٹیم کبڈی میچ نمایاں برتری سے جیت گئی تھی اور اس وقت میدان میں گاؤں کے لڑکے بالے ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑے ڈال رہے تھے...... تھوڑی ہی دیر میں تقریبِ تقسیم انعامات ہونے والی تھی۔ شیر علی کی نظروں میں مایوسی تھی اور وہ ہر طرف دیکھ کر لوٹ آئی تھیں مگر اسے اپنے بابو جی نظر نہیں آئے تھے۔

اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی کہ مقابلے میں شامل دونوں ٹیموں کے کھلاڑی قطار بنا کر کھڑے ہو جائیں، پہلے مہمانِ خصوصی دونوں ٹیموں سے ملاقات کریں گے اور پھر ان کھلاڑیوں میں انعامات تقسیم کیے جائیں گے جنہوں نے اس میچ کے دوران نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ کھلاڑی تھکے ہوئے تھے مگر جیتنے والے جیت کی خوشی میں تھے اور ہارنے والے اس احساس کے زیرِ اثر کہ مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا۔

''کاش بابو جی اس وقت تک یہاں آ جائیں جب مجھے بہترین کھلاڑی کا انعام ملنے والا ہے......؟'' شیر علی نے سوچا۔

اچھی خاصی دھوپ تھی اور سورج اپنی گرمی مکمل طور پر زمین پر بھیج رہا تھا کہ اچانک اندھیرا سا چھا گیا، پھر سب نے دیکھا کہ یکا یک مغرب کی طرف سے لال لال آندھی اٹھی اور گرد و غبار کا طوفان چھا گیا۔

مرزا مظہر دلی کے مغل شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کا اور ان کا نام شہنشاہ عالمگیر نے رکھا تھا۔ مرزا مظہر نے شاہی ماحول اپنانے کے بجائے فقیری اختیار کر لی تھی۔
ایک دن شہنشاہ ہند بہادر شاہ اول ان کے پاس گیا۔ سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ بادشاہ کو پیاس لگی۔ اس نے پانی طلب کیا' مرزا مظہر نے کہا ''دیکھو وہ گھڑا رکھا ہے پانی پیالے میں لے کر پیو۔''
بادشاہ نے پانی پیا اور پیالہ گھڑے پر رکھ دیا۔ مرزا مظہر نے دیکھا کہ پیالہ ذرا ترچھا رکھا ہوا ہے۔ وہ دیر تک ترچھی نگاہ سے پیالہ دیکھتے رہے۔ آخر ان سے ضبط نہیں ہو سکا۔ انہوں نے کہا ''جناب' بادشاہت کیا کرتے ہوں گے۔ ابھی تک حکومت گاری تو آئی نہیں کیا گھڑے پر پیالہ رکھنے کا یہی طریقہ ہے؟''

مرسلہ: سامعہ تبسم۔ ملتان

''اللہ خیر کرے...... لال آندھی تو تب آتی ہے جب کسی کا قتل ہوتا ہے......'' گاؤں کے گھروں میں بیٹھی عورتوں نے سوچا اور کچھ نے کہہ بھی دیا۔ مرد بھی یکا یک یوں آسمان کا رنگ بدلتا دیکھ کر پریشان تھے۔ دھول اور مٹی کھلے میدان میں بیٹھے لوگوں کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی، ایک بھگدڑ سی مچ گئی تھی...... لوگ بھاگ رہے تھے، مٹی اور دھول سے بچنے کے لیے...... شیر علی اپنی قطار سے نکل کر ایک طرف کو بھاگ پڑا، اس کے وجود میں ایک عجیب سی بے چینی پھیل رہی تھی۔

''قتل ہو گیا ہے...... قتل! بڑا ظلم ہوا ہے، کوئی قتل ہو گیا ہے!'' مجمعے میں آوازیں پھیل رہی تھیں۔ سراسیمگی سی پھیل رہی تھی اور شیر علی کی ٹانگیں کپکپانے لگیں...... شجاع نے دور سے اسے بھاگتے دیکھا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسی سمت لپکا جہاں شیر علی کھڑا تھا، قریب جا کر اس نے دیکھا وہ رو رہا تھا۔

''کیا بات ہے شیرو...... رو کیوں رہا ہے تو؟'' شجاع نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

''لالہ بابو جی نہیں آئے......'' وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

''ابھی آتے ہی ہوں گے پگلے، اس میں رونے کی کیا بات ہے اور اگر نہ بھی آ سکے تو میں جو ہوں یہاں، دیکھوں گا نا اپنی آنکھوں سے اپنے پیارے شیرو کو بہترین کھلاڑی کا انعام ملتے ہوئے......'' اپنے ساتھ لگائے ہوئے وہ اسے واپس اس کی جگہ پر لا رہا تھا، جہاں مجمعے کے شور میں آوازیں نمایاں تھیں۔

''چوہدری نور علی کے بیٹوں نے چوہدری مراد علی کو قتل کر دیا ہے......'' شجاع کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور شیر علی بے ہوش ہو کر اس کی بانہوں میں جھول گیا۔

☆☆☆

''اماں......'' اس کی نقاہت بھری آواز نے جہاں آرا کو جگا دیا، ابھی تو ان کی آنکھ لگی تھی۔ رات بھر وہ پلک جھپکے بنا اس کی پائنتی بیٹھی رہی تھیں، جب تک ڈاکٹر نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے اور ہر طرح سے خیریت ہے، وہ جلے پیر کی بلی کی طرح پھرتی رہی تھیں۔

اولاد جیسی بھی ہو مگر جس نے جنا ہوتا ہے اس سے اولاد کی تکلیف کہاں برداشت ہوتی ہے...... چاہے کتنی گستاخ اولاد ہو، چاہے ان سے دھوکا اور مکاری کر لے مگر وہ ایک ماں کا دل رکھتی تھی جو اپنی اولاد کو تکلیف میں دیکھ کر اس کی ساری زیادتیوں کو بھول جاتی ہے۔ سب سے پہلے تو الماس نے ہی ان کے بھروسے کو ٹھیس

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

پہنچائی تھی، پھر دلی بھی...... جو اُن کا اپنا تھا، ان کا خون...... اس نے ایک ایسی لڑکی سے محبت کی جسے اس کی ماں نے اس کی بہن کہہ کر متعارف کروایا تھا، جانے کس نے اسے بتا دیا...... کہ ان میں سے کوئی بھی اس کی بہن نہیں ہے اور وہ زمرد کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ صرف یہیں پر بس نہیں...... وہ بھی اس بات کو جانتی تھیں کہ دل اور زمرد کے مابین کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے اور غافل تھیں تو وہ۔

سوئی ہوئی الماس کیسی معصوم لگ رہی تھی، فرشتوں جیسی...... جہاں آرا نے تو بہت دعائیں کی تھیں کہ اس کی کوکھ اجڑ جائے...... وہ ان کے کوٹھے کا ہیرا تھی اور ابھی کئی ماہ تک کام کے قابل نہیں ہو سکتی تھی، بچہ ضائع ہو جاتا تو اس سارے قصے سے جان چھوٹ جاتی۔ مگر ایسے نصیب کہاں...... وہ ایک ماں تھیں، جو دعا کر رہی تھیں کہ ان کی بیٹی کی کوکھ اجڑ جائے...... وہ بچہ جو جائز نہ کہلاتا مگر اس کی حیثیت کو مستند کرنے کے لیے ہی تو پچھلے جمعہ کو نکاح ہوا تھا۔

☆☆☆

قائم علی نے ان کی ساری شرائط مان لی تھیں اور سادگی سے نکاح ہو گیا تھا، پرویز حسبِ پروگرام وہاں موجود تھا اور پیش پیش تھا۔ اسے اس سارے میں جو حصہ ملنے والا تھا وہ اس کی زندگی کا رخ بدلنے والا تھا۔ نکاح کے بعد قائم علی خالی ہاتھ وہاں سے روانہ ہو گیا، ظاہر ہے اس نکاح کی شرائط میں دلہن کی رخصتی کا نہ ہونا ایک اہم شرط تھی۔ اسی روز وہ اپنے گاؤں لوٹ گیا تھا، زرتاج ماں کے پاس تھی کیونکہ اس کے امتحان ہو رہے تھے۔

معراج کو علم بھی نہ ہوا کہ اس کا شوہر...... صرف اس کا شوہر نہ رہا تھا بلکہ ایک اور عورت کا شوہر بھی بن گیا تھا...... ایک بازاری عورت، اس کی زندگی کی اہم ترین ملکیت کو تقسیم کرنے کے لیے قائم علی کی منکوحہ بن گئی تھی۔ یوں بھی...... معراج نے تو قائم علی سے طلاق کا مطالبہ کر رکھا تھا اور کسی بھی وقت اس کا فیصلہ متوقع تھا۔

☆☆☆

عباس جتنی بلندی سے گرا تھا، اس کو دیکھتے ہوئے اگر اس کا بچ جانا معجزہ کہا جاتا تو غلط نہ تھا۔ کتنے ہی دن وہ اسپتال میں رہا تھا اور گھر میں فاقوں کی نوبت آ گئی تھی۔ سرکاری اسپتال میں علاج معالجہ تو مفت تھا مگر اس کے علاوہ بھی سو اخراجات تھے۔ زہرہ کو تالا توڑ کر گھر سے باہر نکالا گیا تھا اور اس کی حالت جو پہلے ہی ناگفتہ تھی، عباس کے ساتھ ہونے والے حادثے کا سن کر اور بھی خراب ہو گئی۔

چھوٹی سی بچی کے ساتھ وہ روتی پیٹتی اسپتال پہنچی، جب تک اسے دیکھ نہ لیا اسے یقین ہی نہیں آتا تھا وہ زندہ بھی ہوگا...... بھلا کوئی کسی عمارت کی پانچویں منزل سے گر کر بچ سکتا ہے مگر اسے زندہ دیکھ کر وہ جیسے خود بھی زندہ ہو گئی۔ سلامت...... ہاں سلامت وہ اتنا نہ رہا تھا۔ جا بجا چوٹوں نے اس کے جسم کو درد کا مجموعہ بنا دیا تھا، تکلیف اس کے چہرے سے عیاں تھی، اگرچہ وہ مسکن دواؤں کے زیرِ اثر سو رہا تھا۔

زہرہ نے بچی کو اپنی ہمسائی کے ساتھ بھجوا دیا، اس بچی کے ساتھ وہ کہاں ماری ماری پھرتی، ہمسائی نے بھی ہمدردی کے جذبے کے تحت اسے ساتھ لے جانے کی ہامی بھر لی اور خود وہ عباس کی پٹی سے لگی بیٹھی رہی۔ رات بھر سوتی جاگتی، خوف کے مارے عباس کو بار بار جھنجوڑ کر دیکھتی ہوئی...... ہر شب کے جلو سے سحر تو پیدا ہو جاتی ہے، سو اس رات کی بھی صبح ہو گئی، ایسی صبح جو اُن کی زندگیوں میں ایک نیا باب کھولنے والی تھی۔

(باقی آئندہ)

امی جان فون بند کر چکی تھیں مگر مجھے اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیتی...... میں وہیں زمین پر بیٹھ گئی اور سر دیوار سے ٹکا دیا۔ میرے آنسو بے آواز بہے چلے جا رہے تھے۔ امی جان نے جو خبر سنائی تھی وہ اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ میں خود پر قابو پانے میں ناکام ہو گئی تھی۔

"صبح تمہاری سہیلی مدیحہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ وہ اب ہم میں نہیں ہے۔" وہ کچھ اور بھی بتا رہی

تحفہ؟

زاہدہ پروین

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

تھیں مگر الفاظ مجھے سمجھ نہیں آرہے تھے پھر انہوں نے فون بند کر دیا اور میں...... میں تو دس سال پیچھے پہنچ چکی تھی جب میرا یونیورسٹی میں پہلا دن تھا۔

میں نے بی اے کا امتحان سیالکوٹ سے دیا تھا۔ انہی دنوں ابا نے ملازمت چھوڑ کر اپنے آبائی شہر ملتان میں ذاتی کاروبار شروع کرنے کا فیصلہ کیا اور یوں ہم ملتان آگئے۔ اور بی اے کے بعد یہیں یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ کچھ مجھ میں اعتماد کی کمی اور کچھ چہرے پر اتنی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں کہ بقول بھائی...... ''تمہارا چہرہ خود کہتا ہے کہ آؤ مجھے بے وقوف بنالو۔'' مجھے یونیورسٹی میں خوار ہوتے دو گھنٹے سے زیادہ ہوگئے تھے۔ مگر اپنا مطلوبہ انگلش ڈیپارٹمنٹ نہیں ڈھونڈ پائی تھی۔ دو لڑکیوں سے پوچھا اور نتیجتاً کیفے ٹیریا اور ہاسٹل جا پہنچی۔ مزید کسی سے پوچھ کر مزید بے وقوف بننے کی سکت مجھ میں نہیں تھی سو وہیں ہاسٹل کے لان میں ایک بینچ پر بیٹھ کر اپنے آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ ایک یہی کام تو بہت اچھا کرنا آتا تھا۔ وہاں بیٹھے مجھے کچھ دیر ہی ہوئی تھی جب کسی نے نرمی سے السلام علیکم کہہ کر ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں سابقہ دو تجربات کی وجہ سے خاصی محتاط ہو چکی تھی چنانچہ فوراً ہاتھ ملانے کے بجائے میں نے بغور مخاطب کا جائزہ لیا۔ وہ گرے گاؤن اور اسکارف میں ملبوس تھی۔ عام سے خدوخال مگر چہرے پر پھیلا نرم سا تاثر اسے بہت دلکش بنا رہا تھا۔ میں کچھ لمحے مشکوک نظروں سے اسے گھورتی رہی پھر ڈرتے ڈرتے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور بولی۔

''میرا نام شہلا ہے، انگلش میں ماسٹرز کا ارادہ ہے۔ رحیم یار خان سے آئی ہوں اور وہ......'' اس نے گیٹ کے پاس کھڑی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ مدیحہ ہے میری بیسٹ فرینڈ، ہم دونوں اسکول سے ہی ساتھ پڑھ رہے ہیں۔'' میں خاموشی سے سنتی رہی

''آپ کا کیا نام ہے؟''

''نورین۔''

''آپ کا بھی ہاسٹل میں رہنے کا پہلا تجربہ ہے؟''

اس نے میرے پریشان چہرے سے نتیجہ اخذ کیا۔

''نہیں، میرا گھر اسی شہر میں ہے، آج یونیورسٹی میں پہلا دن ہے۔ میں تو اپنا ڈیپارٹمنٹ ڈھونڈ رہی تھی کہ ایک لڑکی مجھے یہاں چھوڑ گئی کہ انگلش ڈیپارٹمنٹ ہے۔'' آنسو پھر بہنے کو تیار۔

''چلیں کوئی بات نہیں، نئے آنے والوں کا یہاں اسی طرح استقبال کیا جاتا ہے۔ ہم دونوں بھی انگلش ڈیپارٹمنٹ ہی جا رہے ہیں اگر آپ چاہیں تو ہمارے ساتھ آجائیں۔'' اندھا کیا چاہے دو آنکھیں کے مصداق میں فوراً اس کے ساتھ چل دی۔ گیٹ پر پہنچ کر اس نے مدیحہ سے میرا تعارف کروایا۔ وہ بھی خوش دلی سے ملی اور وہ پہلا دن ہم نے اکٹھے ہی گزارہ۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ہمارے رول نمبرز بھی آگے پیچھے تھے شہلا 35 مدیحہ 36 اور میرا رول نمبر 37۔

پہلے دن ہونے والی ملاقات کچھ ہی روز میں گہری دوستی میں بدل گئی۔ شہلا ہر جگہ گاؤن اور اسکارف میں ہی جاتی، صرف آنکھیں نظر آتی تھیں وہ بھی اکثر جھکا کر ہی رکھتی۔ مدیحہ پردہ نہیں کرتی تھی مگر اس کا لباس سادہ اور باوقار ہوتا اور وہ اچھی طرح چادر اوڑھ کر یونیورسٹی آتی تھی۔ میں نہ تو بہت فیشن ایبل تھی اور نہ ہی چادر، اسکارف اوڑھنے والی۔ سوٹ کے ساتھ کا ہی دوپٹا اوڑھتی تھی اور یہ فکر کم ہی ہوتی تھی کہ دوپٹا سر پر ہے یا محض کاندھے پر۔ شہلا نے مجھے کبھی پردہ کرنے پر نہیں اکسایا، نہ ہی لیکچر دیے مگر ہلکے پھلکے انداز میں وہ ٹوک ضرور دیتی تھی جس کا میں نے کبھی برا نہیں منایا۔ میں کبھی کبھار دونوں کو گھر بھی لے جاتی تھی۔ امی ان سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ بقول امی۔ ''آج کل اتنی سیدھی سادی بچیاں کم ہی نظر آتی ہیں۔''

چھوٹے چھوٹے کتنے ہی واقعات تھے جو آج بھی ذہن میں ایسے تازہ تھے کہ جیسے کل کی بات ہو۔ یونیورسٹی میں لڑکیاں اسے مولون، ننجا اور نہ جانے کیا کیا کہتیں مگر اسے کبھی ان باتوں پر غصہ نہ آتا۔ ایک دن میں اس سے الجھ پڑی۔

''شہلا، تم ان کو جواب نہیں دے سکتیں، خوامخواہ مذاق اڑاتی رہتی ہیں؟''

''مجھے فرق نہیں پڑتا۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔ ''میں پردہ اللہ کی رضا کے لیے کرتی ہوں، اجر بھی اللہ ہی دے گا اگر اللہ کے لیے کچھ باتیں برداشت کر بھی لوں تو کون سی بڑی بات ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو لوگوں کی بڑی بڑی باتیں تحمل سے سنی تھیں۔'' وہ لاجواب کر دیتی۔ یونیورسٹی میں لڑکیوں کے نت نئے فیشن دیکھ کر میرے دل میں بھی خواہش ہوتی کہ میں بھی کچھ بن سنور کر جاؤں۔ اسی خواہش کے زیر اثر میں اس دن نیلے رنگ کا نیٹ کا سوٹ پہن گئی جس کا دوپٹا بھی نیٹ کا ہی تھا۔ مجھے دیکھتے ہی شہلا کے چہرے پر ناگواری چھا گئی جسے میں نے دانستہ نظر انداز کرتے ہوئے مدیحہ سے پوچھا۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟'' مجھے امید تھی کہ وہ بھی میری تعریف ہی کرے گی کیونکہ اپنے کیمپس تک آتے آتے میں کافی تعریفیں وصول کر آئی تھی۔ مدیحہ سے پہلے ہی شہلا نے جواب دیا۔

''اللہ تعالیٰ سے پوچھ لو۔''

''کیا مطلب؟'' میں گڑبڑا گئی۔

''صاف مطلب ہے اگر تم سمجھنا چاہو۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔ میں نے کھسیا کر اپنا ایک کاندھے پر پڑا دوپٹا کھول کر سر پر اوڑھ لیا۔

''اب ٹھیک ہے؟'' مدیحہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''نورین یہ تکلف بھی رہنے ہی دو، اس دوپٹے سے چھلنی کا کام تو لیا جا سکتا ہے مگر سر نہیں ڈھانپا جا سکتا۔'' اس نے نیٹ کے دوپٹے کا پلو میرے سامنے پھیلایا تو میں اور شرمندہ ہوگئی مگر پھر بھی ڈھیٹ بن کر بولی۔

''کبھی دل کرتا ہی ہے ایسا لباس پہننے کو، آخر میں بھی انسان ہوں۔''

''تمہیں کس نے منع کیا ہے؟'' شہلا حیرت سے بولی۔

''اتنی دیر سے تم دونوں میرا مذاق اڑا رہی ہو۔''

''اللہ نے منع نہیں کیا مگر کچھ حدود کا تعین کیا ہے۔ تم گھر میں اپنی یہ خواہش پوری کرو، شادی کے بعد اپنے شوہر کے لیے سجو سنورو مگر جب نامحرموں کے درمیان آرہی ہو تو اپنا سر ڈھانپو، تمہاری خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور اللہ کا حکم بھی۔''

اور جب میں جولائی کے تپتے موسم میں آدھی آستین کی قمیص پہن کر یونیورسٹی آئی تو شہلا نے مجھے بے بھاؤ کی سنائیں۔

''شہلا اتنی تو گرمی ہے۔'' میں منمنائی۔

''قیامت کی گرمی سے تو کم ہے۔'' فٹ جواب آیا۔

''تم تو ہر وقت ڈراتی رہتی ہو۔''

''تم کون سا ڈر جاتی ہو۔'' وہ برا مان گئی۔

''بہت مزہ آئے گا جب فرشتے ان بازوؤں پر ڈنڈے برسائیں گے اور آگ میں جلائیں گے۔'' اس نے میرے برہنہ بازوؤں کو چھوا۔

''اور لڑکیاں بھی تو ایسا لباس پہنتی ہیں۔''

''سب نے اپنا حساب دینا ہے میری جان، میں ان کے لیے بھی دعا کرتی ہوں۔'' وہ تاسف

www.Paksociety.com

سے بولی۔

''اچھا اگر تم ناراض ہوتی ہو تو آئندہ میں یہ سوٹ پہن کر نہیں آؤں گی۔''

''میری ناراضی کی پروا نہ کرو نورین، صرف اللہ کی فکر کرو، اسے راضی کرو۔ اگر لباس بدلنا ہے تو اللہ کی خاطر بدلو...... شرک نہ کرو۔''

''اب یہ شرک کہاں سے آگیا؟'' میں سٹپٹائی۔ ''میں کسی بت کو پوج رہی ہوں کیا؟''

''بت صرف مٹی پتھر کے نہیں ہوتے، یہ رسوم و رواج، اپنا نفس، خاندانی روایات، فیشن اور آگے بڑھنے کی دوڑ...... یہ سب بت ہی تو ہیں جن کی ہم پیروی کر رہے ہیں۔''

''تم نے یہ کہیں پڑھا ہے یا خود سے کہہ رہی ہو؟ اگر واقعی یہ شرک ہے تو آج کل مومن کون ہے، ایسے شرک میں تو ہر کوئی مبتلا ہے۔''

''میں تم سے غلط بیانی کیوں کروں گی۔'' وہ برا منائے بغیر بولی۔ ''جب ہم نے کہا کہ ہم مسلم ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ بس اللہ کی بات ماننی ہے۔ جب دل کی ماننی شروع کر دی اور اللہ کی رد کر دی تو خدا تو دل کو بنا لیا نا!'' اس نے کتنی اچھی طرح سمجھایا تھا۔ میں نے وہیں تہیہ کیا تھا کہ اپنے آپ کو بدلوں گی۔

میرا خیال تھا کہ شہلا کا تعلق کٹر مذہبی گھرانے سے ہے اس لیے اس کو دین پر چلنا بہت آسان لگتا ہے مگر ایک دن شہلا کی غیر موجودگی میں مدیحہ نے بتایا کہ ان کا گھرانا بہت ماڈرن تھا۔ آئے روز فنکشن ہوتے، شہلا خود فیشن کی دلدادہ تھی۔ باقاعدگی سے پارلر جاتی، ڈانس میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ دوپٹا برائے نام لیتی تھی، بغیر آستین کی قمیص پہنتی...... میں منہ کھولے، دم سادھے اس کی بات سن رہی تھی۔ کتنا ناقابلِ یقین تھا یہ سب۔

''وہ میری کلاس فیلو اور دوست تھی مگر امی کو میر اس سے دوستی کرنا بہت ناپسند تھا۔''

''پھر......؟''

''اس کا ایک ہی بڑا بھائی تھا جس کی شادی اس کی پسند سے بہت دھوم دھام سے ہوئی۔ اس کی بھابی کا تعلق دین دار گھرانے سے تھا۔ وہ ایسی ہی تھیں جیسی اب شہلا ہے۔ انہوں نے گھر والوں کو بہت عزت اور محبت دی۔ آنٹی اور شہلا کی بھی ان سے بہت ہم آہنگی ہو گئی۔ شادی کے محض ایک سال بعد اس کے بھائی کو دماغ کا کینسر ہوا اور آپریشن ہونے کے باوجود وہ نہ بچ سکا۔ اس کی موت کی اطلاع ملتے ہی انکل کو دل کا دورہ پڑا اور یوں ایک ہی دن میں اس گھر سے دو جنازے اٹھے۔ شہلا کی سرگرمیاں تو بھائی کی بیماری کے دوران ہی محدود ہو گئی تھیں اور ان کی وفات کے بعد تو وہ بالکل ہی دنیا سے کٹ گئی۔ ان دنوں میں اس کی بھابی آمنہ نے اسے اور آنٹی کو سنبھالا۔ ان کی دلجوئی کی اور آہستہ آہستہ وہ زندگی کی طرف لوٹی مگر زندہ دلی نہ رہی۔ زندگی کی بے ثباتی اس پر ظاہر ہو چکی تھی۔ آمنہ بھابی کے اصرار پر اس نے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ جوڑا۔ رحیم یار خان سے بی اے کر کے ہم دونوں یہاں آ گئے۔'' اسی وقت شہلا آ گئی اور موضوع بدل گیا۔

سالانہ فنکشن کا شور مچا تو شہلا کا اضطراب بہت بڑھ گیا۔ لڑکیاں اس فنکشن کے لیے اپنے لباس زیرِ بحث لاتیں، گانوں اور ڈانس کی پریکٹس ہوتی، ہیئر اسٹائل تبدیل کرنے کے مشورے ہوتے...... اور شہلا بے بسی سے دیکھتی رہ جاتی۔ دبے دبے لفظوں میں اس نے سمجھانے کی کوشش کی تو لڑکیاں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئیں۔

''خود تو دنیا سے بیزار ہو، ہمیں تو انجوائے

...نے دو۔'' ان دنوں وہ اکثر یہ آیت پڑھتی۔

''قریب آ گیا ہے لوگوں کے حساب کا وقت اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔''

(الانبیاء آیت ۱)

سچ تو یہ ہے کہ قرآن پاک ترجمے سے پڑھنے کا ...نے کبھی تکلف ہی نہیں کیا تھا، جو تھوڑی بہت آگاہی ...ی وہ شہلا اور مدیحہ کی ہمراہی سے ہی ہوئی۔ واقعی ...ک صحبت کا اچھا اثر ہی ہوتا ہے۔ حسبِ توقع وہ ...وں تو اس فنکشن میں نہ آئیں مگر میں اپنے دل کو نہ ...ک سکی۔ یہ احتیاط ضرور کی کہ پوری آستین کی قمیص ...ہی جس کا دوپٹا بھی بڑا تھا اور وہ اچھی طرح سر پر اوڑھے رکھا مگر نہ جانے کیوں جب فنکشن شروع ہوا تو میں بے چین ہو گئی، مجھے لگا شہلا میرے ساتھ ہی ہے اور مسلسل بول رہی ہے۔

''نورین اللہ کو وہ عورت پسند نہیں ہے جو بن ...ور کے نامحرموں کے سامنے آئے۔''

''وہ عورتیں اللہ کی رحمت سے دور رہتی ہیں جو لباس پہن کر بھی برہنہ رہیں۔'' وہاں کتنے ہی برہنہ ...ور موجود تھے۔

''ناچ گانا تو حرام ہے، بالکل منع اور پھر وہی آیت۔ قریب آ گیا ہے لوگوں کے حساب کا وقت اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔''

واقعی ہم سب غفلت ہی میں تو ہیں پھر مجھ سے وہاں زیادہ دیر بیٹھا نہ گیا۔ فون کر کے بھائی کو بلایا، طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنایا اور گھر آ کر سکون کی سانس لی۔ اگلے دن مدیحہ اور شہلا کو اپنی رات کی کیفیت بتائی تو وہ بہت خوش ہوئیں۔

''اللہ ہمیں ہدایت دے۔'' اس نے دعا دی تھی اور اس کے بعد تو ایسے کسی فنکشن میں جانے کو دل ہی نہیں چاہا۔

آمد بہار کی

ان صبحوں میں نکھار
پھولوں کی مسکان
دور تک ہریالی
پیام دیتے
یہ سب رنگ
بہانہ ملاقات کا
آمد بہار کی
تیرے انتظار کی

مرسلہ: طلعت رانا، چیچہ وطنی

دو سال یونہی گزر گئے اور وہ دن بھی آ گیا جب وہ واپس اپنے شہر جا رہی تھیں۔ میں نے انہیں کھانے پر بلایا۔ آپس میں تحائف کے تبادلے ہوئے اور جاتے وقت شہلا میرا ہاتھ تھام کر ملتجی لہجے میں بولی۔

''نورین ایک اور تحفہ مانگوں؟'' میرے ساتھ مدیحہ نے بھی بہت حیرت سے اسے دیکھا۔

''وعدہ کرو، دو گی۔'' اس کے لہجے میں اصرار تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اور مدیحہ تم بھی۔'' وہ مدیحہ کی طرف مڑی۔

''شہلا تم اتنی ندیدی تو نہ تھیں۔'' مدیحہ نے اسے گھورا۔

''اب ہو گئی ہوں۔'' وہ مسکرائی۔ ''وعدہ کرو کہ جب میں مر جاؤں گی......'' اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی جب میں نے اسے جھنجوڑ دیا۔

''یہ کیسی باتیں کر رہی ہو، کوئی اچھی بات نہیں آتی۔''

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"دیکھو مرنا تو سب نے ہے نا، بس تم اتنا کرنا کہ ہر روز صرف تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر مجھے بخش دینا، یقین مانو کہ یہ تحفہ میرے لیے بہت قیمتی ہوگا اور اس وقت مجھے اس کی شدید ضرورت بھی ہوگی۔ شاید اسی طرح میرا نامۂ اعمال کچھ وزنی ہو جائے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ ہم دم بخود کھڑے تھے، ایسا تحفہ تو میں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے کاندھے کو تھپکا۔ مدیحہ بھی "ٹھیک ہے۔" بولی تو وہ کھل اٹھی۔

"جزاک اللہ۔"

یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ کبھی کبھار فون پر بات ہو جاتی۔ رزلٹ آیا تو تینوں کی فرسٹ ڈویژن تھی اور امی جان تو جیسے رزلٹ ہی کا انتظار کر رہی تھیں چھ ماہ کے اندر اندر رشتہ ڈھونڈ کر منگنی بھی کروادی اور دو ماہ بعد شادی کی تاریخ بھی طے کر دی۔ میں بیاہ کر کراچی آگئی، اپنے گھر کی مصروفیات میں مدیحہ اور شہلا سے رابطہ اور کم ہو گیا۔

حماد ابھی ایک سال ہی کا تھا جب مجھے شہلا کی موت کی خبر ملی۔ اس کے گردے فیل ہو گئے تھے اور پچھلے چار ماہ سے وہ ڈائیلیسس پر تھی۔ اس نے کبھی مجھ سے اپنی بیماری کا ذکر ہی نہیں کیا تھا۔ اس دن بھی میری یہی حالت تھی جو آج ہوئی ہے۔ نہ جانے کیوں ہماری غفلت تب ہی کیوں دور ہوتی ہے جب کوئی ہم سے جدا ہوتا ہے۔ میں ان دنوں بہت روئی، بار بار شہلا کی باتیں یاد کرتی، روزانہ اسے سورۂ اخلاص کا تحفہ بھیجتی، نمازوں کا باقاعدگی سے اہتمام کرتی، چادر اچھی طرح اوڑھتی اور زیادہ وقت تسبیح کرتی رہتی مگر پھر آہستہ آہستہ وہی غفلت، وہی دنیا داری، حماد کے بعد سونیا اور حسام نے مجھے اور مصروف کر دیا۔ مدیحہ کی شادی ہو گئی اور اس کی سسرال ملتان میں تھی۔ ہر سال جب میں میکے جاتی تو مدیحہ سے ضرور ملتی۔ وہ ویسی ہی تھی، کم بولنے والی سب کا خیال رکھنے والی اور اللہ ہی کو رب بنا کر رکھنے والی۔ اس سے مل کر ہر دفعہ مجھے شرمندگی ہوتی کہ میں کیوں نہ صرف اللہ کو رب بنا سکی۔ مجھے تو خاندان کی فکر بھی ہوتی تھی، لوگوں کی باتوں کی بھی پروا.... دنیا کے ساتھ چلنے کا شوق بھی اور فیشن اپنانے کی بھی حرص...... مگر یہ شرمندگی بھی زیادہ دیر قائم نہ رہتی۔

ابھی کچھ عرصے پہلے تو میں اس سے ملی تھی اور آج یہ خبر...... پہلے شہلا گئی رول نمبر 35، اب مدیحہ رول نمبر 36۔ مجھے لگا کہ ملک الموت اب میری طرف بڑھ رہا ہے۔ "رول نمبر 37 اب تمہاری باری ہے۔"

"نہیں......" میں نے اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا، جسم پر کپکپی طاری تھی۔ "اگر ابھی میں مر گئی تو میرے نامۂ اعمال میں کیا ہے؟" میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دل کی دھڑکن کانوں میں صاف سنائی دے رہی تھی۔

ابھی وقت ہے...... قریب ہے وہ وقت...... غفلت...... مہلت...... عجیب بازگشت تھی میرے چاروں طرف۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اِدھر اُدھر دیکھا، سامنے ہی ٹی وی پر کوئی میوزیکل پروگرام لگا ہوا تھا۔ لباس پہن کر بھی برہنہ...... میں نے فوراً ٹی وی بند کیا اور کیبل کی تار نکال دی۔ مسلسل بہتے آنسوؤں کے ساتھ وضو کیا اور جانماز پر کھڑی ہو گئی۔ نفل پڑھ کر کتنی ہی دیر سجدے میں گری اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتی رہی، توبہ کرتی رہی، مدد مانگی، نیکی کی توفیق مانگی اور گناہوں سے بچنے کا وعدہ کیا۔

اب میں قرآن پاک پڑھنے لگی ہوں تاکہ شہلا، مدیحہ اور سب مسلمان جو فوت ہو چکے ہیں ان کو تحفہ بھیج سکوں۔ یقیناً وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ آپ بھی سوچیں شاید آپ کے پیارے بھی آپ کے تحائف کے منتظر ہوں۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ناولٹ

چوتھا حصہ

کانچ سی لڑکی

انجم انصار

ہر لڑکی خوب صورت ہوتی ہے
ہر لڑکی نازک ہوتی ہے
ہر لڑکی کانچ سی ہوتی ہے
ہر لڑکی حساس ہوتی ہے

اور

ہر لڑکی اپنے والدین کے دل کا ٹکڑا ہوتی ہے۔
کیا ہمارے یہ احساسات صرف اپنی بیٹیوں کے لیے ہوتے ہیں؟

دوسروں کی بیٹیوں کے لیے نہیں؟

پورے آفس میں ایک بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ اس کے لوگ اپنے اپنے کمروں سے نکل کر بھاگ تھے۔ اتنی زبردست سیکورٹی والے آفس میں کوئی محفوظ نہیں تھا۔ دن کے گیارہ بجے ایک گفٹ پیک لیے ایک شخص آفس میں آیا کہ مجھے ریحان صاحب سے ملنا ہے۔ گارڈ نے اسے ایڈمن آفیسر کے پاس پہنچا دیا۔ نوجوان قاسم بے حد ذہین تھا، اسے آنے والے لڑکے کی آنکھوں میں عجیب سی

www.Paksociety.com

سفا کی نظر آئی۔ اس نے اسے ٹٹولنے کی غرض سے کہا۔

"جی میں ہی ریحان ہوں، فرمائیں آپ کس غرض سے آئے ہیں؟" تب آنے والے نے وہ گفٹ پیک دیتے ہوئے بنا آواز والے ریوالور سے دو گولیاں چلائیں اور گفٹ پیک دے کر یوں باہر نکل گیا جیسے اس کا کام پورا ہو گیا ہو۔ برابر کے کمرے سے منزشا کرنے جب قاسم کو زخمی حالت میں نیچے گرتے دیکھا تو انہوں نے شور مچا کر سب کو اکٹھا کیا تو یہ ساری صورتِ حال معلوم ہوئی اور ریحان کو یہ پورا اندازہ ہو گیا کہ اس شہر میں کوئی یقیناً ایسا ہے جو اس کی جان لینا چاہتا ہے۔ ظہیر حسن اور ساجدہ بیگم بری طرح پریشان ہو گئے۔

"تم اب آفس بھی نہیں جاؤ گے۔" ماں نے کہا۔

"جو مجھے مارنا چاہتے ہیں، وہ گھر پر آ کر بھی مار سکتے ہیں۔ میرا گھر اُن کی نظروں سے چھپا ہوا تھوڑی ہے۔"

"تم آج ہی کی فلائٹ سے اپنی بہن کے پاس چلے جاؤ اور یہ بات اپنے آفس میں اپنے کسی دوست کو بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو۔"

"مگر پاپا...... یہ اس مسئلے کا کوئی دائمی حل تھوڑی ہے۔ میں کب تک آپا کے پاس رہ سکتا ہوں۔"

"وہاں سے کہیں اور چلے جانا مگر فی الحال تم یہاں نہیں رہو گے۔" ساجدہ بیگم نے سراسیمہ سے لہجے میں کہا۔

"میں اپنے گھر سے دور رہوں گا تو آپ ہی سب سے زیادہ مجھے یاد کریں گی۔" ریحان نے ماں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ جن کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"ہاں، یاد تو ضرور کروں گی مگر دل میں اطمینان تو رہے گا کہ میرا بچہ خیریت سے ہے اور اطمینان کسی بھی ماں کے لیے بہت بڑا ہے...... مگر یہ ہے کون، جو میرے بچے کی جان دشمن ہو گیا ہے۔ ہماری تو کبھی کسی سے لڑائی تک نہیں ہوئی۔ سیاست سے ہمارا تعلق نہیں۔ جاگیردار نہیں، دولت ہمارے گھر کی باندی نہیں تو یہ ایکا ایکی کون میرے لعل کا دشمن نکل آیا۔" ساجدہ بیگم پریشان سے لہجے میں شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ سرفراز صاحب ہی ایسا کچھ کر سکتے ہیں۔ اپنی بیٹی کی خودکشی کی وجہ اس کی منگنی ٹوٹنا سمجھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہی یہ سب کر رہے ہوں۔"

"ہم نے منگنی کا دورانیہ لمبا رکھنے کو کہا تھا جس کے لیے ان کی دادی نے ہی منع کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں جلدی شادی کرانی ہے۔"

"ہاں، امی، پاپا...... ٹھیک کہہ رہے ہیں، کئی دفعہ سرفراز صاحب نے مجھے اس طرح دیکھا، جیسے وہ مجھے کھا جائیں گے۔"

"وہ شخص پاگل سا ہی ہے، کچھ بھی کر سکتا ہے۔" ظہیر حسن نے سوچتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کوئی دوسرا دشمن نہیں ہو سکتا۔" ساجدہ بیگم نے کہا۔

"نہیں کوئی دوسرا بھی ہو سکتا ہے...... مگر میرا دل بار بار یہی کہہ رہا ہے کہ یہ حرکت سوائے سرفراز صاحب کے کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔"

☆☆☆

جس کی بیٹی مایوں کا پیلا جوڑا پہنے ہو، جس کی سہیلیاں سہاگ کے گیت گا رہی ہوں اور جس کا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے، وہ کیا کہے کہ یہ سب کر دو اور سب لوگ اپنے اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ نسرین بیگم نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنے سب عزیزوں سے آ کر بہ مشکل کہا۔

"نہاں کے سسرال والوں کے ہاں فوتگی ہو گئی ہے اور ان سب لوگوں کو فوری طور پر پنجاب جانا پڑ گیا ہے اس لیے...... یہ شادی فی الحال موخر ہو گئی ہے۔"

"لڑکے کی نہ ماں مری ہے، نہ باپ، نہ کوئی بہن بھائی...... تو خاندان میں ہونے والی فوتگی میں گھر کا کوئی ایک فرد شرکت کے لیے چلا جاتا...... شادی کینسل کرنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں تھی جب یہ پتا تھا کہ لڑکی مایوں بھی بیٹھ چکی ہے۔"

"خاندان کے بزرگوں کی بہت اہمیت ہوا کرتی ہے، وہ لوگ معذرت کرنے آئے تھے تو کیا کر سکتے ہیں۔" ایک جھوٹ کے بعد...... انہیں بار بار جھوٹ بولنا پڑ رہا تھا۔

"اچھا تو وہ لوگ سوم کر کے تو آ جائیں گے نا؟" ان کی بھاوج نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔"

"تم نے ان سے یہ نہیں کہا کہ آپ نکاح کر کے چلے جائیں؟"

"نہیں۔"

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ کتنے لوگ اور کہاں جا رہے ہیں، کون سے شہر میں؟"

"نہیں۔"

"تم نے پوچھا نہیں کہ اب نکاح کس تاریخ کو ہو گا؟"

"نہیں۔"

"کیا لڑکا بھی ان لوگوں کے ساتھ گیا ہے؟"

"پتا نہیں۔"

"نسرین! کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئیں جو اپنے سمدھیانے والوں سے کوئی کام کی بات پوچھی ہی نہیں۔"

"ہاں...... ہو گئی ہوں، پریشانیاں میرے سر پر ایسی گری ہیں جیسے اینٹیں...... تو کیا میں پاگل نہیں ہوں گی۔" نسرین بیگم تڑپ تڑپ کر رونے لگیں۔ تب ان کو دیکھ کر ان کی جیٹھانی نے دوسری سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"نسرین کے تڑپنے سے تو یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ شادی ٹلی نہیں ہے بلکہ ٹوٹ گئی ہے۔ لڑکے والے ان کی غربت جان کر بھاگ گئے ہیں۔" تب دوسری دیورانی نے بھی تائید میں گردن ہلا کر سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو خیر ہونا ہی تھا ایسی شکل صورت لے کر کسی کو کیا کرنا ہے جو بغیر لوازمات کے مل رہی ہو۔ اب تو غریب لوگ بھی اپنی اوقات سے زیادہ اپنی بیٹیوں کو جہیز دیا کرتے ہیں مگر ان کی بدنصیبی یہ رہی کہ جو پاس تھا وہ بھی جل بھن کر خاک ہو گیا۔"

"جب ہی تو ان کے آنسو نہیں رک رہے۔ جلدی کھسک لو یہاں سے کبھی کچھ مانگ لیں۔" ایک نے دوسرے سے کہا اور دوسرے نے تیسرے سے اور یوں گھنٹے بھر میں بھرا ہوا گھر خالی ہو گیا۔

نہاں کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے امی، ابو کو تسلی دے تو کیسے دے۔ شادی کا کینسل ہو جانا اس کے لیے کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں تھی مگر ریاض صاحب اور نسرین بیگم جتنے پریشان نظر آ رہے تھے اسے اندازہ تک نہیں تھا کہ ہوا کیا ہے۔

"نسرین بیگم اپنے شوہر کو حتی المقدور یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ یہ ہفتہ، دس دن اس تیزی سے گزر جائیں گے کہ پتا تک نہیں چلے گا مگر انہیں خود اپنی بات کا یقین تک نہیں تھا اور بے یقینی کی

www.Paksociety.com

کیفیت صدمے کے لمحات سے کہیں زیادہ بھاری ہوا کرتی ہے۔

☆☆☆

ٹیلی فون پر بات ختم کر کے ظہیر حسن نے گہری سانس لی۔ صد شکر کہ ان کا خیال غلط تھا۔ سرفراز صاحب اخبار میں خبر پڑھ کر ریحان کی خیریت فون پر دریافت کر رہے تھے۔

''جوان اولاد کا غم کھا کے بیٹھا ہوں تو ہر بچہ اپنا لگا کرتا ہے۔ اللہ آپ کے ریحان کو سلامت رکھے اور اولاد کا غم کسی والدین کو نہ دکھائے۔ جس کسی نے ریحان سمجھ کر دوسرے لڑکے پر جو حملہ کیا ہے اس سے بے خبر آپ ہرگز مت رہیے گا اور ہو سکے تو کچھ دن کے لیے کہیں باہر بھیج دیں۔''

''زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔ کون، کب تک گھر میں بیٹھ سکتا ہے۔'' ظہیر حسن نے سادگی سے کہا اور سرفراز صاحب نے دعائیں دیتے ہوئے فون بند کر دیا اور بے اختیار ہنس دیے۔

''ہوں، ہم سے زیادہ چالاک بن رہے ہیں حضرت۔'' ان کے خاص آدمی کو ان کے گھر کے ملازم نے یہ اطلاع دے دی تھی کہ گھر والوں کا شک سرفراز صاحب پر ہے۔ اس لیے اس طرح کا فون کرنا ان کے لیے ضروری تھا جس سے ظہیر حسن اپنے بیٹے کو پنجرے میں بند نہ کر سکیں اور صرف ایک فون کر کے وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے تھے اور اپنے لاؤنج میں بیٹھے مسلسل ہنس رہے تھے۔

☆☆☆

''سرفراز بیٹا! کتنے دن ہو گئے نہ تم اپنی فیکٹری گئے ہو اور نہ ہی اپنے آفس جا کر اپنے کام کرنے والوں کو دیکھ رہے ہو۔ ایسا طریقہ تو تمہارا کبھی نہیں تھا۔ مالک جب تک اپنے کاروبار کو خود نہ دیکھے اس کے ماتحت کبھی دل جمعی سے کام نہیں کرتے۔'' دادی جان نے بیٹے کو جب از خود ہنستے دیکھا تو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اماں! اب میرا کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہتا۔''

''ایسا کیوں ہے بیٹا؟''

''گھر میں ہوتا ہوں تو ہر جانب مجھے اپنی ... نظر آتی ہے۔ میں گھر میں رہتا ہوں تو اپنی بیٹی سے باتیں کرتا رہتا ہوں۔''

''بیٹا! بیٹا ہمیشہ ہماری یادوں میں رہے گی، ہمارے دل میں رہے گی مگر تم اپنا کاروبار دیکھو ورنہ وہ چوپٹ ہو جائے گا۔''

''نہیں ہو سکتا چوپٹ...... میرے دو شیر جیسے بیٹے ہیں، میرے بیٹوں کی عزت بھی ہے، شہرت بھی ہے دہشت بھی...... کوئی مائی کا لعل ان کے آگے نہیں ... سکتا کہ نہ کسی میں ہمت ہے اور نہ کسی میں اتنی سکت۔''

''پھر بھی بیٹا...... تمہاری جو بات ہے وہ دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ گھر سے باہر نکلو گے تو تمہارا غم کم ہو گا۔'' ماں نے بیٹے کو رسانیت سے سمجھایا۔

''اماں...... میرا یہ غم گھر سے باہر نکلنے میں نہیں ہو گا۔ جس کے قاتل باہر دندناتے پھر رہے ہوں میرا غم کیسے کم ہو سکتا ہے۔ ہاں، جب ان کو سزا مل جائے گی تو میرے دل کو قرار آجائے گا۔'' اب وہ از خود یوں مسکرا رہے تھے جیسے ان کے حق میں کسی جج نے فیصلہ سنا دیا ہو اور ماں بیٹے کو ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھیں جیسے ان کا دماغ بیٹی کے غم نے ماؤف سا کر دیا ہو۔

☆☆☆

ایک، دو، تین، چار...... دس دن تو کیا، مہینہ گزر گیا تھا۔ نہاں کے سسرال والوں نے کسی ... رابطہ نہیں کیا تھا۔ ان کے تمام موبائل نمبر ... بند تھے یا انہوں نے سم تبدیل کر لی تھی۔ وہ ... دو مرتبہ ان کے گھر بھی گئے تو ملازم نے یہی بتایا ... وہ کچھ عرصے ابھی پنجاب میں ہی رہیں ... وہ کب واپس آئیں گے، اس کا انہیں کوئی علم ... اور ریاض صاحب کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ ... بول رہے ہیں۔ گھر میں موجود لوگوں کے ... کا انہیں اندازہ ہو گیا تھا، اسکول وین سے اترتے ... انہوں نے دیکھ لیے تھے پھر ایک دن انہوں ... نہاں کے سسر اور ان کے لڑکے کو بھی دیکھ لیا۔ وہ کسی ... پر خریداری کر رہے تھے۔ ریاض صاحب اپنی ... سے اتر کر جب ان کے پاس پہنچے۔

''معاف کیجیے گا اس وقت بہت جلدی میں ......'' وہ ہاتھ ملا کر یہ کہتے ہوئے نکل گئے اور ... صاحب کو پہلی مرتبہ یہ خیال آیا کہ نہاں کی ... ختم کروانے میں بھی وہی ہاتھ کام کر رہا ہے، ... نے ان کی نوکری ختم کروائی، کرائے کے مکان ... باہر دھکیلا گیا اور شاپ میں آگ لگوائی۔

''کسی کو ایسا کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ اس کی ... ال والے تو ضرور اس شخص کو جانتے ہوں گے، ... کم سے کم ان سے جا کر پوچھنا تو چاہیے۔'' ان ... کا اظہار نسرین بیگم کے سامنے کیا تو وہ بولیں۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آنا فاناً ... ختم کرنے کی یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے مگر وہ ... کسی صورت نہیں ملیں گے۔''

''کیوں نہیں ملیں گے؟'' ریاض نے حیرت ... سے پوچھا۔

''وہ خوف زدہ ہوں گے اس لیے، آپ سے ... کرنا کہیں ان کو مہنگا نہ پڑ جائے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے کہ اپنے گھر میں وہ مجھ سے بات نہیں کریں گے۔''

''وہ آپ کو اپنے گھر میں ہی نہیں آنے دیں گے، ان کا ملازم آپ کو دروازے سے ہی بھگا دے گا کہ وہ ہیں ہی نہیں تو آپ زبردستی تو کسی کے گھر میں داخل ہونے سے رہے۔''

''مگر میں معلوم تو کرنا چاہتا ہوں کہ کون ہے وہ جو کسی بلا کی طرح میری خوشیوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔''

''اس کی صرف ایک ہی صورت ہے۔'' نسرین بیگم نے سوچ کر کہا۔

''وہ کیا؟'' ریاض صاحب کے لہجے میں بے تابی سی تھی۔

''آپ ان کے محلے کی مسجد میں عشا کی نماز پڑھیں اور نماز کے بعد مسجد میں ہی رازدارانہ لہجے میں اپنی بات اس طرح کریں کہ کسی کو پتا تک نہیں چلے کہ انہوں نے آپ سے کوئی بات کی ہے۔'' پھر ایک دن ریاض صاحب نے انہیں نماز ختم ہونے کے بعد جالیا۔ وہ گھبرا سے گئے اور اِدھر اُدھر اس طرح دیکھنے لگے جیسے کوئی انہیں دیکھ تو نہیں رہا۔

''پلیز...... صرف ایک منٹ میری بات سن لیں۔''

''مجھے ضروری کام سے کہیں جانا ہے، میں آپ کی بات نہیں سن سکتا۔'' انہوں نے اپنے قدم آگے کی جانب بڑھائے۔

''اچھا، صرف اتنا تو بتا دیں کہ جو آسیب مجھے تباہ کرنے پر تلا بیٹھا ہے...... کیا یہ حرکت بھی اسی کی ہے۔'' ریاض صاحب کی بات سن کر انہوں نے ایک نظر ہمدردی کی ان پر...... ڈالی اور تائید میں سر ہلایا...... اور پھر پریشان سے ہو کر کہا۔

''مجھے کیا معلوم، مجھے کیا پتا...... میں آپ سے جب کوئی ربط رکھنا ہی نہیں چاہتا تو کیوں میرے بیٹے کی جان کے دشمن ہو رہے ہیں آپ۔'' یہ کہہ کر وہ اس

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

تیزی سے مسجد سے نکلے کہ ان کی ایک چپل پیر سے نکل گئی۔ جس کو پیر میں ڈالنے کے لیے وہ رکے نہیں اور ننگے پیر ہی تیزی سے یوں باہر نکل گئے جیسے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی بلا ان کو دبوچ لے گی۔ ریاض صاحب سر جھکائے افسردہ سے گھر لوٹ آئے اور نسرین بیگم کی سوالیہ نظریں دیکھ کر گہری سانس لے کر کہا۔

”ہمارا خدشہ صحیح تھا اس شہر میں یقیناً کوئی ہے ضرور...... جو ہماری ہر خوشی کا دشمن ہے اور اللہ نے اس کی رسی دراز کر رکھی ہے۔ آزمالے وہ اپنا ہر تیر...... مگر تم دیکھ لینا ایک دن وہ اللہ کے غضب سے نہیں بچے گا اور میری آہ اسے ضرور لگے گی۔“ یہ کہہ کر وہ اتنا روئے کہ ان کی سسکیاں بندھ گئیں اور نسرین بیگم کے آنسو ان کے دل پر گرتے رہے۔

☆☆☆

ریحان نے یہ نوٹ کیا تھا کہ وہ جب بھی گھر میں آتا ہے یا کہیں جاتا ہے گھر میں موجود ملازمہ کا شوہر کسی کو فون ضرور کرتا ہے۔ پہلے تو اس نے کوئی اہمیت نہیں دی تھی مگر اپنے باس کے کہنے پر اس نے گھر میں موجود ملازمہ اور اس کے شوہر پر نظر رکھنی شروع کی تو اسے حیرت ہوئی تھی کہ اس کے پاس ایک نیا موبائل بھی آ گیا تھا اور وہ ان دنوں کپڑے بھی اچھے پہن رہا تھا، ورنہ عام طور پر ساجدہ بیگم جو پرانے اور نئے کپڑے دیا کرتی تھیں عموماً وہ وہی پہنا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جس دن وہ دبئی جا رہا تھا تو اس نے بلند آواز میں ساجدہ کو پکارتے ہوئے کہا تھا۔

”میں دس بارہ روز کے لیے مری جا رہا ہوں ساجد تم گھر کا خیال رکھنا۔“ اس نے دانت نکالتے ہوئے کہا تھا۔

”آپ فکر ہی مت کریں۔ اس گھر کے لیے تو ہماری جان حاضر ہے۔“ گھر سے باہر نکل کر وہ قصداً لوٹ کر آیا اور دبے قدموں اس کے قریب ساجد رازدارانہ لہجے میں یہ اطلاع دے رہا تھا۔

”ریحان صاحب مری دس دن رہنے لیے روانہ ہو گئے ہیں۔“ ریحان...... ان ہی قدموں لوٹ کر گھر کے اندر چلا گیا...... اس کی فلائٹ رات کی تھی اور وہ جان گیا تھا کہ دشمن نے اس کے میں بھی گھات لگا رکھی ہے۔

☆☆☆

”نہ ہم نے کہیں جانا ہے اور نہ ہی کسی کو گھر بلانا ہے۔ نہاں کسی بھی کام سے گھر سے باہر نکلے گی۔ اب ہم اپنے گھر میں ہی رہیں گے۔ اگر نے مارنا ہے تو بے شک ہم تینوں کو ہی ایک مرتبہ دے۔“ ریاض صاحب نے نسرین بیگم سے کہا تو پریشان ہو گئیں۔

”ہمیں ویسے ہی لوگوں نے چھوڑ دیا ہے ہم نے بالکل آنا جانا چھوڑ دیا تو سب سے ہی کٹ رہ جائیں گے۔“

”کٹ کر کیا رہ جائیں گے، کٹ ہی ہیں۔ غریبوں کے گھر آتا کون ہے۔“

”میری باجی کہہ رہی تھیں وہ نہاں کے کے لیے کسی کو لانا چاہتی ہیں۔“

”تم خود ہی منع کر دو، رشتہ اگر طے ہو بھی وہ لوگ بھاگ تو جائیں گے ہی۔ اب تو ہمیں پتا گیا ہے کہ ہونا تو یہی ہے، تو کیا فائدہ خوامخواہ کی دردسر مول لی جائے۔“

”تو کیا ہماری بیٹی...... ہمارے پاس بیٹھی بوڑھی ہو جائے گی۔ اس کو ہم کبھی دلہن بنا ہوا نہیں سکیں گے۔“ نسرین بیگم نے ایسی حسرت سے کہا ریاض صاحب کے پانی پیتے ہوئے پھندا سا لگ یوں آنسوؤں کے پرنالے کو گرنے کا ایک بہانہ مل گیا

☆☆☆

”ان کی زندگی میں ہی قبرستان جیسی خاموشی گئی ہے۔“ سرفراز صاحب خاموش رہے۔

”میری اطلاع کے مطابق...... ریاض صاحب انہ روتے ہیں اور ان کی بیوی کی آنکھیں بھی وقتاً روتی رہتی ہیں۔ اب ان لوگوں کا آنا جانا بھی سمجھیں۔ نماز پڑھنے کے بعد ریاض ہمہ وقت گھر میں ہی رہتے ہیں۔“

”ہوں......“ سرفراز احمد ایک گہری سانس کر بولے۔

”سر! کیا آپ خوش نہیں ہوئے؟ آپ کا دشمن انہ آنسو بہاتا ہے۔“

”خوشی کیسی۔“ انہوں نے خلاؤں میں گھورتے ئے کہا۔

”دشمن رو رہا ہے تو یہ تو خوشی کی بات ہوتی“ ان کے وفادار ملازم نے چاپلوسی سے کہا۔

”تم نہیں سمجھ سکتے کہ خوشی کیا ہوتی ہے۔ خاص دشمن کی طرف سے ملنے والی خوشی کا فلیور کیسا ہوتا ہے۔ ریاض اور ان کی بیوی کا رونا دھونا تو اس ہلکی سی باندی کی طرح ہے جو صحرا میں برسے تو صحرا کی پیاس جائے۔ میرے سینے میں.... بدلے کی آگ بری دہکی جا رہی ہے۔ جب تک یہ خاندان تہس نہس ہو جائے گا مجھے خوشی نہیں ہوگی۔ جب ان کی آنکھ سو بھی ٹپکنے کے لیے نہ بچے تب مجھے خوشی ہوگی۔“

”اب میں کیا کروں سر؟“

”تمہیں کچھ نہیں کرنا، تم جاؤ، آرام کرو۔“ جیب نوٹوں کا ایک بنڈل دیتے ہوئے انہوں نے شفیق لہجے میں کہا۔ وہ سلام کرتا ہوا چلا گیا اور سرفراز احمد اپنے موبائل کے بٹن پش کرنے لگے۔

☆☆☆

ریحان نے دبئی پہنچتے ہی ماں سے کہا تھا کہ آپ جمیلہ اور اس کے شوہر کو فوراً کام سے نکال دیں کہ یہ لوگ اب قابلِ بھروسا نہیں رہے۔ ساجدہ بیگم کا خیال تھا کہ ملازمہ کو تنخواہ دے کر وہ آسانی سے نکال باہر کریں گی مگر جمیلہ سے زیادہ اس کا شوہر ان کی خوشامد کر رہا تھا اور ان کے گھر سے جانے کو اپنے لیے بڑا ظلم قرار دے رہا تھا۔

”بیگم صاحبہ اگر آپ ہمیں پیسے بھی نہ دیں، ہم تب بھی یہ گھر نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نمک خوار لوگ ہیں آپ کو اپنے جیتے جی کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔“ ساجدہ بیگم نے شوہر کو یہ بات بتائی تو وہ بھی سوچنے لگے۔

”گھریلو ملازمین پر شبہ کرنا غلط ہوگا اگر یہ لوگ ملازمت نہیں چھوڑ رہے تو رہنے دو۔“ تب ساجدہ بیگم بھی خاموش ہو گئیں۔

مگر چند دن بعد ہی ظہیر حسن کو یہ اندازہ ہو گیا کہ جمیلہ اور اس کا شوہر ان کے گھر کی رتی رتی کی خبر موبائل پر کسی کو دے رہے ہیں۔ وہ نماز پڑھنے مسجد میں دیر سے پہنچے تو جماعت ختم ہو گئی تھی۔ فوراً ہی گھر لوٹے تو دیکھا جمیلہ کا شوہر لان کی گھاس پر لیٹا کہہ رہا تھا۔

”ریحان صاحب مری چلے گئے ہیں، دس دن میں واپس آئیں گے بڑے صاحب صبح جاتے ہیں تو شام میں گھر واپس آتے ہیں۔“

”تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟“ ظہیر حسن اس کے سامنے کھڑے پوچھ رہے تھے۔

”اپنے گھر بات کر رہا تھا، میرا چاچا آپ کو سلام کہہ رہا تھا۔“ پہلے وہ گھبرایا اور پھر سنبھل کر بولا۔

”تم انہیں میرا بھی سلام کہنا...... اور بتانا کہ ہمارا بھی مری جانے کا پروگرام ہے...... اس لیے فی الحال تمہاری اور تمہاری بیگم کی چھٹی۔“

”صاحب جی آپ جائیں۔ گھر پر ہم لوگ رہ

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

لیں گے۔"

"نہیں، تمہیں ابھی...... جانا ہوگا کہ ہمارے پروگرام کا کچھ پتا نہیں ہے کہ کب واپسی ہو۔" ظہیر حسن کے لہجے میں سختی رچی ہوئی تھی کہ وہ کھسیا کر رہ گیا مگر اصل بات کی تہ تک وہ نہیں پہنچا تھا اسی لیے پوچھنے لگا۔

"صاحب جی! آپ یہ تو بتا دیں کہ ہم واپس کب آئیں۔"

"کبھی نہیں۔" جملہ کہہ کر وہ قصداً ہنسے۔

"کیا مطلب جی...... کیا آپ ہمیں کام سے نکال رہے ہیں؟"

"یہ بات نہیں ہے۔" وہ مسکرائے۔ "تمہیں خود سے آنے کی ضرورت نہیں ہے، جب ہم آئیں گے تو تمہیں فون کر کے بلالیں گے۔ ہوسکتا ہے بیگم صاحبہ چند ماہ واپس نہ آئیں تو میں بلا کر کیا کروں گا۔"

"آپ اکیلے رہیں گے تو گھر میں کھانا نہیں کھائیں گے کیا؟ اکیلے شخص کو تو زیادہ ضرورت ہوگی۔"

"اگر میں یہاں اکیلا ہوا تو ماں کے گھر چلا جاؤں گا۔ وہاں جا کر بھی تو رہنا چاہیے ناں...... اپنے بہن بھائیوں کے گھروں میں گھومیں گے تو ہماری بھی تفریح ہو جائے گی۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" وہ کھسیا کر بولا۔

"آپ کل کب تک جائیں گے۔" اس نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"ہم جب بھی جائیں تم لوگ ابھی چلے جاؤ اور ہاں یہ اس ماہ کی اور آئندہ ماہ کی تنخواہ بھی پوری رکھ لو۔" ظہیر حسن نے ان کو تنخواہ دیتے ہوئے کہا۔

ایک گھنٹے کے بعد جب وہ دونوں گھر سے جا رہے تھے تو ایسے پیر پکڑ پکڑ کر رو رہے تھے جیسے ان کو جانے میں تکلیف ہو رہی ہو۔

"نمک حرام کہیں کے، جہاں کا کھا رہے وہیں کی رپورٹنگ کر رہے تھے۔" ظہیر حسن کا کسی صورت ختم نہیں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ریاض مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر ہی چاہ رہے تھے کہ ان کی پشت پر کسی نے ہاتھ رکھا انہوں نے پلٹ کر دیکھا ایک چھبیس سالہ نوجوان انہیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ریاض صاحب نے حیرت سے اسے دیکھا وہ ان کے لیے قطعی انجان تھا۔

"السلام علیکم سر! آپ نے مجھے پہچانا؟" انہوں نے نفی میں گردن ہلائی۔

"آپ نے ایک سال ایک اکیڈمی میں پڑھایا تھا ناں!" اس نے جیسے انہیں یاد دلایا۔

"ہاں، وہ تو بہت پرانی بات ہے۔"

"میں نے اپنے میٹرک کے زمانے میں آپ سے ٹیوشن پڑھی ہے۔ سر میں تو آپ کو دیکھتے ہی پہچان گیا۔"

"مگر مجھے ابھی تک یاد نہیں آرہا کہ میں نے تمہیں پڑھایا ہے۔ یوں بھی بہت کم عرصے پڑھایا تھا شاید سال بھی نہیں۔"

"سر میں پڑھائی میں خاصا کمزور تھا صرف آپ کی وجہ سے پاس ہوا تھا۔"

"سچ کہہ رہا ہوں، مجھے کچھ یاد نہیں مگر کیا یہاں رہتے ہوئے اس سے قبل تو تمہیں اس مسجد میں میں نے نہیں دیکھا؟" اب وہ دونوں مسجد سے باہر نکل ساتھ ساتھ چلتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

"میں ایک کام سے آیا تھا ایک صاحب کے پاس۔ میں جس جگہ کام کرتا ہوں انہیں ایک اکاؤنٹنٹ کی شدید ضرورت تھی مگر آج جب میں ان صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے بتایا کہ انہیں جاب مل چکی ہے اس لیے اب وہ اس جگہ کام نہیں کر سکیں گے اور میں نے

اپنے باس سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ انہیں اپنے ادارے کے لیے محنتی اور ایماندار اکاؤنٹنٹ مل جائے گا۔"

"یہ دنیا بھی عجیب گورکھ دھندا ہے، کوئی کسی کو جاب دلوانے کے لیے بے چین ہے تو کوئی کسی کو نکلوانے کے لیے۔" ریاض صاحب نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"سر میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"بیٹا! اس دنیا میں بہت سی باتوں کے مطلب سمجھ میں آتے ہیں اور نہ ہی بہت سے لوگوں کے رویے...... آج کے اس دور میں بھی بے شمار لوگ ان درندوں کی طرح ہیں جنہیں انسانی خون پینے کی عادت ہے۔ جن کو دوسروں کو لہولہان کرنے میں ایک طمانیت سی ملتی ہے۔" سر ریاض کی باتیں سن کر نواز یک لخت کانپ سا گیا اور معصومیت سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"سر یقین نہیں آتا کہ اس مہذب معاشرے میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہوں گے۔" ریاض صاحب کا گھر آگیا تھا۔ وہ نواز کے شانے پر شفقت بھرا ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"اللہ نہ کرے، تمہارا کبھی ایسے لوگوں سے سامنا ہو۔" نواز انہیں سلام کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

"آپ بھی عجیب شخص ہیں، جب آپ کا پرانا شاگرد کسی اکاؤنٹنٹ کو ڈھونڈ رہا تھا تو آپ کو اس سے کہنا چاہیے تھا ناں کہ آپ بے روزگار ہیں اور آپ برسوں سے اکاؤنٹنٹ ہی رہے ہیں، وہ یہ جاب آپ کو دلوا دیتا، استاد کا تو بڑا حق ہوتا ہے۔" نسرین بیگم نے شوہر کی تمام بات سن کر ان سے کہا۔

"اول بات تو یہ کہ آج کل کسی کا کسی پر کوئی حق ہوتا ہی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی کسی دوسرے کو اس کا حق دینا چاہتا ہے۔ نواز تو پھر ایک اجنبی لڑکا تھا جو مجھے ابھی تک یاد نہیں آرہا کہ میں نے کبھی اسے پڑھایا بھی تھا۔ میں تو اپنا کوئی بھی شاگرد نہیں بھول پایا...... حیرت ہو رہی ہے مجھے اپنے آپ پر کہ وہ میرے ذہن سے کس طرح محو ہو گیا۔"

"عمر کا بھی تقاضا ہے، اب دل و دماغ پہلے جیسے کہاں رہے ہیں۔" نسرین بیگم نے کہا تو وہ ایک آہ بھر کر تائیدی انداز میں سر ہلانے لگے۔

"کاش آپ کہہ دیتے...... تو جاب آپ کو مل ہی جاتی۔" نسرین بیگم مسلسل تاسف سے کہہ رہی تھیں اور انہیں ایسا ہی لگ رہا تھا کہ ملتی ہوئی جاب انہوں نے از خود منع کر دی ہو۔

"کیا فائدہ ہے جاب کرنے سے...... وہ آسیب جو ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے وہ نہ صرف یہ جاب بھی ختم کروا دے گا...... بلکہ ذہنی اذیت مزید دے گا سو کہ میں بے وجہ کی پریشانیوں میں علیحدہ گرفتار ہو جاؤں گا۔"

"کسی کو ہم بتائیں گے ہی نہیں...... تو اسے کیسے پتا چلے گا۔"

"نہیں اسے تو شاید مجھ سے پہلے پتا چل جائے گا۔"

"خوامخواہ میں ہی......" نسرین نے تیوری تانی۔

"شاید اس نے کوئی خفیہ کیمرا ہمارے گھر میں فٹ کر رکھا ہے جس سے ہماری ہر بات کی خبر ہو جاتی ہے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے، یہ سب ہمارا خوف ہے جو اس نے ہمارے اوپر طاری کر دیا ہے۔ اب اگر وہ آپ کا شاگرد دوبارہ ملے تو آپ نے اس سے یہ بات ضرور کہنی ہے۔" نسرین بیگم نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اب اس سے ملاقات ہو ہی نہیں سکتی۔"

"کیوں بھلا...... آج بھی تو ہو ہی گئی۔"

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

”وہ ہمارے علاقے میں رہتا ہی نہیں ہے، وہ کہاں رہتا ہے یہ میں نے پوچھا ہی نہیں۔ کسی سے ملنے کے لیے وہ آیا تھا۔ اب وہ کیوں آئے گا، اس علاقے میں مجھے جاب دلوانے کے لیے...... جبکہ میں نے اسے کچھ بتایا بھی نہیں۔“

”سنیں اگر یہ ملازمت آپ کے نصیب میں ہوگی تو آپ کو ضرور ملے گی۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“ ریاض صاحب پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے کہ وہ جانتے تھے کہ ایسا ہونا ناممکن ہوگا۔

مگر صرف چار دن کے بعد... عصر کی نماز میں وہ نواز کو دیکھ کر واقعی حیران سے رہ گئے۔ وہ سلام کر کے ان کی خیریت پوچھنے آیا تو وہ اسے بے یقینی سے دیکھنے لگے۔

”آج یہاں کیسے؟“ بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔

”میں اپنے گھر جا رہا تھا دوست کے ساتھ اچانک ہی اس کی گاڑی خراب ہوگئی، میں نے کہا تم مجھے یہیں اتار دو، عصر کی نماز پڑھ کر ویگن سے گھر چلا جاؤں گا۔“

”تم کو میں نے اپنے گھر لے جا کر چائے نہیں پلائی تھی اس وجہ سے دوبارہ یہاں آئے ہو۔“ ریاض صاحب نے مسکرا کر کہا۔

”یقیناً یہی بات ہوگی کہ اس شب میرا دل چاہ رہا تھا کہ... آپ کے ساتھ آپ کے گھر جاؤں۔“

”چلو گھر چلتے ہیں، وہاں اچھی سی چائے پی کر جانا۔“ اپنے گھر کے مختصر سے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ریاض صاحب نے نسرین بیگم سے کہا۔

”میرا شاگرد آگیا ہے...... شاید ہماری دعا پوری ہو جائے، تم چائے کے ساتھ ایک آدھ چیز بھی رکھ کر بھیجو۔“ ریاض صاحب کے مزاج میں وضع داری اتنی تھی کہ وہ چاہتے ہوئے بھی نواز سے یہ کہہ نہیں پار ہے تھے کہ تم مجھے کہیں...... جاب دلوا دو۔ چائے پینے کے دوران نواز نے از خود پوچھا۔

”سر کیا آپ اب بھی کسی اکیڈمی میں پڑھاتے ہیں یا کوئی دوسری جاب کرتے ہیں۔“ تب وہ انتہائی شرمساری سے بولے۔

”میں ایک پرائیوٹ کمپنی میں جاب کرتا تھا، وہاں اکاؤنٹنٹ تھا، پرموشن کے اگلے ماہ ہی مجھے نکال دیا گیا...... بغیر کسی وجہ کے۔ دوسری، تیسری کئی جگہ جاب ملی مگر کسی کے کہنے پر مجھے نکال دیا گیا۔“

”تو پھر اب......؟“ وہ مضطرب سا ہو گیا۔

”کچھ نہیں کرتا۔“

”مگر آپ کو جاب تو کرنی چاہیے ناں؟“

”کیا کروں گا...... وہ پھر نکلوا دے گا۔“

”سر ایسی اندھیر نہیں مچی ہوئی کہ آپ یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔“

”تو پھر میں کیا کروں؟“

”میں اپنے باس سے کہہ کر اپنی ذمے داری پر جاب لگوا سکتا ہوں، آپ بے فکر رہیے۔ آپ کو جاب جلد ملے گی اور اسے کوئی بھی مائی کا لعل ہٹوا نہیں سکتا۔“ نواز کا لہجہ آہنی سا تھا۔

”مجھے امید تو نہیں ہے مگر تم میرا اسی وی لے لو اگر ایسا ہو جائے تو مجھے دلی خوشی ہوگی۔“ نواز ان کے دل میں بہت سی امیدیں جگا کر چلا گیا۔

ایک دن، دو دن پورا ہفتہ گزر گیا نہ وہ آیا اور نہ ہی اس نے کوئی رابطہ کیا۔

”دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ وہ بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔ میرا دشمن یہ ہرگز نہیں چاہے گا کہ میں کچھ کما سکوں، کچھ پیسے جوڑ سکوں۔ اگر نہاں کی ٹیوشن کا سہارا نہ ہوتا تو شاید ہم لوگ فاقوں سے مر جاتے۔“

”ہاں...... اب تو مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔“

www.Paksociety.com

نسرین بیگم کے لہجے میں رنجیدگی سی گھلی ہوئی تھی۔

وہ لڑکا...... تو یہی کہہ کر گیا تھا کہ صرف دو دن میں وہ اپائنٹمنٹ لیٹر لے کر آجائے گا اور اب دس دن گزر گئے اور اس کا کوئی اتا پتا نہیں... اور نہ ہی اس نے کوئی فون کر کے انہیں جھوٹی تسلی ہی دی تھی۔

”نہیں کر سکا ہوگا وہ...... تو بے چارہ کیا کرتا اس کو کیا دوش دوں، جو اپنی قسمت میں لکھا ہے وہ ہر حال میں پورا ہوگا۔ میں تو منع بھی کر رہا تھا کہ جیسے ہیں ہم ٹھیک ہیں، نوکری کے لیے اب تگ و دو کرنی ہی نہیں چاہیے۔ مگر تم نے کہا تھا اور میں بھی تمہاری بات مان گیا۔“ ریاض روزانہ اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ نسرین بیگم دل میں شرمندہ سی ہو رہی تھیں کہ ناحق انہوں نے ایسا کہا...... خوامخواہ ڈپریشن کی سطح مزید بلند ہوگئی۔

مگر ایک شام نواز کو اپنے دروازے پر کھڑا دیکھ کر وہ حیران سی رہ گئیں۔

”آنٹی...... سر کہاں ہیں؟“ وہ سرشار لہجے میں پوچھ رہا تھا، بڑا سا مٹھائی کا ڈبا اس کے ہاتھ میں تھا۔ ریاض آئے تو وہ ان کے ہاتھ میں اپائنٹمنٹ لیٹر دیتے ہوئے بولا۔

”معاف کیجیے گا سر، مالک بیمار ہو گئے تھے ان سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ کل جب ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے پہلا کام یہی کروایا اور جتنے پیسوں پر آپ کی نوکری ختم ہوئی تھی میں نے اس سے دو ہزار زائد پر لگوائی ہے کہ آپ جیسا قابل شخص کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔“ ریاض صاحب پہلے تو متحیر انداز میں اپائنٹمنٹ لیٹر الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے اور پھر نواز کو بے اختیار گلے سے لگا لیا۔

”پیارے بیٹے! یہ تمہارا مجھ پر احسان ہے۔“ وہ جذبات میں مغلوب، گلوگیر لہجے میں صرف اتنا ہی کہہ سکے۔ باقی تمام جملے ان کے حلق میں ہی کہیں اٹک گئے۔

”سر، آپ یہ کیسی بات کہہ رہے ہیں اگر آپ نے میرے دل میں پڑھنے کا شوق نہیں پیدا کیا ہوتا تو میں اپنے گھر میں بیٹھا ڈنڈے بجا رہا ہوتا۔ آج میرے گھر کے جو حالات تبدیل ہوئے تو اس کی وجہ صرف آپ ہیں۔ ورنہ کیا ہوتا، یہ میں نہیں بتا سکتا۔“ یہ کہتے ہوئے نواز کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے اور ریاض صاحب سوچنے لگے... کون کہتا ہے کہ آج کے دور میں استاد کی عزت کرنے والے لوگ ختم ہو گئے ہیں۔ آج بھی ہیں جو اپنے استاد کو اپنے روحانی باپ کا درجہ دیتے ہیں۔

☆☆☆

”امی میں گھر آرہا ہوں، دبئی میں مزید رہنا میرے لیے بور ترین ہے۔“ ریحان نے فون پر کہا۔

”مگر بیٹے تم جانتے تو ہو ناں...... یہاں کوئی خوامخواہ ہی تمہارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ دبئی میں رہو گے تو مجھے تقویت تو رہے گی ناں!“

”میرے سامنے میرے ماں باپ ہوں گے تو مجھے تقویت اور طمانیت دونوں ہی رہیں گی۔“ ریحان نے کہا۔

”اچھا کب آنے کا ارادہ ہے؟“ بیٹے کی عادت کو وہ اچھی طرح جانتی ہی تھیں کہ وہ کبھی نہیں مانے گا۔

”کل صبح کی فلائٹ ہے، کل ہی انشاء اللہ ملتے ہیں، لگتا ہے کہ برسوں سے اپنے گھر سے کہیں دور گیا ہوا ہوں۔“

”ٹھیک ہے بیٹا، اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے۔“ ساجدہ بیگم نے دعا دیتے ہوئے کہا۔ فون بند ہو گیا تھا مگر ساجدہ بیگم کی پریشانی شروع ہو گئی تھی۔

”سنیں...... ہمارا ریحان کل آرہا ہے۔“ ظہیر حسن گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے پہلی بات یہی کی۔

”یہ تو اچھی بات ہے۔“ وہ سرشار سے لہجے میں بولے۔

”مگر مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔“

www.Paksociety.com

"ڈرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔"

"پہلے بھی اللہ نے اس کی حفاظت کی اور آئندہ بھی وہی کرے گا مگر نہ گھر میں نہ خاندان میں کسی کو بھی یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ریحان آگیا ہے...... اگر کوئی دیکھ لے اور پوچھ بیٹھے تو کہہ دینا کہ ہاں آفس کے کام کے سلسلے میں ہی آیا ہے، چلا جائے گا، اب اس کی مستقل پوسٹنگ باہر ہی ہوگئی ہے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن......" وہ کچھ کہتے کہتے چپ سی ہوگئیں۔

"لیکن کیا؟" ظہیر حسن نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اگر دروازے پر کوئی گارڈ رکھ لیتے تو اچھا تھا۔"

"تا کہ سب کو پتا چل جائے، یہ خاص الخاص لوگ ہیں، ان سے اپنی حفاظت تک خود نہیں ہوتی۔ یہ جمائی لینے والے گارڈ پر بڑا بھروسا رکھتے ہیں۔" ظہیر حسن کا لہجہ خاصا تمسخر آمیز سا تھا۔ اس لیے وہ چپ سی ہوگئیں۔

☆☆☆

ریاض احمد بے حد خوش تھے، کمپنی بہت اچھی تھی اور ان کی یہاں بے حد عزت تھی، علیحدہ کمرا سہولتوں سے آراستہ...... انہیں ملا ہوا تھا۔ وہ اپنا کام بہت محنت سے کررہے تھے۔ پہلے ہی مہینے انہیں بیسٹ ورکر ہونے کے ناتے ایک اضافی بونس بھی دیا گیا۔ انہیں حیرت ہوئی تو بتایا گیا کہ یہ اس کمپنی کا اصول ہے کہ ہر ماہ بہترین ورکر کا انتخاب اس کے کام کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ یوں اس کمپنی میں کام کرنے والے تمام ورکر انتہائی مستعد ہیں۔

ان کے دل میں یہ خوف دامن گیر تھا کہ ان کے پوشیدہ دشمن کے ایک فون آنے سے وہ فوری طور پر یہاں سے بے دخل بھی کر دیے جائیں گے اور اپنے اس وہم کا اظہار وہ کئی مرتبہ نواز کے سامنے بھی کر چکے تھے۔

"سر! ایسا ہرگز نہیں ہوگا، میں یہ سب باتیں اپنے مالک کو بتا چکا ہوں، جس کو سن کر وہ بہت ہنسے بھی تھے اور کہہ رہے تھے کہ اس کمپنی میں کوئی دشمن پرندہ بھی اپنا پر نہیں مار سکتا۔ انسان کی بات تو دوسری ہے کہ وہ اپنی کمپنی اپنے حساب سے چلاتے ہیں۔ دوسروں کی مرضی یا حساب سے نہیں۔" اور واقعی یہ وہم، صرف وہم ہی ثابت ہوا۔ چار ماہ گزرنے کے بعد ریاض صاحب نے ایک اطمینان سا محسوس کیا۔ اب ان کے دل میں پھر سے نہاں کے لیے ارمان جاگنے لگے۔

مگر نہاں کا معاملہ پتا نہیں کیوں اتنا بھاری پڑ گیا تھا یا لوگوں کی توقعات اتنی زیادہ بڑھ گئی تھیں کہ لوگ آتے نہاں کو دیکھ کر پسند بھی کرتے مگر پھر دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے۔

نسرین بیگم کا تو یہ پکا خیال تھا کہ کسی نے نہاں کا رشتہ باندھ دیا ہے، جب ہی تو اس کی شادی ہونے میں اتنے رخنے پڑ رہے ہیں۔ مگر ریاض صاحب کو بیوی کی یہ ساری باتیں فضول لگا کرتی تھیں۔

نواز کبھی کبھار ریاض صاحب کے گھر آجاتا۔ نسرین بیگم اس کی خوب خاطر مدارات کرتیں مگر ان کے گھر کا ماحول ایسا تھا کہ نہ اس نے کبھی نہاں کو دیکھا اور شاید اسے یہ پتا بھی نہیں تھا کہ سر ریاض کی کوئی بیٹی بھی ہے۔ جب ہی تو ایک دن اس نے کہا۔

"آنٹی آپ کے اگر بچے ہوتے تو آپ کا گھر یوں خاموش سا نظر نہ آیا کرتا۔"

"اللہ کا احسان ہے کہ ہماری ایک بیٹی ہے۔" نسرین بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"واقعی!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، بیٹا، وہ ان دنوں بی اے کے امتحان کی تیاری کررہی ہے، کالج بھی قریب ہی ہے۔"

"انکل پڑھا دیتے ہوں گے تو کالج جانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔" وہ مسکرا کر بولا اور نسرین بیگم مسکرا کر چپ ہوگئیں۔ انہیں نواز بہت اچھا لگتا تھا، خوب صورت بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والا یہ لڑکا بے حد ہی بھولا بھالا سا تھا۔ تمیز اور شائستگی اس کے مزاج میں ایسے رچی ہوئی تھی۔ اس کی وجاہت کے ساتھ ساتھ اس کے نیک اطوار کو دیکھ کر انہوں نے دل ہی دل میں سوچا تھا کہ کاش...... نواز میرا داماد بنتا۔ اس خواہش کے باوجود نہاں ایک بار بھی نواز کے سامنے نہیں آئی تھی۔

ایک شام نسرین بیگم، نواز کو کھانے پر روک رہی تھیں تو وہ بولا۔

"میری باجی گھر پر میرا انتظار کررہی ہوں گی...... کراچی میں، میں اپنی باجی کے گھر رہتا ہوں، والدین تو ہیں نہیں، انہوں نے ہی مجھے پالا پوسا ہے۔"

"پھر تم اپنی باجی کو لے کر کیوں نہیں آئے، ہم تمہاری بہن سے بھی مل لیں گے۔"

"باجی نے تو کئی مرتبہ کہا تھا مگر میں نے سوچا پتا نہیں آنٹی کو اچھا لگے یا نہیں۔"

"بیٹا! کیسی غیروں جیسی باتیں کررہے ہو۔ اب اتوار کو تم اپنی باجی کو لے کر آؤ گے تو ہمارے ساتھ ہی کھانا کھاؤ گے۔" اور نواز کے چہرے پر مسکراہٹ سی پھیل گئی۔

☆☆☆

"امی، آپ خواہ مخواہ ہی ڈر رہی تھیں ساری پریشانی نمک حرام نوکروں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ جب ہی تو اب لوگ اپنے اپنے گھروں کا کام خود کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور ملازم نہیں رکھتے۔" ریحان نے ماں سے کہا۔

"تم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"مجھے تو حیرت کے ساتھ افسوس بھی تھا کہ اتنا پرانا ملازم ہمارے ہی گھر میں بیٹھ کر ہمارے لیے کانٹے بو رہا تھا۔"

بند گوبھی:

موسم سرما کی سبزی بند گوبھی جسے کرم کلا بھی کہتے ہیں، غذائیت کے اعتبار سے نہایت مفید ہے۔ کچی اور تازہ بند گوبھی بہت فائدے مند ہے۔ سلاد کے طور پر اس کے استعمال سے ہمیں آئرن، گندھک، کیلشیم اور وٹامن سی حاصل ہوتے ہیں۔ بند گوبھی کا استعمال مٹاپے کو کنٹرول کرتا ہے کیونکہ یہ جسم میں چربی بننے کے عمل کو روکتی ہے اور جسم میں موجود چکنائی کو زائل کرتی ہے۔ ایسی خواتین جو فربہ ہیں یا مٹاپے کی طرف مائل ہیں وہ مستقل بند گوبھی کو سلاد کے طور پر استعمال کریں۔ بند گوبھی ہمارے جسم میں موجود وائرس اور بیکٹیریا کو ختم کرتی ہے۔ نظامِ ہضم درست رکھتی ہے اور جسمانی نظام مضبوط کرتی ہے۔ یہ سبزی شکر اور نشاستہ سے مبرا ہے اس لیے ذیابیطس کے مریضوں کے لیے مفید ہے۔ خون کی خرابی کو دور کرتی ہے۔ بند گوبھی کے اجزا کینسر جیسے موذی مرض سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ پھیپھڑوں کے سرطان اور آنتوں کے السر سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس کا جوس نہار منہ پینا آنتوں کے السر کے لیے مفید ہے۔ جو خواتین بالوں کی کمزوری کا شکار ہیں اور بال گرتے ہیں وہ بند گوبھی سلاد کے طور پر روزانہ استعمال کریں۔ اس سے بال مضبوط، لمبے اور گھنے ہوں گے۔

مرسلہ: نزہت حفیظ، کراچی

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

''پیسے کے آگے لوگ اپنا دین ایمان بھی بھول جاتے ہیں۔

''ہمارے گھر سے مشکل سے گیا اور پھر اس نے اسی محلے میں نوکری حاصل کرنے کی کوشش کی، ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے یہی کہا کہ قابلِ بھروسا نہیں تھا جب ہی تو ہم نے نکالا ہے۔ اسی وجہ سے اسے کسی نے بھی نہیں رکھا۔''

''یہ بھی اچھی بات ہے کہ وہ ہمارے محلے میں نہیں ہے ورنہ بہت سی معلومات تو وہ یہاں کسی بھی گھر میں بیٹھ کر دے سکتا تھا۔ اللہ برے لوگوں سے بچا کر رکھے۔'' ساجدہ بیگم نے بیٹے پر دم کر کے کہا۔

''ملازمہ کے بغیر کام کرنے میں آپ کو دشواری تو بہت ہوتی ہوگی۔''

''شروع، شروع میں تو واقعی ہوئی مگر اب تو عادت سی ہوگئی ہے اور اپنا کام کرنا اچھا بھی لگ رہا ہے۔ اچھا ہے اسی بہانے ہاتھوں کی ورزش بھی ہو رہی ہے۔ ورنہ ہم جیسی خواتین جو گھر میں کوئی کام نہیں کرتیں ان کے تو ہاتھ پیر پہلے ..... سن ہونا شروع ہوتے ہیں اور پھر جام ہو جاتے ہیں۔''

☆☆☆

نواز کی بہن نواز جیسی خوب صورت تو نہیں تھی اس کا ناک نقشہ خاصا موٹا تھا مگر بے حد گوری تھی اور بے حد اچھے اخلاق کی۔ ریاض صاحب کے ہاں برقع اوڑھ کر آئی تھی اور ان لوگوں کے لیے خوب سارے تحائف بھی لے کر آئی تھی۔

''زرینہ یہ سب کیا ہے؟'' نسرین بیگم نے حیرت سے اپنا ایمبرائیڈری سوٹ، ریاض صاحب کے لیے شلوار کرتہ اور نہاں کے لیے شیفون کا سوٹ دیکھ کر کہا۔

''نواز کے یہ استاد کا گھر ہے، جنہوں نے ہمارے بھائی کو پڑھایا تو ہمارا کیا اتنا بھی فرض نہیں ہے کہ اپنے محسنوں کو کوئی تحفہ دے سکیں۔''

''مگر بچے کبھی بڑوں کو تحائف نہیں دیا کرتے، ان کا تو صرف لینے کا حق ہوتا ہے۔'' نسرین بیگم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اب نہ نواز بچہ رہا ہے اور نہ میں۔ ہم دونوں بہن بھائی ایک ساتھ رہتے ہیں، میرے شوہر بہ سلسلہ ملازمت دبئی میں ہیں، کچھ دنوں کے بعد میں بھی ان کے پاس چلی جاؤں گی۔''

''تمہارے ساتھ نواز بھی دبئی چلا جائے گا؟'' نسرین بیگم نے بے اختیار پوچھا۔

''نواز! دبئی گھوم آیا ہے اور اسے بالکل پسند نہیں آیا۔ کہتا ہے کہ وہاں مجھے وحشت ہوتی ہے۔''

''تو کیا وہ کراچی میں ہی رہے گا؟''

''ہاں، مجھ سے ملنے کے لیے دبئی آتا جاتا رہے گا، دبئی اور کراچی کوئی دور دور تھوڑی ہیں۔ ڈیڑھ گھنٹے کی فلائٹ ہے۔''

''تمہارا صرف ایک ہی بھائی ہے، یہاں اکیلے رہے گا تو تمہارا دل نہیں گھبرائے گا؟'' نسرین بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''آنٹی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، اسی لیے میں سوچ رہی ہوں کہ اپنے دبئی جانے سے پہلے بھائی کی شادی نہیں تو کم از کم منگنی تو کر ہی جاؤں۔ اگلے سال جب اپنے شوہر کے ساتھ آؤں گی تو بھائی کی شادی بھی کر دوں گی۔''

''ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔'' نسرین بیگم نے ان کی بات کی جیسے تائید کر دی۔

☆☆☆

ریاض صاحب آفس سے گھر آئے تو خاصے خوش تھے صرف چھ ماہ بعد ہی ان کا پروموشن ہو گیا تھا، وہ ہنستے مسکراتے لہجے میں بیوی سے بولے۔

''آج میں جتنا خوش ہوں، بتا نہیں سکتا۔''

''آج میں بھی بہت خوش ہوں۔'' نسرین بیگم نے ہنس کر کہا۔

''پہلے آپ اپنی خوشی کی وجہ بتائیں۔'' ریاض صاحب نے بیوی سے پوچھا۔

''نہیں پہلے آپ.....'' نسرین بیگم نے مسکرا کر شوہر کو دیکھا۔

''لیڈیز فرسٹ کے اصول کے تحت پہلے آپ.....'' ریاض صاحب ہنسے۔

''آج ہماری عاتکہ باجی آئی تھیں، وہ کہہ رہی تھیں ان کی نند کے کرائے دار کے لیے لڑکی ڈھونڈی جا رہی ہے۔ انہوں نے ہماری نہاں کی تصویر دکھائی تھی جو انہیں بے حد پسند آئی ہے اور وہ کہہ رہی ہیں کہ ہمیں لڑکی والوں کے گھر لے کر چلو۔ اب آپ بتائیں، میں ان لوگوں کو کب اپنے گھر بلاؤں۔'' نسرین بیگم نے ریاض صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تمہاری باجی کی نند کے کرائے دار کو ہم بھلا کیا جانیں اور انجان لوگوں کو ہم اپنے گھر پر کیوں بلائیں گے؟'' ریاض صاحب کا لہجہ حتمی سا تھا۔

''جب وہ ہم سے ملیں گے تو ہی ہم انہیں جانیں گے ناں!'' نسرین بیگم نے حیرت سے شوہر کو دیکھا۔

''ہمیں اجنبی لوگوں پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔'' توقف کے بعد ریاض صاحب نے کہا۔

''مگر باجی کہہ رہی تھیں لڑکا بہت اچھا ہے، کماؤ ہے، ہاں شکل صورت کا واجبی سا ہے۔'' نسرین بیگم نے شوہر کو بتایا۔

''ہماری بیٹی نہاں ...... اتنی خوب صورت سی ہے، اس کی شادی ہم معمولی شکل کے لڑکے سے کیوں کریں گے، اس کے لیے تو کوئی خوب صورت سا لڑکا ہونا چاہیے۔''

بہار اور انتظار

اس بہار میں آنے کا جو وعدہ کیا تھا
مگر کتنے موسم بیت گئے کتنی بہاریں
بھی گزریں مگر وعدہ وفا
نہ ہوا اور میں جو تیرے انتظار
میں خزاں رسیدہ پتے کی طرح
سوکھ کر زرد ہو گئی کاش تم
جو آ جاؤ تو جشنِ بہار
ہو جائے اور میں پھولوں
کی طرح سرسبز و شاداب
ہو جاؤں اور محوِ خواب ہو جاؤں

شاعرہ: فریدہ فری، لاہور

''کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ لڑکوں کی شکل صورت بھلا کون دیکھا کرتا ہے۔'' نسرین بیگم کو اپنے شوہر کی باتوں پر حیرت سی ہو رہی تھی۔

''ہاں...... میں اب اپنی بیٹی کی شادی کسی خوب صورت سے لڑکے سے کروں گا۔''

''کسی خوب صورت لڑکے کا رشتہ آئے گا تو ہم کریں گے ناں۔ یہ رشتہ بھی میری باجی کی وجہ سے آ رہا ہے کہ انہوں نے ہماری نہاں کے سلیقے کی بے حد تعریف بھی کی تھی۔''

''ہماری بیٹی ہے ہی ایسی، انہوں نے کوئی جھوٹی تعریف تھوڑی ناں کی تھی۔'' ریاض صاحب نے تو فکی بھرے لہجے میں کہا۔ نسرین خاموش ہو گئیں...... اور ریاض صاحب کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ جن کے چہرے کی سرشاری نے

www.Paksociety.com

ان کی امید کی لو بھی بڑھا دی تھی۔

''کیا بات ہے...... بتائیں تو، ایسا کیا ہوا ہے جو آپ مجھے پہلے والے ریاض نظر آرہے ہیں؟''

''میرا پروموشن ہوا ہے، اکٹھے دس ہزار تنخواہ بڑھی ہے میری۔ اٹھارہ ہزار کی نوکری چھوٹی تھی تو بیس ہزار کی ملی اور اب مجھے تیس ہزار ملا کریں گے۔ سال کے چار بونس کے ساتھ۔''

''بہت اچھے مالک ہیں، جنہیں اپنے ورکرز کا اتنا خیال ہے۔'' نسرین بیگم نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

''یہ دنیا ہے، یہاں بھانت، بھانت کے لوگ ہیں۔ بعض کا یہ پلان ہوتا ہے کہ کسی کے منہ سے لقمہ بھی کیونکر چھینا جائے اور بعض کا خیال ہوتا ہے کہ لوگوں میں طمانیت اور مسرت کیسے بانٹی جائے۔''

''یہ نواز...... آپ کا شاگرد تو ہمارے لیے فرشتہ ثابت ہوا ہے۔''

''ہاں، جب ہی تو میرا دل چاہ رہا ہے کہ ایسا فرشتہ صفت لڑکا میرا داماد بنے۔ مجھے دلی خوشی ہوگی کہ میری بیٹی نہاں کی شادی نواز کے ساتھ ہو...... دونوں کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی لگے گی۔'' ریاض صاحب مسکرا کر سوچتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''آپ کی بات ٹھیک ہے مگر ہم لڑکی والے ہیں، اپنے منہ سے یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ نواز مجھے بھی دل سے پسند ہے، اس کے باوجود اپنی خواہش کا اظہار خود نہیں کرسکتے۔'' نسرین بیگم نے ملال بھرے لہجے میں کہا۔

''ہم تو نواز کے بھی کسی دوست سے واقف نہیں ہیں جس کے توسط سے اپنی بات ان تک پہنچا سکیں۔'' ریاض صاحب بھی یہ کہتے ہوئے افسردہ سے ہوگئے۔

''مگر جس طرح ہم سوچ رہے ہیں وہ لوگ بھی تو اس نہج پر سوچ سکتے ہیں۔'' نسرین بیگم نے کہا۔

''ہاں، یقیناً وہ بھی ضرور سوچیں گے۔''

''ہماری نہاں تو انہیں بہت پسند آئی ہے۔''

''تم دیکھ لینا، وہ نواز کے لیے ضرور نہاں کا رشتہ مانگیں گے۔'' ریاض صاحب نے کہا۔

''انشاءاللہ......'' نسرین بیگم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

☆☆☆

''حیرت ہے...... کہاں تو تم پریشان تھیں، بار بار میری خوشامد کررہی تھیں اور جب وہ لوگ تمہارے گھر آنے پر تیار ہوئے تو تم منع کررہی ہو۔ ان کے لڑکے کو رشتوں کی کمی تھوڑی ہے۔'' عاتکہ باجی نے نسرین سے کہا۔

''ریاض نہیں مان رہے۔''

''تو کیا ان کی نظر میں کوئی لڑکا ہے کیا؟''

''ہاں۔'' نسرین بیگم کے منہ سے بے اختیار نکل گیا اور کہہ کر پچھتا گئیں۔

''اگر تمہاری نہاں کے لیے رشتہ موجود ہے تو خاموش کیوں بیٹھی ہو۔ بیٹی کی شادی کرکے فارغ ہوجاؤ۔ اب تو ریاض بھائی کی جاب بھی ٹھیک ٹھاک لگی ہوئی ہے۔'' ان کا مشورہ بھی غلط نہیں تھا۔

''نہاں کم از کم گریجویشن تو کرلے۔ اس کے فائنل کے امتحان بہت قریب ہیں۔''

''آج کل یہ سب نہیں دیکھا جارہا۔ لڑکیاں شادی کے بعد بھی پڑھ رہی ہیں۔ تم لوگ اتنے بڑے کرائسس سے گزرے ہو، تمہیں تو چاہیے کہ جلدی سے نہاں کے فرض سے سبکدوش ہوجاؤ کہ کہیں وہ دشمن دوبارہ پیچھے لگ گیا تو تم کیا کروگے؟'' عاتکہ باجی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، آپ کہہ تو ٹھیک رہی ہیں اور میں خود کہاں فیصلہ کرسکتی ہوں۔ اس کے بارے میں تو ریاض ہی بتائیں گے۔'' نسرین نے پریشان سے لہجے میں کہا۔

''شوہر کو بیوی ہی سمجھایا کرتی ہے۔ تم دو چار بار سمجھاؤ گی تب ہی انہیں احساس ہوگا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔'' عاتکہ باجی کی بات سن کر نسرین نے تائید میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

کہاں تو نواز دو چار روز کے بعد فون کرلیا کرتا تھا یا کبھی چکر لگا لیا کرتا تھا مگر بیس دن ہوگئے تھے نہ نواز نے فون کیا اور نہ ہی وہ آیا۔ ریاض صاحب نے فون کیا تو اس کا موبائل ہی بند تھا اور پھر ایک شام اچانک ہی نواز اپنی زرینہ باجی کے ساتھ چلا آیا۔ پہلے کی طرح لدے پھندا۔

''کہاں غائب ہوگئے تھے؟''

''بخار آگیا تھا، آفس سے بھی چھٹی پر تھا پھر آفس گیا تو راستے میں گن پوائنٹ پر میرا موبائل اور والٹ چھن گیا۔ دو چار روز اس کا غم منایا تو سوچا سر کے پاس ہو آؤں۔''

''مگر بیٹا! یہ مٹھائی...... یہ پھل اور یہ ڈھیر سارا سامان لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''یہ میں نہیں، باجی لائی ہیں۔'' نواز نے شرما کر کہا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' ریاض صاحب اور نسرین بیگم دونوں نے اب زرینہ کو دیکھا۔

''انکل، چھوٹا منہ اور بڑی بات...... مگر کیا کہوں؟'' وہ کچھ بولتے بولتے رکی۔ جیسے کہنے میں اسے تامل سا ہو۔

''ہاں...... ہاں کہو بیٹا۔'' نسرین بیگم نے اس کی پشت پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

''مجھے آپ کی بیٹی نہاں بے حد پسند ہے...... میری دلی خواہش ہے کہ اتنی پیاری لڑکی سے میرے بھائی نواز کی شادی ہو اور آج میں اپنے بھائی کا رشتہ مانگنے آئی ہوں۔'' آپ کو میرا بھائی پسند ہے تو میں آج ہی اسے انگوٹھی پہنادوں۔''

''بیٹا! کیا ہتھیلی پر سرسوں جمانے آئی ہو جو آج ہی رشتہ اور آج ہی منگنی کرنا چاہتی ہو۔'' ریاض صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''کراچی میں تو ہمارے کوئی عزیز ہی نہیں ہیں۔ آپ کہیں گے تو ہم دوبارہ تیاری سے اس دن پھر آجائیں گے جب آپ اپنے مہمان بلانے چاہیں مگر ہمارے تو سارے ارمان نواز کی شادی کے موقع پر پورے ہوں گے۔ جب میرے شوہر بھی دبئی سے آئیں گے اور ہمارے کچھ رشتے دار لندن میں ہیں وہ وہاں سے آجائیں گے۔'' زرینہ بے حد سادگی سے ہر بات کہہ رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھ سونے کا لاکٹ کا سیٹ، ایک زمرد جڑی انگوٹھی اور نہاں کے لیے چار جوڑے کسی اچھے سے بوتیک سے لے کر آئی تھی۔

پھر بہار آگئی

پیلی شاخوں نے ہرا لباس پہنا تو
گلابی، سرخ، سنہرے پھول
کونپلوں کے دریچے کھول کر
شاخوں سے یوں آلپٹے کہ
ان کے وجود کی مہک ہر سو پھیل گئی
اور چمن میں رنگ ہی رنگ بکھر گئے
تتلیوں نے بھی اپنے
پروں سے گرد جھاڑی تو
بھنورے بھی مستی میں آکے گانے لگے
بہار آگئی پھر بہار آگئی

شاعرہ: پروین عذرا تشنہ، کراچی

www.Paksociety.com

''نواز، میرا شاگرد، میرا بیٹا، میرا سب کچھ ہے۔ یہ مجھے دل و جان سے عزیز ہے، اس کا رشتہ مجھے منظور ہے اور مجھے نہ تام جھام کی ضرورت ہے اور نہ ہی لوگوں کے اجتماع کی۔ سادگی پسند ہوں اور سادگی کو پسند کرتا ہوں تم اندر جا کر نہاں کو انگوٹھی پہنا دو۔'' ریاض صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''انکل اگر آپ کی اجازت ہو تو میں نواز کے سامنے ہی نہاں کو انگوٹھی پہنا دوں اگر یہ دونوں بھی ایک دوسرے کو دیکھ لیں تو کوئی حرج تو نہیں۔'' نسرین بیگم نے اپنے شوہر کو دیکھا۔ ریاض صاحب نے ایک لحہ توقف کیا اور پھر بولے۔

''نہیں، کوئی مضائقہ نہیں ہے۔''

نسرین بیگم دوسرے کمرے میں نوٹس بناتی نہاں کو اپنے ساتھ لے کر آئیں تو وہ حیران سی زرینہ کو سلام کرتی اندر داخل ہوئی۔ زرینہ نے اسے گلابی کامدار دوپٹا پہنایا۔ نواز پھٹ جانے کی حد تک کھلی نگاہوں سے نہاں کو جیسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ اسے جیسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی لڑکی اتنی خوب صورت ہو سکتی ہے۔ زرینہ نے بسم اللہ پڑھ کر نہاں کی انگلی میں خوب صورت سی انگوٹھی پہنا کر اس کی کشادہ پیشانی چوم لی۔

''نواز بیٹا تم نے نہاں کو دیکھ لیا ہے اور نہاں تم بھی نواز کو دیکھ سکتی ہو۔'' ریاض صاحب نے کہا مگر نہاں اپنی نظریں نیچی کیے بیٹھی رہی۔

''مگر ہمارے ہاں منگنی کے بعد لڑکے، لڑکی کا آپس میں ملنا پسند نہیں کیا جاتا۔ اب انشاء اللہ آپ دونوں کی ملاقات آپ کی شادی پر ہی ہوگی۔''

''سر اگر میں کوئی گفت دینا چاہوں تو آپ کی اجازت ہے؟'' نواز نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

[illegible]

نواز کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ چھوٹا سا تحفہ میری جانب سے آپ کے لیے۔''

''کیا ہے اس میں؟'' زرینہ نے حیرت سے بھائی کو دیکھتے ہوئے پوچھا؟ ''تم نے مجھے کیوں نہیں دکھایا؟'' وہ شرارت سے ہنس دیا۔

''پلیز باجی...... یہ صرف نہاں کے لیے ہے اگر آپ نہ پوچھیں تو بہتر ہوگا۔'' نواز نے شرما کر کان کھجاتے ہوئے نظریں جھکا کر کہا مگر وہ دزدیدہ نظروں سے ابھی بھی نہاں کو ہی دیکھ رہا تھا۔ جس کی سرخ و سفید رنگت گلابی دوپٹے کے ہالے میں اسے کسی شہزادی کا سا روپ عطا کیے ہوئے تھی۔

''ہاں بھئی...... یہ تو پرائیوسی کا معاملہ ہے۔'' نسرین بیگم نے ہنس کر کہا۔ نہاں وہ گفٹ لے کر کمرے سے چلی گئی اور نواز کو یوں لگا جیسے بھری محفل اجڑ سی گئی ہو۔

''زرینہ بیٹی...... آئندہ ہفتے تمہیں آنے کی پھر زحمت دوں گا۔'' ریاض صاحب نے کہا۔

''ہمارا رشتہ کیا پکا نہیں ہوا ہے ابھی؟'' وہ بوکھلا کر بولیں۔

''بالکل ہو گیا ہے مگر میرا دل بھی تو یہ چاہے گا ناں کہ اپنے ہونے والے داماد کو کوئی گفٹ دوں، کوئی انگوٹھی، کوئی اچھا سا سوٹ، کوئی تحفہ......''

''سر ہم لوگ آئیں گے مگر اس شرط پر کہ آپ کچھ بھی نہیں کریں گے وہ اس لیے کہ سونے کی انگوٹھی مردوں کے لیے ممنوع ہے۔ کرتے شلوار میرے پاس اتنی زیادہ تعداد میں ہیں کہ میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ آپ پیسے برباد کریں۔ رہی بات گفٹ کی تو وہ آپ کی دعاؤں سے زیادہ تو کبھی ہو ہی نہیں سکتے۔'' نواز نے انہیں محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو ریاض صاحب نے بے اختیار نواز کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''اس دور میں ایسے لوگ موجود ہیں جس کے لیے میں اپنے رب کا جتنا شکر ادا کروں وہ کم ہوگا۔ واقعی جیسا میں نے سوچا تھا جیسا میں نے چاہا تھا مجھے اپنی بچی کے لیے ویسا ہی بر ملا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ریاض صاحب کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ انہیں یوں روتا دیکھ کر نواز بھی آزردہ...... سا ہو گیا...... اور ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''سر میں نہاں کو ہمیشہ خوش رکھوں گا۔''

''مجھے یقین ہے بیٹا۔'' اس کے ہاتھ پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ کر انہوں نے دبایا۔

☆☆☆

رات کو اپنے کمرے میں بیٹھ کر نہاں نے جب گفٹ پیک کھولا تو اس میں ایک خوب صورت موبائل تھا۔ جس میں نواز کا نمبر فیڈ کیا ہوا تھا۔

''اچھا...... مجھے اس لیے موبائل دیا ہے تا کہ مجھ سے بات کریں۔'' اس کا مقصد جان کر اسے ہنسی آگئی۔

''مگر یہ سب باتیں امی، ابو کو پسند نہیں ہیں تو میں آپ کو فون کبھی نہیں کر پاؤں گی۔'' اس نے سوچتے ہوئے موبائل قریبی ٹیبل پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد بپ ہوئی تو وہ اچھل ہی تو پڑی۔

''یہ مجھے کس نے فون کیا ہے۔'' اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ دوبارہ بیل ہوئی تو وہ پھر سہم سی گئی۔ تیسری بیل سن کر اس نے ہمت سے کام لیا اور فون ریسیو کیا۔

''ہیلو......'' وہ کمزور سے لہجے میں بولی۔

''آپ کا نواز...... بول رہا ہوں۔'' شریر سے لہجے میں کہا گیا۔

''جی......!'' وہ پسینے پسینے ہو گئی۔

''موبائل پسند آیا۔'' اس نے پوچھا۔

''جی۔''

کون کہتا ہے کہ؟
اولاد نہیں ہو سکتی
آج بھی لاکھوں گھرانے اولاد کی نعمت سے محروم سخت پریشان ہیں۔ مایوسی گناہ ہے۔ انشاء اللہ اولاد ہوگی۔ خاتون میں کوئی اندرونی پرابلم ہو یا مردانہ جراثیم کا مسئلہ۔ ہم نے دیسی طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں سے ایک خاص قسم کا بے اولادی کورس تیار کیا ہے۔ جو آپ کے آنگن میں بھی خوشیوں کے پھول کھلا سکتا ہے۔ آپ کے گھر میں بھی خوبصورت بیٹا پیدا ہو سکتا ہے۔ آج ہی گھر بیٹھے فون پر تمام حالات سے آگاہ کر کے بذریعہ ڈاک وی پی VP بے اولادی کورس منگوائیں۔
المُسلم دارالحکمت رجسٹرڈ (دواخانہ)
ضلع و شہر حافظ آباد۔ پاکستان
0300-6526061
0547-521787
فون اوقات
صبح 9 بجے سے رات 11 بجے تک
آپ ہمیں صرف فون کریں
دوائی آپ تک ہم پہنچائیں گے

www.Paksociety.com

"جی کے علاوہ بھی کچھ بولنا آتا ہے۔"

"جی۔" اور نواز بے اختیار ہنس دیا۔ اس کی ہنسی کی ردھم میں نہاں کو اس کا وجیہہ چہرہ نظر آنے لگا۔

"آپ کا جب دل چاہے، مجھے فون کر سکتی ہیں۔"

"نہیں، نہیں......" وہ گھبرا کر بولی۔

"اچھا اگر آپ مجھے فون نہیں کر سکتیں تو مجھے تو اجازت دیجیے کہ آپ کی آواز سن لیا کروں۔"

"پتا نہیں۔"

"پریشان مت ہوں، میں روزانہ نہیں مگر کبھی کبھی آپ کو فون کر لیا کروں گا کہ رشتہ طے ہونے کے ناتے میرا اتنا تو حق بنتا ہے ناں......" اور نہاں نے فون بند کر دیا کہ وہ ان چند لمحوں میں پسینے پسینے ہو چکی تھی۔ ایسے خمار آلود سے لہجے میں بھلا اس سے کسی نے کہاں ایسی بات کی تھی۔ بستر پر لیٹی تو کتنی ہی دیر تک اس کا دل دھڑکتا رہا اور نیند کہیں دور بھاگ گئی۔

"یہ نواز تو بہت شریر سے ہیں۔" اپنی سوچ پر وہ خود ہی شرما گئی۔ اگلی شب وہ بے خبر سو رہی تھی کہ موبائل کی بپ سن کے حیران ہوئی، گھڑی پر نظر ڈالی تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ دوسری بیل پر جلدی سے کال اوکے کی اور گھبرا کر کانوں سے لگایا۔

"نہاں......" امرت میں ڈوبی نواز کی آواز گونجی۔

"جی۔"

"میں کل تم سے ملنے تمہارے کالج آ جاؤں؟"

"نہیں، نہیں۔"

"اس میں برائی کیا ہے؟"

"پلیز نہیں، یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اچھی لڑکیاں کالج سے سیدھی اپنے گھر جایا کرتی ہیں۔" وہ جھجکتے ہوئے انداز میں بولی۔

"تم کون سا کسی غیر لڑکے کے ساتھ جاؤ گی۔ میں تمہارا منگیتر ہوں، ہماری شادی ہو گی۔"

"پلیز......ایسی بات نہ کہیں، جو میں پوری نہیں کر سکتی۔" نہاں نے لائن کاٹ دی اور نواز حیرت سے اپنے موبائل کو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

"سب ایک سے بڑھ کر ایک کام چور ہیں۔ پیسہ ہر ایک کو چاہیے اور اپنی اوقات سے بڑھ کر چاہیے مگر اب کام کوئی کرنا ہی نہیں چاہتا۔ جس کا خیال کر لو وہ سر پر بیٹھ کر ٹھونگیں مارنے کی فکر میں علیحدہ رہتا ہے۔" سرفراز صاحب اپنے آفس میں بیٹھے بری طرح چلا رہے تھے اور ادھوری فائلیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے۔

"وہ واجد کہاں گیا......اس کو جو کام دیا ہے وہ اس نے اب تک کیا یا نہیں؟" انہوں نے اپنے سیکرٹری سے پوچھا۔

"ابھی تک تو نہیں ہوا۔"

"بلاؤ، اس کو......جو بھوک سے تنگ آ کر خود کشی کر رہا تھا، پیٹ بھر کے کھانے کو مل گیا تو کام کرنا بھول گیا۔ بلاؤ اس کُتے کے بچے کو۔" سیکریٹری باہر گیا اور واجد کو اپنے ساتھ لایا جو سر جھکائے شرمندہ سا ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیا ہوا......؟ میرا کام......اب تک کیوں نہیں کر پائے۔" وہ دہاڑے۔

"سر......بات یہ ہے کہ نہاں بہت ہی شریف لڑکی ہے۔" نواز نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ جس کا اصل نام واجد تھا اور ان دنوں وہ سرفراز صاحب کے لیے کام کر رہا تھا۔

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں

www.Paksociety.com

بے وطن مسافر

بشریٰ گوندل

بہار کے خوشبو بھرے اوائل دنوں کی ایک خوب صورت شام تھی۔ ڈھلتے سورج کی سنہری کرنوں نے گاؤں کی زمین پر اتر کر اس کو سونے جیسا بنا دیا تھا۔ دھند اگرچہ بہت دنوں تک چھائی رہی تھی تو سردی کی شدت بھی برقرار رہی تھی۔ دھند ختم ہوئی تو سردیاں رخصت ہو چکی تھیں نرم اور چمکیلی دھوپ نے جب بدلتے موسم کا سندیسہ دیا تو سردی سے ٹھٹھرے ٹنڈ منڈ درختوں نے نئی پوشاک اوڑھنے میں دیر نہ لگائی۔ برہنہ ٹہنیاں نرم پتوں سے لد گئیں۔

وہ بڑی دیر تک چھت کی منڈیر سے کہنیاں ٹکائے دور تک پھیلے رقبے پر شاداب کھیت کھلیانوں کو اور [illegible] ہوا سے جھومتے پیڑوں کو دیکھتی رہی۔ وہ جس مکان کی چھت پر کھڑی تھی یہ مکان کالونی کا آخری مکان تھا اس کے بعد زرعی زمینوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہ کالونی نئی تعمیر شدہ تھی جو شہر اور دیہات کے سنگم پر تھی۔

جانے پہچانے، کچھ انجانے دیگر مناظر سے ہوتی ہوئی اس کی نگاہ پھر اس کچے مکان پر جا ٹھہری جہاں جاتے ہوئے کچھ روز قبل وہ آدھے رستے سے پلٹ آئی تھی۔ جانے کیوں اس کا دل چاہا وہ ایک بار پھر وہاں جائے۔ کوئی مقناطیسی کشش تھی جو اس کو کھینچ رہی تھی، اس ایک کمرے پر مشتمل کھیتوں کے عین وسط میں کچے مکان کی طرف......اور اسی کشش کے زیرِ اثر وہ فوراً جانے کے ارادے سے سیڑھیاں اتر تو

www.Paksociety.com

آئی مگر جلد ہی کچھ سوچ کر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا کہ عباس کے آنے کا ٹائم ہو رہا تھا اور وہ اسے نہ پا کر یقیناً پریشان ہوں گے کہ ان کا سیل بھی بڑی دیر سے آف تھا۔

عباس ڈسٹرکٹ آفیسر تھے۔ اس گاؤں نما پسماندہ علاقے میں ان کا ٹرانسفر ہوئے ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا۔ سرسبز درختوں میں گھرا یہ خوب صورت سا گھر اسے بہت پسند آیا تھا اور سب سے زیادہ آزادی و من مانی کا احساس اسے سرشار کر رہا تھا کہ سسرال کا ہوا جو ساتھ نہ تھا۔ عباس کی امی کا اگر بس چلتا تو وہ اسے کبھی بھی عباس کے ساتھ نہ آنے دیتیں۔ ان کے پاس سو طرح کے ڈراوے تھے۔

''ہائے اللہ، بچی وہاں اکیلی کیسے رہے گی؟'' بچی جیسے دودھ پیتی بچی تھی۔

''پتا نہیں حالات کیسے ہوں گے؟'' ان کے خیال میں شاید وہ کرفیو زدہ علاقہ تھا۔

''عباس، میرا تو دل ہول رہا ہے، پتا نہیں وہاں کے لوگ کیسے ہوں گے...... انجان علاقے میں قطعی انجانے اور پرائے لوگ......'' پتا نہیں ان کا دل کون سی بات سے ہول رہا تھا۔ انہیں کون سمجھاتا کہ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات انجان، غیر اور پرائے لوگ اپنے ثابت ہوتے ہیں اور قطعی بے ضرر بھی۔

اس کی سسرال اگر عجیب تھی تو سسرالی عجیب تر...... عجیب گھٹا ہوا کنزرویٹو ماحول تھا اس گھر کا۔ لگتا ہی نہ تھا کہ وہ لوگ اکیسویں صدی میں رہ رہے ہیں، دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے اور وہ ابھی تک غاروں کے زمانے میں تھے۔ ترقی کے اس حیرت انگیز تیز رفتار دور میں بھی وہ پچھلی سے پچھلی صدی کے نمونے تھے ذرا جو کسی نے جدید فیشن کے مطابق ڈریس کیا پہن لیا گویا گناہِ عظیم ہو گیا۔

''توبہ توبہ! اس قدر بے پردگی'' کبھی جو آدھی آستین کی شرٹ کسی کی اگر دیکھ لی تو ساس کانوں پر ہاتھ رکھ کے ہٹانا ہی بھول جاتیں۔

''اللہ معاف کرے، میں تو اپنی بیٹیوں کو کبھی اس قسم کا واہیات لباس نہ پہننے دوں۔ لباس بدن ڈھانپنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ جسم کی نمائش کے لیے۔ ایسے لباس کا کیا فائدہ جو تن ڈھانپنے کے بجائے بے حیائی کے زمرے میں آئے۔''

شادی کے بعد پہلی مرتبہ جب وہ عباس کے ساتھ باہر جانے لگی تو اسے ایک بڑی سی چادر تھما دی گئی۔

''یہ اوڑھ لو بہو، اس طرح بندہ شیطان کی میلی اور غلیظ نظروں سے بچ جاتا ہے۔'' وہ جز بز ہو گئی گویا شیطان ایک صرف اسی کو تاڑنے کے لیے فارغ بیٹھا ہے۔ اس نے ایک مدد طلب بے بس سی نظر اس تنبو نما چادر پر ڈالی اور دوسری لاتعلق کھڑے عباس پر۔ اسے عباس کی بے نیازی پر غصہ تو بہت آیا مگر نئی نئی شادی تھی چنانچہ جھجک آڑے آ گئی۔ انتہائی بدمزہ ہو کر اس نے وہ تنبو اوڑھ لیا اور دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے تھام کر چل دی۔ پھر چادر پاؤں سے الجھ کر گر پڑنے کا ڈر اس کے ساتھ ہر جگہ رہا۔ کہاں بھلا اس نے ایسا ماحول دیکھا تھا۔ اس کے سان گمان میں دور دور تک کسی گوشے میں یہ نہیں تھا کہ اس کے سسرالی اس قسم کے ہوں گے۔ وہ کہاں عادی تھی اس دقیانوسی ماحول کی۔

اس کے پاپا ہارٹ سرجن تھے۔ شہر کے مین ایریا میں ان کا پرائیویٹ کلینک تھا اور اس کی ممی ایک معروف این جی او کی چیئر پرسن تھیں، ان کی بے شمار سوشل سرگرمیاں تھیں۔ ان کی فیملی، حلقۂ احباب میں سارے لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ، ماڈرن اور روشن خیال

www.Paksociety.com

ہے اور ایلیٹ کلاس کے لگژری لائف اسٹائل میں اس قسم کی آؤٹ آف فیشن باتیں اب تقریباً قصۂ پارینہ ہو چکی ہیں۔ پھر مریم اس قسم کے ماحول میں اتنی جلدی کیسے ایڈجسٹ ہو پاتی کہ اس کی اپنی فرینڈز جدید فیشن کے ملبوسات میں ہوتیں اور کانونیٹ لب و لہجے میں اچھے اچھوں کے چھکے چھڑا دیا کرتیں۔

ممی تو اس شادی کے سرے سے ہی خلاف تھیں مگر وہ ڈٹ گئی تھی کہ محبت کے ساتھ ساتھ اسے عباس پر پورا بھروسا تھا مگر شادی کے بعد شروع کے چند ماہ سسرال میں گزارنے کے بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ ممی کے اندیشے بے بنیاد نہ تھے۔ وہ لوگ اگرچہ پڑھے لکھے تھے مگر ان کی سوچ، ان کے رویے، رہن سہن، طور طریقے زندگی کے جدید تقاضوں سے نابلد تھے۔ وہ تو شکر ہوا کہ جلدی ہی عباس کے ٹرانسفر آرڈر آ گئے اور وہ عباس کے ساتھ یہاں آ گئی۔ شہر اور گاؤں کے سنگم پر یہ پسماندہ علاقہ ہی سہی وہ شہروں سی رونقیں، ہجوم، ہنگامے نہ سہی وہ چکا چوند، روشنیاں نہ سہی مگر یہاں کوئی تنقید یا روک ٹوک نہ تھی اور عباس تو ویسے بھی اس کی خوشی میں خوش رہتے تھے۔

☆☆☆

دوسری صبح...... عباس آفس چلے گئے اور ملازمہ بھی ضروری کام نمٹا کر جا چکی تھی۔ وہ چونکہ فارغ تھی سو ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔ پی ٹی وی اور نیوز چینل ابھی صرف یہی دو چینل تھے کہ کیبل کنکشن ابھی نہیں لگ سکا تھا۔ چند گھڑی دیکھتے رہنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی مان دونوں بور ترین چینلز کو دیکھنے اور خود کو خواہ مخواہ تھکانے سے بہتر اسے باہر کہیں جانا لگا۔ وہ فوراً دروازے لاک کر کے باہر نکل آئی۔ اس

کے قدم خود بہ خود شاداب لہلہاتے کھیتوں کے بیچ قدرے تنگ سی پگڈنڈی پر چلتے چلے گئے۔ کوئی انجانی سی کشش تھی جو اسے کھینچ رہی تھی۔ جیسے وہ کسی تنویمی عمل کے زیر اثر ہو۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے خود کو لکڑی کے اس بوسیدہ سے گیٹ کے مقابل پایا۔

کل وہ اسی جگہ سے اسی دروازے کے سامنے سے واپس پلٹ گئی تھی۔ آبادی سے کافی فاصلے پر کھڑا کھنڈر نما یہ گھر اسے بہت پُراسرار سا لگا تھا جیسے کوئی روحوں کا مسکن ہو۔ وہاں اس آسیب زدہ کچے مکان کے علاوہ ارد گرد اور کوئی گھر نہ تھا۔ وہ بڑی دیر تک کھڑی گرد و پیش کا جائزہ لیتی رہی۔ آواز سے زندگی کے نشان ملتے ہیں مگر یہاں تو کوئی آواز بھی نہ تھی۔

''کیا خبر یہاں کوئی بھی نہ رہتا ہو...... یا پھر نظر نہ آنے والی کوئی مخلوق؟'' ڈرتے...... جھجکتے اس نے

Monthly Digest
مکتبہ اہلاً و سہلاً
Sole Distributor
SUSPENSE
سسپنس
SARGUZASHT
سرگزشت
PAKEEZA
پاکیزہ
JASOOSI
جاسوسی
ویلکم بک شاپ
WELCOME BOOK SHOP
P.O.Box 27869
Karama, Dubai
Tel: 04-3961016
Fax: 04-3961015
Mobile: 050-6245817
E-mail: welbooks@emirates.net.ae
JD Group of Publications

www.Paksociety.com

ادھ کھلے دروازے کو ذرا سا دھکیلا اور اندر جھانکا تو اس کی سانس قدرے بحال ہوئی۔ اس نے ایک ہی نظر میں اس مختصر سے گھر کا جائزہ لے ڈالا۔ اِدھر اُدھر بکھرے برتن، کچھ چارپائیاں، درخت کے تنے کے ساتھ باندھی گئی رسی پر دھلے ہوئے کپڑے...... گویا زندگی موجود تھی۔

اس نے صحن کی طرف قدم بڑھائے اور مدھم سے کھٹکے کی آواز پر ہی سامنے کمرے سے ایک لڑکی برآمد ہوئی اور چونک کر ماریہ کی سمت دیکھنے لگی۔ اسے آنِ واحد میں شرمندگی کے احساس نے گھیر لیا ایک اجنبی گھر میں وہ بغیر اجازت کے داخل ہو چکی تھی اور یہ ایک اخلاقی غلطی تھی' اسے اور کچھ نہ سوجھا تو بولی۔

''میں اندر آجاؤں؟'' حالانکہ وہ نہ صرف اندر آچکی تھی بلکہ صحن کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ جواب میں مقابل کا ہولے سے سر ہلا۔ وہ اب بھی مسلسل آنکھوں میں حیرت بھرے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں...... میں مریم ہوں، مریم عباس۔'' اس لڑکی کی حیرانی کسی طور ختم ہی نہیں ہو رہی تھی سو اس نے جلدی سے تعارف کرا دیا مگر وہ اب بھی ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہی تھی۔

''اس آبادی میں ہم لوگ چونکہ نئے ہیں تو میں نے سوچا کہ آپ کی طرف ہو آؤں۔ ابھی کچھ ہی دن ہوئے ہیں ہم لوگوں کو ادھر شفٹ ہوئے۔'' دوسرے فریق کی اجنبی خاموشی بھری حیرت کو اگنور کرتے ہوئے اس نے چارپائی سے چیزیں ہٹا کر اپنے لیے بیٹھنے کی جگہ بنالی۔

''تم بھی بیٹھونا......'' مریم نے یوں بیٹھنے کی فرمائش کی جیسے وہی میزبان ہو اور وہ بھی کسی گہرے ٹرانس سے نکلتے ہوئے دوسری چارپائی کی پائنتی پر ٹک گئی۔ وہ کنفیوز ہو رہی تھی اور بے پناہ جھجک کا شکار تھی۔ مریم کی نگاہ اس کے گیلی مٹی سے لتھڑے سفید ہاتھوں سے پھسلتی اس کے چہرے پر ٹھہر گئی۔ مریم نے اپنی زندگی میں ظاہر ہے ایک سے ایک خوب صورت طرحدار لڑکی دیکھی تھی مگر اس لڑکی میں کوئی اور بات تھی کوئی اور بہت ہی خاص بات...... کسی بھی قسم کے بناؤ سنگھار سے مبرّا چہرے پر بہت انوکھی سی چمک بھری کشش تھی۔ مخصوص افغانی لباس یعنی پاؤں کو چھوتا ہوا گھیر دار فراک اور بڑی سی تنبو نما چادر میں لپٹا کسی بھی تصنع اور مصنوعی بناوٹ سے مبرّا وجود۔ اسے تو خود اپنی خوب صورتی کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ پانی سے بھرے پیالے سے ہاتھ دھوتے دیکھ کر مریم نے سوچا تھا۔ اس کی لانبی مخروطی انگلیوں والے ہاتھ جیسے کسی ماہر سنگ تراش کا شاہکار ہوں۔

''تمہارا نام کیا ہے......؟'' مریم نے اجنبیت کا پردہ ہٹانا چاہا۔

''ام...... امارا نام گل مرجانہ ہے۔'' خالص پشتو لہجے میں اس نے اپنا نام بتایا تھا۔ پھر مریم اس سے چھوٹے چھوٹے سوال پوچھنے لگی تو اس کے معصوم چہرے پر پھیلی حیران کن حد تک وحشت میں کمی آتی گئی۔

اس روز مریم کھیتوں کے درمیان کچے مکان میں رہنے والی اس افغان پناہ گزیں لڑکی کے پاس بڑی دیر تک بیٹھی تھی اور جب واپس آئی تو ان دونوں کے مابین اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ اس کی من موہنی صورت کے جاذب نقوش مریم کو بہت اچھے لگے تھے۔ اس کے بعد وہ دن کا بیشتر وقت وہیں گزارتی۔ جب بھی فارغ ہوتی یا بور ہو رہی ہوتی اس ایک کمرے پر مشتمل مٹی سے اٹھائی گئی کچی دیواروں والے گھر میں افغانی لڑکی کے پاس چلی آتی۔

☆☆☆

''اس گھر میں تم کون کون لوگ رہتے ہو؟'' مریم نے سوال کیا۔ وہ اسے گھر میں ہمیشہ اکیلی ہی ملتی تھی۔

''ام...... امارا گھر والا اور اس کا چوٹا بھائی۔'' ...ولی۔ پھر اس نے مریم کو بتایا کہ نائن الیون وار کے بعد اس کے گھر کا کوئی فرد بھی زندہ نہ بچ سکا تھا سو ...ی افغان مہاجرین قافلے کے ساتھ پاکستان ...ل۔ عبداللہ کا بھی اس کے چھوٹے بھائی کے علاوہ ...ل زندہ نہ بچا تھا۔ ابھی کچھ عرصے پہلے ہی ان ...وں کا نکاح ہوا ہے تو وہ مہاجرین کیمپ سے اس ...شفٹ ہو گئے۔ اس کا شوہر پھیری کا کام تو کبھی ...وری کرتا تھا جبکہ اس کا چھوٹا بھائی پڑھ رہا تھا۔

''تو گزارہ ہو جاتا ہے؟'' مریم نے کچی ...واروں سے لپٹی اور گھر کے کونے کھدروں میں ...ربت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آں...... اللہ کا بڑا مہربانی ہے، بڑا شکر ...'' اس نے بے ساختہ شکر کے کلمات ادا کیے اور ... نے اس کے چہرے پر پھیلی طمانیت بھری ...گی کو غور سے دیکھا۔

''سنو......!'' ایک دن مریم نے اس کے ...ے میلے زمین کو تقریباً چھوتے...... گھاگرے کو ...تے ہوئے پوچھا۔ ''تم اس لباس میں ان ایزی ...یں کرتی ہو کیا؟''

''جی۔'' اس نے کسی قدر تابعداری سے سر ہلا... شاید اسے سوال کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ اسے اکثر ...شواری کا سامنا رہتا تھا یا تو وہ مریم کی بات سمجھ نہ ...کسی بات کا جواب دینا ہوتا تو بڑی دیر تک اپنے ...ے ہاتھوں پر نگاہ جمائے خاموش رہتی جیسے دل ...لفظوں کو جوڑ توڑ رہی ہو اور اس لمحے مریم کو اس ...کے چہرے پر پھیلی معصومیت بہت بھلی لگتی۔

پیارے ابو جی

اسلام آباد کا حسین شہر
اداس ہے
گلیاں چپ چاپ ہیں
درخت ساکت، باغ خاموش
یہ سب ایسا ہی ہے یا مجھے لگ رہا ہے؟
وہ مہربان چہرہ
شفیق ہاتھ
روشن آنکھیں
اب کبھی نہ دیکھ پاؤں گی
کہ پیارے ابو جی نے
اس شہر کو اپنی آخری آرام گاہ بنالیا
اے میرے میکے
میرے اسلام آباد
تو سدا آباد رہے

شاعرہ، طلعت جبیں نیاز، کراچی

☆☆☆

''گل مرجانہ!'' مریم نے دروازے سے ہی اسے آواز دی۔ وہ جھونپڑی جو بطور کچن استعمال ہوتی تھی اس میں سے برتنوں کی کھٹ پٹ کی آواز آرہی تھی۔ صحن میں بندھی بکری نے میں میں کر کے مریم کا استقبال کیا۔ ہاتھ میں پکڑا شاپر چارپائی پر رکھ کر وہ بکری کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر کے بعد ... جانہ چادر کے پلّو سے ہاتھ صاف کرتی کچن ...مد ہوئی تو وہ بھی اس کی طرف پلٹ آئی۔

''وہ باجی ام برتن دھو رہا تھا۔'' اس نے اپنی مصروفیت بتائی۔

''اُف! ایک تو اتنے سالوں سے یہ افغانی لوگ اپنی گرامر درست نہیں کر سکے۔ مذکر اور مؤنث کی تو ایسی کم تیسی کر دیتے ہیں۔''

''یہ میں تمہارے لیے جوڑے لائی تھی، دیکھ لو۔ انیس بیس کے فرق سے تمہارا اور میرا ناپ تقریباً ایک ہی ہوگا، یہ تم رکھ لو۔ اس ویک اینڈ پر میں نے شہر جانا ہے تمہارے لیے اور لاؤں گی فی الحال تو انہی سے گزارہ کرو۔'' شاپر سے کپڑے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مریم نے کہا۔ وہ اس کے لیے تین چار جوڑے لائی تھی گو کہ وہ بالکل نئے نکور نہ تھے سب ایک آدھ مرتبہ پہنے ہوئے تھے مگر اسے یقین تھا کہ گل مرجانہ لینے سے انکار نہیں کرے گی۔ ویسے بھی مریم کو اس کے پاؤں کو چھوتا گھاگرا اور کئی گز پیوند لگی جسم کے گرد لپٹی چادر سے الجھن ہوتی۔

''امارے واسطے؟'' سرسراتی آواز بدقت تمام اس کے ہونٹوں سے نکلی تھی۔

''ہاں نا......!'' مریم نے سر اٹھا کر اس کے پیلے زرد ہوتے چہرے کو حیرت سے دیکھا۔

''نہیں...... یہ ام نہیں لے گا۔'' اس کے واضح اور دوٹوک انکار سے مریم کا سارا جوش و خروش جاتا رہا۔

''لیکن کیوں گل مرجانہ......؟'' مریم نے مدھم لہجے میں پوچھا تھا۔ مریم کے دل کو احساسِ ندامت نے گھیر لیا۔

''شاید اترن نہیں لینا چاہتی ہے، مجھے پہلے اس سے بات کر لینا چاہیے تھی میں ہی جوش میں آگئی۔''

''ام اس طرح کے کپڑے نہیں پہن سکتا۔''

''ٹھیک ہے گل اگر تم یہ نہیں لینا چاہتی ہو تو میں تمہیں نئے جوڑے لا دوں گی۔'' مریم نے شرمندگی سے کہا۔

''آپ...... باجی آپ امارا بات نہیں سمجھی امارا مرد ام کو اس طرح کی لباس پہننے کی اجازت نہیں دیتی۔''

''اف...... پھر گرامر کی غلطی۔''

''ارے واہ...... تمہارا مرد کیوں نہیں دیتا۔'' مریم کو طیش آگیا۔ اس کے اندر کی سوشل ورکر بھڑک اٹھی۔

''تم جس طرح کا مرضی لباس زیب تن کرو تمہارا حق ہے گل۔ تمہیں کوئی نہیں روک سکتا، نہ مجبور کر سکتا ہے مائی فٹ...... یہ اچھی زبردستی تمہارا مرد تمہیں گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتا۔ کہیں آنے جانے پر پابندی ہے، یہ تنبو اوڑھ کے سارا دن تم اونچی سانس روکتی دیواروں میں قید رہتی ہو، میل شاوِنزم کا شکار مرد......!'' وہ ناسمجھی سے مریم کے غصے سے دہکتے چہرے کو دیکھتی رہی۔

''آپ کو نہیں پتا مریم باجی......'' یہ کہتے ہی آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے تو مریم چونک کر اسے دیکھا۔

پھر مریم سن رہی تھی سکتے کی کیفیت میں اور وہ اپنی کہانی آنسوؤں کی روشنائی سے لکھ رہی تھی۔

''قندھار میں امارا بڑا خوب صورت گھر تھا۔ بڑا پیارا اور کھلے دالانوں والا گھر۔ امارے سیب اور اخروٹ کے باغات تھے۔ امارا قبیلہ پورے قندھار میں مشہور تھا۔ اونچا چوبارہ دور سے دکھتا تھا۔ امارا بہن بھائی...... ماں باپ سب اکٹھا رہتے تھے۔ ام سمجھتا تھا کہ یہی رُت رہے گا مگر کافروں نے ہمارا شہر پر آگ برسا دی۔ امارے گھروں کو کھنڈر کر دیا، سب کچھ جلا دیا صرف راکھ رہ گیا اور وہ راکھ اب قندھار کے اجڑنے پر بین کرتی ہے۔ امارے سارا لوگ...... بہن بھائی، ماں باپ سب ختم ہو گئے۔ باغ اجڑ گئے، چوبارے کھنڈر ہو گئے اور سب کچھ بن راکھ کا ڈھیر۔'' ایک دکھ بھری سسکاری نے اس کے خشک ہوتے لبوں کو چھوا تو مریم کو بھی اپنے رخساروں پر گرم گرم پانی بہتا محسوس ہوا۔ قدرے توقف کے بعد وہ بولی۔

''مریم باجی! ام کو یہ بات نہیں بھولتا کہ امارے قدموں تلے زمین کا ٹکڑا امارے وطن کا نہیں ہے۔ امارا وطن، امارا گھربار، امارے لوگ ام کو نہیں بھولتے۔ امارا مرد کہتا ہے وطن تو ام سے چھوٹ گیا پر اپنا لباس تو نہیں چھوڑ سکتے نا۔ یہ لباس تو امارا پہچان ہے۔ ام نے تمہارے وطن میں پناہ تو لے لیا، تمہارا لباس نہیں پہن سکتا۔'' وطن کی جدائی اور اپنوں کی یاد آنسوؤں کی صورت غیروں کی زمین کو بھگو رہی تھی۔

بڑی دیر تک سوگوار سی دکھ بھری خاموشی ان دونوں کے درمیان رہی۔ بس سرگوشیاں کرتی بدلتے موسم کی اور گھروں کو لوٹنے کی خوشی سے سرشار پرندوں کا شور تھا۔

''اپنا وطن، اپنا دیس، اپنا گھر، اپنا ٹھکانا تو پرندوں کو بھی نہیں بھولتا یہ تو پھر انسان ہیں کس طرح بھول سکتے ہیں، مریم نے بچھڑی ہوئی محبت کی یاد میں روتی ہوئی اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ تبھی ایک بے حد عجیب سی بات ہوئی یا مریم عباس جیسی لڑکی کے لیے تو وہ بات بہت عجیب تھی۔ اس لکڑی کے بوسیدہ دیمک خوردہ و بوسیدہ دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی تو گل مرجانہ نے مڑ کر دیکھا اور فوراً اپنی چادر سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ دروازے سے اندر داخل ہونے والا سترہ، اٹھارہ برس کا نوجوان تھا ایک ہاتھ میں تھیلا تھامے وہ انتہائی سرعت سے کمرے میں داخل ہو گیا۔

''یہ کون تھا؟'' مریم نے پوچھا۔

''یہ امارا گھر والا کا چوٹا بھائی ہے۔'' اس نے چادر کے نقاب میں سے جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

''تو...... تو تمہارا دیور ہوا نا...... پھر تم نے ابھی پردہ کیوں کر لیا تھا؟'' مریم کو حیرت سی ہوئی تھی، اسے اب بھی اس کی حرکت سمجھ نہ آئی تھی۔

''وہ ام اس سے پردہ کرتا ہے نا۔'' اس نے بتایا تو مریم اس کے پُرسکون لہجے میں دی گئی اطلاع پر تقریباً اچھل پڑی۔

''کیا مطلب، پردہ...... یعنی کہ تم سارا وقت اس طرح سے چھُپن چھُپائی، او مائی گاڈ......!''

''ہاں، وہ ہمارے واسطے غیر محرم ہے نا۔ امارا مرد کہتا ہے کہ غیر محرم سے پردہ واجب ہے اور اس طرح بندہ شیطان کے بہکاوے سے محفوظ رہتا ہے۔'' اس کی بے حد سادگی سے کی گئی بات نے مریم کی روح تک کو جھنجوڑ دیا۔ ہوتا ہے نا ایسا انسان کی زندگی میں بعض اوقات فقط ایک معمولی سا جھٹکا اس کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ مریم نے بے حد حیرت سے بڑی دیر تک اس سادہ و معصوم، خدا کی رضا پر راضی و شاکر اور خدا کے بعد اپنے گھر والے کے احکامات کو دل سے قبول کر لینے والی افغانی لڑکی کو دیکھا جو پرائی زمین پر نہ صرف اپنے وطن کے رسم و رواج اور زبان و لباس کی امین تھی بلکہ مذہبی احکامات پر بھی سختی سے کاربند تھی۔ بے شک ایسے لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

مریم نے آہستگی سے جھک کر اس کے آنسوؤں سے بھیگے نرم ہاتھوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔

www.Paksociety.com

www.paksociety.com

آخری قسط

ایک تھی نیناں

راحت وفا

کچھ کھٹی سی، کچھ میٹھی سی... کبھی شعلہ سی... کبھی شبنم سی... تھوڑی بھولی سی... تھوڑی نادان سی... محبت، نفرت اور اعتبار کے تکون میں سرگرداں... رشتوں کے ٹکراؤ اور الجھاؤ کی داستان... جس میں بھول اور نادانی کی کسک اور گناہِ بے لذت کی حقیقت کا اسرار ہر قدم پر کچوکے لگاتا ہے۔

ایک نابغۂ روزگار، پرتجسس، نفسیاتی اور رومانوی ناول جو آپ کو اپنے سحر میں جکڑ لے گا

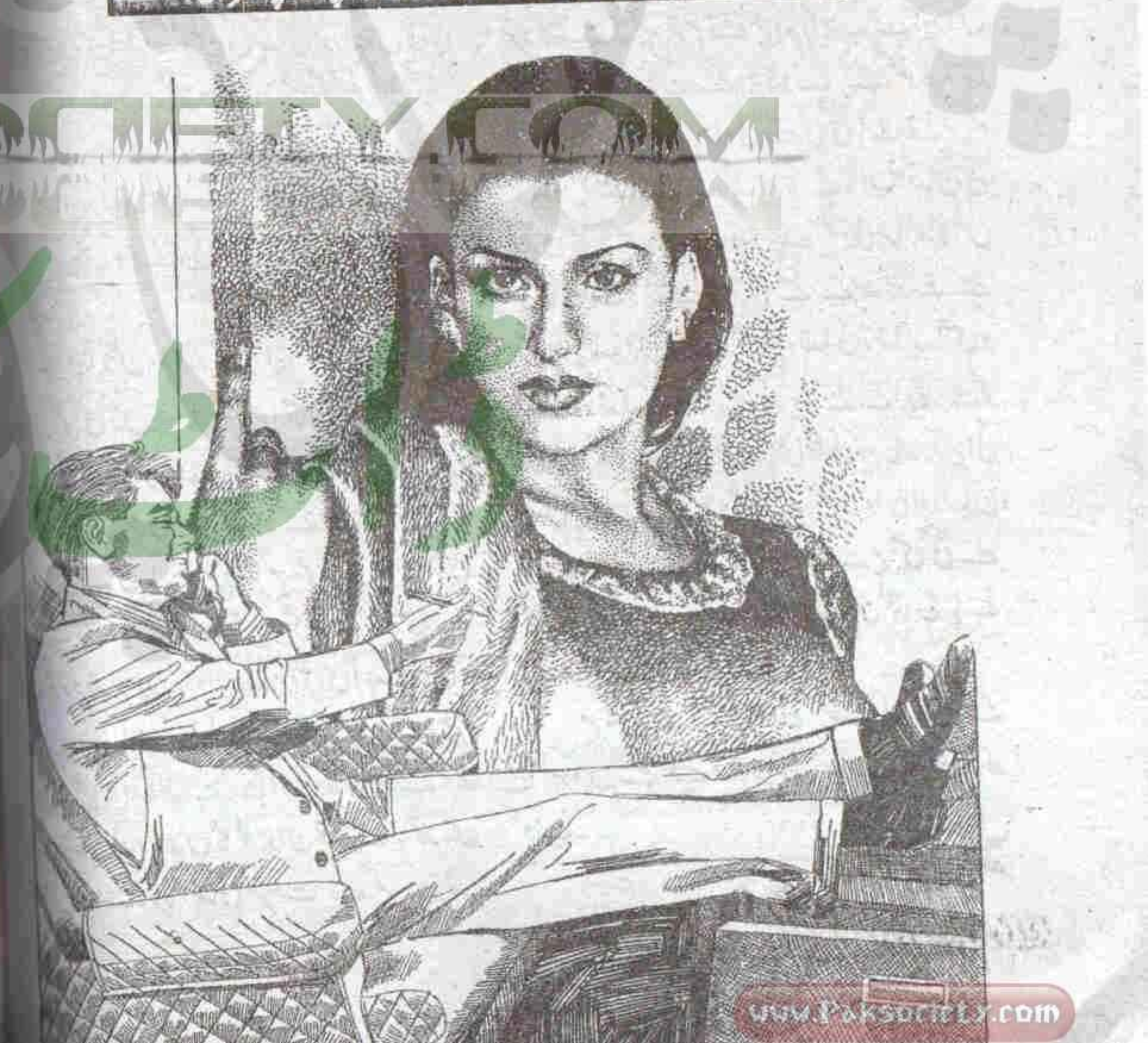

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.Paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

خان جی کی اکلوتی لاڈلی بیٹی ڈاکٹر مہ جبیں کو لاکھ خواہش اور فرمائش کے باوجود نہ ملازمت کی اجازت ملی اور نہ ذاتی کلینک اسپتال بنانے کی اجازت ملی۔ راجا صاحب متوسط طبقے کے بیروزگار نوجوان تھے۔ خان صاحب نے جانے کیا سوچ کر اکلوتی بیٹی سے بیاہ دی ڈاکٹر مہ جبیں کو راجا صاحب نے میٹھی زبان سے رام کیا ان کی خواہش پر بنگلے کے وسیع کشادہ لان میں چھوٹا سا اسپتال کلینک بنا دیا یوں مہ جبیں کی خواہش کو راجا صاحب نے ناجائز کمائی کا ذریعہ بنا دیا۔ مہ جبیں کے والدین اور سکھاں کے والدین آبائی علاقے میں خان جی کے سوتیلے بھائی کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ طلال ایک ضدی، ہٹ دھرم نوجوان تھا۔ ریحان اختر امیر کبیر گھرانے کی رابعہ سے محبت کی شادی کی، اس سے بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام نیناں رکھا گیا۔ طلال کی نیناں پر نظر تھی جبکہ رابعہ کی بڑی بہن عارفہ کا اکلوتا بیٹا رمان احمر جو کہ ملٹی نیشنل کمپنی میں ریجنل منیجر ہے وہ اور نیناں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں مگر رمان کی بہن کی بیٹی دعا فاطمہ، رمان سے جنون کی حد تک عشق کرتی ہے لیکن وہ اسے صرف دوست سمجھتا ہے۔ عارفہ، رابعہ ان کی دادی زیتون بیگم بارہا اس موضوع پر بات کر چکی ہیں۔ عارفہ کو نیناں پیاری ہے تو دعا بھی عزیز ہے مگر رمان نہیں مانتا۔ نیناں کی سہیلی مدیحہ جو کہ اس کی کالج فیلو ہے اس کا تعلق غریب گھرانے سے اس کے گھر میں بڑا بھائی زلفی، اماں اکبری اور پھپھو موجود ہیں پھپھو کو وہ آپا کہتے ہیں آپا زندگی سنگین حادثے کا شکار ہے اس لیے مدیحہ اور زلفی ان سے بہت پیار کرتے ہیں۔ آپا مدیحہ کو امیر سہیلی سے دور رہنے کی تاکید کرتی ہیں، سبحان رابعہ کے بہترین دوست ہیں مگر ان سے انہوں نے محبت نہیں کی جبکہ سبحان نے اپنی پیاری دوست کے بعد نہ شادی کی اپنے تایا ابا کی بات مانی۔ بیرون ملک ملازمت کر لی اب وہ واپس آئے ہیں یہاں سے سب کچھ وائنڈ اپ کر کے باہر ہی مستقل سیٹل ہونے کے لیے...... جس پر تایا ابا راضی نہیں ان کے خیال میں سبحان کو سعدیہ سے شادی کر لینی چاہیے۔ جس کے لیے وہ راضی نہیں کہانی میں نیا موڑ آیا ہے کہ رابعہ کی ملاقات میڈیکل اسٹور پر سیلز مین ذوالفقار سے ہوئی ہے۔ رابعہ نے اس ہمدردی کی بات مان لی رابعہ میں آنے والی خوش آئند تبدیلی سے نیناں بوا بہت خوش ہیں۔ ریحان اور طلال متحیر ہیں۔ طلال کی اور نیناں کی تلخ کلامی ہوتی ہے۔ طلال، نیناں پر ہاتھ اٹھا لیتا ہے جس پر رابعہ بہت غصہ ہوتی ہیں اور ایمان اختر کو بتاتی ہیں لیکن ایمان اختر کوئی رسپانس نہیں دیتے۔ رابعہ کی ذوالفقار سے اچھی دوستی ہو جاتی ہے جس پر ریحان اختر جیلس ہوتے ہیں۔ رمان، رابعہ کے کہنے پر نیناں کو مدیحہ کے گھر لے کر جاتا ہے بائیک پر جو دعا کو اچھا نہیں لگتا۔ ریحان اختر، رمان کو آفس ملنے کے لیے بلاتے ہیں تو وہ آنے کا وعدہ کرتا ہے۔ ایک ایگزی بیشن میں رابعہ کی ملاقات سبحان سے ہوتی ہے تو سبحان رابعہ کو پہلے والے انداز میں دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ رشتہ کرانے والی کے مشورے پر اکبری بیگم، ذوالفقار سے گھر تبدیل کرنے کو کہتی ہیں۔ طلال اور ریحان اختر چاہتے ہیں کہ نیناں آفس جوائن کرے لیکن وہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہے۔ نیناں رمان کو فون کرتی ہے لیکن دعا اس سے بات نہیں کراتی۔ ریحان اختر، رمان کو اپنے ساتھ بزنس میں شامل کرنا چاہتے ہیں لیکن رمان راضی نہیں ہوتا۔ ذوالفقار اپنے گھر تبدیل کرنے کے لیے کوشش کر رہا ہے، سبحان اپنا گھر بیچ کر بڑے ابا کو بھی اپنے ساتھ لے کر جا رہے ہیں۔ ریحان اختر کلینک توڑ دیتے ہیں، جو بوا کو اچھا نہیں لگتا۔ زیتون بیگم کا انتقال ہو جاتا ہے۔ رابعہ ذوالفقار کو چیک دیتی ہے لیکن وہ کیش نہیں ہوتا۔ نیناں کا نام ریحان اختر نے اپنی پہلی بیوی اور محبت کے نام پر رکھا ہے یہ بات رابعہ کو معلوم ہوتی ہے تو وہ بوا پر بہت غصہ کرتی ہیں۔ رابعہ، ذوالفقار سے ملتی ہیں لیکن وہ ملنے کرنے سے معذوری ظاہر کر دیتی ہیں دعا کے لیے رشتہ آتا ہے اور وہ لوگ دعا کو پسند کر لیتے ہیں لیکن دعا رمان کو بھلا نہیں پا رہی۔ رابعہ، سبحان اور ان کے تایا ابا کو باہر جانے سے روک دیتی ہیں۔ ریحان اختر رابعہ کو بتاتے ہیں کہ نیناں جل کر مر گئی لیکن رابعہ کے دل سے وہ نہیں نکلتی اور وہ ریحان اختر کو معاف نہیں کرتیں۔ اکبری بیگم اور آپا مدیحہ کو سمجھاتی ہیں۔ رابعہ جب عارفہ کو ریحان کی کہانی سناتی ہیں تو وہ متحیر رہ جاتی ہیں، بوا طلال کو بتاتی ہیں کہ وہ وسیمہ کا بیٹا نہیں ہے لیکن اس کی ماں کا نہیں بتاتیں اور ان کا انتقال ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیں)

"ریحان! جب میں مر جاؤں تو مجھے آزاد کر دینا، میں نے بی بی سے وعدہ لیا تھا کہ سب سانسیں فرض کرنے کے بعد میری مٹی میرے گاؤں بھیج دینا۔" بوا کی آواز انہیں کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔ میت کو رخصت کر کے اس خواہش کو پورا کر کے وہ پُرسکون ہو گئے تھے۔

برسوں پرانا ساتھی رخصت کیا ہوا، سارے گھر میں ہُو کا عالم تھا۔ ہر شے اپنی محسنہ کا سوگ منا رہی تھی۔ نیناں کی سسکیاں بوا کے کمرے سے باہر آ رہی تھیں۔ ریحان اختر بے کل سے ہو کر خاموش بیٹھی رابعہ اور عارفہ کو دیکھنے لگے۔ رابعہ نے مطلب سمجھ کر نیناں کے پاس جانے کا ارادہ کیا مگر عارفہ نے روک دیا۔

"رو لینے دو... بہت محبت کا رشتہ رخصت ہوا ہے۔"

"مگر مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" ریحان اختر بولے۔

"بجا ہے لیکن اگر اسے روکا گیا تو زیادہ صدمہ محسوس کرے گی۔" عارفہ بیگم نے تائید کی۔

"ابھی کچھ دیر میں رمان تدفین کرا کے آئے گا تو ہم چلے جائیں گے۔" رابعہ نے بڑے سلیقے سے دل کی بات کہی تو وہ فوراً بولے۔

"کہاں...؟"

"اپنے گھر۔"

"اور یہ... یہ گھر..." وہ ہکلائے۔

"یہ آپ کا گھر ہے، آپ کی پہلی بیوی کا گھر ہے۔"

"دراصل نیناں کے دل بہلانے کی وجہ سے کہہ رہی ہیں۔" عارفہ بیگم نے جلدی سے مداخلت کی۔

"ابھی تک یقین نہیں آیا کہ وہ مر چکی ہے۔" انہوں نے گویا یاد دلایا۔

"تو میں بھی مر چکی ہوں۔" وہ بولیں۔

"میں بحث نہیں کر سکتا۔" وہ سر تھام کر رہ گئے۔ عارفہ بیگم نے موقع کی مناسبت سے وہاں سے اٹھ کر جانا مناسب سمجھا تاکہ وہ کھل کر بات کر سکیں۔

"ریحان! بحث کی کوئی گنجائش ہے بھی نہیں۔" وہ بڑے سرد لہجے میں بولیں۔

"رابعہ! میں مانتا ہوں کہ مجھ سے زیادتی ہوئی ہے۔ میں نے بہت دھوکا دیا ہے مگر اب میں تنہا ہوں، بوا بھی مجھے چھوڑ گئیں۔"

"مجھے افسوس ہے بوا کے جانے کا۔ آپ کے گناہوں کی راز داں آپ کو چھوڑ گئیں، جاننے والوں کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ہمیں تنہا رہنے کی عادت ہے۔" بڑا گہرا طنز تھا ان کے طویل جملے میں۔

"وہ وفاداری کا قرض اتار کر گئی ہیں۔" انہوں نے بوا کی وکالت کی۔

"آپ کے لیے انہوں نے قرض اتارے یا چڑھائے مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں، یہ ان کا اور آپ کا گھناؤنا جرم ہے جو میں معاف نہیں کر سکتی۔" وہ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کر جانے لگیں۔

"سچ کہتے ہیں لوگ عورت بہت ضدی ہوتی ہے۔" وہ کچھ تلخ ہو گئے۔

"نہیں، عورت خوددار ہوتی ہے... مرد کی ضد اور جبر کے خلاف لڑتی ہے، یہ تو آپ کو بخوبی اندازہ ہو چکا ہے۔"

www.Paksociety.com

”کس بات کا اندازہ؟“

”وہ عورت جو آپ کی ہوس کا شکار نہ ہوئی، پہلے کنوئیں میں کودی اور پھر آپ کی نظروں کے سامنے مری۔“ رابعہ نے زہر میں بجھے لہجے میں تیر چلائے تو وہ سلگ اٹھے۔

”وہ میری جائز بیوی تھی، میں گناہ نہیں کر رہا تھا۔“

”کسی کی مرضی کے بغیر کیے جانے والے عمل کو گناہ ہی کہتے ہیں۔ جس عورت کو پچیس تیس ہزار میں خرید کر زبردستی جائز بنانے کے لیے نکاح کا ڈھونگ رچایا جائے اسے گناہ ہی کہتے ہیں۔“ وہ یہ جملے انتہائی چبا چبا کر بولیں تو وہ لاجواب ہو گئے۔

”میں نے اس سے جنون کی حد تک عشق کیا ہے۔“

”کرتے رہیں، وہ آپ کے عشق کی نذر ہو گئی ہے۔“ وہ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کر نیناں اور عارفہ آپا کے پاس چلی گئیں۔ وہ طویل سرد آہ بھر کے رہ گئے۔ ذہن میں نیناں کا ماہتابی چہرہ کوندا اور پھر جھلس گیا۔ کرب ناک کیفیت میں انہوں نے اپنا نچلا ہونٹ چبا لیا۔

☆☆☆

چائے کی چسکی لینے کے بعد اس نے ایک دم بلال کی طرف دیکھا اور طویل خاموشی کا قفل ٹوٹا۔

”یار! کچھ بھی ہے، تمہیں اچھی پُرآسائش زندگی راجا صاحب کے گھر میں ہی ملی ہے، یوں تم گھر کیوں چھوڑو؟“ بلال نے کہا۔

”کمال کرتے ہو... جو گھر میرا نہیں، میرے لیے یتیم خانہ ہے اسے چھوڑے بغیر گزارہ نہیں۔“ چائے کی دو چسکیاں لینے کے بعد اس نے جواب دیا۔

”کیا انہوں نے تمہیں نکل جانے کو کہا؟“ بلال نے پوچھا۔

”نہیں... لیکن رہنے کا بھی نہیں کہا، اس خرانٹ نوکرانی کے بتانے کا مطلب ہی یہی تھا۔“ میٹھی چائے کی آخری چسکی کے بعد بھی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

”اچھا ہوا وہ بتا کر مری ہے، ورنہ تمہیں کبھی پتا نہ چلتا۔“

”اونہہ، کیا بتایا... کون ہے میری ماں؟ کہاں تلاش کروں انہیں؟“

”بیکار کی باتوں پر دھیان دینے سے فائدہ، یار! تم فی الحال راجا ریحان اختر کی دولت اور اکلوتی بیٹی کو فوکس میں رکھو، یہ بعد کی باتیں ہیں بلکہ راجا صاحب کو یقین دلاؤ کہ تم ان کے ساتھ مخلص ہو۔“ بلال نے خاصی عیاری کا مظاہرہ کیا۔

”اونہہ، وہ بھلا کیوں مجھے مخلص سمجھے گا جو میرا کچھ بھی نہیں اور اپنی بیٹی کے لیے کیوں وہ مجھے قبول کرے گا؟“ وہ تلخی سے ہنسا۔

”یار! تم ہوشیاری سے کام لو، گھر جاؤ ان کے تاثرات دیکھو پھر مناسب موقع دیکھ کر نیناں کی بات کرو۔“

”تم نادان ہو، ریحان اختر کو نہیں جانتے۔“

”پہلے سے ہی ہتھیار پھینک دیے۔“

”وہ بڑھیا مر چکی ہے وہاں شیرازہ ہی بکھر گیا ہے، مامی اور نیناں وہاں ہیں نہیں، وہاں سے کیا ملنا ہے؟“

”تمہارے خیال میں وہ بڑی بی کے مرنے کی خبر سن کر بھی نہیں آئی ہوں گی؟“ بلال نے پوچھا۔

”آئی ہیں.... میں نے گارڈ سے فون پر پوچھا ہے مگر اب تک چلی گئی ہوں گی، ریحان اختر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”تو یار! تمہیں ان کے پاس ہونا چاہیے، ریحان اختر کو اس وقت تمہاری ضرورت ہے۔“ بلال نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

”میری مانو تو جاؤ ان سے ملو، سوچو کتنی دولت ہے۔ وہ مر گئے تو کون قابض ہو گا؟“ بلال کا ذہن منفی انداز میں بہت تیزی سے سوچتا تھا، اس نے طلال کو بالآخر اپنا ہم خیال بنا ہی لیا۔

”اور اگر انہوں نے لفٹ نہ کرائی تو؟“

”تو بھی تمہیں تسخیر کرنا ہے۔“

”اور میری ماں؟“

”خود ہی تو کہہ رہے ہو کہ بڑھیا نے اور کچھ نہیں بتایا۔ بس صبر کر لو۔“

”نہیں یار! ماں کا تصور ہی مجھے بے قرار کر رہا ہے۔“ وہ حد درجہ بے قرار ہو کر ٹہلنے لگا۔

”مل جائے گی ماں بھی، فی الحال تم گھر جاؤ، حالات اپنے کنٹرول میں کرو، آفس کے معمولات میں پہلے کی طرح دلچسپی لو۔“

”ابھی کچھ سوچنے دو۔“ وہ مضطرب سا تھا۔

”ٹھیک ہے سوچو... مگر جلد واپسی کا فیصلہ کرو۔“ بلال نے اٹھتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”ویسے میرا باپ کس قدر گھٹیا شخص تھا، مجھے گھن آ رہی ہے خود سے، یہ اس کے خون کا اثر ہے کہ میں نے ... برے رستے پر سفر کیا۔“ وہ عجیب سی تبدیلی سے گزر رہا تھا۔ بلال کو حیرت ہوئی۔

”مطلب؟“

”یار! بس اب میں وہاں نہیں جا سکتا اور مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے، باپ کے خون کا اثر دیکھ لیا، اب ماں کے دودھ کی تاثیر دیکھنا چاہتا ہوں۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں پلٹ کر بولا۔

”یعنی نہیں جانا۔“

”ہاں، جاؤں گا، شکریہ ادا کرنے کے لیے، یہ بتانے کے لیے کہ میری ماں کے دودھ کا اثر یہ ہے۔“

”چلو جیسی تمہاری مرضی۔“

”اور پھر میں اپنی ماں کو تلاش کروں گا۔“ وہ پُرسکون سا ہو کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

”او کے، آرام کرو۔ کھانے پر ملاقات ہو گی۔“ بلال نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ طلال اس کے ہاں مقیم تھا۔ پورے شہر میں سب سے زیادہ عزیز بلال ہی تھا اسی لیے وہ سیدھا اس کے پاس ہی آیا تھا۔ اس کی اضطرابی حالت دیکھ کر بلال کو خاصا تعجب ہوا تھا مگر کچھ دیر بعد اس سے اصل بات پوچھنے کی جسارت کی تھی، اور اس کی جلالی فطرت کا سامنا اس وقت مناسب نہیں تھا۔ لہٰذا رات گزرنے کے بعد، ناشتا اس کے سامنے

www.Paksociety.com

رکھنے کے بعد بھی خاموشی رکھی تھی، اس نے ناشتے سے انکار کر دیا تھا، صرف چائے بنائی، دھیرے دھیر... سب کچھ بتایا اور پھر خاموشی اختیار کر لی تھی... جو کچھ دیر بعد ختم ہوئی۔

☆☆☆

مہیب..... سناٹے میں گہرا سوگ اور اداسی کا احساس بے کل کر رہا تھا، نیناں نے بوا کے غم کو بہت شد... سے محسوس کیا تھا۔ رابعہ اور عارفہ ٹی وی لاؤنج میں دھیرے دھیرے باتیں کر رہی تھیں۔ ریحان اختر کے آفس کے لوگ افسوس کے لیے آئے ہوئے تھے۔ رمان بھی کچھ دیر ان کے درمیان بیٹھا اور پھر اندر آ گیا... نے کھانا لگانے کی اجازت مانگی تو رابعہ بولیں۔

''فیضو! کچھ کھانے کی طلب نہیں ہو رہی، بس چائے بنا دو۔'' فیضو چلا گیا۔

''رابی خالہ! کچھ کھالیں، نیناں کو بھی کھلائیں۔'' رمان نے مداخلت کی۔

''رمان ٹھیک کہہ رہا ہے، صبح سے کچھ نہیں کھایا۔'' عارفہ نے بیٹے کی تائید کی۔

''آپا! بے شک میت اس گھر سے دور پہنچادی گئی مگر افسوس اور اداسی تو موجود ہے۔'' رابعہ نے مدھم لہجے میں ک...

''وہ تو رہنا چاہیے، اتنی پرانی ملازمہ کو کس قدر سرد مہری کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔ یہ کمال بھی میری گناہ گار نے پہلی بار ہی دیکھا ہے۔'' رمان کے لہجے میں یاسیت، حیرت دونوں کی آمیزش تھی۔

''ملازمہ نے وفاداری کا فرض تو پورا کر دیا، ریحان اختر نے وہی کیا جو اُن کا ظرف ہے۔'' رابعہ نے طنزیہ کہا۔

''چھوڑو، کیا ضرورت ہے بیکار باتوں کی۔'' نیناں کو آتا دیکھ کر عارفہ بیگم نے کہا۔

''اُونہہ! مجھے بوا کی وفاداری پر افسوس ہو رہا ہے کس، کس کے لیے کیا، کیا کرتی رہیں۔'' رابعہ... خاصی ناگواری کا اظہار کیا۔

''اچھا چھوڑیں، اب اٹھیں آپ نیناں کے ساتھ کھانا کھائیں اور ہمیں اجازت دیں۔'' رمان نے دیکھ... تھا کہ ریحان اختر ڈرائنگ روم سے سب کو رخصت کر چکے تھے اب یقیناً انہوں نے اس طرف ہی آنا تھا۔

''رمان! مجھے کچھ نہیں کھانا، نیناں کو کچھ کھلا دو اور ہم نے بھی ساتھ چلنا ہے۔'' رابعہ اٹھ کر اپنا ہینڈ بیگ لینے کے لیے کمرے میں چلی گئیں۔ ریحان اختر اسی طرف آئے۔ نیناں انہیں دیکھ کر واپس بوا کے کمرے میں بند ہو گئی۔ رمان بے تاب ہوا لیکن ضبط کر گیا۔

''ریحان انکل! اب ہمیں اجازت دیجیے۔'' وہ ان سے مخاطب ہوا۔

''رمان! آپ بھی جانا چاہتے ہو، اس ویرانے کو دیکھ کر؟'' انہوں نے رنجیدگی سے کہا۔

''وہ بس مجھے تو آپ کے حکم کے مطابق آنا ہی نہیں تھا مگر موقع غمی کا تھا۔ اب مزید رکنے کا کوئی جواز نہیں۔'' وہ بڑے رسان سے کہہ گیا۔

''گویا میرے ہونے کا جواز ہی نہیں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں ہے، بس اب شرمندہ نہ کیجیے۔'' وہ سنجیدہ سا یہ کہہ کر ماں کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

''عارفہ آپا!'' وہ فقط اتنا ہی پکار سکے۔

''ریحان! آپ کو آرام کی ضرورت ہے پھر بات کریں گے، آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' عار...

www.Paksociety.com

...تسلی دینے کی کوشش کی۔

''سب چھوڑنا چاہتے ہیں، طلال جانے کہاں گیا، بیوی، بیٹی سب مجھے چھوڑ کر جانا چاہتی ہیں۔'' وہ ...ے سے چُور چُور صوفے پر گر سے گئے۔

''کون... کہتا کون کہتا ہے؟'' عارفہ بیگم ہکلائیں۔

''آپا! چلیں، دیر ہو رہی ہے۔'' رابعہ نے بہن کی طرف دیکھا اور بے رخی کا انداز اختیار کیا۔

''رابعہ! آپ رات یہیں ٹھہرو، کل رمان آجائے گا۔'' عارفہ بیگم کو ریحان اختر پر ترس آ رہا تھا۔

''کیوں، آپ کیوں ایسا کہہ رہی ہیں؟''

''رابی خالہ! امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' رمان نے کہا۔

''نہیں ٹھیک، جس گھر میں مجھ سے بدسلوکی ہوئی، بے وفائی ہوئی مجھے وہاں کیوں رہنا ہے؟'' وہ چلائیں۔

''رابعہ! میں نے کہا نا کہ کل آجانا۔'' عارفہ بیگم نے کچھ سختی سے کہا اور رمان کو چلنے کا اشارہ کیا۔ آناً فاناً وہ ...وں باہر نکل گئے۔ رابعہ کھڑی کی کھڑی رہ گئیں، کچھ دیر بعد بے بسی سے نیناں کے کمرے میں چلی گئیں۔ ...حان اختر نے فیضو کو چائے لاتا دیکھ کر کھانا لگانے کو کہا کیونکہ وہ نیناں اور رابعہ کو کھانا کھلانا چاہتے تھے... گو کہ ...ام مشکل تھا مگر انہیں یقین تھا کہ وہ اس میں کامیاب ہو جائیں گے۔

☆☆☆

گھر واپس آئے بہ مشکل دس منٹ ہوئے تھے۔ دن بھر کی گرد اور پسینہ دور کرنے کے لیے وہ سیدھے ... کرنے کے واش روم میں گھس گیا مگر موبائل فون کی آواز واش روم میں آئی تو بادلِ ناخواستہ پہلے فون سننے ...ارادے سے باہر نکل آیا۔ نیناں کا نمبر تھا جلدی سے ریسیو کیا تو وہ پھٹ پڑی۔

''بے پروا، بزدل، بے حس ہو تم، ارے تم تو چوروں کی طرح بھاگ نکلے، مجھ سے ملنا تک گوارا نہ کیا، ...ی بوا کوئی ملازمہ نہیں تھیں، انہیں میرے بابا کے کہنے پر مٹی میں دبا کر بھاگ آئے، کیا ہو جاتا جو ایک دو گھنٹے ...لی دے دیتے۔'' وہ ذرا دیر کو سانس پھولنے کے باعث رکی تو وہ بولا۔

''بس، یا اور کچھ بھی کہنا ہے؟''

''کچھ نہیں کہنا، سب مرد ایک جیسے ہیں۔'' وہ دہاڑی۔

''جسٹ شٹ اپ! اب میری بھی سن لو۔'' وہ ضبط نہ کر سکا۔

''مجھے ساتھ کیوں نہیں لے کر گئے؟'' اس نے روتے روتے شکوہ کیا۔

''نیناں! خود سوچو، بوا کے بعد گھر میں چند روز ہی سہی تمہیں اور رابی خالہ کو وہاں رہنا چاہیے۔ اپنے بابا کی ...ت دیکھو وہ کس قدر اپ سیٹ ہیں، انہیں بیٹی کے پیار کی ضرورت ہے۔'' اس نے خاصے تحمل سے جواب دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے انہیں، میں صرف اپنی مما کی بیٹی ہوں، سن لیا تم نے۔'' وہ چیخی۔

''اچھا ٹھیک ہے، پلیز کول ڈاؤن۔''

''نہیں تم ابھی آؤ اور مجھے یہاں سے لے کر جاؤ، مجھے اور مما کو۔''

''دیکھو، میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں، تمہارے بابا کی مرضی کے خلاف۔''

www.Paksociety.com

"رمان! پلیز مجھے بابا کی کوئی بات نہیں سننی، مجھے نفرت ہے اُن سے۔"

"اوہ یار! تم سمجھنے کی کوشش کرو ابھی وہ بیمار ہیں، بوا کی وجہ سے افسردہ ہیں... کل تک صبر کرلو۔"

"نہیں... نہیں... نہیں۔" وہ چلّائی۔

"نیناں... نیناں!"

"مت کہو مجھے نیناں، مرگئی نیناں، یہ نام میرا نہیں ہے۔" اس کے ہاتھ ایک اور غصے کا موضوع آگیا۔

"چلو ٹھیک ہے بتاؤ کس نام سے پکاروں، کیا نام ہے تمہارا؟" وہ ستانے کے لیے ذرا سا شوخ ہوگیا۔

"کچھ بھی یا کچھ بھی نہیں مگر نیناں نہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"اوکے سوئٹ ہارٹ، میں تو پھر سوئٹی کہوں گا۔" وہ شوخ ہوا تو اس کے من میں ٹھنڈک سی اتر گئی۔

"اب آؤ، میرا دم یہاں گھٹ رہا ہے۔" اسے پھر سے دورہ پڑ گیا۔

"ڈارلنگ! صرف ایک رات کی بات ہے، کل رانی خالہ آئیں گی تو..."

"بس بند کرو یہ وضاحت، میں ہی پاگل ہوں جو تم سے..." وہ جھلا کر کہتے کہتے رک گئی تو اس نے جھٹ جملہ مکمل کردیا۔

"جو تم سے عشق کرلیا، جو تم سے نین لڑا بیٹھی۔"

"بکومت۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔ بھیگی پلکیں دوپٹے کے پلّو سے صاف کیں تو ریحان اختر کو اپنی پشت پر کھڑا دیکھ کر چونک اٹھی۔

"اتنی نفرت کرتی ہو اپنے بابا سے؟" ان کا لہجہ مدھم تھا وہ چپ رہی۔

"نیناں! تم تو میری زندگی ہو۔"

"بابا پلیز! مت ایسے کہیں اور یہ نام آپ کو مبارک، ختم ہوگیا یہ نام، نیناں اب صرف تھی، ہے نہیں۔ میں ہوں۔" وہ شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ریحان اختر کے دل پر گھونسا سا لگا۔ ندامت سے نظریں جھکالیں۔

"وہ تھی... مگر تم میرے جگر کا ٹکڑا ہو، میرے دل میں تمہاری محبت بے حساب ہے۔"

"پلیز! کسی ڈرامے کی ضرورت نہیں، مجھے آزاد رہنے دیں اس قفس سے باہر، کسی کے نام کی قید سے باہر... وہ تھی آپ کی نیناں جس سے آپ نے اتنا عشق کیا کہ اپنی بیٹی کو محبوبہ کا نام دے دیا... آپ بھول گئے کہ میں نے رابعہ کی کوکھ سے جنم لیا ہے، وہ آپ کا عشق تھا یا جنون مجھے اس کا نام نہیں چاہیے... کاش میں کھرچ کھرچ کر ان کاغذات سے یہ نام مٹادوں جہاں جہاں لکھا ہوا ہے۔" نفرت کے سلگتے احساس سے وہ دہک اٹھی تھی۔ پہلی بار راجا ریحان اختر کے مقابل آکر بات کی تھی۔ انہیں تعجب تھا۔

"یہ تم نہیں، رابعہ بول رہی ہے۔"

"تو غلط نہیں ہے، رابعہ کو تو آپ نے کربناک زندگی دی ہے، آپ ضدی، خودسر اور بے حس انسان ہیں بابا۔" وہ رُوبرو آکر بولی۔ بالکل نہ ڈری اور نہ سہمی۔

"ماسوائے محبت کے رابعہ کو سب کچھ ملا ہے اس گھر سے۔" انہوں نے اقرار بھی کیا اور اعتراف بھی۔

"اونہہ! اس گھر سے کسی کو کچھ نہیں مل سکتا، دادی، مما، بوا اور نیناں سب کو اس گھر سے سزائیں ملی ہیں، صرف

www.Paksociety.com

ائیں۔" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی۔ ریحان اختر لاجواب ہوگئے۔ واپس پلٹنے لگے تو اس نے پکارا۔

"بابا! میں اب بنت رابعہ ہوں صرف بنت رابعہ۔" وہ چونکے، پیشانی پر کچھ سلوٹیں نمودار ہوئیں اور پھر معدوم ہوگئیں۔

"تو گویا ایک بیٹی اپنے باپ سے جینے کا حق چھین رہی ہے، اس کے باپ ہونے کا حق چھین رہی ہے؟"

"سوری بابا! آپ بھول رہے ہیں، نیناں آپ کی پہلی بیوی کا نام ہے۔" اس نے طنزیہ کہا تو ریحان اختر مزید رک نہ سکے واپس پلٹ گئے۔

"بابا! رشتے خون کے نہیں احساس کے ہوتے ہیں اگر احساس ہو تو اجنبی بھی اپنے... اور اگر احساس نہ ہو تو اپنے بھی اجنبی ہوجاتے ہیں۔" ان کے جانے کے بعد وہ ان سے مخاطب ہوئی۔

☆☆☆

ٹھیک دس بجے صبح رمان... نیناں اور رابعہ کو لینے آیا تو وہ تیار تھیں۔ جونہی گاڑی میں بیٹھیں تو رمان نے نیناں کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر مزہ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ دنیا بھی بڑی عجیب ہے، جب آپ چپ رہتے ہیں تو وہ آپ کو بے وقوف سمجھتی ہے اور جب آپ بولتے ہیں تو ان کا شک یقین میں بدل جاتا ہے۔"

"شٹ اپ۔" نیناں کے پتنگے لگ گئے۔ رابعہ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ ریحان اختر کمرے کی کھڑکی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئیں تو رمان نے محسوس کیا۔

"یہ آپ دونوں ٹھیک نہیں کررہیں۔ ارے غلطی ہوگئی، اس کی سزا انہوں نے پالی پھر کیوں یہ سلوک؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"رمان! بابا کی وکالت نہ کرو۔"

"نیناں!"

"ایکسکیوزمی! مائی نیم از بنت رابعہ۔" وہ خاصے تحکم سے بولی۔

"وہاٹ!" وہ چونکا۔

"جی ہاں، نیناں کی نیم پلیٹ اتار دی ہے میں نے۔" وہ شانِ تفاخر سے بولی۔ تبھی ریحان نے ہلکا سا ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا۔ رابعہ کو اتر کر اندر آنا پڑا۔ وہ بِنا چاپ کے کمرے میں آئیں تو وہ خوش ہوگئے۔ رابعہ نے ان کا اشارہ سمجھ لیا تھا۔

"شکریہ!" وہ بولے۔

"کس بات کا؟"

"میرا اتنا کہا تو مان لیا۔"

"مطلب کی بات کریں بچّے باہر انتظار کررہے ہیں۔"

"رابعہ! چلو آؤ کائنات بانٹ لیتے ہیں، تم میری اور باقی سب تمہارا۔" وہ یکلخت بِنا کسی ہچکچاہٹ کے ان کا ہاتھ تھام کر کہہ گئے۔ وہ دیکھتی رہ گئیں۔

www.Paksociety.com

"میرے ہم سفر کسی روز تو
میرے پاس آ، میرے رُوبرو
کسی روز سن میری گفتگو
میری چاہتوں میں بسی ہوئی
میرے آنسوؤں سے بھری ہوئی
میری شب کے لمحے شمار کر
وہ لفظ ترے جو نایاب ہوں
وہی لفظ میرے نام کر
مجھے لے کے تو کہیں دور چل
ذرا ہاتھ میرا تھام کر!"

ریحان اختر کے مضبوط ہاتھ... میں ان کا ہاتھ تھا۔ وہ بنا ہونٹ ہلائے دل کی باتیں ان کے گوش گزار کر گئیں۔ باہر سے ہارن کی آواز پر ٹھٹکیں۔

"مجھے اب کچھ نہیں چاہیے۔ آپ کی بیٹی کو کچھ نہیں چاہیے۔ اس نے آپ کو مات دے دی ہے۔ اپنا پیدائشی نام بھی لوٹا دیا ہے۔" ہاتھ چھڑا کر وہ بہت دھیرے سے بولیں۔

"وہ بنت رابعہ ہو کر بھی میری زندگی ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ سمجھوتے کی سب منزلیں طے کر چکے تھے۔

"مگر اسے سمجھانے میں وقت لگے گا۔"

"میں رمان کے لیے بھی راضی ہوں، طلال تو ویسے بھی جانے کہاں گیا؟"

"کہانی مت سنائیں، پلیز۔"

"رابعہ چند روز لے لو، میری بیٹی کو سمجھاؤ، میں تم دونوں کو لینے آؤں گا پلیز۔" اس قدر بے بسی اور منت تھی ان کی آنکھوں میں، لفظوں میں... کہ وہ بنا کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گئیں... مگر اس خاموشی میں کیا تھا کہ ان کے ہاتھ چھڑا کر جانے کے باوجود وہ اپنے ہاتھ کو دیکھتے رہے۔

☆☆☆

رابعہ نے گھر کے ملازمین کو اچھی طرح صفائی ستھرائی کی ہدایت کی اور گلو کو ضروری سامان کی لسٹ دے کر باورچی خانے میں آ گئیں۔ عارفہ، رمان کے ہمراہ اپنے گھر چلی گئی تھیں بقول ان کے گھر ڈسٹرب اور گندا ہو رہا ہے، رمان کو بھی شہر سے باہر ٹور پر جانا تھا۔ وہ جاتے ہوئے انہیں سنجیدگی سے ریحان کے بارے میں سوچنے کا کہہ گئی تھیں۔

"بی بی جی! سبحان صاحب آئے ہیں۔" بیگماں نے باورچی خانے میں آ کر اطلاع دی تو وہ چونکیں اور جلدی سے ڈسٹر سے ہاتھ صاف کر کے باہر آئیں۔

"ارے، میں تو بھول گئی تھی کہ آج تمہاری مہندی ہے۔" وہ خوشی سے بولیں۔

"مہندی وہندی تو چھوڑو... مگر مجھے یہی دیکھنا تھا کہ تمہیں کچھ یاد رہتا ہے یا نہیں؟" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"تھینک یو، تھینک یو ڈیئر! میں سچ مچ بھول گئی تھی مگر شاید مسائل ہی ایسے تھے۔" وہ ایک دم بولتے بولتے کافی سنجیدہ سی ہو گئیں۔

"خیریت؟"

"بوا کا انتقال ہو گیا، ہمیں وہاں جانا پڑا۔ نیناں، ریحان سے متنفر ہو گئی ہے۔ میں نے تو واپس آنا تھا مگر نیناں نے ریحان کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا، وہ بہت ڈسٹرب ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"اوہ! بہت افسوس ہوا... اور ریحان؟"

"ریحان بھی بیمار ہی لگ رہے تھے۔" انہوں نے سرسری سا انداز اپنایا۔

"اور یہ بیماری یقیناً ندامت اور شرمندگی کی ہے، اب تو وہ تنہا ہو گئے ہوں گے۔" سبحان کو ریحان سے کچھ ہمدردی سی ہوئی۔

"ہاں شاید، ان کی رازداں کے جانے کے بعد، طلال کے جانے کے بعد وہ تنہا تو ہو گئے ہیں۔"

"رابی! وہ سب سے زیادہ تمہیں اور نیناں کو مس کر رہے ہوں گے۔ طلال تو بھانجا ہے، آ جائے گا۔"

"نیناں کو سمجھانا مشکل ہے سبحان! اس نے تو اپنا نام بدل لیا ہے بنت رابعہ کہلوانے لگی ہے۔"

"تو تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"میرے لیے تو یہ ناممکن ہے۔"

"دیکھو رابی! آج وقت تمہاری مٹھی میں ہے مگر کل نیناں اور تمہیں، ریحان کی ضرورت پڑے گی۔"

"کیا ضرورت پڑے گی؟"

"نام کی، سہارے کی۔"

"دیکھا جائے گا، یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ تم کیا لو گے چائے، کافی؟" وہ یکسر ٹال گئیں۔

"جناب کے ہاتھ کی کافی اور تیاری پکڑو، بڑے ابا نے کہا ہے لے کر آنا۔"

"ایسا کیسے ممکن ہے، رات کو رمان آئے گا تو نیناں کو سمجھائے گا پھر چکر لگائیں گے۔" وہ یہ کہہ کر اٹھنے ہی والی تھیں کہ گلو سامان کے ساتھ کسی کے آنے کی اطلاع بھی لیے آ گیا۔

"کون ہے؟"

"پتا نہیں، بس آپ سے ملنے کی بات کی ہے۔" گلو نے کہا۔

"بلاؤ۔" وہ دوبارہ صوفے پر ٹھیک سے بیٹھ گئیں۔ گلو گیا اور چند لمحوں بعد مہمان کے ہمراہ آ گیا۔

"ذوالفقار!" وہ حیرت زدہ سی بولیں۔

"جی میم صاحبہ! ناچیز کو ذوالفقار ہی کہتے ہیں۔" وہ اپنے نام پر زور ڈال کر سامنے آیا تو سبحان کے ہونٹوں سے بھی حیرت بھرا جملہ نکلا۔

"ذوالفقار یہاں!"

"اوہ! تو آپ کا ان سے بھی تعلق ہے، تبھی مکان بیچنے اور نہ بیچنے کا ڈراما رچایا۔" ذوالفقار نے بڑے بے ہودہ سے انداز میں کہا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

''کیا بک رہے ہو؟'' رابعہ جھنجلا گئیں۔

''میم صاحبہ! میں بک نہیں رہا... تو آپ کے کہنے پر انہوں نے مکان نہ بیچنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' وہ طنز سے مسکرایا۔

''مسٹر! گھر میرا ہے میں نے بیچنا ہے یا نہیں یہ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔'' سبحان نے سخت غصیلے انداز میں کہا۔

''اور میرا ایڈوانس؟''

''جب چاہو آ کر لے لینا۔''

''اوہ، سمجھ میں آیا... لیکن ذوالفقار میں نے مجبوری ظاہر کر دی تھی۔'' رابعہ نے سمجھا کہ وہ پیسے ہی مانگنے آیا ہے۔

''چھوڑیں بیگم ریحان! میں نے آپ کے ذریعے راجا فیملی سے حساب چکانا تھا، آپ کے ساتھ مجھے ہمدردی ہے، میں راجا خاندان کو بتانا چاہتا تھا کہ کسی کا گھر کیسے برباد کرتے ہیں؟ لیکن آپ تو خود برباد حال ہیں۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' وہ سخت متحیر تھیں، سبحان بھی پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے۔

''کچھ جاننا چاہتا ہوں، میرا مقصد ادھورا رہ گیا۔ لیکن آپ سے معافی کے ساتھ کچھ جاننا چاہتا ہوں۔'' وہ ایک دم نرم خو انسان بن گیا۔

''کیا؟'' سبحان نے پوچھا۔

''آپ کی نند وسیمہ کا بیٹا کون ہے؟''

''طلال اختر۔''

''تو پھر وہ کہاں ہے جسے وسیمہ کی اولاد سمجھ کر پالا گیا؟''

''کیا مطلب؟''

''ہاں، میرا بھتیجی زاد، جسے میرے پھوپا جی لے کر وسیمہ کے ساتھ بھاگے تھے۔'' وہ اشتعال میں آ گیا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔''

''مجھے کچھ نہیں معلوم، راجا ریحان اختر نے کبھی نہیں بتایا۔ اس گھر میں ایک ہی لڑکا ہے، طلال۔'' رابعہ نے سچ بتایا۔

''اس کا مطلب آپ کو بھی کچھ معلوم نہیں۔''

''راجا ریحان اختر سے جا کر پوچھ لو، ویسے مجھے عجیب سی بات لگ رہی ہے۔ بوا بھی چل بسیں وہ شاید کچھ جانتی ہوں۔''

''کیا! وہ ملازمہ...؟''

''ہاں، ان کا دو روز پہلے انتقال ہو گیا ہے، وہ شاید جانتی ہوں۔'' رابعہ نے کہا۔

''بہت بری خبر ہے۔'' وہ مایوس ہو گیا۔

''دیکھو، راجا ریحان اختر سے جا کر پوچھو، ہو سکتا ہے وہ جانتے ہوں۔'' سبحان نے مشورہ دیا۔

''ہاں مگر... خیر۔'' وہ بڑبڑایا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"ذوالفقار! مجھے دکھ ہے کہ اپنے انتقام کے لیے تم نے مجھے ذریعہ بنانا چاہا۔" رابعہ کے دل میں کلبلاتے ملال نے لفظوں کی شکل اختیار کی تو وہ شرمندہ سا سر جھکا کر بولا۔

"کاش! میں نے اپنی پھوپی کو لمحہ لمحہ مرتے نہ دیکھا ہوتا، مجھے معاف کرنا۔" وہ پلٹنے کو تھا کہ نیناں وہیں آ گئی۔ اسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی... مگر اس کی حیرت وہ ہنس کر دور کر کے چلا گیا۔

"مما... مما! یہ مدیحہ کا بھائی یہاں...؟" نیناں نے اس کے جانے کے بعد ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ، یہ مدیحہ کا بھائی ہے؟"

"ہاں، مدیحہ کا بڑا اور اکلوتا بھائی۔"

"اوہ گاڈ! کیا معمہ ہے۔" رابعہ چکرا سی گئیں۔

"کچھ نہیں، بس اتفاق ہے اور اتفاقات زندگی کا حصہ ہیں۔" سبحان بولے۔

"مگر یہ یہاں، مدیحہ تو ٹھیک ہے۔"

"ہاں، آپ چھوڑو یہاں انکل کے پاس بیٹھو میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔" رابعہ ٹال گئیں۔

☆☆☆

صبح سے ہی وہ کمرے میں بند تھے۔ نہ کچھ کھایا، نہ پیا۔ آفس سے جتنے لوگ ملنے آئے ان سے ملنے سے انکار کر دیا۔ فون سب کے سب بند کر دیے تھے۔ بخار اور کھانسی کے باوجود کوئی دوا نہیں لی۔ فیضو نے کئی بار کمرے میں آ کر کچھ کھانے کے لیے لانے کو پوچھا مگر انہوں نے نفی میں گردن ہلا دی۔ وہ ملول سا واپس لوٹ جاتا لیکن مغرب کی اذان سن کر وہ بڑی جرأت سے کمرے میں آیا، سب لائٹس آن کر دیں۔ وہ جاگ رہے تھے۔ گہرے اندھیرے کے بعد ایک دم روشنی ہونے کی وجہ سے آنکھیں چندھیا سی گئیں۔

"کیا کرتے ہو فیضو؟" وہ جھلا کر بولے۔

"کچھ نہیں، آپ کو احساس دلا رہا ہوں کہ کیا وقت ہو گیا ہے۔" فیضو نے جسارت کی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"صاحب! کچھ کھا لیں۔ دوا بھی کھائیں اور سب دوائیں کھانی ہیں۔" فیضو نے بلڈ پریشر کی، کارڈک والی دواؤں کی طرف اشارہ کیا۔

"فیضو! کسی دوا کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں ضرورت نہیں؟ فیضو! جاؤ کھانا لے کر آؤ۔" دروازے کے عین وسط میں کھڑے طلال نے کہا تو جیسے ریحان اختر کی آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔

"طلال!" وہ تکیوں کے سہارے اٹھ بیٹھے۔

"جاؤ فیضو، کھانا لاؤ۔ ہم دونوں کھائیں گے۔" طلال بڑی نرمی سے کہہ کر ان کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ فیضو خوش ہو کر چلا گیا۔

"کہاں چلے گئے تھے؟" انہوں نے پوچھا۔

"اپنا آپ تلاش کرنے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" وہ بالکل نرم پڑ چکے تھے۔

"آپ کو نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ راجا ریحان اختر ہیں۔"

"اس کے باوجود تنہا اور بے بس ہوں۔" وہ دکھ سے مسکرائے۔

"انسان کیے کا پھل ضرور کھاتا ہے۔"

"ہاں، اس کا مجھے احساس ہو گیا ہے مگر یہ سلسلہ باپ سے شروع ہوا اور میں نے، وسیمہ باجی نے سزا پائی۔ ایسا لگتا ہے کہ بہت سی کربناک چیخیں میرا پیچھا کر رہی ہیں۔"

"ان چیخوں میں میری مظلوم ماں کی چیخ بھی شامل ہوگی۔"

"میں تمہاری ماں کا گناہ گار نہیں، اللہ جانتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا تھا، میں نے تمہاری پرورش میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔"

"اسی لیے اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرنے کو آپ تیار نہیں تھے۔" اس نے دھیرے سے شکایتی انداز اختیار کیا۔

"ہاں... کیونکہ میں نے تمہارے باپ کو اپنے بہنوئی کو کبھی معاف نہیں کیا۔ اس کی حیثیت اور کردار سے مجھے نفرت رہی۔ اپنی بہن کی اولاد ہونے کے باعث محبت کی۔" انہوں نے اعتراف کیا۔

"خیر آپ کا بہت شکریہ۔ آپ اچھا سلوک نہ کرتے تو میں کیا کر سکتا تھا۔"

"میرے دل میں تم اسی طرح ہو، تمہاری حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔"

"مگر میرے اندر جو طوفان آیا ہے کاش بتا سکتا۔ ابو زندہ رہتیں تو ان کو سینہ چیر کر دکھاتا۔"

"غم نہ کرو، تمہاری ماں زندہ ہے۔ مجھے پتا نہیں معلوم مگر پتا چل جائے گا۔ میں انہیں عزت و احترام کے ساتھ یہیں رکھوں گا۔" وہ جلدی سے بولے۔

"شکریہ ماموں! لیکن میں اپنی ماں کے پاس رہوں گا۔"

"فی الحال تو رہو، ہم انہیں ڈھونڈیں گے۔" ریحان چاہتے تھے کہ وہ انہیں چھوڑ کر کہیں نہ جائے۔

"مامی اور نیناں۔"

"وہ مجھے چھوڑ گئی ہیں، میرے گناہوں کا حساب زیادہ تھا۔"

"لیکن..." وہ فیضو کو کھانا لاتا دیکھ کر ایک دم چپ ہو گیا۔

"طلال صاحب! آپ کا کمرا کھول دیا ہے۔" فیضو نے کہا تو اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

☆☆☆

وہ رابی خالہ کو ان کے کمرے میں سلام کر کے ان کی نیناں سے متعلق شکایت سن کر سیدھا اس کے کمرے میں آیا۔ وہ ساری دنیا سے بے خبر لان میں کھلنے والی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ بیڈ پر ڈھیر سارے کپڑے پڑے تھے۔

"نیناں!"

"ایکسکیوز می!" اس کے نام لینے پر وہ پلٹ کر غرائی۔

"ارے، ایسے کیوں غرا رہی ہو؟"

www.Paksociety.com

''رمان پلیز! میرا موڈ خراب ہے۔'' اس نے احساس دلایا۔
''کیوں خراب ہے؟''
''تمہیں سب خبر ہے۔''
''مجھے فی الحال یہ خبر ہے کہ ہمیں سبحان انکل کی طرف جانا ہے۔''
''مجھے کہیں نہیں جانا، میں مما کو کہہ چکی ہوں۔''
''یار! تمہیں مما کا خیال بھی نہیں رہا، وہ کس قدر ڈپریس ہیں۔ ذرا سا ان کا دل بہل جائے گا۔ ایک تم ہی ڈسٹرب نہیں ہو، ریحان انکل نے صرف تمہارے ساتھ ہی ایسا نہیں کیا ہے۔ تمہاری مما بھی ان کے ستم جھیلتی رہی ہیں، ان کا ہی سوچو۔'' رمان نے خاصی سنجیدگی سے اسے کہا۔
''تو تم مما کو لے جاؤ بس... میرا دل نہیں چاہ رہا۔''
''دل تمہارے پاس کب آیا، میں نے اسے اپنے دل کے ساتھ باندھ رکھا ہے۔'' وہ شوخی سے مسکرایا۔
''بس کسی شوخی کی ضرورت نہیں۔'' وہ کھڑکی سے ہٹ گئی۔
''سچ ہے نا، تمہارا دل تمہارے پاس نہیں ہے۔'' وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ گیا۔
''رمان پلیز!''
''نیناں! اٹھو تیار ہو جاؤ دیر ہو رہی ہے اور ہاں، یہ سب لباس تمہارے ہیں... کون سا پہنو گی؟'' وہ بڑے شوق سے خوب صورت فینسی کپڑوں کو الٹتے پلٹتے ہوئے بولا۔
''چھوڑو انہیں۔'' اس نے جھپٹ کر چھینے۔
''یار! کیا مسئلہ ہے تمہارا؟''
''مجھے نہیں جانا۔''
''اور تمہیں جانا ہے۔''
''کس نے کہا؟''
''رُمان احمر نے۔''
''اونہہ!''
''اونہہ کیا، یہ حقیقت ہے اٹھ جاؤ ورنہ میں نے اٹھا کر لے جانا ہے۔'' وہ مقابل کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔
''رمان! تم سمجھتے کیوں نہیں ہو؟'' وہ چلائی۔
''نہیں سمجھ سکتا کیونکہ تمہیں نہ مما کا احساس ہے نہ اپنے بابا کا۔'' وہ بھی چلایا۔
''بابا کا نام نہ لو، میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ اپنی دنیا میں خوش رہیں۔''
''ان کی دنیا صرف اب تم اور رابی خالہ ہو، سمجھنے کی کوشش کرو۔'' اس نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہلکا سا دباؤ ڈالا۔
''رمان! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟'' اس نے خاصی حیرت سے پوچھا۔
''بس میں چاہتا ہوں کہ تم انکل ریحان کو معاف کر دو۔ ان کو معاف کرنا ضروری ہے۔'' اس نے بہت

پیار سے کہا۔
''یہ آسان نہیں ہے۔'' وہ جھٹکے سے الگ ہو گئی۔
''بہت آسان ہے، تم تیار ہو جاؤ میں تمہیں اور رابی خالہ کو چھوڑ کر ریحان انکل کے پاس جاؤں گا اور انہیں تمہارے پاس لے کر آؤں گا۔''
''بھول رہے ہو، تمہیں بابا نے کچھ کہہ رکھا ہے۔''
''وہ سب دیکھا جائے گا، محبت میں قربانی دی جا سکتی ہے مگر اس وقت خود غرض نہیں بن سکتا۔'' وہ بولا۔
''تو تم بھی بابا کے ساتھی ہو۔''
''نہیں، میں صرف اخلاقی ذمے داری نبھا رہا ہوں۔ نادم کو اور نادم نہیں کرتے۔'' اس نے بہت رسان سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

☆☆☆

کافی سمجھانے بجھانے...... منت سماجت اور.... آنکھوں کے پیار بھرے اشاروں کے بعد وہ تیار ہو کر کمرے سے باہر آئی تو رمان کی نگاہیں آسمان سے اتری پری کے نیلگوں سراپا پر جم گئیں۔ نیلے جھلمل کرتے لمبے فراک اور چوڑی دار پاجامے میں، کھلے بالوں کے ساتھ بلاشبہ وہ پری ہی لگ رہی تھی۔ رمان کا دل دھڑک اٹھا۔ جی چاہا اسے لے کے کہیں دور چلا جائے۔
''ہش! اب چلو ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' وہ لجا سی گئی۔
''خاموش کچھ نہ کہو، کچھ نہ بولو۔ دیکھنے دو۔'' وہ شوخ نگاہوں سے دیکھتا ہوا قریب آ گیا تو وہ اچھل کر پرے ہو گئی۔
''چلو، ورنہ میں نہیں جاؤں گی۔''
''پلیز نیناں! جی بھر کے دیکھنے دو مت بولو۔''
''رمان، نیناں۔'' عین اسی وقت رابعہ تیار ہو کر انہیں آوازیں دیتی وہیں آ گئیں۔
''اونہہ۔'' اس کا موڈ بگڑ سا گیا۔ نیناں کے چہرے پر مسکان کھیل گئی۔
''اب خیال کرو رابی خالہ کا، چلو شاباش۔''
''رمان! چلو بھئی دیر ہو گئی ہے۔''
''جی، جی چلیے۔'' وہ نیناں کو گھورتے ہوئے ہکلایا۔
''بی بی جی! آپ کا فون ہے۔'' وہ نکل ہی رہے تھے کہ گلو نے نیناں کو مخاطب کیا۔ وہ ٹھٹکی اور اس طرف چلی گئی جہاں فون رکھا تھا۔
''ہیلو!''
''ہیلو!''
''مدیحہ!'' وہ حیرت زدہ سی بولی۔
''ہاں۔''

www.Paksociety.com

''خیریت میری یاد کیسے آ گئی؟'' اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''پلیز، مجھے بتاؤ طلال...؟''

''اب تک طلال کو بھولیں نہیں۔'' اس نے مشتعل ہو کر اس کا ادھورا جملہ اچک لیا۔

''نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا، وہ دراصل...'' مدیحہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

''دیکھو، میرا طلال سے اور طلال کے ماموں سے کوئی واسطہ نہیں۔'' وہ کچھ نا سمجھ کر بولی۔

''نیناں، پلیز۔''

''پلیز! میرا نام بنت رابعہ ہے۔''

''دیکھو، مجھے معلوم کرنا ہے کہ طلال کون ہے؟''

''واہ! یہ پوچھنا ابھی باقی ہے۔ طلال نے گھاس ڈالنی چھوڑ دی ہے کیا؟''

''شٹ اَپ!'' مدیحہ کو آگ لگ گئی۔

''جسٹ شٹ اَپ۔''

''تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' مدیحہ کے لہجے میں دوبارہ نرمی آ گئی۔

''مجھے کچھ نہیں سمجھنا، اوکے۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ پلٹی تو مما کو موجود پایا۔

''مدیحہ کیوں بھلا؟'' رابعہ بڑبڑائیں۔

''اس کا محبوب ہے اور پوچھ مجھ سے رہی ہے۔'' نیناں نے برا سا منہ بنایا۔

''مدیحہ اور اس کا بھائی ایک ہی بات کر رہے ہیں کچھ تو بات ہوگی۔'' رابعہ عجب سے مخمصے میں پھنس گئیں۔

''کیا بات؟'' اس نے پوچھا۔

''ہمیں نہیں معلوم... لیکن کوئی نہ کوئی بات اور ہے۔''

''کوئی بات نہیں ہو سکتی یقیناً طلال بھائی نے کوئی ایسا دھوکا دیا ہے کہ اب یہ انہیں تلاش کر رہے ہیں۔''

''ارے نہیں بات اور ہے، ایسا کرو کہ مدیحہ سے بات کرو اُسے کہو کہ وہ ریحان کے پاس جا کر پوچھیں۔'' رابعہ نے سوچ کر کہا۔

''کم آن مما! چلیں دیر ہو رہی ہے۔'' نیناں یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ مجبور سی ہو گئیں... لیکن نیناں کا موبائل فون بجنے لگا۔ نمبر دیکھ کر وہ برا سا منہ بنا کر رابعہ کو دیکھنے لگی۔

''فون اٹینڈ کرو۔'' رابعہ سمجھ گئیں کہ مدیحہ کا ہی فون ہے۔

''یہ لیں، آپ بات کر لیں۔'' اس نے فون انہیں تھما دیا اور خود وہاں سے چلی گئی۔

''مدیحہ! بیٹا آپ لوگ راجا ریحان اختر سے مل لیں شاید آپ کے مسئلے کا حل نکل آئے۔'' انہوں نے پہلے ہی کہہ دیا۔

''مگر آنٹی...''

''ریحان آج کل گھر پر ہی ہوتے ہیں، بہتر یہی ہے کہ ان سے مل لیں... ہمیں تو کچھ خبر نہیں ویسے بھی ہم یہاں ہیں۔'' وہ مزید بولیں۔

www.Paksociety.com

''اوکے، شکریہ آنٹی۔'' مدیحہ نے پُرتشکر انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔ رابعہ دلی طور پر مطمئن ہو گئیں ورنہ انہیں ملال رہتا۔

☆☆☆

جب سے پرانی یادیں تازہ ہوئی تھیں آپا نے بہت زیادہ اثر قبول کیا تھا، بستر سے لگ گئی تھیں۔ اکبری بیگم اور مدیحہ.... رات دن ان کی دل جوئی میں مصروف تھیں مگر وہ گم صم چھت گھورتی رہتیں۔ ذوالفقار بھی بہت الجھا الجھا سا تھا۔ اس وقت بھی ملازمت سے آیا تو سیدھا آپا کے پاس آ گیا۔ اکبری بیگم تو فوراً اس کے لیے کھانا لینے چلی گئیں۔

''آپا! اٹھیں۔''

''بھائی! آپا کو کل ریحان انکل کے پاس لے جائیں۔'' مدیحہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''یہ کس نے کہا تم سے؟'' زلفی نے ابرو چڑھا کر پوچھا۔

''وہ، وہ نیناں کی مما نے۔'' وہ جلدی سے ہکلاتے ہوئے بولی۔

''وہ تمہیں کہاں مل گئیں؟'' زلفی کے لہجے میں کڑی تفتیش شامل ہو گئی۔ مدیحہ کے چہرے پر پسینا آ گیا، اسی لمحے اکبری بیگم نے آ کر بات سنبھالی۔

''میں نے اسے فون پر بات کرنے کو کہا تھا۔''

''اماں! کیا ضرورت تھی؟''

''بھئی آپا کی وجہ سے ہم بہت پریشان ہیں۔'' وہ کھانے کی ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔

''وہ عورت تو خود اپنے گھر میں ہے، بے چاری مظلوم سی ہے۔ آپا کو صبر کر لینا چاہیے۔'' ہاٹ پاٹ سے روٹی نکالتے ہوئے کچھ بے بسی سے کہا۔

''مرے ہوئے کا صبر آتا ہے، میرا بیٹا زندہ ہے۔'' آپا نے برا مناتے ہوئے جواب دیا۔ زلفی شرمندہ ہو گیا۔

''زلفی! تم کل آپا کو راجا صاحب کے پاس لے جاؤ شاید کچھ پتا چل جائے۔'' اکبری بیگم نے مشورہ دیا۔

''ٹھیک ہے، مگر اس گھر سے سوائے دکھ کے کچھ مل نہیں سکتا۔''

''مایوسی گناہ ہے، صبر کا پھل بھی تو ملتا ہے۔'' اماں نے سمجھایا۔

''ٹھیک ہے کل گیارہ بجے تک چھٹی لے کر آؤں گا' آپ تیار رہیے گا۔''

''جیتے رہو۔'' آپا نے بے ساختہ کہا۔

''زلفی! کل دعا کے گھر والوں نے بھی آنا ہے۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ گھر یہ محلّہ، علاقہ ہے کسی کے آنے کا۔ فی الحال انہیں منع کر دیں جب ذرا حالات بہتر ہوں گے تو بلا لیں گے۔'' وہ جھنجلاہٹ کے ساتھ بولا۔

''بیٹا! وہ لڑکی والے ہیں، اچھے کھاتے پیتے گھرانے کے ہیں۔ ایسے رشتے مشکل سے ملتے ہیں، لڑکی اتنی پیاری ہے کہ...''

''بس... بس... یہ آپ کہہ سکتی ہیں۔ انہوں نے ہماری حیثیت ابھی تک دیکھی نہیں ہے۔ آئیں گے تو انکار ہی کریں گے بہتر ہے آپ انکار کر دیں۔''

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"انکار! کیا بکواس کر رہے ہو؟" اماں اور آپا چلا اٹھیں۔

"جی! انکار، جب حالات سنوریں گے تو لڑکی بھی مل جائے گی۔" وہ کھانا کھا کر ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

"اماں! بھائی بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں، ابھی انہیں کچھ دن بعد کا کہہ دیں۔" مدیحہ نے زلفی کی تائید کی۔

"مگر کیا کہوں؟ وہ لوگ اتنے دن سے انتظار کر رہے ہیں، کوئی مذاق ہے کیا...؟" اکبری بیگم بولیں۔

"انہیں نہ کہیں، ظہورہ بی بی کو سمجھا دیں وہ خود کسی طریقے سے کہہ دیں گی۔"

"کتنی بری بات ہے یہ۔"

"مجبوری ہے، ہمارا گھر بار دیکھ کر بھی تو وہ انکار کر سکتے ہیں۔" آپا بولیں۔

"لیکن آپا! یہ گھر بار، حالات سدھارنا کوئی آسان کام نہیں۔ الٰہ دین کا چراغ ہے کیا جو رگڑیں گے اور حالات سدھر جائیں گے۔" اکبری بیگم نے کہا۔

"اور پھر کیا کریں؟"

"آپ ظہورہ بی بی کو کل صبح ہی جا کر سمجھا دیں۔" مدیحہ نے دوبارہ سمجھانے کی کوشش کی۔ اکبری بیگم خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆

رمان کچھ دیر سبحان انکل کے گھر رکنے کے بعد نیناں اور رابعہ کو وہیں چھوڑ کر ریحان اختر سے ملنے چلا آیا۔ چوکیدار نے سلام کر کے خوش دلی سے گیٹ کھولا اس نے گاڑی کھڑی کی اور اندر آ گیا۔ اندر ہر طرف خاموشی تھی۔ فیضو کافی ریحان صاحب کے کمرے میں دے کر باہر آیا تو اس نے پوچھا۔

"ریحان انکل کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں، آپ وہیں چلے جائیں۔" فیضو نے اس کے آنے پر غیر معمولی خوشی کا اظہار کیا۔ وہ مسکرا کر ریحان انکل کے کمرے کی طرف گیا۔ ہلکی سی دستک دے کر دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ اس کو دیکھ کر ریحان اختر حیرت زدہ سے رہ گئے' ان کی حیرت دیکھ کر طلال نے گردن گھمائی تو وہ بھی متحیر سا اٹھ کھڑا ہوا۔ رمان کو لگا کہ وہ غلط وقت پر آ گیا ہے، طلال کے ساتھ کافی پینے میں ریحان انکل مشغول تھے۔ اسے یہ بھی لگا کہ رابعہ خالہ اور نیناں کے بعد بھی وہ مطمئن ہیں۔

"آؤ، آؤ رمان! بہت خوشی ہو رہی ہے۔" اس کی ہچکچاہٹ اور تحیر کو ریحان اختر کے تپاک نے ختم کر دیا۔

"رمان.....! آؤ یار۔" اس نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ طلال نے تیزی سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"شکریہ۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ اور یہاں۔" ریحان اختر نے کہا تو وہ ہولے سے مسکرا کر بولا۔

"مجھے بھی یقین نہیں آ رہا کہ آپ نیناں اور رابی خالہ کے بغیر بھی خوش ہیں۔"

"خوشی کے معنی سے ناواقف ہو گیا ہوں، وہ دونوں جس طرح خوش رہیں۔" ریحان اختر پر جیسے حزن و

www.Paksociety.com

ملال کی کیفیت طاری ہو گئی۔

"اس طرح تو وہ آپ سے دور ہو جائیں گی۔" رمان نے احساس دلایا۔

"اب آپ آ گئے ہو تو ایسا نہیں ہو گا۔" ریحان اختر نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔ رمان کو خوشگوار تبدیلی کا احساس ہوا۔

"رمان یار! مامی کو سمجھاؤ، نیناں کو سمجھاؤ۔" طلال نے کافی محبت کے ساتھ کہا تو رمان کو اور زیادہ حیرت ہوئی۔

"میں سب سے شرمندہ ہوں۔ مجھے تو یہاں سے جانا ہے لیکن یہاں جنہیں ہونا چاہیے وہ آ ئیں، رمان! نیناں کو جو چاہے فیصلہ کرے۔" طلال نے دانستہ اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ نیناں سے دستبردار ہو چکا ہے۔

"میں پوری کوشش کروں گا لیکن ریحان انکل کو پہل کرنی ہو گی۔" رمان نے کہا۔

"کیا مطلب...؟" ریحان اختر نے پوچھا۔

"انکل! آپ کی طرف سے شکایت ہوئی، خرابی ہوئی۔ آپ کو ہی سب ٹھیک کرنے کے لیے قدم اٹھانا ہو گا۔ آج سبحان انکل کی مہندی ہے۔ وہاں رابی خالہ اور نیناں ہیں، آپ میرے ساتھ چلیں... منالیں روٹھے رشتوں کو۔ سبحان انکل بھی آپ کی مدد کریں گے۔"

"سبحان! نہیں، میں سبحان کا سامنا کیسے کر سکتا ہوں۔ میں نے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔" وہ ایک دم انکاری ہو گئے۔

"یہ خوشی کا موقع ہے، آپ جائیں گے تو سب گلے شکوے دور ہو جائیں گے۔ سبحان انکل بہت فراخ دل ہیں آپ کو محسوس بھی نہیں ہونے دیں گے۔"

"ماموں! رمان ٹھیک کہہ رہا ہے، میں بھی چلتا ہوں۔ مامی اور نیناں سے معافی مانگنی ہے پھر جانے موقع ملے نہ ملے۔" طلال افسردہ سا ہو گیا۔

"بی پازیٹو یار!" رمان نے ذرا ہمت بندھائی۔

"اور اگر رابعہ نے، نیناں نے مجھے معاف نہ کیا تو...؟" ریحان اختر پریشانی سے بولے۔

"رابعہ خالہ مان جائیں گی۔ نیناں کو آپ نے نیناں نہیں بنت رابعہ پکارنا ہے بس۔" رمان نے سمجھایا۔

"چلیں اٹھیں، جلدی سے چینج کریں۔" طلال نے اصرار کیا۔

"میری طبیعت بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔" وہ ہچکچائے۔

"طبیعت خرابی کے اسباب دور ہو گئے تو سمجھیں کہ بیماری گئی۔" رمان نے ہنس کر کہا۔

"رمان بیٹا! آپ بہت گریٹ ہو۔ میں نے آپ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔" ریحان اختر، طلال کے کمرے سے جانے کے بعد تیاری کے لیے اٹھتے ہوئے بولے۔

"وہ ایک موسم ہوتا ہے شاید جس میں نفرت کے کانٹے پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کا کوئی قصور نہیں، جو ورثہ ملتا ہے اس کے اثرات سب پر برابر پڑتے ہیں۔" رمان نے بڑے سلیقے سے جواب دیا اور اٹھنے میں ان کی مدد کی۔

"میں بہت برا انسان ہوں۔" وہ پھر افسردہ ہو کر بولے۔

"نہیں، اب آپ بہت اچھے انسان ہیں۔" رمان نے مسکرا کر ان کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ بھی مسکرا دیے۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

☆☆☆

مہندی کی برائے نام سی رسم کے بعد مہمان کھانا کھا رہے تھے۔ رابعہ سبحان کے کمرے میں آ گئیں۔ بڑے ابا، نیناں کو لے کر سعدیہ کے گھر شادی کا جوڑا اور مٹھائی دینے گئے تھے۔

''رابی! ویسے تم نے اچھا نہیں کیا۔ آزاد پرندے کے پر کٹوا دیے۔'' سبحان گرما گرم کافی کے مگ لیے کمرے میں آ گئے۔

''نہیں، بہت اچھا ہوا ہے۔ بڑے ابا کو دیکھو کس قدر خوش ہیں اور پھر تمہارے پاس آپشن ہی کیا تھا؟'' اپنا ہاتھ بڑھا کر مگ لیتے ہوئے وہ بولیں۔

''ہاں، آپشن تو تم نے ریحان اختر کے انتخاب کے باعث ختم کر دیا تھا۔''

''ہم پہلے بھی اچھے دوست ہی تھے، دیکھو کتنا پائیدار تعلق ہے، ورنہ ریحان کہاں ہیں؟'' انہوں نے حد درجہ افسردگی کے ساتھ کہا۔

''محبت ختم نہیں ہوتی، ریحان سے تمہیں آج بھی شدید محبت ہے۔'' سبحان نے کہا۔

''پتا نہیں۔''

''غصہ تھوک دو، معاف کر دو اسی محبت کے ساتھ۔'' سبحان نے انتہائی نرمی سے کہا تو وہ چپ چاپ انہیں دیکھتی رہیں۔

''رابی خالہ! رابی خالہ!'' اسی اثنا میں رمان آوازیں دیتا ہوا وہیں آ گیا۔ اس کے ساتھ ریحان اور طلال دونوں تھے۔ رابعہ ششدر سی کھڑی ہو گئیں۔ سبحان نے آگے بڑھ کر انہیں گلے لگایا۔ عزت سے بٹھایا۔ وہ تب بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''آپ کی آمد سے بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' سبحان نے خاموشی توڑی۔

''ارے رابی خالہ! ادھر آ کر بیٹھیں۔'' رمان نے ہانک لگائی تو وہ ریحان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''سبحان، ہم آپ سے بہت شرمندہ ہیں۔ ہمت نہیں ہو رہی تھی آنے کی۔'' ریحان بولے۔

''ارے، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، یقین کیجیے اس وقت مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ آپ نے آ کر بہت پیار دیا ہے۔'' سبحان نے کہا۔

''بہت شکریہ!'' ریحان نے کہا۔

''مامی! میں صرف آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں۔'' طلال نے اٹھ کر فرش پر بیٹھتے ہوئے ان کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔

''طلال! ایسا کچھ نہیں ہے، میں ناراض نہیں ہوں۔'' رابعہ نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''ناراض تو خالہ، ریحان انکل سے بھی نہیں ہیں۔'' رمان نے دانستہ ٹکڑا لگایا۔

''رمان!'' رابعہ نے گھورا۔

''سبحان انکل! طلال آئیں ہم باہر ذرا انتظامات دیکھتے ہیں۔'' رمان نے اور زیادہ ہوشیاری کا مظاہرہ کیا۔ ان دونوں نے اس کا مطلب سمجھ لیا تھا ساتھ چلے گئے۔

www.Paksociety.com

''رابعہ! میں اس خیال سے آیا ہوں کہ تم محبت سے نفرت کی گرد جھاڑ کر مجھے معاف کر دو گی۔'' ریحان اختر نے انہیں مخاطب کیا۔

''میں ایسا کر بھی لوں تو آپ کی بیٹی کو کون سمجھائے گا؟'' رابعہ بولیں۔

''میں اس سے معافی مانگ لوں گا، اسے منا لوں گا۔'' انہیں کچھ امید نظر آئی تو جذباتی ہو گئے۔

''بہت مشکل ہے۔''

''ناممکن نہیں۔''

''اچھا، میں بات کروں گی۔''

''بس ایک بار میری بیٹی مجھے لوٹا دو، بنت رابعہ مجھے لوٹا دو۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولے تو انہیں تعجب ہوا۔

''اور نیناں؟''

''وہ تو چلی گئی۔'' انہوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

''نہیں، مظلوم کی آہیں ساتھ رہتی ہیں۔''

''میں شرمندہ ہوں، اللہ مجھے معاف کر دے۔'' وہ بہت رنجیدہ ہو گئے۔

''نیناں تو معاف کرنے نہیں آ سکتی، وہ تو چلی گئی۔'' رابعہ نے کہا تو وہ لاجواب سے رہ گئے۔

☆☆☆

رات بہت دیر سے واپسی ہوئی۔ رمان ان دونوں کو اپنی طرف لے آیا۔ نیناں کا موڈ ریحان صاحب اور طلال کی موجودگی کی وجہ سے آف تھا۔ رابعہ، ریحان کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ نیناں کی طرف دیکھتیں تو الجھن کا شکار ہو جاتیں۔ گھر پہنچتے ہی رمان اپنے کمرے کی طرف چلا گیا اس کا تھکن سے برا حال تھا۔ رابعہ، عارفہ بیگم کے کمرے میں آ گئیں۔ نیناں نے بھی صوفے پر لیٹ کر آنکھیں موندنی چاہیں۔

''ارے نیناں! بیٹا میرے پاس آؤ، خالہ صدقے۔'' عارفہ بیگم نے پیار سے پکارا تو وہ بگڑے موڈ کے ساتھ ان کے برابر لیٹ گئی۔

''بڑی دیر لگائی آپ لوگوں نے؟''

''بس دیر ہو گئی۔'' رابعہ نے مختصر جواب دیا۔

''کیا بات ہے گم صم ہو اور یہ نیناں کو کیا ہوا؟'' عارفہ بیگم نے پُرتشویش انداز میں رابعہ سے پوچھا۔

''کچھ نہیں، دراصل وہاں ریحان اور طلال آ گئے تھے۔''

''اچھا۔'' عارفہ بیگم نے خوشی بھری حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''بس اس لیے نیناں کا موڈ آف ہو گیا۔'' رابعہ نے دھیرے سے بتایا۔

''کیوں بھئی، سمجھانا تھا۔'' عارفہ بیگم بولیں۔

''اچھا چھوڑیں، یہ بتائیں آپ نے کیوں جانے سے انکار کیا؟''

''طاہرہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، دعا اکیلی پریشان ہو جاتی۔'' عارفہ بیگم نے کہا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟''

www.Paksociety.com

''بہتر ہے، دراصل کل لڑکے کے گھر جانا ہے طاہرہ کو ٹینشن ہے۔''

''اس میں ٹینشن والی کیا بات ہے؟'' رابعہ بھی لائٹ آف کر کے لیٹتے ہوئے بولیں۔

''بس بیٹی کی ماں ہے اس لیے ڈری رہتی ہے۔''

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں؟''

''بہت اچھا ہو گیا، ریحان میں تبدیلی آ گئی۔''

''خدا کے لیے بند کر دیں یہ ذکر۔'' ایک دم نیناں غصے سے چلائی۔ عارفہ دنگ رہ گئیں۔

''نیناں! بہت غلط بات ہے، باپ ہے تمہارا، سمجھنے کی کوشش کرو۔'' عارفہ بیگم نے سرزنش کی۔

''مجھے نہیں چاہیے ایسا باپ۔'' وہ منہ اور کانوں پر تکیہ رکھ کے بولی۔ رابعہ نے بہن کو اشارہ کیا تو وہ چپ ہو گئیں۔

صبح تک رابعہ جاگتی رہیں، اس الجھن کو سلجھانے کا سرا تلاش کرتی رہیں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کروٹیں بدلتے بدلتے تھک گئیں مگر کچھ بھی حل نہیں ملا۔ صورتِ حال اب یوں تھی کہ ایک طرف بیٹی تھی اور دوسری طرف شوہر، ایسا شوہر جس نے طویل عرصے بے وفائی کی اور جس سے انہوں نے محبت کی... اب بھی دل ان کے لیے نرم پڑ گیا تھا۔ پہلے والی محبت نہیں رہی پھر بھی ایک رشتے کا لمس اور اس کی مہک برقرار تھی۔ زیادہ مسئلہ تو نیناں کا تھا جو سخت متنفر ہو چکی تھی۔ اسے سمجھانا مشکل تھا۔

''یا خدا! مجھے معاف کر دے، میری رہنمائی فرما۔ میرے لیے آسانی پیدا فرما۔ میری بیٹی کا دل نرم کر دے۔ اس کے دل سے میل صاف کر دے۔'' فجر کی نماز کے بعد انہوں نے رو رو کر اللہ سے دعا کی۔ بے شک مشکلوں میں وہی مددگار ہوتا ہے۔

☆☆☆

رمان آفس جا چکا تھا۔ رابعہ نے ناشتا کرتے وقت اسے ہدایت کر دی تھی کہ آج سبحان کی برات ہے ہمیں پہلے سے جانا ہے۔ عارفہ بیگم جلدی جلدی دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئیں کہ طاہرہ پریشان، نم آلود آنکھوں کے ساتھ وہاں آ گئیں۔ دعا بھی افسردہ سی ان کے ساتھ تھی۔

''طاہرہ، کیا بات ہے؟'' عارفہ بیگم پریشان ہو گئیں۔

''وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔'' طاہرہ باقاعدہ رونے لگیں۔

''ہوا کیا، ارے دعا تم ہی بتاؤ۔'' عارفہ بیگم نے دعا سے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' وہ یہ کہہ کر نیناں کے پاس چلی گئی۔

''ظہورہ بی بی کا فون آیا ہے، لڑکے والوں نے آج آنے سے منع کر دیا ہے۔'' طاہرہ بولیں۔

''کیوں، وجہ کیا بتائی؟'' رابعہ نے کہا۔

''بس انہیں کہیں جانا ہے، ان کی آپا کی طبیعت خراب ہے پھر بتائیں گے۔'' طاہرہ نے پلّو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

''تو اس میں ایسی کون سی بات ہے؟ کوئی مجبوری ہو سکتی ہے اور دعا ہماری پھول سی بچی ہے، اس کے لیے کوئی رشتوں کی کمی ہے کیا؟'' عارفہ بیگم جھنجلا گئیں، انہیں طاہرہ کی چھوٹی سی بات پر پریشان ہونے کی عادت سے چڑ تھی۔

''لڑکا اچھا ہے، گھر بار دیکھ لیتے تو تاریخ طے ہو جاتی۔'' طاہرہ دبک سی گئیں۔

''دیکھ لیں گے، سب ہو جائے گا۔ اس میں پریشانی کیا ہے، چلو یہ لو سبزی بناؤ۔'' عارفہ بیگم نے انہیں مصروف کرنے کے لیے سبزی کی ٹوکری آگے کر دی۔

''آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں، آپ بلاوجہ ہلکان ہوئیں۔ کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے۔'' رابعہ نے تسلی آمیز انداز میں کہا تو وہ مسکرا دیں اور بہل سی گئیں۔

''رابعہ! تم کپڑے وغیرہ...'' عارفہ بیگم نے فریج سے گوشت نکالتے ہوئے کہا۔

''پہلے رمان کے ساتھ گھر جائیں گے پھر وہاں سے تیار ہو کر چلیں گے۔'' رابعہ نے بتایا۔ عین اسی لمحے گاڑی کے ہارن پر وہ چونکیں۔

''ریحان کی گاڑی؟'' ان کا خیال درست تھا۔ ملازمہ نے گیٹ کھولا تو ریحان گاڑی اندر لے آئے۔ اچانک غیر متوقع آمد پر رابعہ اور عارفہ بیگم دونوں ہی حیران ہو گئیں۔

''آداب!'' انہوں نے بڑی بشاشت کے ساتھ جھک کر کہا۔

''جیتے رہو، آؤ اندر آ جاؤ۔'' عارفہ بیگم پھولی نہیں سما رہی تھیں۔ اپنے کمرے میں لے آئیں... مگر وہاں نیناں اور دعا موجود تھیں۔ نیناں کی پیشانی پر ہزار سلوٹیں نمودار ہوئیں۔ اٹھ کر جانے لگی تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دعا باہر چلی گئی۔ رابعہ، عارفہ بیگم موجود رہیں۔

''اپنے بابا کو اس طرح چھوڑ کر جا سکتی ہو؟'' انہوں نے نیناں سے پوچھا۔

''جی ہاں، ویسے آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' وہ تلخی سے بولی۔

''آپ لوگوں کو گھر لے جانے کے لیے۔''

''تو آپ مما کو لے جائیں، میرا خیال بھی دل سے نکال دیں۔''

''رابعہ جائیں گی تو بنت رابعہ بھی جائے گی۔'' وہ پیار سے بولے۔

''مما! میں کہیں نہیں جاؤں گی۔''

''رابعہ! تم جاؤ ریحان میاں کے ساتھ، میں اسے سمجھاؤں گی۔'' عارفہ بیگم نے مداخلت کی۔

''میں ریحان کے ساتھ نیناں کی وجہ سے رہی اب اس نے اگر وہاں نہیں جانا تو...'' رابعہ نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے آپ دونوں خوش رہیں۔'' وہ مایوسی سے بولے۔

''ارے، یہ کیا بات ہوئی؟'' عارفہ بیگم بولیں۔

''بس عارفہ آپا میری ایک ہی خواہش ہے کہ میری بیٹی، رمان کے ساتھ ہمیشہ خوش رہے۔ آپ اسے اپنی بیٹی بنا لیں۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولے۔

''کیوں نہیں سو بسم اللہ مگر...'' عارفہ بیگم پریشان سی کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

''بیٹا! اللہ آپ کو رمان کے ساتھ خوشگوار اور خوش حال زندگی عطا فرمائے، آمین! اور تم اس برے باپ کو بھول جاؤ۔'' ریحان نے بڑھ کر نیناں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو چھلکے۔ وہ ایک ٹک دیکھتی رہی۔ جونہی وہ واپسی کے لیے پلٹے تو عارفہ بیگم رو دیں۔ نیناں پر بھی عجب سی کیفیت طاری ہو گئی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

وہ دروازے سے باہر نکلے تو وہ تڑپ کر روتے ہوئے ان کے پیچھے بھاگی۔
''بابا! بابا!'' وہ رکے اور پلٹے تو وہ ان سے لپٹ گئی۔
''جی بابا کی جان۔'' وہ اسے دیوانہ وار چومنے لگے۔
''آپ مجھے اتنی بڑی خوشی دے کر کیسے جاسکتے ہیں۔'' اس نے روتے روتے گلہ کیا۔
''نیناں ٹھیک کہہ رہی ہے ریحان میاں! بیٹیاں باپ کے گھر سے رخصت ہوتی ہیں، میری امانت لے جاؤ، ہم برات لے کر آئیں گے پھر رخصت کرنا۔'' عارفہ بیگم نے آگے بڑھ کر نیناں کو گلے لگالیا اور ان سے کہا۔
''آپ کا کیا خیال ہے۔'' ریحان نے جھجکتے ہوئے رابعہ سے پوچھا۔
''آپ بیٹھیں، میں سامان سمیٹ لوں۔'' رابعہ کے اس جواب میں ہی سب کچھ تھا۔ ریحان اختر نے تشکر بھری نگاہوں سے چھت کی طرف دیکھا جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں۔

☆☆☆

فیقو کی آنکھوں میں ان کے ہنسی خوشی گھرانے پر خوشی کے آنسو آگئے۔ وہ جھوم جھوم کر دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔ طلال آفس گیا ہوا تھا۔ نیناں نے بوا کا کمرا کھولا، کچھ دیر کھڑی وہاں سوچتی رہی پھر اپنے کمرے میں آگئی۔ سب کچھ ترتیب میں تھا۔ رابعہ نے اپنے بیڈروم کا جائزہ لیا، وہ خاصا بے ترتیب تھا۔ ملازمہ کو ہدایت دے کر وہ ٹی وی لاؤنج میں آگئیں۔ ریحان اختر پھل، سبزی، گوشت کی خریداری کر کے آئے تھے۔ آرام سے آنکھیں موند کر ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ہی تھے کہ چوکیدار نے انٹرکام پر مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی۔
''کون ہیں؟'' انہوں نے پوچھا۔
''جی کوئی ذوالفقار صاحب ہیں اور ایک خاتون ہیں زینت۔''
''بھیج دو۔'' انہوں نے اجازت دے دی۔
کچھ ہی دیر میں وہ دونوں اندر آگئے۔ ریحان اختر نے خاتون کو فوراً پہچان لیا۔
''آپ!''
''جی میں پہلے بھی آئی تھی۔'' زینت آپا نے نقاہت بھرے انداز میں کہا۔
''بیٹھیں، جی....''
''آپ سے صرف اتنا پوچھنا ہے کہ آپ کی بہن نے جس شخص سے شادی کی تھی، وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر بیٹا ساتھ لے آیا تھا، وہ کہاں ہے، کون ہے؟'' ذوالفقار نے بہت نرمی سے کہا۔ رابعہ بھی وہیں آگئیں۔
''اس کی ماں آپ ہیں۔'' ریحان نے براہِ راست بیمار سی، کمزور سی زینت آپا سے پوچھا۔
''جی، میں وہ بدنصیب ہوں۔''
''کس نے کہا؟ آپ تو بہت خوش بخت ہیں۔'' ریحان مسکرائے۔ رابعہ سمیت ان دونوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔
''حیرت ہے، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' رابعہ بولیں۔
''رابعہ! مجھے خود علم نہیں تھا کہ طلال، وسیمہ باجی کا حقیقی بیٹا نہیں، یہ راز بوا نے مرنے سے پہلے بتایا... مگر

ان کا اتا پتا نہیں معلوم ہوسکا تھا۔ طلال ڈسٹرب ہو کر گھر سے چلا گیا۔''
''کہاں، کہاں چلا گیا؟'' زینت آپا صدمے سے چلائیں۔
''حوصلہ رکھیں، اپنے بارے میں جان کر رنجیدہ ہوگیا۔ اب واپس آچکا ہے، اسے آپ کی تلاش تھی۔ وہ اپنی ماں سے ملنے کو بے تاب ہے... میں اسے بلاتا ہوں۔'' ریحان تیزی سے اٹھ کر کمرے میں گئے اسے فون کرنے کے لیے، ان کی عدم موجودگی میں ذوالفقار نے رابعہ کو مخاطب کیا۔
''بیگم صاحبہ! یہ کہانی تھی، میں نے جذباتی انداز میں آپ کے ذریعے اس گھر سے بدلہ لینا چاہا۔ مجھے معاف کردیجیے۔ میں فطرتاً برا نہیں ہوں۔''
''مجھے اندازہ ہے لیکن ذوالفقار اللہ صبر کا پھل دیتا ہے دیکھو ہمارا طلال ان کا بیٹا ہے۔ ہمارے سگے بھانجے سے بڑھ کر ہے۔''
''فیقو! فیقو! کھانا لگاؤ بھئی۔'' ریحان اختر واپس آتے ہوئے فیقو سے بولے۔
''بس کچھ ہی دیر میں آرہا ہے۔'' انہوں نے بتایا۔
''آپ کا شکریہ۔'' زینت آپا کی آواز خوشی سے کپکپائی۔
''شکریہ کیسا؟ ہم تو معافی کے خواستگار ہیں، اللہ ہماری بہن کو معاف کرے، یہ بہت بڑا ظلم اس نے آپ کے ساتھ کیا۔'' ریحان اختر شرمساری سے بولے۔
''میں نے وسیمہ کو معاف کیا۔'' زینت آپا نے کہا۔
''بے حد شکریہ۔''
''صاحب کھانا لگادیا ہے۔'' فیقو نے آکر اطلاع دی۔
''ٹھیک ہے، طلال آجائے پھر کھاتے ہیں۔'' رابعہ نے کہا۔

☆☆☆

ماں، بیٹے کے ملاپ پر سب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ طلال ماں کے سینے سے لگا آنسو بہا رہا تھا۔
''اب ہم طلال کو لے جائیں۔'' زینت آپا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
''دل پر پتھر رکھ کے کہنا پڑ رہا ہے کہ چند روز کے لیے لے جائیں پھر آپ سب کو ہمارے ساتھ رہنا ہے۔''
''یہ کیسے ممکن ہے؟'' ذوالفقار نے پوچھا۔
''ذوالفقار! یہ میرے ماموں، مامی ہیں، ان کا حکم سر آنکھوں پر، ہم ان کے ساتھ رہیں گے۔'' طلال نے ریحان اختر کے بازوؤں میں سماتے ہوئے کہا۔

جملہ اشتہارات (جن کے مندرجات سے ادارے کا کوئی تعلق نہیں ہوتا) نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ مشتہرین کے لیے ادارے کی معرفت آنے والی ڈاک ضائع کردی جاتی ہے، قارئین رابطے یا معلومات کے لیے براہ راست مشتہرین سے رجوع کریں۔ اس ضمن میں کسی نقصان یا شکایت کی صورت میں جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کی کوئی اخلاقی یا قانونی ذمے داری نہیں ہوگی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

''دیکھیں ذوالفقار بھائی! مدیحہ کو بھابی بن کر بھی ہمارے پاس ہی آنا ہے، کیوں طلال بھائی؟'' نیناں نے موقع غنیمت جان کر شرارت کی۔ طلال خجل سا ہوگیا۔

''انشاء اللہ! میری مدیحہ کے لیے ہمیشہ یہی دعا رہی۔'' زینت آپا نے تائید کی۔

''ٹھیک ہے آپا! طلال اور مدیحہ اس گھر میں رہیں مگر میں اپنی ماں کے ساتھ اپنے گھر میں رہوں گا۔'' ذوالفقار نے کہا۔

''ارے آپا کی جان... یہاں صرف طلال اور مدیحہ رہیں گے ہم تینوں ساتھ رہیں گے۔'' آپا نے افسردہ سے ذوالفقار کو گلے لگالیا، وہ خوش ہوگیا۔

''اب چلیں ایسا نہ ہو میرے سسرال والے رشتہ دینے سے انکار کردیں۔'' ذوالفقار نے شوخی سے کہا۔

''خدا نہ کرے، دعا تو بنی ہی تمہارے لیے ہے۔'' زینت آپا نے ہنس کر کہا۔

''دعا... کون دعا؟'' نیناں نے کریدا۔

''ہماری ہونے والی بہو...'' زینت آپا نے بتایا اور پھر سب حوالہ جات دے دیے۔ نیناں اور رابعہ چلا اٹھیں۔

''ارے، یہ کیسا اتفاق ہے، دعا کے لیے طاہرہ باجی کس قدر پریشان تھیں، یہ تو اب اپنے گھر کی بات ہے۔'' رابعہ نے زینت آپا سے کہا اور دعا سے اپنی رشتے داری کے بارے میں بتایا۔

پھر وہ لوگ ہنستے مسکراتے چلے گئے۔ ریحان اختر کے ذہن سے بوجھ ہٹ گیا۔ رابعہ کی وال کلاک پر نظر پڑی تو وہ بولیں۔ رمان انہیں لینے آچکا تھا۔

''جلدی کریں ریحان، نیناں، ہم نے سبحان کے گھر پہنچنا ہے۔''

''مما! میں نے بال ٹرم کرانے ہیں۔''

''مگر اب دیر ہوجائے گی۔''

''آپ مجھے پارلر چھوڑ کر جائیں، رمان سے کہیے گا مجھے لے لے گا۔''

''رمان تمہارے بابا کا ملازم نہیں ہے۔'' وہ اکڑ کر بولا۔

''بتاؤں بابا کو۔''

''بتادو۔''

''بابا! بابا!'' وہ چلائی تو اس نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا اور کان میں بولا۔

''میں جناب کا چاہنے والا ہوں، بابا کو بیچ میں کیوں لاتی ہو؟''

''پھر مانتے کیوں نہیں ہو؟''

''مان تو گیا ہوں، ورنہ تمہارے جیسی بلی سے کون شادی کرے گا؟'' وہ سینہ تان کر بولا تو وہ مارنے کو بڑھی۔ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

''یہ بلی تمہارا حال کردے گی۔'' اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے وہ مسلسل چیختی رہی... اور وہ قہقہے لگا کر محظوظ ہوتا رہا۔

ختم شد

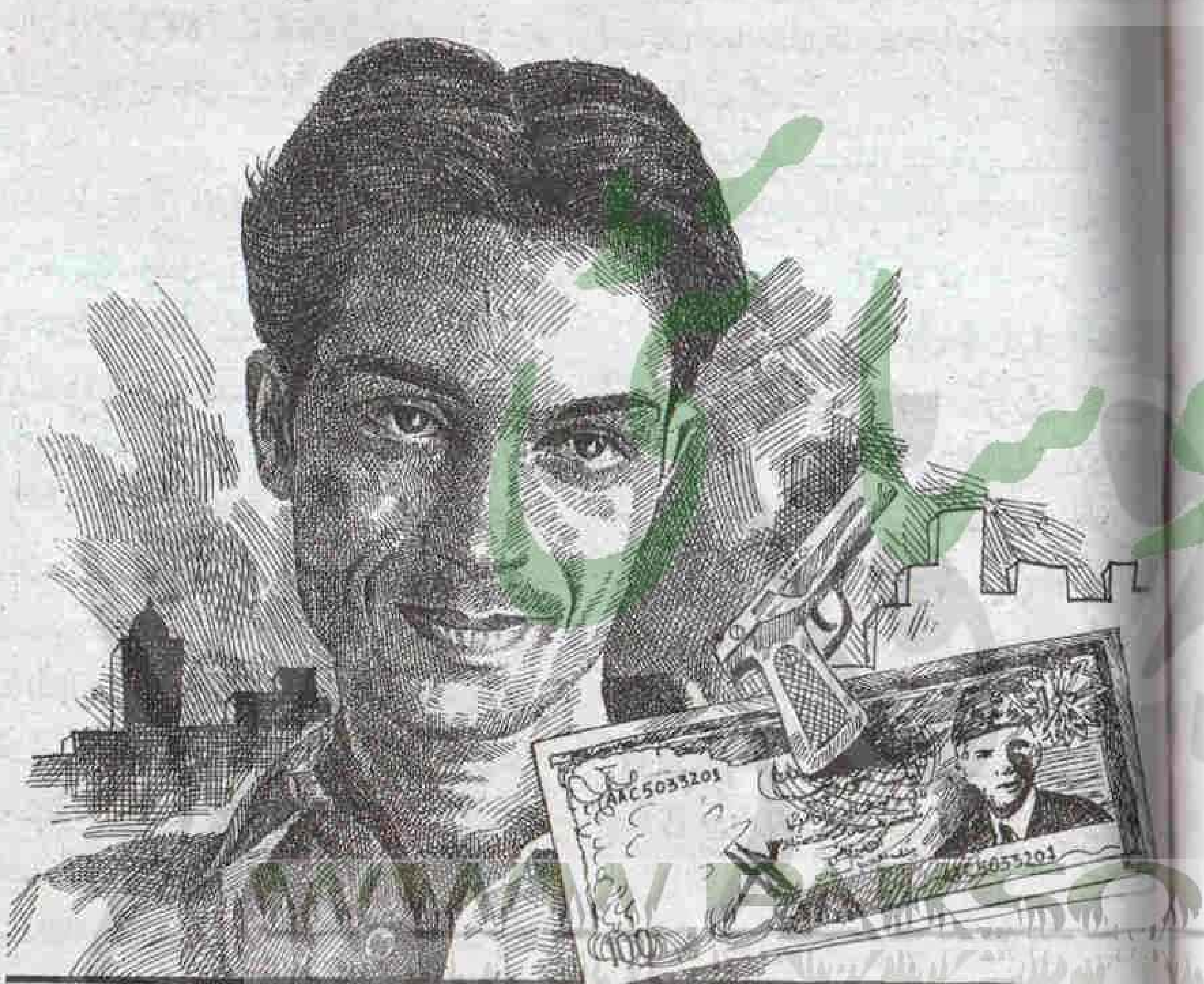

ہمارا مان ہو تم

کرن احمد

''کاکے، اٹھ جا پتر سورج چڑھ آیا ہے۔ تُو ابھی تک سویا ہوا ہے، تیرے ابّے کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے، تو بھی نہ گیا تو گھر میں کچھ بھی نہیں پکے گا پھر آج۔''

''اٹھتا ہوں اماں۔'' اس نے آدھی بند آدھی کھلی آنکھوں سے کسمساتے ہوئے جواب دیا۔ نیند میں ہی اس نے سوکھے پاپوں کا ناشتا کیا اور بوری کاندھے پر رکھ کر فیکٹری کی جانب چل پڑا۔ تیرہ

www.Paksociety.com

سال کی عمر کا کاکا اپنے کاندھوں پر بوری کا بوجھ اٹھائے پچاس سال کے بوڑھے کی طرح لگ رہا تھا۔

"یہ دھرتی ہماری ماں اور ہم سب اس کے جاں نثار بیٹے۔ پوری ریاست سے چن چن کر ہم نے پاکستان آرمی بنائی ہے اور پاکستان آرمی کا ایک، ایک سپاہی خاص ہے۔ ایک، ایک سپاہی جذبۂ حُبّ الوطنی سے سرشار ہے۔ ہمیں وطنِ عزیز تک آنے والی ہر مشکل کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹ کر کھڑے رہنا ہوگا۔ جیسے کہ ہم سے پہلے ہمارے بڑے جاں نثار سپاہی کھڑے رہے۔" اس وجیہہ دراز قد انسان کے منہ سے جو بارعب وردی میں ملبوس تھا یہ باتیں سن کر کاکا وہیں رک گیا۔ فیکٹری کے راستے میں پڑنے والی اس چھاؤنی سے گزرتے ہوئے اس نے جب یہ بلند آواز سنی تو درخت کی آڑ لے کر اس چہرے کو دیکھنے لگا جو اپنے سامنے بیٹھے ہزاروں سپاہیوں کو کچھ سمجھانے میں مصروف تھا۔

"تو فیکٹری نہ گیا تو گھر میں کچھ بھی نہیں پکے گا آج۔" اسے جیسے ہی اپنی اماں کی بات یاد آئی وہ پھر سے بوری کو سنبھالے وہاں سے چل پڑا۔ وہ بارعب چہرہ سارا دن اس کے حواسوں پر چھایا رہا۔ شام کو جب گھر لوٹا تو اماں کے سامنے اس فوجی کے ایک ایک پل کو بڑی بڑی داستانیں بنا کر سناتا رہا۔

"اماں تجھے کیا بتاؤں وہ فوجی اتنی اچھی اچھی باتیں کر رہا تھا کہ دل کر رہا تھا سارا دن بیٹھ کر بس اس کی باتیں سنتا رہوں۔ اماں اس کی وردی اتنی پیاری تھی یوں لگ رہا تھا کوئی شیر ہے۔"

"اچھا بس بس۔" اماں نے چمکارتے ہوئے کاکے سے کہا۔ "کاکے پُتر اب روٹی کھالے، پچھلے دو گھنٹے سے تو اس فوجی کے قصیدے پڑھ رہا ہے۔ اب بس کر جا، روٹی کھا کے سو جا پُتر سویرے فیکٹری بھی جانا ہے تجھے۔"

"اچھا ٹھیک ہے اماں۔" اس نے فوراً تعمیل کی۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ حسبِ معمول پھر بوری اٹھائے فیکٹری کے لیے نکلا۔ چھاؤنی کا علاقہ شروع ہوتے ہی اس کے چہرے پر خوشی کے سائے چھانے لگے۔ اس کا دل اب تک اس فوجی کے حصار میں تھا اور نظریں بھی اسے ہی ڈھونڈ رہی تھیں۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد اس کی کوشش کامیاب ہوئی۔ وہ وجیہہ چہرہ اسے نظر آ گیا لیکن آج وہ کل کی طرح باقی فوجیوں کو کچھ سمجھا نہیں رہا تھا بلکہ باقی فوجیوں کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ آج کوئی اور فوجی سفید سے تختے پر آڑی ترچھی لکیریں لگا کر انہیں کچھ سمجھا رہا تھا۔ کاکے کو تجسس ہوا۔ وہ درخت کی آڑ میں چھپ کر اس فوجی کو دیکھنے لگا۔

"کتنا پیارا ہے یہ نیا فوجی بھی۔" وہ اس نئے فوجی کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"فوجیوں کا کام صرف ملک کی حفاظت کرنا ہی نہیں بلکہ اندرونی مسائل سے جنگ کرنا بھی ہے۔ اپنے ملک کے لوگوں کی ہر مصیبت میں ان کے ساتھ کھڑے ہونا ہے۔ ہم نے اپنے بے سہارا اور مشکل میں گھرے بھائیوں کا سہارا بننے کی بھی قسم کھائی ہے۔ ہم طوفان بن کر طوفانوں کا سامنا کریں گے، آندھی بن کر آندھیوں کا۔ ہم ہر مصیبت سے لڑیں گے اور یہی قسم کھائی ہے ہم نے، اسی کا مان رکھا تھا ہمارے بڑوں نے اور اس کا ہی مان رکھیں گی ہماری آنے والی نسلیں انشاء اللہ! انشاء اللہ کا ایک نعرہ سا ابھرا اور پوری فضا گونج اٹھی۔ کاکا غور سے ان سب کو دیکھتا رہا

"ایک کے بعد ایک یہ تو سارے ہی فوجی کتنے اچھے ہیں۔ یہ کتنی پیاری باتیں کرتے ہیں۔" وہ حسرت سے سوچ رہا تھا۔ "ایسی باتیں جو میں نے کبھی نہیں سنیں۔ اوہ ربا......! کتنا ٹائم ہوگیا ہے، پتا ہی نہیں چلا۔" کاکے نے سورج کو جاتے دیکھا تو سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اس دن اسے اوور ٹائم لگانا پڑا۔ دیر سے گھر لوٹا تو اماں دروازے پر ہی کھڑی اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔

"ماں صدقے۔" اماں نے کاکے کو دیکھتے ہی محبت سے کہا۔ "اتنی دیر کہاں لگا دی تھی پُتر۔ میرا تو دل ڈوبے جا رہا تھا۔" اماں نے کاکے کو چمکارتے ہوئے کہا۔

"اماں میں اس فوجی کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ تو کل والے فوجی سے بھی اچھی باتیں کر رہا تھا، بس مجھے وہیں دیر ہوگئی۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"دیکھ کاکے پُتر، یہ باتیں ہم غریبوں کے لیے نہیں۔" اماں نے کاکے کو روٹی دیتے ہوئے کہا۔ "ہم غریبوں کی دنیا الگ ہے پُتر۔ ہم تو دو وقت کی روٹی پوری کرنے کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ ہمیں باقی باتوں سے کیا لینا دینا...... تو کیوں کملا ہوا جا رہا ہے پُتر۔" اماں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھیں۔

وہ سر جھکائے سنتا رہا۔ پر سچ تو یہ تھا کہ وہ کچھ بھی سن نہیں رہا تھا۔ اس کے کانوں میں تو اس نئے فوجی کی آواز گونج رہی تھی۔ اماں نے جب اس کا دھیان کسی اور طرف پایا تو ذرا سختی سے کہا۔

"چل اب سو جا کاکے۔ پتا نہیں کن چکروں میں پڑ گیا ہے، کل سیدھے کام پر جانا۔"

"ٹھیک ہے اماں، ناراض تو نہ ہو میری پیاری اماں۔" اس نے محبت بھری نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا۔

"یہ دھرتی ہماری ماں ہے اور ہم اس کے بہادر بیٹے۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں بھی اس دھرتی کا بیٹا ہوں۔ اس فوجی کی طرح، بہادر بیٹا۔" اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا اور ہر طرف چاندنی، چاندنی کر گیا۔ مگر وہ چاندنی گھر کے اندھیروں میں ڈوب گئی۔ اس کا دل پھر افسردہ ہوگیا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ پھر خود کو چھاؤنی کے پاس جانے سے نہ روک سکا اور دھیرے دھیرے یہ اس کا معمول ہی بن گیا۔ وہ روز کام پر جانے سے پہلے چھاؤنی میں چلا جاتا اور فوجیوں کی اس الگ دنیا کا ہو کر رہ جاتا۔ اسے چھاؤنی کے ہر فرد سے، فوجیوں کی وردی سے، ان کی باتوں سے اور دھرتی سے شدید محبت ہوگئی تھی۔ اب وہ جب تک ان کی باتیں نہ سنتا بے چین ہی رہتا۔

ان کو دیکھتے ہوئے اسے یوں لگتا کہ وہ خود بھی کوئی فوجی ہے پھر ایک دن چھاؤنی میں غیر معمولی حرکات دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ وہ فوجیوں کی پریڈ تھی چھاؤنی کو سجایا جا رہا تھا۔ ایک میلے کا سا عالم تھا۔ اس کو شدید تجسس ہو رہا تھا۔

"کسی کی شادی ہے کیا؟" اس کے دل میں سوال اٹھا۔ "نہیں، نہیں شادی ہوتی تو پوری چھاؤنی کو تھوڑی... سجایا جاتا۔"

"واہ ربا، پریڈ کرتے ہوئے تو یہ اور بھی پیارے لگ رہے ہیں۔" وہ پُرشوق نظروں سے کافی دیر فوجیوں کو پریڈ کرتے دیکھتا رہا پھر فیکٹری چلا گیا۔

www.Paksociety.com

اگلے دوتین دنوں میں اس پر یہ راز افشاں ہو ہی گیا کہ آخر کس لیے اتنی تیاریاں کی جارہی ہیں۔

''دو دن بعد 23 مارچ ہے، یہ وہی دن ہے جس میں ہم سب کو تجدیدِ وفا، تجدیدِ عہد کرنا ہوگا ہمیں، دھرتی کے بیٹوں کو سالوں پہلے ہونے والی اس قرارداد کو پھر سے اپنے ذہنوں کے تاریک کونوں تک لے جانا ہوگا۔ 23 مارچ کا دن ہر پاکستانی کے لیے بہت خاص ہے اور ہم پاکستان آرمی ہر پاکستانی کا مان ہیں، سو ہمیں تجدیدِ عہد کرنا ہوگا۔ نیتوں کے خلوص کا عہد، مددگار بننے کا عہد، غیرت، شجاعت اور ہمت کا عہد۔'' کاکا بہت توجہ سے اس فوجی کی باتیں سن رہا تھا۔ فرطِ محبت سے اس کا چہرہ جگمگا اٹھا۔

ہمیشہ وہ جب بھی ادھر آتا تو دھرتی کی محبت کے جذبوں کی اڑن طشتری پہ بیٹھ کر ساری دنیا میں اڑتا پھرتا۔ اس کا معصوم دل ایک ماں کی محبت سے دوسری ماں (دھرتی) کی محبت تک سفر کررہا تھا اور ایسی محبت کہ دن بھر کی محنت ومشقت کے بعد بھی ایک لمحے کے خیال سے مہک اٹھتا۔ فوجیوں کی سیکڑوں قطاریں دل کو گرما دینے والا منظر پیش کررہی تھیں۔ اس نے ایک نظر بادلوں سے اٹے آسمان کی طرف ڈالی۔ اس کے ننھے دل نے آسمانوں سے اوپر بیٹھی اس ہستی سے پہلی بار کچھ مانگا تھا۔

''سوہنے ربّا! کاش تو میری دعا سن لے کہ میں بھی 23 مارچ کو فوجی بن کر پریڈ کروں۔'' اس کا معصوم سا چہرہ اس کے دل میں اٹھنے والی شدید خواہش کا شدید احساس دے رہا تھا۔ اپنی اس معصوم سی خواہش کی آڑ میں وہ اپنے آپ کو اس بارعب وردی میں ملبوس پریڈ کرتے ہوئے محسوس کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر طمانیت کے رنگ پھیل گئے.. جو اگلے ہی لمحے پژمردگی میں بدل گئے۔ اس نے بوری کاندھے پر اٹھائی اور فیکٹری کی جانب چل پڑا۔ فیکٹری میں بسکٹوں کی بوری تہ خانے میں رکھتے ہوئے پاس والے چھپڑ نما کمرے میں چند سرگوشیوں نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

''ان سارے بموں کو سنبھال کر رکھنا فیکے، یہ ٹائم بم ہیں۔ ان کو مانیٹر کرنے کے لیے پیچھے سے بندے آئیں گے۔ جب تک ہمارے بندے نہ آئیں تم ان کی بہت حفاظت کرنا فیکے۔ بہت قیمتی مال ہے۔ ایک بھی بم اِدھر اُدھر ہوا تو تیری جان نکال لوں گا۔'' کاکے کا دل اچھل کر حلق میں آگیا اس نے ہمت کر کے چھپر کی طرف کھلنے والی کھڑکی ہلکی سی کھولی اور ان کے سفاک چہرے دیکھے۔

''ٹھیک ہے یار، میں کوئی نیا بندہ تو نہیں ہوں، اس کام میں۔'' فیکے نے کہا۔ ''تو تو خوامخواہ رعب جھاڑ رہا ہے مجھ پر۔'' دل شیر بھائی، یہ تو بتاؤ اب کی بار کہاں کا پروگرام ہے کس کا پتا صاف کرنا ہے؟'' فیکے نے مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''پاکستان آرمی۔'' جواب آیا اور اس کے ساتھ ہی ان دونوں کی سفاک ہنسی بھی۔

''23 مارچ ان کے عزم کا دن نہیں موت کا دن بن جائے گا فیکے۔'' کاکے کو ان سفاک لوگوں سے نفرت ہورہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہ وجیہہ چہرے، بارعب آوازیں، سچے جذبے آنسو بن کر چمک رہے تھے۔

دل شیر جاچکا تھا اور کاکے کے اندر کے فوجی نے اسے راہ دکھادی تھی جس پر چل کر اسے اس آزمائش پر کھرا اترنا تھا۔

''صاحب آپ کے لیے کھانا لایا ہوں۔'' کاکے نے چھپر میں قدم رکھتے ہی کہا۔

''اوہ اچھا کاکے شاباش، بڑی زوروں کی بھوک لگی تھی پُتر، رکھ دے اِدھر۔'' اس نے چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں ہاتھ منہ دھو کے آتا ہوں۔'' فیکا جیسے ہی ہاتھ دھونے باہر والے نل پر گیا کاکے نے پوری قوت سے وہ بموں والی بوری اٹھا کے کندھوں پر رکھی اور بسکٹوں والی بوری اس کی جگہ پر رکھ دی۔ وہ بڑی مشکلوں سے بوری کو گھسیٹتے ہوئے چھپڑ سے دور نکل آیا۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد وہ چھاؤنی تک پہنچا۔ اس کے ہاتھ بوری کی رگڑ کی وجہ سے چھل گئے تھے۔ وہ بہت مشکل سے چھاؤنی میں واقع نرسری تک پہنچا تھا کہ مالی نے اسے روک لیا۔

''اے لڑکے، کدھر جارہے ہو تم؟'' مالی نے اس کو روک کر پوچھا۔

''مجھے میجر صاحب سے ملنا ہے۔''

''اوہ، یہ منہ اور مسور کی دال، چل جا اپنا کام کر لڑکے۔ وہ کوئی چھوٹی موٹی چیز تھوڑی ہیں جو کسی بھی راہ چلتے سے مل لیں گے۔ چلو نکلو یہاں سے۔'' مالی نے حقارت سے کہا۔

''نہیں، نہیں میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے اُن سے ملنا ہے۔ بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' کاکے نے رو دینے والے انداز میں کہا۔ کچھ دیر میں دوسرا مالی بھی آگیا۔

''میجر صاحب دورے پر ہیں، اس لڑکے کو بھگا دو کرم دین، ورنہ ہم دونوں کی نوکری جائے گی۔''

''اے لڑکے، چل بھاگ یہاں سے تو اندر آ کیسے گیا۔ چل جا یہاں سے۔'' انہوں نے اسے دھکا دیا۔

''نہیں جاؤں گا میں۔'' کاکے نے روتے ہوئے کہا اور چیخ چیخ کر میجر صاحب کو آوازیں دینے لگا۔ کچھ ہی دیر میں آرمی جیپ کاکے کے پاس آرکی۔

''کیوں بھئی، کیا شور مچا رکھا ہے یہاں؟'' میجر صاحب نے پوچھا۔

''کچھ نہیں صاحب، یہ لڑکا پتا نہیں کون ہے

امیدِ نو

مرے ٹوٹے ہوئے خوابوں پہ کیوں اظہارِ حسرت ہے
یہی خوابوں کی ٹوٹی کرچیاں منزل نشاں ہوں گی
ذرا نظمینِ گلشن کو ہنر مند ہاتھ ملنے دو
ہمارے آج کی یہ کلفتیں کل داستاں ہوں گی

ابھی صحنِ چمن پر ناہنر مندوں کی یورش ہے
ابھی صحنِ چمن ہے بر عمالِ ناہنر منداں
ابھی گل بوٹے، رنگ ونور پہ قابض ہیں بدطینت
ابھی چاکِ گریباں عام ہیں اور چاک داماناں

ابھی امید کے سورج پہ بادل ہیں مگر کب تک
انہیں بادل سے امرت بارشوں کی شکل برسے گا
ابھی بانا کہ زندہ رہنے سے تو موت بہتر ہے
یہی فقرہ زبانِ کل پہ آنے کو بھی ترسے گا

ہمارا آنے والا کل، ہمارے خواب کی تعبیر
ہزاروں سورجوں کی تاب لے کر آنے والا ہے
ابھی کچھ وقت ہے، جاں پر بنی ہے، جھیل جا طالب
ابھی خاطر جمع رکھ، آسمانوں پر اجالا ہے

شاعر: مشیر طالب
مرسلہ: آمنہ مشیر، نیویارک

کب سے آپ سے ملنے کی ضد کر رہا ہے۔'' کاکے نے میجر صاحب کی طرف دیکھا اور اس وجیہہ چہرے کو دیکھ کر ساری تھکاوٹ بھول گیا۔

''اِدھر آؤ، کیا بات ہے بیٹا، کون ہو تم اور کیوں ملنا چاہتے ہو مجھ سے۔'' کاکا اس لمحے نہال ہو گیا وہ میجر صاحب کے پاس گیا اور الف سے لے کری تک ساری روداد میجر صاحب کو سنا دی۔

''شاباش بیٹا!'' اس خوب صورت چہرے والے نے اس کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ اس لمحے کاکے کو یوں لگا کہ وہ کسی جنت میں ہے۔

☆☆☆

''آج دوسرا دن ہے کاکے کے ابا پتا نہیں میرا کاکا کہاں ہوگا، کہاں چلا گیا وہ۔'' اماں کی آنکھیں رو رو کر سوج گئی تھیں۔

''پتا نہیں میرا بچہ کس حال میں ہوگا، کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا۔'' اماں کے دل نے پھر آہ و زاری شروع کی اور پھر اسے ڈھونڈنے نکل پڑیں۔

''ارے، یہ سب تم کہاں جا رہے ہو؟'' گلی میں بچوں کے ٹولے کو تیار ہو کر نکلتے دیکھ کر اماں نے پوچھا۔

''وہ خالہ آپ کو نہیں پتا آج 23 مارچ ہے۔ اپنی چھاؤنی میں بڑی پریڈ ہونے والی ہے۔ جنگی جہاز اڑیں گے خالہ۔ ہم تو وہی دیکھنے جا رہے ہیں۔''

''بڑی پریڈ...... چھاؤنی۔'' اماں کے ذہن میں روشنی سی پیدا ہوئی۔ ''وہیں ہوگا میرا کاکا۔'' ماں کا دل بے تاب ہوا اور وہ بھی چھاؤنی کی طرف چل پڑی۔

اماں نے ایک نظر سارے میدان پر ڈالی، دور حدِ نظر تک فوجی ہی فوجی تھے۔ بارعب قطاروں سے ایمان کی خوشبوئیں نکل رہی تھیں۔ اتنے میں میجر صاحب کا خطاب شروع ہوا۔ اماں نے سنا وہ میجر صاحب کہہ رہے تھے۔

''آج میں آپ کو ایک ننھے فوجی سے ملوانے والا ہوں؛ جو نہ صرف اس کے ماں باپ کے لیے بلکہ اس ملک کے لیے بھی فخر کا باعث ہے۔ جو پاکستان آرمی کا محسن ہے۔ ایک ایسا تیرہ سالہ بچہ جو اپنی محبت کے ہاتھوں، جو اپنے جذبۂ حب الوطنی کے ہاتھوں موت کے منہ میں گھس گیا اور اس دھرتی کے ہزاروں بیٹوں کو موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا۔ ایک ایسے بڑے گینگ کا پردہ فاش کیا جو پچھلے تین سالوں سے پاک آرمی کو مطلوب ہے۔ وہ حقیقت میں اس ملک کا فخر اور دھرتی کا بہادر بیٹا ہے۔ آپ سب پُرزور تالیوں میں اس ننھے فوجی کا استقبال کریں جس کا نام ہے طلحہ عرف کاکا۔'' سارا میدان تالیوں کی گونج سے چیخ اٹھا۔ ہر نظر طلحہ کو دیکھنا چاہتی تھی۔ اماں کی بے تاب نظریں طلحہ کے چہرے پر گڑی تھیں جو فوجی لباس میں کوئی آسمانی مخلوق لگ رہا تھا۔ اتنا خوب صورت چہرہ، اتنی متانت، اتنی ایمانداری۔

''ماں صدقے جائے کاکے تیرے۔''

میجر صاحب نے اعلان کیا۔ ''اب...... طلحہ اور اس کی فیملی آرمی کی دی گئی رہائش میں رہیں گے، طلحہ میرے بچوں کے ساتھ ان کے اسکول میں پڑھے گا اس کے سب خرچ پاکستان آرمی اٹھائے گی۔'' اماں کی آنکھیں چھلک اٹھی تھیں۔ اس کی نظریں کاکے کے چہرے سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں اور تالیوں کی گونج بڑھتی جا رہی تھی۔

ناولٹ

دوامِ زندگی

سکینہ فرخ

''سنیں......'' ردا نے سوئے ہوئے ایاز کو ...سے ہلاتے ہوئے پکارا۔ دوسری جانب ایاز گہری نیند میں تھا۔ ردا کی ہلکی سی ''سنیں'' اس کی گہری نیند کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ ناچار ردا نے قدرے بلند آواز میں اسے پکارا۔

''سنیں......! اٹھ جائیں باہر امی ابا آئے ہیں۔'' اب بھلا تین دن کی بیاہی دلہن نوشہ میاں کی گہری نیند اور اس نیند سے اٹھائے جانے پر آنے

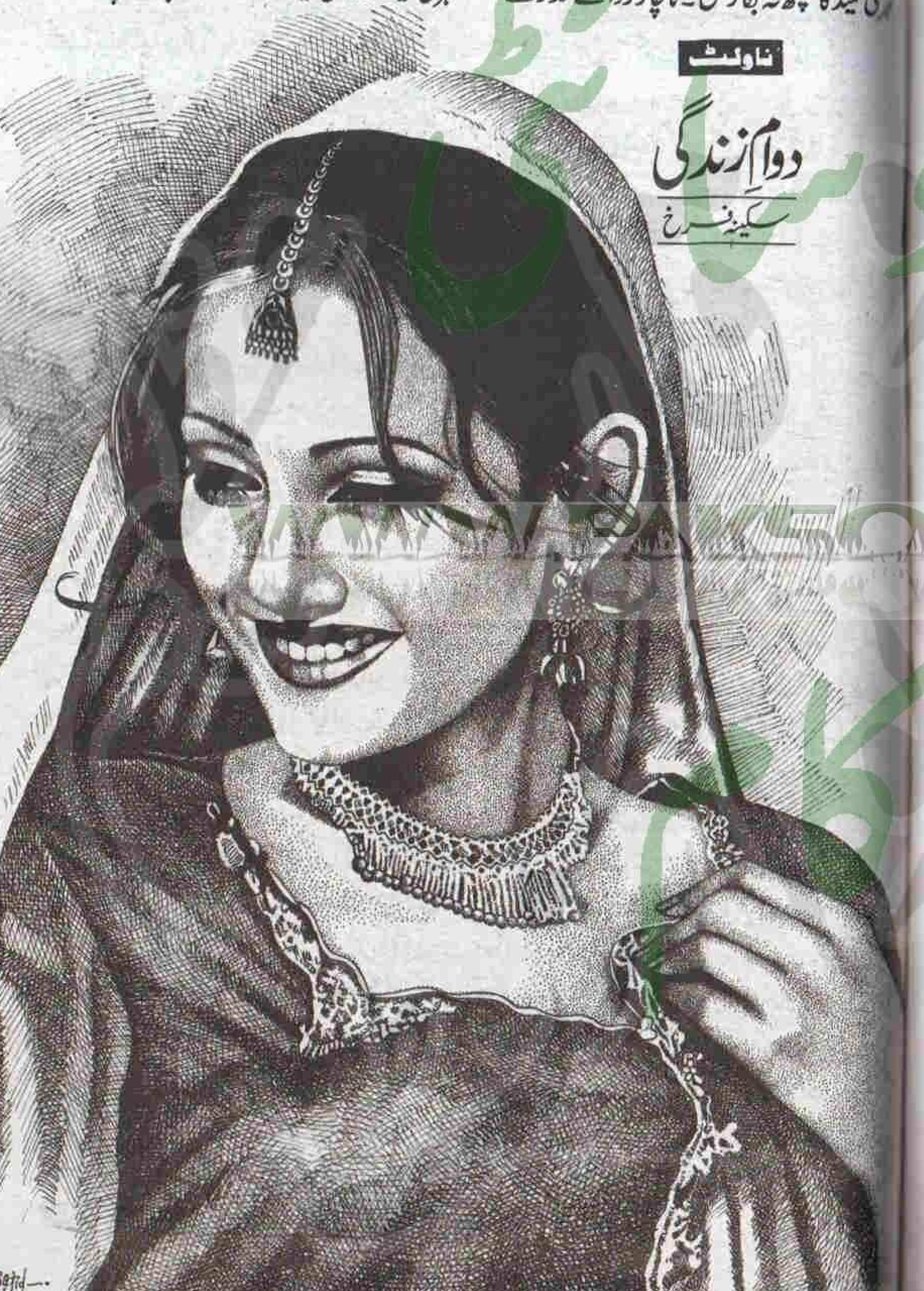

www.Paksociety.com

والے غصے سے کب واقف تھی، سو جو پچھلے تین دن سے نوشہ میاں کے منہ سے جھڑتے پھولوں کو چن رہی تھی، راکٹ فائر ہوتا ہوا دیکھ کر بدک کے پیچھے ہٹ گئی۔

”افوہ...... کیا مصیبت آگئی ہے، کیوں جگا رہی ہو مجھے۔“ ایاز شاید اتنی ہی گہری نیند میں تھا کہ یہ تک فراموش کر بیٹھا کہ وہ خیر سے شادی شدہ ہو چکا ہے اور اسے جگانے والی اس کی نئی نویلی دلہن ہے۔ مگر دوسری طرف شاید وہ بھی ہتھیاروں سے لیس ہو کے میدان میں اتری تھی۔ ایاز کا تندو تیز جملہ اسے سخت ناگوار گزرا فوراً تنک کے بولی۔

”مصیبت نہیں آئی ہے میرے امی، ابا آئے ہیں، ڈرائنگ روم میں بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

”یہ کون سا وقت ہے کسی کے گھر جانے کا۔“ ایاز کے منہ سے نکلا، نہ جانے وہ نیند کے عالم میں بے خبر تھا یا بے لگام ہو جایا کرتا تھا۔

”تو آپ ہی فرمائیں کہ آپ کے گھر آنے کے کون سے اوقات مقرر ہیں تاکہ آئندہ کے لیے میں سب کو مطلع کر دوں ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مغرب کی اذان ہو رہی ہے۔“ وہ اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

ایاز ایک دم حواسوں میں آگیا اور بیڈ پر بیٹھ کے سر کھجانے لگا پھر اس کا باہر آ کے سب سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی کوئی کام نہ آیا۔ ردا کے دل میں جو گرہ پڑ گئی تھی وہ آسانی سے کھلنے والی نہیں تھی۔ بعد میں ایاز کی معذرت کسی کام نہیں آئی۔ ردا یہ ماننے کو تیار نہیں تھی کہ ایاز نے ساری بکواس نیند کے عالم میں کی تھی۔ ایاز جب صفائیاں دے دے کر ہار گیا تو جھنجلا کر بولا...... ”ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی، جو سمجھنا چاہو سمجھتی رہو۔“ بات گو کہ عجیب تھی مگر حقیقت تھی اور جلد ہی سب پر آشکار بھی ہو گئی، دولہا، دلہن کی آپس میں نہیں بنتی...... جس نے سنا حیرت سے دانتوں میں انگلی داب لی۔

”ارے ابھی شادی کو دن ہی کتنے گزرے ہیں، دو ماہ مکمل نہیں ہوئے اور ابھی سے جھگڑے شروع۔“ راحت آپا تشویش سے بولیں۔

”بظاہر تو دونوں سب کے سامنے نارمل انداز میں رہتے ہیں۔“ نگہت نے اطمینان ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کی۔

”مگر اماں غلط تو نہیں کہیں گی۔ انہوں نے خود ردا اور ایاز کے کمرے سے اکثر تیز تیز بولنے کی آوازیں سنی ہیں جیسے دونوں میں کسی بات پر تکرار ہو رہی ہو۔“ عفت نے کن انکھیوں سے ماں کی طرف دیکھا جو بے چاری خود کافی پریشان نظر آ رہی تھیں۔

”کچھ بھی ہو، اس قصے کا سائرہ بھابی کو ہرگز ہرگز علم نہیں ہونا چاہیے ورنہ وہ نہ صرف خود ہم پر ہنسیں گی بلکہ اس واقعے کی شہرت پورے خاندان بھر میں پھیلانے میں ذرا دیر نہیں لگائیں گی۔“ نگہت نے سب کو وارننگ دیتے ہوئے کہا۔

”بچوں جیسی باتیں کرتی ہو تم بھی، اب یہ کیسے ممکن ہے کہ بات سائرہ تک نہ پہنچے۔ ایک ہی گھر میں رہتی ہے وہ اور ہے بھی خیر سے کافی تیز، مجھے تو شک ہے کہ اسے اس قصے کی بھنک مل چکی ہے تبھی اکثر آتے جاتے وہ مجھ پر طنزیہ نگاہوں کے تیر چلانے سے باز نہیں آتی۔ منہ سے تو کچھ بولتی نہیں مگر نگاہوں نگاہوں میں بہت کچھ کہہ جاتی ہے۔ اب کل بھی ایاز بغیر ناشتا کیے دفتر چلا گیا۔ ردا بیگم بڑی سوتی رہیں پھر بارہ بجے وہ اپنے کمرے سے باہر نکلیں تو بھی اکتائی اکتائی...... کچھ دیر یہاں وہاں ٹہل کے دوبارہ کمرے میں گھس گئیں۔ اس وقت سائرہ نے جن نگاہوں سے مجھے دیکھا...... مانو میں تو کٹ کے رہ گئی۔ اس کی نگاہوں میں یہی سوال تھا کہ کیا یہی ہیں وہ ہیرے موتی جڑی لاجواب بہو جو آپ اپنے

لاڈلے بیٹے کے لیے بڑی تلاش اور چھان پھٹک کے دریافت کر کے لائی ہیں۔“ اماں کا لہجہ آزردہ تھا۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر مسئلہ کیا ہے، بظاہر تو ہمارے بیٹے میں کوئی خرابی نہیں لاکھوں میں ایک ہے۔ شکل و صورت، تعلیم، خاندان کہیں سے کوئی کمی نہیں ہے۔“ راحت آپا کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں اور واضح ہو گئیں۔

”کمی تو ایاز بھائی میں بھی کوئی نہیں، وجیہہ شکل و صورت، تعلیم اور سب سے بڑھ کر اعلیٰ عہدہ...... چاند سورج کی جوڑی ہے دونوں کی۔“ عفت قدرے تیز لہجے میں بولی۔

”تم ہی باتوں باتوں میں پتا لگانے کی کوشش کرو دونوں میں اختلاف کی وجہ کیا ہے۔ بہنوں میں تم سب سے چھوٹی ہو، ردا اور تم میں عمر کا فرق بھی ایک آدھ سال ہی ہوگا۔ تم سے اس کی خاصی بے تکلفی ہے۔“ راحت آپا عفت کی طرف دیکھ کر بولیں۔

”چپ ہو جاؤ، سائرہ ادھر ہی آ رہی ہے۔“ اماں کرسی کے ساتھ ہی رکھے تخت پر بیٹھی تھیں سائرہ کو کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ کر جلدی سے بولیں۔ چند لمحوں میں موضوع بدل چکا تھا۔ راحت آپا اب اماں کو اپنے بچوں کی شرارتوں کے قصے کچھ اس طرح سنا رہی تھیں جیسے بڑی دیر سے یہی بات ہو رہی تھی۔

☆☆☆

”کل شام کاشف کی طرف چلنا ہے، اس نے کھانے پر انوائٹ کیا ہے۔“ ایاز نے واش روم سے باہر آتے ہوئے انکشاف کیا تو وہ تنک گئی۔

”کیوں، کل جب میں نے کہا تھا کہ ہفتے کی رات اماں کی طرف چلتے ہیں تو آپ نے صاف انکار کر دیا تھا کہ میں پچھلے کئی ویک اینڈز سے دعوتیں کھا کھا کر بور ہو گیا ہوں، اس ویک اینڈ کو گھر پر آرام کروں گا۔ میں اپنا دل مار کر چپ ہو گئی اور اب دوست کی طرف جانے کو فوراً تیار ہو گئے۔“

”مجبوری ہے، وہ تو شادی کے فوراً بعد سے دعوت کے لیے ٹائم مانگ رہا ہے، میں ہی اسے ٹالتا رہا کہ فیملی کی دعوتیں ہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ اب وہ اگلے ہفتے جاپان جا رہا ہے اپنے بزنس کے سلسلے میں اس لیے اس بار اسے انکار نہیں کر سکتا۔“ ایاز نے سرد لہجے میں کہا۔

”ہونہہ۔“ ردا نے گردن جھٹکی اور غصے میں ٹی وی آف کر کے کروٹ دوسری جانب بدل لی۔

”یہ تم ہر وقت ہر چیز میں مقابلے بازی کیوں کرتی ہو اور میری سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ تم ہر وقت کونین کیوں چبائے رکھتی ہو۔“ ایاز اس کے تنکنے پر برا مان کر بولا۔

”شادی کے چوتھے دن جو کونین آپ نے میرے منہ میں ڈال دی ہے اب اسے چبانا تو میری مجبوری ہے۔“ ردا پہلے سے زیادہ تنک کر بولی۔

”بات کا بتنگڑ بنانا تو تمہیں خوب آتا ہے۔ اس طرح خوش ہو تو یونہی سہی، چباتی رہو کونین اور کرتی رہو زندگی کو کڑوا۔ مرضی ہے تمہاری۔“ وہ بھی غصے کے عالم میں منہ دوسری طرف کر کے سوتا بن گیا۔

☆☆☆

”بھئی ہم نے تمہاری کوکنگ کی بڑی تعریف سن رکھی ہے۔ کب دکھا رہی ہو اپنے ہاتھ کے کمالات......؟“ سائرہ بھابی کے لہجے کی خاص بات یہ تھی کہ انتہائی نرم ہونے کے باوجود شیشے کی کاٹ رکھتا تھا۔ اماں نے چونک کے پہلے بڑی بہو اور پھر چھوٹی بہو کی طرف دیکھا جس کی پیشانی ایک دم شکن آلود ہو گئی تھی مگر جواب ندارد۔

”ہاں، ہاں کیوں نہیں، باقاعدہ کھیر پکوائی کی رسم ہوگی اور ردا اپنے کمالات ضرور دکھائے گی۔“ انہوں نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

www.Paksociety.com

''سوری اماں مگر مجھے تو کچھ خاص پکانا نہیں آتا۔'' ردا کا لہجہ نارمل تھا۔ اماں کا منہ ایک دم کھلا اور پھر بند ہوگیا۔ سائرہ بھابی ایک طنزیہ نگاہ ساس اور بہو پر ڈال کر کچن کی طرف مڑ گئیں۔ وہ بھی کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی چینلز بدل بدل کر دیکھتی رہی پھر اکتا کے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی اور اماں بیٹھی سوچتی رہ گئیں کہ یہ بیل آخر منڈھے کس طرح چڑھے گی۔

☆☆☆

''کچھ کرو عفت مجھے تو ہول اٹھنے لگے ہیں۔'' اماں بے چینی سے بولیں۔

''ہول تو مجھے بھی اٹھ رہے ہیں۔ کل وہ دونوں میرے گھر آئے تھے۔ ردا لاتعلقی سے بیٹھی رہیں سارا وقت، ایک لفظ بھی منہ سے نہیں بولیں...... فہیم نے بہت محسوس کی ہے یہ بات۔'' عفت کافی خفا لگ رہی تھی۔

''کل وہ ایاز کے مجبور کرنے پر اس کے ساتھ گئی تھی تم تینوں بہنوں کی طرف، پتا نہیں باقی دو کے ہاں کیا گل کھلا کے آئی ہے۔'' اماں کا لہجہ سائرہ کو لاؤنج کی طرف بڑھتا دیکھ کے آہستہ ہوگیا۔

''کیا ہوا اماں، آواز نہیں آرہی......'' دوسری طرف عفت نے کہا۔

''بس اب ختم کرتی ہوں، باقیوں کو بھی فون کر کے پوچھتی ہوں ان کے ہاں کیا رہا۔'' اماں نے کہا۔

''ان سے کیا پوچھتی ہیں، مجھ سے پوچھ لیں، راحت آپا کے گھر دونوں میں تو تو میں میں ہوگئی۔ وجہ کچھ خاص نہیں تھی۔ ایاز بھائی اسلم بھائی اور دونوں بچوں فہد اور فرحان سے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ ماحول کافی اچھا تھا، بس راحت آپا کی شامت، انہوں نے ردا سے پوچھ لیا کہ کیا ہوا تم کیوں اتنی خاموش بیٹھی ہو، بس چڑ کے بولیں آپ کے بھائی بول رہے ہیں کیا یہ کافی نہیں ہے جو میں بھی بولنا شروع کردوں۔ راحت آپا بے چاری اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔ ایاز بھائی نے نہ جانے اپنا غصہ کیسے ضبط کیا پھر وہ دونوں اچانک ہی اٹھے اور بغیر کچھ کھائے پیے ان کے گھر سے روانہ ہوگئے۔ نگہت کے گھر وہ گئے ہی نہیں۔ وہ بے چاری انتظار ہی کرتی رہ گئی۔''

''بس اب کل ہی سے موڈ آف کیے پڑی ہے۔ ایاز الگ غصے میں ہے۔ تمہیں تو ایاز کے مزاج کا پتا ہی ہے پل میں تولہ پل میں ماشہ، اوپر سے بالکل باپ پر گیا ہے سخت طوفانی۔'' اماں نے ٹھنڈی سانس بھر کے اپنے مرحوم شوہر کو یاد کیا۔

''مجھے تو ردا بھی کچھ اسی قسم کی طبیعت کی لگتی ہے۔ موڈ اچھا تو ہنسنا بولنا، سب میں گھل مل جانا اور اگر موڈ خراب ہو تو منہ پھلا کے بیٹھے رہنا۔'' عفت نے تجزیہ کیا۔

''مردوں اور عورتوں میں فرق ہوتا ہے، مرد بہرحال مرد ہوتا ہے، ہمیشہ عورت کو ہی سمجھوتا کرنا پڑتا ہے اور خلافِ مزاج باتوں کو سہنا پڑتا ہے۔'' اماں نے لگے ہاتھوں بیٹی کو بھی سمجھایا جو پورے میکے اور سسرال میں تیکھا مرچ کے نام سے مشہور تھی۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ فہیم بہت ٹھنڈے مزاج کا اور صابر و شاکر قسم کا آدمی تھا جو بیگم کے ناک پر دھرے غصے کو بہ آسانی پی جاتا تھا ازدواجی زندگی کے دو سال بڑے سکون سے گزر گئے مگر اماں بہرحال ماں تھیں، بیٹی کی فسادی طبیعت سے اچھی طرح واقف بھی تھیں اس لیے اسے سمجھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھیں۔

''ہاں بالکل مرد اگر ایاز بھائی کی طبیعت والا ہو تو اس کی بیوی کو تو سمجھوتا کرنا ہی پڑے گا ورنہ تم اپنی راہ ہم اپنی راہ والا معاملہ ہوجائے گا۔'' عفت نے قیاس آرائی کی۔

''خدا کے لیے منہ سے اچھی بات نکالو، کبھی کبھی کا وقت قبولیت کا ہوتا ہے۔'' اماں دہل کے بولیں۔ ان سے مزید بات ہی نہیں کی گئی اور انہوں نے الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کردیا۔

☆☆☆

صبح ہر روز سے زیادہ دلکش اور سہانی تھی اور اماں کو اس لیے اور بھی زیادہ اچھی لگی کہ اس دن بہو بیگم کا موڈ بہت اچھا تھا۔ ایاز بھی کافی خوش خوش سا آفس گیا تھا۔ ردا نے نہ صرف اسے اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنا کے دیا تھا بلکہ اس کے ساتھ ٹیبل پر بیٹھ کر اسے کروایا بھی تھا۔ اس کے دفتر جانے کے بعد اپنے کمرے میں گھسنے کے بجائے ان کے پاس آکر بیٹھ گئی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ انہیں بہت اچھا لگا۔ سائرہ ایک ہفتے کے لیے میکے گئی تھیں۔ وہ ابھی یہی بیٹھی سوچ رہی تھیں کہ آج کھانا انہیں ہی پکانا پڑے گا مگر ردا کا یہ پوچھنا کہ اماں آج کھانے میں کیا بناؤں؟ انہیں مزید حیرت زدہ کر گیا۔

پھر پورا ہفتہ وہ اسی حیرت کا شکار رہیں۔ ردا نے خوش اسلوبی سے نہ صرف پورا گھر سنبھال لیا تھا بلکہ خندہ پیشانی سے گھر آئے مہمانوں کی خاطر مدارات اور ایاز کے چھوٹے موٹے کاموں کے ساتھ ساتھ اماں کی خدمت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

ایاز بھی بہت خوش نظر آرہا تھا، دو تین دفعہ شام میں وہ دونوں اکٹھا گھومنے پھرنے بھی گئے۔ اماں چند دن تو خوش رہیں اور حیران رہیں، اس کے بعد ایک عجیب سی بے چینی نے انہیں آگھیرا۔ اپنی اس بے چینی کا اظہار انہوں نے راحت آپا سے کردیا جو شام میں ان سے ملنے آئی تھیں اور بھابی کی مہربانیاں حلق سے اتارنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''پتا نہیں ایاز کو کیا ہوا ہے، بالکل تبدیل ہو کے رہ گیا ہے۔'' اماں تشویش سے بولیں۔

''وہی تو میں بھی دیکھ رہی ہوں، کہاں تو بیوی سے اکھڑا اکھڑا رہتا تھا اور اب یہ حال ہے کہ آگے پیچھے ہوا جارہا ہے۔'' راحت آپا حیران تھیں۔

''سر چڑھا لیا ایک دفعہ تو خود ہی پچھتائے گا۔'' اماں کافی خفا تھیں۔

''اماں آپ کے دونوں بیٹے بیوی کے غلام نکلے۔ سرفراز بھائی تو پہلے دن سے ہی سائرہ بھابی کے پلو سے بندھ گئے تھے، کم از کم ایاز سے ایسی امید نہیں تھی۔'' راحت آپا کافی مایوس نظر آرہی تھیں۔

''شروع کے کئی مہینے تو ہمیں دہلائے رکھا، میں تو خوفزدہ ہی رہی کہ کہیں کوئی ایسی ویسی بات نہ ہوجائے جو جگ ہنسائی کا سبب بن جائے اور اب ایک دم کایا پلٹ گئی ہے۔'' اماں خفا خفا سے لہجے میں بولیں۔

''شروع شروع میں تو اشاروں کنائیوں میں ایاز کو سمجھایا تھا کہ بیوی کو قابو میں رکھنا پھر ان دونوں کے تیور خراب دیکھ کر میں تو چپ ہی ہوگئی تھی کہ کہیں کوئی مسئلہ ہی نہ بن جائے مگر اب تو لگتا ہے کہ بازی ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ عجیب لوگ ہیں یہ بھی۔ دوسرے شروع شروع میں اچھے بنے رہتے ہیں بعد میں کھلتے ہیں، یہ لوگ پہلے لڑ بھڑ لیے اور اب شیر و شکر ہو کے بیٹھ گئے ہیں۔'' راحت آپا بھی خفگی سے بولیں۔

''آج رات سائرہ بھی واپس آرہی ہیں۔'' اماں نے بیٹی کو آگاہ کیا۔

''بڑی جلدی خیال آگیا واپسی کا۔'' راحت آپا کافی چڑی ہوئی لگ رہی تھیں۔

''ہاں، ہفتے کا کہہ کے گئی تھیں۔ دس دن لگا کے آئیں گی۔ بچوں کے اسکول کھلے ہوئے ہیں، امتحانات نزدیک ہیں، کسی بات کی پروا نہیں کی اور چلی گئیں میکے کہ بڑا بھائی چھ سال کے بعد امریکا سے آیا ہے صرف پندرہ دنوں کے لیے۔'' اماں طنز سے بولیں۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

”راحت آپا کافی چلے گی یا چائے؟“ یکایک ردا کمرے میں داخل ہوئی تو وہ دونوں چونک گئیں۔

”کچھ نہیں، چائے تو تم پہلے ہی پلا چکی ہو اب اور خواہش نہیں ہے۔ اسلم مجھے آفس سے واپسی پر لینے آئیں گے تو ان سے پوچھ لینا۔“ راحت آپا نے بہ مشکل مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔ اماں خاموش بیٹھی تسبیح کے دانے گراتی رہیں اور ردا جیسے ہنستے مسکراتے آئی تھی۔ جی اچھا کہہ کر واپس مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

”کیا ہم ہمیشہ ایسے ہی نہیں رہ سکتے؟“ ایاز نے پیار سے ردا کا ہاتھ تھام کے کہا تو وہ مسکرا کے رہ گئی۔

”میں تم سے بہت پیار کرنے لگا ہوں، اتنا کہ تمہارے بغیر اب جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میرے ساتھ یونہی ہنستی مسکراتی، مجھ پر اپنی محبت لٹاتی رہنا۔“ ایاز نے دوبارہ کہا۔

”آپ بھی یونہی میرا ساتھ دینے والے، مجھ پر بھروسا کرنے والے اور مجھ سے محبت کرنے والے رہیے گا۔ بدل مت جائیے گا۔“ ردا نے بہت پیار سے کہا۔

”میں تو ہوں ہی تمہارا، میرا سب کچھ تمہارے لیے ہے۔“ ایاز نے مسکراتے ہوئے یقین دلایا۔

”میں آپ کے اسی اعتماد کے سہارے جی سکتی ہوں۔ میرا سارا خلوص آپ کے ہی لیے ہے۔“ ردا کا لہجہ بہت محبت بھرا تھا۔

”تم ہنستے ہوئے کتنی پیاری لگتی ہو، غصہ مت کیا کرو، وہ تم پر بالکل اچھا نہیں لگتا۔“ ایاز نے ہنستے ہوئے اس کے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔

”میں کب غصہ کرنا چاہتی ہوں، وہ تو آپ بات ہی ایسی کر دیتے ہیں جس پر مجھے غصہ آ جاتا ہے۔“ ردا نے کہا۔

”نہیں خیر، مزاج تو تمہارا کچھ کچھ غصے والا ہے، برداشت کم ہے تمہارے اندر۔“ ایاز نے کہا۔

”جو باتیں برداشت کے قابل ہوں انہیں برداشت کر لیتی ہوں، جو ناقابلِ برداشت ہو جائیں ان کا کیا کیا جائے۔“ ردا کا لہجہ کچھ کچھ سپاٹ ہو چلا تھا۔

”تمہارے کہنے کا مطلب ہے میری باتیں اور میں تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہیں۔“ ایاز سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔“ ردا کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔

”تو اور اس کا کیا مطلب ہے؟“ ایاز تن کے بولا۔

”خوامخواہ کے مطلب مت نکالیں۔“ ردا تنک کر بولی۔

”میں خوامخواہ کی بات کر رہا ہوں۔“ ایاز کی آواز اونچی ہو گئی۔

”آپ بات بڑھا رہے ہیں۔“ ردا بھی ناراضی سے بولی۔

”میں بات بڑھا رہا ہوں یا تم...... چپ ہی نہیں ہوتی ہو، ترکی بہ ترکی جواب حاضر ہے۔“ ایاز غصے سے بولا۔

”کیوں، میں کیوں چپ ہوں جب آپ خود بولے چلے جا رہے ہیں وہ بھی بلاوجہ۔“ ردا بھی زور سے بولی۔

”اچھا آہستہ بولو، برابر میں اماں کا کمرا ہے۔“ ایاز کچھ سوچ کے آہستہ سے بولا۔

”جب خود چیخ رہے تھے اس وقت نہیں معلوم تھا کہ برابر میں اماں کا کمرا ہے وہ سن لیں گی۔“ ردا تنکی۔

”میں مرد ہوں، چیخوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، تمہاری آواز اونچی نہیں ہونی چاہیے۔“ ایاز نے اسے وارننگ دیتے ہوئے کہا۔

”آپ مرد ہیں تو آپ کو مجھے قتل کرنے کی آزادی بھی حاصل ہو گی، میں عورت ہوں تو بول بھی نہیں سکتی۔“ ردا کی آواز رندھ گئی۔

”تم سے بات کرنا بیکار ہے، تمہاری عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں۔“ ایاز غصے سے منہ دوسری طرف کر کے لیٹ گیا۔

”میری عقل پر پتھر پڑے ہیں تو آپ کی عقل بھی کچھ زیادہ کام نہیں کر رہی ہے۔ خوامخواہ مجھ سے الجھے چلے جا رہے ہیں۔“ ردا بھی خفا ہو کے منہ دوسری طرف کر کے لیٹ گئی یہ دیکھے بغیر کہ ایاز اس کے اس جملے پر تنک کے اٹھ بیٹھا ہے اور اس کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورے جا رہا ہے۔

☆☆☆

”یہ بھابی کو کیا ہوا ہے؟“ نگہت نے ردا کو کچن کی طرف سے آتے اور کچھ کہے بنا اپنے کمرے میں گھس کے دروازہ بند کرتے دیکھ کر اماں سے پوچھا۔ ”نہ سلام نہ دعا......“ اس کے چہرے پر حیرانی تھی۔

”ہفتہ خوش اخلاقی اختتام پذیر ہو گیا ہے بی بی پچھلے تین دن سے یہی حال ہے۔ تیوری پر بل ہیں، چپ چاپ اِدھر اُدھر ہو رہی ہیں، غنیمت ہے اپنے حصے کے کام پورے کر رہی ہیں ورنہ اس بار سائرہ بھی اپنے پنجے تیز کیے بیٹھی تھی اگر ردا کچن میں جانا چھوڑتی تو وہ بھی کمرا بند کر کے بیٹھ جاتی۔“ اماں کا لہجہ حیرت انگیز طور پر پُرسکون تھا۔

”میں نے تو کچھ اور ہی سنا تھا عفت سے۔“ نگہت کچھ کشمکش میں نظر آ رہی تھی۔

”ٹھیک ہی سنا تھا مگر اب سب کچھ پہلے جیسا ہو گیا ہے، ایاز خفا خفا سا بغیر ناشتا کیے دفتر جا رہا ہے، اپنی باری والے دن ردا کی صورت نظر آتی ہے کام ختم کر کے کمرا نشین ہو جاتی ہیں۔ کل سائرہ کی باری تھی تو پورا دن شکل ہی نہیں دکھائی۔ کھانا تک نہیں کھایا۔ آنے جانے والے بھی پوچھ رہے تھے کہ چھوٹی بہو کہاں ہے۔“ اماں نے قدرے بے نیازی سے کہا۔

”میں تو خوش ہوئی تھی کہ معاملہ جمتا نظر آ رہا ہے مگر......“ نگہت کا لہجہ افسردہ تھا۔ تینوں بہنوں میں نگہت مزاج میں بالکل مختلف تھی۔ دھیما اور نرم مزاج تھا اس کا جبکہ باقی بہن بھائی آتش فشاں جیسی طبیعت رکھتے تھے، ہر وقت پھٹنے کو تیار...... سرفراز بھائی البتہ سائرہ بھابی کے بے دام غلام بن چکے تھے۔ آٹھ سال سے وہ بیوی کے اشاروں پر ناچ رہے تھے اور ماں بہنوں کا کلیجا سوختہ کر رہے تھے۔

”تم کیوں افسردہ ہو رہی ہو، مجھے تو اس بات کی تسلی ہے کہ ایاز میں سرفراز والی خو نہیں ہے۔ بیوی کے اشاروں پر چلنا تو دور کی بات ہے وہ تو اس کی ایک نہیں سنتا، وہ ایک کہے تو چار سنا دیتا ہے۔ شکر ہے کم از کم ایک بیٹا تو ہاتھ سے نکلنے سے بچ گیا۔“ اماں اطمینان سے بولیں۔

”آپ ٹھیک کہتی ہیں اماں، مرد اگر اپنی عقل عورت کے قدموں میں گروی رکھ دے تو یہ اچھا نہیں لگتا مگر یہ بھی اچھا نہیں لگتا کہ وہ اسے ناحق دبائے یا دونوں ہر وقت شمشیرِ برہنہ بنے رہیں۔“ نگہت نے رسان سے ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

”اے بی تم تو رہنے دو، چار جماعتیں زیادہ کیا پڑھ لیں، ہر وقت سب کو سبق ہی دیتی رہتی ہو، یہ وہ معاملے ہیں جو کتابوں میں لکھے نہیں ہوتے، سینہ بہ سینہ سکھائے جاتے ہیں۔“ اماں نے گویا پتے کی بات کی اور نگہت نے خاموشی میں عافیت سمجھی۔ وہ ساری بہنوں میں سب سے زیادہ پڑھی لکھی ہونے کا طعنہ اماں سے اکثر سنا کرتی تھی۔ راحت آپا کی شادی میٹرک کے بعد ہی ہو گئی تھی۔ سرفراز بھائی ان سے بڑے اور ایاز چھوٹا تھا۔ جب نگہت کی شادی کا وقت آیا تو اس نے ایف اے کے بعد اس کارِ خیر کے

www.Paksociety.com

بجائے آگے پڑھنے کو ترجیح دی۔ ساجد صاحب بیٹی کی فرمائش رد نہ کر سکے اور نتیجتاً اس کی شادی دیر سے عفت کے ہمراہ ایک ہی دن ہوئی۔ وہ ماسٹرز کر چکی تھی اور عفت ایف ایس سی کا امتحان دے رہی تھی۔ اماں کے حساب سے شادی کی مناسب عمر یہی ہوتی ہے۔ نگہت ان کے خیال میں کافی لیٹ ہو چکی تھی، سو اماں اس کی ڈگری، مختلف مزاج اور صلح جو طبیعت کو اکثر نشانہ بنایا کرتی تھیں اور اس کے پاس خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ ماں کی طرف دیکھ کر رہ گئی اور اماں اطمینان سے اپنے لیے تازہ پان کا بیڑا بنانے لگیں۔

☆☆☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا ایاز کے کراہنے کی آواز سے ردا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے پریشانی سے ایاز کی طرف دیکھا۔ وہ نیند میں تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے اور وہ بے چینی سے ہر اِدھر اُدھر گھما رہا تھا۔ کمرے میں اے سی چل رہا تھا اور اچھی خاصی ٹھنڈک موجود تھی مگر ایاز کی یہ کیفیت تیز بخار کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں اٹھ بیٹھی۔

اس نے صبح ہی ایاز کو مضمحل محسوس کیا تھا۔ اسی عالم میں وہ آفس بھی چلا گیا تھا۔ واپسی پر وہ صبح سے زیادہ پژمردہ نظر آ رہا تھا، اس کا دل چاہا تھا کہ وہ ایاز سے اس کی طبیعت کا پوچھے مگر ان دونوں کی پچھلے دو دنوں سے بات چیت بالکل بند تھی اس لیے اس کی ہمت نہ پڑی اور اب اس وقت اس کا یوں کراہنا اس بات کا ثبوت تھا کہ اس کی طبیعت واقعی خراب تھی اور زیادہ خراب تھی۔ اس نے بے چین ہو کر ایاز کے ماتھے پر ہاتھ رکھا، وہ اچھا خاصا گرم ہو رہا تھا۔

''پانی......'' ایاز نے اس کے ہاتھ کے لمس کو محسوس کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ اس نے فوراً بیڈ روم فریج سے پانی کی ٹھنڈی بوتل نکالی اور ایاز کو پانی پلایا، بخار کی گولیاں دیں اور اس وقت تک ایاز کے سرہانے بیٹھی اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتی رہی جب تک اس کا ٹمپریچر نارمل کے قریب نہ پہنچ گیا اور وہ سکون سے سو نہیں گیا۔

اگلی صبح اس کی آنکھ کھلی تو ایاز آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' اس کا لہجہ پُرتشویش تھا۔

''بہت بہتر ہے۔'' ایاز کی مسکراہٹ سے اسے کچھ اور حوصلہ ملا۔

''آپ آج چھٹی کر لیتے۔'' اس نے فوراً مشورہ دے ڈالا۔

''نہیں، آج بہت ضروری میٹنگ ہے، میرا جانا بہت ضروری ہے۔'' اس کے چہرے پر مسکراہٹ بدستور موجود تھی۔ ردا جھٹ پٹ اس کے لیے ناشتا بنا کر لے آئی۔ ناشتا کروا کے دوا کھلانے کے بعد تاکید سے بولی۔

''ڈاکٹر کو ضرور دکھا لیجیے گا، آپ کا جسم ابھی بھی گرم ہے۔''

''جو حکم سرکار کا اور ہاں رات کی تیمارداری کا بہت شکریہ۔'' وہ جاتے جاتے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا کے بولا۔ جواباً ایک مطمئن مسکراہٹ اس کے چہرے پر بھی اتر آئی۔

☆☆☆

''یہ بھائی آج کل سسرال کے بڑے چکر نہیں لگانے لگے ہیں۔'' عفت نے ماں کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی میں پوچھا۔ وہ چار دنوں سے میکے رہنے آئی ہوئی تھی اور اس دوران ردا اور ایاز روزانہ ہی کہیں نہ کہیں آؤٹنگ کے لیے جا رہے تھے ایک دن ردا کی رشتے کی بہن کے گھر دعوت تھی تو اب وہ اپنی ماں کے گھر جا رہی تھی۔ عفت کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔

''تم تو یہ تماشا فقط چار دن سے دیکھ رہی ہو، میں پچھلے ایک مہینے سے یہ بھگت رہی ہوں۔'' اماں آگر بولیں ''گھومنا پھرنا تو آئے دن لگا ہی رہتا ہے، کبھی کسی دوست کے گھر تو کبھی کسی سہیلی کے یہاں...... ایک چکر ہر ہفتے اماں کے گھر کا لگتا ہے تو خالہ کے گھر جانا بھی لازم ٹھہرتا ہے...... نہ جانے یہ لوگ تھکتے کیوں نہیں ہیں۔'' اماں نے بات بڑھائی۔

''کچھ زیادہ ہی ایکا ہو گیا ہے دونوں میں۔'' عفت کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

''ایک دوسرے پر بگڑنا تو تقریباً ختم ہی ہو گیا ہے، اس بار دوستی ذرا لمبی ہی ہو گئی ہے ورنہ یہ ماحول ایک ہفتے سے زیادہ نہیں رہ پاتا تھا۔ اس لمبی دوستی کے چکر میں بیٹے صاحب ڈاکٹر کے پاس میرا ماہانہ چیک اپ کرانا بھی بھول گئے اور نہ ہی انہیں میری دوائیں لانا یاد رہیں۔'' اماں کا لہجہ مزید گداز ہو گیا۔

''حد کرتی ہیں اماں آپ بھی، اچھی طرح خبر لینی تھی آپ کو ایاز بھائی کی۔ بڑے کو تو ڈھیل دے کر آپ نے ہاتھ سے نکال دیا ہے اب چھوٹے کو تو تھوڑا ٹائٹ کر کے رکھیں ورنہ پچھتائیں گی آپ!'' عفت خفگی سے بولی۔

''مجھے اس کی شکل نظر آئے تو کچھ کہوں بھی، وہ تو بس بیوی کا بے دام غلام بن کے رہ گیا ہے۔'' اماں مایوسی سے بولیں۔

''آپ کہیں تو میں بات کر کے دیکھوں۔'' عفت نے جھٹ اپنی خدمات پیش کر دیں۔ اماں کا اثبات میں ہلتا ہوا سر دیکھ کر عفت بھائی کی آمد سے پہلے ہی اپنے ذہن میں الفاظ کو ترتیب دینے لگی۔

☆☆☆

اگلے دن اتوار کی چھٹی تھی، عفت کو موقع مل گیا۔

''بھائی آپ تو نظر ہی نہیں آتے، اتنے دنوں سے میں آئی ہوئی ہوں مگر آپ سے گپ شپ کا موقع ہی نہیں مل پا رہا۔''

ردا اور سائرہ کچن میں تھیں، سرفراز کو کسی سے ملنے جانا تھا وہ صبح ہی صبح باہر چلا گیا تھا، ایاز عفت کو لاؤنج میں اکیلا بیٹھا مل گیا تو عفت نے بات کا آغاز کیا۔

''ارے نظر کیوں نہیں آتا، گھر ہی میں تو ہوتا ہوں، ابھی کر لو جتنی گپ شپ کرنا چاہتی ہو۔'' ایاز نے ہنس کر چھوٹی بہن کو دیکھا۔

''بس بھائی اب ہم کیا ہماری اوقات کیا، بیوی کو لیے روز گھومتے ہیں، ایک دن بھی مہمان بہن سے نہیں پوچھا کہ اس کو کہیں جانا تو نہیں ہے۔ بہن ہی کیا آپ تو اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا تک بھول گئے۔'' عفت کا دلدوز لہجہ ایاز پر گھڑوں پانی گرا گیا۔

''اوہ، اماں کا ڈاکٹر کا وزٹ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا...... اماں نے بھی یاد نہیں دلایا۔'' وہ سخت شرمندہ نظر آ رہا تھا۔

''اماں آپ کی بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے خاموش رہ گئی ہوں گی۔'' عفت کا لہجہ جتاتا ہوا تھا۔

''بس اتفاق ایسا ہو گیا کہ پچھلے دنوں واقعی میں بہت مصروف رہا۔ ردا کے میکے میں کچھ فیملی فنکشنز تھے۔ اس کی قریبی سہیلی کی شادی کی وجہ سے بھی مصروفیت بڑھ گئی لیکن اب میں فارغ ہوں، اماں کو تو انشاء اللہ کل ہی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔'' ایاز نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

''ساری مصروفیات اپنی جگہ لیکن ماں کی اہمیت سب سے زیادہ ہوتی ہے اور بہنیں بے چاری تو آتی ہی اب مہمانوں کی طرح ہیں۔ وہ تو کسی گنتی شمار میں نہیں، سرفراز بھائی اور سائرہ بھابی سے تو اب کوئی امید نہیں رہ گئی۔ آپ تو ان لوگوں کے اوپری

www.Paksociety.com

رویّے سے خود بھی واقف ہیں مگر آپ کی ذات ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ کوشش کیجیے گا کہ آپ کے اور ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہ آنے پائے......'' عفت نے آج ہی بات مکمل کرنے کے عزم کے ساتھ ایاز کو جی بھر کے شرمندہ کرنے کا تہیہ بھی کیا ہوا تھا۔ تیر نشانے پر بیٹھا تھا، ایاز کسی مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔

☆☆☆

''آج میرا دل چائنیز کھانے کا چاہ رہا ہے۔'' خوب صورت لباس، ہلکی پھلکی جیولری اور ہلکے پھلکے میک اپ میں ردا آج بہت فریش لگ رہی تھی۔ ایاز کے سارے دن کی تھکن بیوی کو دیکھتے ہی ہوا ہوگئی۔ گرما گرم چائے کے ساتھ نگٹس دیکھ کر اسے مزہ آ گیا۔ اس کی دفتر سے واپسی پر روز ردا ایسے ہی اہتمام کے ساتھ اسے ریسیو کرتی تھی اور اسے یہ سب بہت اچھا لگتا تھا۔

''جو حکم جناب کا۔'' وہ مسکرا کے بولا۔

''اور تھوڑی سی شاپنگ بھی کرنی ہے مجھے۔'' ردا ناز سے بولی۔

''تھوڑی سی نہیں زیادہ سی شاپنگ کرلو، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' ایاز اس کے منہ میں نگٹ کا پیس ڈالتے ہوئے پیار سے بولا۔

''بس تو آپ جلدی سے فریش ہو جائیں، میں تو تیار ہی ہوں۔'' ردا نے جواباً ایک پیس اس کے منہ میں ڈالتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔ دفعتاً...... دروازے پر کسی نے ناک کیا...... ردا نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہاں عفت کھڑی ہوئی تھی۔

''اگر بھائی کا چائے پانی کا دور ختم ہو گیا ہو تو ان سے کہو ذرا باہر آ جائیں فہیم آئے ہوئے ہیں مجھے لینے کے لیے۔'' عفت کا لہجہ خفا خفا سا لگ رہا تھا۔ وہ گڑبڑا گئی۔

''ہاں، چائے تو پی چکے ہیں، آتے ہیں ہم لوگ۔'' وہ جلدی سے مسکرا کے بولی۔ جواباً عفت ایک کاٹ دار نگاہ اس پر ڈال کر واپس مڑ گئی۔ عفت کا یہ انداز اسے زیادہ اچھا نہیں لگا۔ نہ جانے کیا بات تھی وہ پچھلے کئی دنوں سے یہ محسوس کر رہی تھی کہ ساس صاحبہ کے ساتھ ساتھ نندوں کا موڈ کچھ آف ہے۔ وہ پہلے والی گرم جوشی سب کے انداز میں مفقود تھی۔ اس نے عفت کا پیغام ایاز کو پہنچایا تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''اوہو، میں بالکل بھول گیا، اماں نے صبح ہی بتا دیا تھا کہ آج فہیم عفت کو لینے آنے والا ہے اس لیے میں بھی ذرا جلدی آ جاؤں۔'' وہ سر پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''کمال ہے اماں نے یا عفت نے مجھ سے تو کوئی ایسا ذکر نہیں کیا حالانکہ میں تو سارا دن گھر ہی پر ہوتی ہوں۔'' ردا نے حیرانی ظاہر کی۔

''تم ان کے پاس جا کے چند لمحوں کے لیے بیٹھو تو وہ تمہیں شریکِ گفتگو کریں نا۔'' ایاز جلدی جلدی بالوں کو برش کرتے ہوئے جھنجلا کے بولا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا، میں ان لوگوں سے بات چیت نہیں کرتی ہوں۔'' ردا ناراض لہجے میں بولی۔

''اگر تم گھر کے معاملات میں دلچسپی لیتیں تو گھر کے اندر رہتے ہوئے اتنی بے خبر ہرگز نہیں ہوتیں کہ میری بہن آج اپنے گھر واپس جا رہی ہے۔'' وہ تنک مزاجی سے بولا۔

''معاف کیجیے گا آپ کی امی اور بہنیں گھر کے معاملات سے مجھے اس طرح بے خبر رکھتی ہیں جیسے اس گھر سے کوئی تعلق نہیں۔ سارا دن میں کمرے سے باہر ہی رہتی ہوں۔ دوپہر کا کھانا بھی آج میں نے ہی بنایا تھا اور سب کے ساتھ کھایا بھی تھا مگر کسی نے مجھے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ آج عفت واپس جا رہی ہے۔ اب گھر آئے مہمان سے میں خود تو ردا یہ نہیں پوچھ سکتی کہ بتاؤ تم واپس کب جا رہی ہو۔'' ردا چڑ کے بولی۔

''ضرور تم نے یہ سارے کام تو کیے ہوں گے لیکن ان لوگوں کے پاس بیٹھ کر حال چال پوچھنے کا تمہارے پاس ٹائم ہے نہ دل، اب یہاں کھڑے ہو کر میرا دماغ مزید خراب کرنے کے بجائے بہتر ہوگا کہ تم باہر آ جاؤ اور کچھ دیر سب کے ساتھ بیٹھو۔'' وہ خفگی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا اور ردا بہ مشکل اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے اس کے پیچھے باہر نکل آئی۔

باہر محفل گرم تھی، ہنسی مذاق اور ہلکی پھلکی گفتگو جاری تھی۔ عفت بجی سنوری میاں کے ساتھ جانے کو تیار تھی۔ اس کا ننھا منا سا بیٹا باپ کی گود میں چڑھا ہوا تھا اور فہیم ہنستے ہوئے سب سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کو بھی گدگدائے جا رہا تھا۔ اماں محبت پاش نظروں سے بیٹی اور داماد کو دیکھ رہی تھیں، سرفراز بھائی بھی وہیں براجمان تھے۔ رات کے کھانے کی ڈیوٹی آج سائرہ بھابی کی تھی اس لیے وہ وہاں موجود نہیں تھیں البتہ ان کے دونوں بچے طٰہٰ اور فیضان وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اماں نے سرسری سی نگاہ ان دونوں پر ڈالی اور اسے لگا جیسے اماں نے انہیں دیکھ کر بیزاری سے منہ بنایا ہو، البتہ فہیم نے اٹھ کر گرم جوشی سے ایاز سے ہاتھ ملایا۔ وہ خاموشی سے عفت کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''ردا، سائرہ سے کہو کھانا جلدی لگوا دے فہیم کو جلدی واپس جانا ہے اور ہاں اس کی کچھ مدد کروا دو تاکہ کام جلدی ہو سکے۔'' اماں کا انداز اور لہجہ نہ صرف اسے ٹالنے والا تھا بلکہ ساتھ ساتھ یہ بھی جتا رہا تھا جیسے سائرہ تو کام کر کر کے ہلکان ہو رہی ہو اور وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی ہو۔ اس نے شکایتی نگاہوں سے ایاز کی طرف دیکھا لیکن اس کے چہرے پر ردا کے لیے کوئی حوصلہ افزا تاثرات کے بجائے خود شکایت ہی رقم تھی گویا وہ کہہ رہا ہو بہت خوب، آج میرے بہنوئی کی دعوت تھی اور تم مجھے چائنیز کھلانے لے جا رہی تھیں۔ وہ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی شرمندہ ہو گئی لیکن اماں کی طرف سے اس کے دل میں گرہ پڑ گئی اور وہ ان سے بدظن ہونے سے خود کو نہ روک سکی۔ یہ سوچے بغیر کہ اس معاملے میں کسی حد تک قصور اس کا بھی تھا۔

☆☆☆

ردا کی بیٹی اور نگہت کی بیٹی کی پیدائش میں فقط بیس دنوں کا فرق تھا اس کی بیٹی جس کا نام اس نے ماہم رکھا پہلے پیدا ہوئی تھی۔ اماں کا انداز لیا دیا تھا۔ چاؤ چونچلے تو دور کی بات اماں ماہم کو گود میں لینا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ اسے بہت عجیب لگا۔ ٹھیک ہے وہ اس کی خاطر مدارات نہ کرتیں مگر کم از کم پوتی کا تو خیال کر لیتیں۔ ایاز البتہ بہت خوش تھا۔ اپنی کی اور ماہم کی چیزوں سے اس نے پورا کمرا بھر دیا تھا۔ وہ ہنستی رہتی اور خوش ہوتی۔

''ارے، اتنے سارے کھلونے اور وہ بھی بڑے بچوں کے۔ اسے ابھی ان چیزوں کا کیا پتا......'' وہ ایاز کو ہر روز لدے پھندے آتا دیکھ کر کہتی۔

''کوئی بات نہیں، میری بیٹی جب بڑی ہو جائے گی تب ان چیزوں سے کھیلے گی۔'' وہ محبت سے بیٹی کو اٹھا کر چوم لیتا۔

ایک دن موقع پا کے اماں کے سرد رویّے کا سرسری سا تذکرہ اس نے ایاز سے کر دیا۔ ایاز اپنی ماں اور بہنوں کے خلاف کبھی کوئی بات سننا پسند نہیں کرتا تھا چاہے غلط ہو یا صحیح اس لیے وہ از حد محتاط تھی مگر اب معاملہ اس کا نہیں اس کی بیٹی کا تھا۔ وہ بیٹی جو ایاز کو بھی جان سے زیادہ پیاری تھی۔ اس نے دیکھا ایاز کا چہرہ بجھ سا گیا ہے مگر فوراً ہی وہ خود پر قابو پاتے

www.Paksociety.com

ہوئے بولا۔

"دراصل اماں بہت چھوٹے بچوں کو زیادہ گود میں نہیں لیتی ہیں، خوامخواہ کا وہم مت پالو۔ ماہم ان کی پوتی ہے بھلا وہ اس سے محبت کیوں نہیں کرتی ہوں گی۔" ایاز کی بات اسے مطمئن کر دیتی اگر نگہت بیٹی کی پیدائش کے بعد سوا مہینا گزارنے میکے رہنے نہ آجاتی۔ اماں کی مستعدی قابلِ رشک تھی۔ نگہت کے لیے ان کی تیاریاں قابلِ توجہ تھیں۔ نگہت کا قیام اماں ہی کے کمرے میں تھا۔ اماں اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے سوپ اور جوس تیار کر کے وقفے وقفے سے اسے پلا رہی تھیں۔ اس کی بیٹی کو اماں ہی نے سنبھالا ہوا تھا اسے نہلانا، دھلانا، مالش کرنا سب کچھ اماں بہت ذوق وشوق سے کر رہی تھیں۔ نگہت کی بیٹی ساری رات جاگ کر روتی رہتی، اسے چپ کرانا بھی اماں ہی کا کام تھا۔ نگہت آرام سے لیٹی رہتی اور اماں بھاگ بھاگ کے اس کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتیں۔ نہ جانے ان کے اندر اتنی طاقت اور ہمت کہاں سے آگئی تھی مزید یہ کہ گھر میں کام کرنے والی ماسی کو بالخصوص نگہت کی مالش کے لیے کہا گیا تھا جو گھر کے کاموں سے پہلے گھنٹا بھر نگہت کو تیل لگاتی اور جسم دباتی ردا یہ سب کچھ دیکھتی اور اسے بہت برا لگتا۔ اس کے لیے تو اماں نے ایسی کوئی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ اس نے ایاز کے سامنے بالآخر یہ گلہ کر ہی دیا۔

"دراصل نگہت کی پہلی، پہلی بیٹی ہے شاید اس لیے......" وہ گڑبڑا گیا۔

"پہلی بیٹی تو میری بھی ہے۔" وہ تنک کر بولی۔

"نہیں، میرا مطلب ہے نگہت کی شادی کے تین ساڑھے تین سال بعد یہ خوشخبری ملی ہے۔ شاید اس لیے اماں زیادہ خیال رکھ رہی ہوں گی۔" ایاز سے ابھی بھی کوئی مناسب جواب نہیں بن پڑا۔

"نہیں یہ بات نہیں، بات یہ ہے کہ اماں کے نزدیک ان کی بیٹی اہم ہے اور بہو نہیں......" ردا قطعیت سے بولی۔ پہلی بار ایاز اپنے گھر والوں کے دفاع میں ایک لفظ بھی بول نہیں پایا۔ اسے پہلی بار ایسا لگا جیسے ایاز اس کی ذات کی نفی کرنے کے بجائے اس سے متفق ہو گیا ہو۔ مگر یہ اس کی خام خیالی تھی اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی گلہ کرتی ایاز خود کو سنبھال چکا تھا۔

"دوسرے کیا کر رہے ہیں اس کی فکر چھوڑو، یہاں میں جو ہوں تمہارا خیال کرنے کو۔ پھر بھی اگر تمہیں کوئی کمی محسوس ہو رہی ہے اور تم یہاں کمفرٹ ایبل نہیں ہو تو اپنے میکے چلی جاؤ۔ شاید وہاں تمہیں تمہاری مرضی کی آؤ بھگت مل جائے۔ دراصل اس قسم کے چاؤ چوچلے عموماً مائیں ہی کیا کرتی ہیں۔" اس نے بے پروائی سے کندھے اچکا کر کہا تو وہ اسے شکایتی نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئی۔

ماہم کی پیدائش سے پہلے امی نے اس پر میکے آکے رہنے پر بہت زیادہ زور دیا تھا۔ ان کے ہاں بھی یہی طریقہ تھا کہ پہلے بچے کی پیدائش اور سوا مہینے تک قیام میکے ہی میں ہوا کرتا تھا۔ وہ کچھ کچھ راضی بھی تھی مگر ایاز نہیں مانا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اس اہم موقع کو اچھی طرح سلیبریٹ کرنا چاہتا ہے اور اپنے بچے کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہے۔ ردا اس کی خواہش کے آگے مجبور ہو گئی تھی اور اب وہ کتنی سنگ دلی سے اسے میکے جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔

اس کا جی چاہا کہ وہ ایاز کی اس حرکت پر اسے کھری کھری سنائے مگر عین اسی وقت ماہم جاگ کے رونا شروع ہو گئی اور ردا کو اس کے ساتھ مصروف ہونا پڑا۔ ایاز کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ ایاز کو جاتا دیکھتی رہ گئی۔

"کاش تم کبھی میرے دل کی بھی سمجھ سکو۔" وہ سوچنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ ماہم کے وجود نے اس کے پیروں ہی میں نہیں بلکہ زبان پر بھی تالے ڈال دیے تھے۔

☆☆☆

سوا مہینا پورا ہوتے ہی اس کے شب و روز کے معمولات واپس اپنی جگہ آچکے تھے۔ بقول اماں کے سائرہ پر بہت زیادہ لوڈ پڑ گیا ہے جتنی جلدی ہو سکے تمہیں اپنے حصے کے کام شروع کر دینے چاہئیں۔ اور سائرہ بھابی جیسے منتظر ہی تھیں۔ بچوں کے اسکول میں گرمی کی چھٹیاں شروع ہو چکی تھیں۔ انہوں نے بھی موقع غنیمت جانا اور بچوں کو لے کر میکے سدھار گئیں۔ وہ خود اس انتظار میں تھی کہ سوا مہینا مکمل ہوتے ہی کچھ دنوں کے لیے امی کے پاس رہنے جائے گی مگر سائرہ بھابی اس سے تیز نکلیں۔ اس پر مزید یہ ہوا کہ راحت آپا اور عفت بھی مع بچوں کے رہنے کے لیے آدھمکیں۔ تینوں بہنیں اکٹھی ہو گئی تھیں، اماں خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں لیکن خوشی سے پھولے نہیں سمانے کے علاوہ ان سے اور کوئی کام نہیں ہو پایا۔ کچن کی ساری ذمے داری ردا پر تھی۔ پہلے کی بات اور تھی مگر اب اس کے ساتھ ماہم کی ننھی منی جان بھی لگی ہوئی تھی۔ اتنے سارے لوگوں کے لیے کھانے پکا پکا کے وہ بے حال ہونے لگتی۔ اسے امید تھی کہ عفت یا راحت آپا میں سے کوئی اس کی مدد ضرور کروائے گی یا کم از کم اس کی بیٹی ہی کو کوئی سنبھال لے گا مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ وہ چاروں ماں بیٹیاں ایک دوسرے میں یوں گم ہوئیں کہ اسے بالکل فراموش کر بیٹھیں۔ جون کی تپتی گرمی میں مجبوراً اسے ماہم کو بھی کیری کاٹ میں ڈال کر کچن لے جانا پڑتا۔ اس کا نتیجہ جلد ہی سامنے آگیا۔ ماہم کو بہت تیز بخار ہو گیا تھا۔ اس کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ پریشان حال اماں کے پاس دوڑی آئی۔

"کوئی بات نہیں، بچوں کو کھانسی بخار ہو ہی جاتا ہے۔ یوں ذرا ذرا سی باتوں پر ہولتی رہیں تو بچی پالنا مشکل ہو جائے گا۔ اس کو بخار کی دوا دے دو اور سر پر پانی کی پٹیاں رکھ دو۔" اماں کا اطمینان قابلِ دید تھا۔ وہ ماہم کو لیے اپنے بیڈروم میں آگئی۔

"اماں آپ ردا کے ساتھ کچھ زیادتی نہیں کر جاتیں۔" نگہت نے ڈرتے ڈرتے منہ کھولا۔

"اس میں زیادتی کی کیا بات ہے، اپنا بچہ تو خود ہی پالنا پڑتا ہے سب کو۔" اماں سے پہلے عفت بول اٹھی۔

"نہیں یہ بات نہیں، آج کل اس پر کام کا بوجھ بہت ہو گیا ہے ہم سب بہنیں اکٹھے ہی رہنے آگئی ہیں پھر اس کی حالت بھی ابھی پوری طرح صحیح نہیں ہے اوپر سے چھوٹی بچی۔ ہمیں اس کا کچھ خیال تو کرنا ہی چاہیے۔" نگہت نے آہستہ سے کہا۔

"بخشو بی بی خیال رکھنے رکھوانے سے۔ بڑی بہو کی دفعہ اسے ہاتھ کا چھالا بنا کے رکھا، خوب خدمتیں کیں، بچوں کو سنبھالا مگر حاصل کیا ہوا۔ جوتے کی نوک پر رکھتی ہے وہ ہمیں۔ اوپر سے سرفراز کو اپنی مٹھی میں ایسا کر لیا ہے کہ اگر اپنے بیٹے سے کچھ کہنا ہو تو اس کے ذریعے سے کہنا پڑتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات کے لیے اس کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ کچن کا کام وہ کوئی ہماری محبت میں نہیں کرتی بلکہ اس کچن کی وجہ سے سارے گھر کا خرچہ اور ملازمین کا کنٹرول وہ اپنے ہاتھوں میں لے چکی ہے۔ ہر کام اس کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اب چھوٹی کو بھی سر پر بٹھا لوں تاکہ ان چند بالوں سے بھی جاؤں جو سر پر رہ گئے ہیں۔" اماں چیخ کے بولیں۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"لیکن بڑی کے قصور کی سزا آپ چھوٹی کو کیوں دے رہی ہیں۔ اماں مجھے تو وہ سائرہ بھابی کے مقابلے میں سلجھی ہوئی لگتی ہے۔ کسی معاملے میں بے جا دخل اندازی کرتی ہے اور نہ ہی کسی کی کرید میں نظر آتی ہے۔ بس اپنے کام سے کام رکھتی ہے۔" نگہت نے ہار نہیں مانی۔

"چھوڑیں نگہت آپی، یہ سب اسی لیے ہے کہ ایاز بھائی اسے زیادہ لفٹ نہیں کراتے۔ ذرا اس نے منہ سے آواز نکالی نہیں اور ایاز بھائی نے اسے لتاڑا نہیں۔ اسی لیے وہ اپنی اوقات میں ہے۔ جب ایاز بھائی ہی اسے اہمیت نہیں دیتے تو ہمیں اس کی پروا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" عفت نے منطق جھاڑی۔

"شکر ہے اس کا تو مجھے اطمینان ہے کہ ایاز، سرفراز کی طرح اپنی سُدھ بُدھ گنوا کے نہیں بیٹھا۔ ویسے خیال بہت کرتا ہے وہ بیوی کا، اس کو کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دیتا۔ بس سنتا نہیں ہے اس کی۔" اماں نے مطمئن انداز میں کہا۔

"یہی تو مردوں کی عقل مندی ہے، بیوی کو کھلائیں پلائیں، اچھی طرح رکھیں مگر سر پر چڑھا کے اپنا بیڑا غرق نہ کریں۔" راحت نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

دروازے کے پیچھے کھڑی ہوئی ردا اپنی جگہ پر سن سی رہ گئی۔ محبت، خدمت، اطاعت...... سارا نشہ ایک جھٹکے میں ہرن ہوگیا۔ اسے ان لوگوں کی باتیں سننے کے بعد ان کے بجائے ایاز پر غصہ آنے لگا۔ شدید غصہ...... اس نے لمحے میں ایک فیصلہ کرلیا۔

☆☆☆

"یہ بے وقت میکے جانے کی ضد میری سمجھ میں تو نہیں آرہی۔" ایاز آفس سے واپس آیا تو وہ اپنی اور ماہم کی ضرورت کی چیزیں پیک کر کے تیار کھڑی تھی۔ وہ حیران رہ گیا۔

"ماہم کو بخار ہے......" اس نے ایاز کی بات کا جواب دینے کے بجائے اسے دوسری اطلاع دی۔

"ماہم کو بخار ہے تو چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" وہ گھبرا کر بیٹی کو گود میں لیتے ہوئے بولا۔

"اماں کا خیال ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ بخار کی دوا پلانے سے خود ہی ٹھیک ہوجائے گی۔" ردا کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔

"یہ تو اچھی خاصی گرم ہے... بلکہ تپ رہی ہے۔" ایاز کے لہجے میں تشویش کے ساتھ ساتھ غصہ بھی جھلک رہا تھا۔

"سنبھالو اسے اور چلو میرے ساتھ۔" وہ ماہم کو اس کی گود میں دے کر گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے بولا۔

"اور وہاں سے واپسی پر مجھے امی کے گھر چھوڑ دیجیے گا۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔ ایاز اس کی کسی بات کا جواب دیے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"تم سے کس بے وقوف نے کہا تھا کہ اتنی چھوٹی بچی کو کچن میں دو دو گھنٹے تک سخت گرمی کے عالم میں اپنے ساتھ رکھو۔" وہ ڈاکٹر کے پاس سے واپسی پر اسے اچھی طرح لتاڑ رہا تھا۔

"تو پھر کیا کروں؟" وہ بھی جواباً زور سے چلائی۔

"ماہم کو اماں کے پاس چھوڑ کے بھی جایا جا سکتا ہے، ضروری ہے کہ اپنی بچی کو ہر وقت کلیجے سے لگا کے رکھو۔ دوسروں پر اعتبار کرنا سیکھو۔" وہ پانچ منٹ کے لیے اماں کے کمرے میں ماہم کا حال بتانے کو رکا تھا اور اماں نے نہ جانے اس کی کیا برین

www.Paksociety.com

واشنگ کی تھی، وہ حیران رہ گئی۔

"میں کب ماہم کو ہر وقت کلیجے سے لگا کے رکھنا چاہتی ہوں، اتنی چھوٹی بچی کے ساتھ کام کرنا اچھا خاصا مشکل ہو جاتا ہے مگر آپ کی اماں اسے سنبھالنا ہی نہیں چاہتیں۔ ہر وقت نگہت کی بچی کو ہی گود میں لیے بیٹھی ہوتی ہیں۔ اگر میں کبھی ماہم کو ان کے پاس چھوڑوں بھی تو یہ ان کے بستر پر کونے میں پڑی رہتی ہے اور جونہی رونا یا مچلنا شروع کرتی ہے وہ میرا بلاوا بھیج دیتی ہیں کہ آؤ تمہاری بیٹی رو رہی ہے اس کو سنبھالو۔ پھر میرا ایک قدم کچن اور دوسرا کمرے میں ہوتا ہے۔" وہ تنک کر بولی۔

"تمہیں سارا غم نگہت اور اس کی بچی کا ہے۔ چند دنوں کے مہمان ہیں وہ لوگ، ذرا صبر نہیں ہے تم میں...... اور یہ آپ کی اماں، کا کیا مطلب ہے۔" وہ شعلہ بار نگاہوں سے بیوی کو گھورنے لگا۔

"ٹھیک ہے مجھ میں صبر نہیں ہے، اس لیے میں مزید برداشت کرنے کے موڈ میں بھی نہیں ہوں۔ آپ براہِ مہربانی مجھے میرے میکے چھوڑ آئیں اور اس طرح رہیں جس طرح رہنا چاہتے ہیں۔ میں اپنی بچی کی صحت اور زندگی کی قیمت پر سب کی خدمتیں نہیں کرسکتی۔" وہ فیصلہ کُن لہجے میں بولی۔

"تو پھر ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی...... جانا چاہتی ہو تو شوق سے جاؤ اور مجھ سے یہ خدمت لینے کے بجائے اپنے میکے ہی سے کسی کو بلوا لو کہ وہ تمہیں اس فضول جگہ سے آکر لے جائے جہاں تمہارا کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔" وہ بھڑک کے بولا اور ردا اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

"اماں مجھے تو معاملہ کچھ گڑبڑ لگ رہا ہے۔ یہ صبح صبح ولید، ردا کو کیوں لینے آیا تھا۔ اس سے پہلے تو ہمیشہ وہ ایاز کے ساتھ میکے جاتی تھی۔ اس مرتبہ بھائی کے ساتھ کیوں؟ اتنا بڑا سوٹ کیس لے کر گئی ہے اور موڈ بھی بہت بگڑا ہوا تھا۔ آپ سے اجازت تک نہیں لی۔" عفت نے خاموش بیٹھی ماں سے وہ سوال پوچھ لیا جس کا جواب وہ خود تلاش کرنے کی بڑی دیر سے کوشش کر رہی تھیں اور گہری سوچ میں تھیں۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ ہم سب ردا کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں، وہ بھی انسان ہے کیا یہ ساری باتیں محسوس نہیں کرتی ہوگی۔" نگہت پژمردگی سے بولی۔

"بظاہر تو سب کچھ ٹھیک ہی لگتا تھا، اس نے ہم سے تو کبھی کوئی گلہ کیا نہ کام کرنے پر ناک بھوں چڑھائی۔" راحت آپا نے کندھے اچکا کر کہا۔ ان کا جملہ نگہت نے مکمل کیا۔

"جس طرح کام کرنے پر سائرہ بھابی ناک بھوں چڑھاتی اور بڑبڑاتی رہتی ہیں۔"

"ان دونوں کی آپس میں تو تو میں میں تو روز ہی ہوتی تھی مگر ایاز نے کبھی بھی بیوی کے بھڑکانے میں آکے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ مجھے لگا جیسے ایاز نے اسے اچھی طرح کنٹرول میں رکھا ہوا ہے۔" اماں شرمندہ شرمندہ سی بولیں۔

"اگر ایاز سعادت مند بیٹوں کی طرح ماں کی عزت کا خیال رکھتا ہے تو اماں کیا آپ کا فرض نہیں ہے کہ آپ بھی بیٹے کا مان رکھیں اور اس کی بیوی جو شوہر کے دباؤ یا اپنی طبیعت کی اچھائی کی وجہ سے آپ کی اور ہم سب بہنوں کی بھی عزت کرتی ہے اسے بھی اس کا جائز حق دیں۔" نگہت رسان سے بولی۔

"میں تو بڑی بہو کے تجربے کی وجہ سے خوفزدہ ہی رہی۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کے

www.Paksociety.com

پیتا ہے۔'' اماں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''اماں آپ بھی ہمہ وقت یا تو خوف زدہ رہتی ہیں یا فکر مند، بہو بیٹے میں نہ بنے تو جگ ہنسائی کا خوف، بہو اور بیٹے میں بن جائے تو اپنی اہمیت کم ہو جانے کی فکر۔'' عفت نے ہنس کے ماں کی طرف دیکھا۔

''لو الٹے بانس بریلی کو...... پہلے خود ہی کرید کرید کے حالات کا پتا کرتی تھی اور مجھے نت نئے مشوروں سے نوازتی رہتی تھی اور اب سارا الزام میرے سر۔'' اماں نے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی کو گھورا۔

''یہ تو سدا کی بے وقوف ہے، اس سے پوچھیں کہ خود اس نے اپنے ساس سسر اور نندوں کی کتنی خدمتیں کی ہیں جو بھابیوں سے اس کام کی توقع کر رہی ہے لیکن آپ تو سمجھدار ہیں اور ابا کے بعد اب خاندان کی بڑی بھی اور بڑوں کی ذمے داریاں ہمیشہ سب سے زیادہ ہوتی ہیں۔'' نگہت نے رسان سے ماں کو سمجھایا۔

''ایاز کو فون کر دیں اور اسے ردا کے جانے کا بتا دیں۔'' راحت نے اماں کو مشورہ دیا۔

''اتنی تیاریوں سے گئی ہے، ایاز سے پوچھ... کر ہی گئی ہوگی، اب اسے آفس میں کیا تنگ کروں۔'' اماں گھبرا کر بولیں۔

''یہ سب تو کرتی رہے گا ابھی دوپہر کے کھانے کی فکر کیجیے۔ ردا گھر پر نہیں ہے جو ابھی ہمیں کوفتے بریانی کھلائے۔ اٹھیں بڑی آپا اور چلیے میرے ساتھ کچن میں، پتا نہیں نصیبن ابھی تک کیوں نہیں آئی۔'' عفت، راحت کو ٹہوکا دیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور راحت کے علاوہ باقی سب نے بھی اسے یوں چونک کر دیکھا جیسے اتنی اہم بات تو وہ بھول ہی گئے ہوں۔ واقعی ابھی تک کسی کا دھیان اس طرف تو گیا ہی نہیں تھا۔

''اللہ کرے نصیبن آ چکی ہو۔'' راحت نے اٹھتے ہوئے صدقِ دل سے دعا کی۔

☆☆☆

وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو امی اسے لان ہی میں کھڑی نظر آئیں۔ پریشانی ان کے چہرے پر رقم تھی۔ ولید اسے اتار کر گاڑی گیراج میں لے گیا۔ امی لپک کے اس کے قریب آگئیں۔

''بیٹا سب ٹھیک تو ہے ناں؟'' ان کی بے تابی اور پریشان لہجہ اسے اندر ہی اندر شرمندہ کر گیا۔

''سب ٹھیک ہے امی، آپ اتنی پریشان کیوں ہیں۔'' اس نے اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

''تم پہلے اس طرح کبھی نہیں آئیں، ہمیشہ ایاز کے ساتھ ہی آتی رہی ہو، جب سے تم نے فون کر کے ولید کو بھیجنے کو کہا ہے، میں یہیں ٹہل رہی ہوں، ایسی گھبراہٹ ہے کہ اندر جانے کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی ہے۔ سچ سچ بتانا بیٹا کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں ہوئی ہے۔'' امی کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی رو دیں گی۔ بیٹی بیاہنا مشکل کام ہے اور اکلوتی بیٹی کو بیاہ کے دوسروں کے حوالے کر دینا مشکل ترین۔ چار بیٹوں کے بعد جب ردا نے ان کی گود میں آنکھ کھولی خود بخود سب سے اہم بن گئی لیکن انہوں نے بے تحاشا محبت دینے کے ساتھ ساتھ اس کی اچھی تربیت پر بھی نگاہ رکھی تھی وہ جانتی تھیں کہ ان کی بیٹی بہت محبت کرنے والی اور سمجھدار ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ردا میں بس ایک کمی ہے اور وہ ہے برداشت کی کمی۔ آخر وہ بھی انسان ہی تھی... اور ہر انسان کے اندر کچھ نہ کچھ خامی تو ضرور ہوتی ہے۔ وہ ہر دم بیٹی کی خوشیوں کے لیے دعا گو رہتیں، اظہر صاحب ملک سے باہر ہوتے تھے، بڑے بیٹے اشعر کی انہوں نے پچھلے ہی مہینے شادی کی تھی، اب بہو بھی گھر میں تھی۔ وہ ہر قسم کی غیر متوقع صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے خود کو تیار کرنے کی کوشش میں ہلکان نظر آ رہی تھیں۔

ردا نے ماں کی پریشان صورت دیکھ کر اپنے سارے دکھڑے جو اس کی زبان سے نکلنے کو بے تاب تھے صبر کے گھونٹ کے ساتھ اندر اتار لیے۔ وہ جو ماں کے گلے لگ کے سسرال والوں اور ایاز کی ساری شکایتیں رو رو کے کرنے کے ارادے سے آئی تھی ہنس کے بولی۔

''کچھ نہیں ہوا ہے امی بس بات اتنی سی تھی کہ یہ تو آپ جانتی ہی ہیں کہ میں آپ کے پاس کچھ دنوں کے لیے رہنے کے لیے آنے والی تھی۔ اب ایاز سے اجازت ملی تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ تو کہہ رہے تھے کہ میں آفس سے واپسی پر تمہیں چھوڑ آؤں گا مگر میں آپ سے ملنے کے لیے اتنی بے صبری ہوئی کہ ولید کو بلوا لیا۔ مجھے پتا تھا کہ...... یہ لاٹ صاحب ابھی گھر میں ہوں گے اس لیے ان کی خدمات حاصل کی جائیں' اس نے ولید کو سوٹ کیس سمیت اپنی طرف آتے دیکھ کر خوشدلی سے کہا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے اس جملے سے امی کے چہرے کی رنگت قدرے بحال ہوئی ہے۔ وہ گود میں لی ہوئی نواسی کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسے چمکارنے لگیں۔ ولید بھی اس کا یہ جملہ سن کر قدرے مطمئن نظر آیا۔ ورنہ گاڑی میں سارے راستے اسے وہ بھی پریشان اور خاموش لگا تھا۔

''یا اللہ...... زندگی کا یہ کون سا مقام ہے جب اپنی زندگی ہی اپنی نہیں رہ گئی...... دوسروں کی عزت، بے عزتی، دکھ اور سکھ کا ذریعہ بن کے رہ گئی ہے۔'' اس نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

بیڈ روم کا دروازہ کھولنے سے پہلے وہ ردا کو منانے کے لیے اپنے ذہن میں دو تین اچھے اچھے جملے ترتیب دے چکا تھا۔ اس نے چہرے پر خیر مقدمی مسکراہٹ سجا کے دروازہ کھولا......... اندر مکمل اندھیرا تھا اس نے گھبرا کے لائٹ آن کر دی۔ کمرے میں نہ ردا تھی اور نہ ہی ماہم۔ ابھی ابھی وہ ماں کو سلام کرتا اور بہنوں کی خیریت اور حال چال پوچھتا ہوا آیا تھا، ردا وہاں بھی نہیں تھی اور نہ ہی ان لوگوں نے اس کے بارے میں کوئی تذکرہ کیا تھا۔ شاید کچن میں ہو، اس نے دل کو سمجھایا...... مگر کچن بھی بالکل خالی تھا۔ وہ نامراد سا کمرے میں واپس آ گیا۔ اس مرتبہ قدرے ہوش و حواس سے کمرے کا جائزہ لیا۔ ماہم کے استعمال کی چھوٹی موٹی چیزیں، اس کے ننھے منے کپڑے جو ہر وقت ضرورت پڑنے کی وجہ سے ردا باہر ہی رکھتی تھی، غائب تھے، اور وہ بڑا سوٹ کیس بھی جو ردا نے کل تیار کر کے رکھا تھا۔

''اوہ......'' اسے کچھ یاد آ گیا۔ وہ تو اسے ردا کی غصے میں دھمکی سمجھا تھا۔ ''وہ واقعی میکے جانا چاہتی تھی......'' اسے تاسف نے آ گھیرا۔ ''اور ماہم...... وہ تو بیمار بھی تھی۔'' وہ ایک دم بے چین ہو گیا۔ آج وہ سخت مصروف رہا۔ سارا دن سائیٹ پر بھوکے پیاسے اسے پروجیکٹ کر مکمل کرنا پڑا تھا۔ اسے خیال ہی نہیں آیا کہ وہ ایک فون کر کے ماہم کی خیریت ہی پوچھ لیتا۔ اسے اپنی کوتاہی پر خود ہی غصہ آنے لگا۔ وہ بیڈ پر سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ دروازہ ہلکی سی دستک کے ساتھ کھل گیا۔

''چائے پئیں گے بھائی یا پہلے کھانا کھائیں گے، آج بہت لیٹ واپس آئے؟'' عفت دروازے پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

”ہاں، بس آتا ہوں، کھانا ہی کھالوں گا، چائے ابھی رہنے دو۔ کھانے کے بعد دے دینا۔“ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے بہن سے نارمل انداز میں کہا۔

”یہ ردا کتنے دنوں کے لیے گئی ہے، کچھ بتا کے نہیں گئی؟“ عفت نے جاتے جاتے سرسری انداز میں پوچھا۔

”ردا...... ہاں ردا، آجائے گی چند دنوں کے لیے گئی ہے۔“ وہ گڑبڑا کے بولا اور بہن کے مزید سوالوں سے بچنے کے لیے تولیا اٹھا کے باتھ روم میں گھس گیا۔ عفت نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کے پلے کچھ بھی نہ پڑا ہو۔

”خدا جانے بھائی سے لڑ کے گئی ہے یا پروگرام بنا کے۔“ اسے ایک بار پھر ردا پر غصہ آنے لگا۔ سارا دن کچن میں لگانے کے بعد ظاہر ہے اسے ردا پر پیار تو آنے سے رہا تھا۔

☆☆☆

”اماں آپ ہی پوچھیے ناں بھائی سے کہ آخر معاملہ کیا ہے...... وہ تو کچھ بول ہی نہیں رہے، نہ یہ بتا رہے ہیں کہ ردا کب واپس آرہی ہے۔“ عفت نے چوتھے دن جز بز ہو کر ماں سے کہا۔

”میں کیا پوچھوں، کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ ایاز سے اجازت لے کر گئی ہے ورنہ وہ اتنا نارمل نہ ہوتا۔ حد کردی ہے ان دونوں میاں بیوی نے، گھر میں مہمان موجود ہیں اور بیگم صاحبہ میکے سدھار گئیں۔ کم از کم ایاز کو تو احساس کرنا چاہیے تھا۔“ اماں ایک بار پھر بیٹے بہو سے خائف نظر آرہی تھیں۔

”آپ ردا ہی کو فون کرلیں، اس سے صحیح صورتِ حال کا پتا چل جائے گا۔“ راحت کو خیال سوجھا۔

”میں کیوں کروں اس نواب زادی کو فون، اس نے ایک بار بھی فون کیا، میری یا تم لوگوں کی خیریت پوچھی؟ میاں کو فون کر کے رپورٹ لے لیتی ہوگی اور منتظر ہوگی کہ کب نندیں واپس جائیں یا سائرہ یہاں واپس آجائے تو وہ بھی یہاں قدم رنجہ فرمالیں گی۔“ اماں تنک کر بولیں۔

”آخر یہ سائرہ بھابی کب واپس آئیں گی۔ انہیں تو دس بارہ دن ہو رہے ہیں میکے گئے ہوئے۔“ عفت کو ایک دم بڑی بھابی یاد آئیں۔

”وہ فی الحال اپنے ماموں کے گھر مری جاچکی ہے، مع اپنے بہن بھائیوں کے، تھوڑا وہاں گھومے پھرے گی پھر واپس کراچی آئے گی، کل رات ہی تو سرفراز بتا رہا تھا بلکہ وہ تو یہ بھی کہہ رہا تھا کہ اگر اسے چھٹی مل گئی تو وہ بھی کل پرسوں تک بیگم کے پاس روانہ ہوجائے گا اور پھر گھوم پھر کے اکٹھے واپس آئیں گے۔“ اماں کو اچانک یاد آیا۔

”اماں کل اسلم بھی مجھے لینے آرہے ہیں۔“ راحت نے انکشاف کیا۔

”ارے ابھی سے، تم تو پندرہ دنوں کا پروگرام بنا کے آئی تھیں۔“ اماں چونکیں۔

”نہیں اماں، بہت رہ لی۔“ راحت پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

”اتوار تک تو رک جاؤ...... اتوار کو نگہت کا سوا مہینا پورا ہو رہا ہے، میں سب کی دعوت کا پروگرام بنا رہی ہوں۔ تم تینوں بہنیں ایک ساتھ ہی واپس چلی جانا۔“ اماں نے تجویز پیش کی۔

”میں اتوار کو پھر آجاؤں گی، اس میں تو پورا ہفتہ پڑا ہے ابھی، مجھے جانے دیں۔“ راحت کا اصرار قائم رہا۔ اماں کچھ سوچ کے خاموش ہو رہیں۔

☆☆☆

www.Paksociety.com

تین چار دن میکے میں کیسے گزرے پتا بھی نہیں چلا۔ امی نے نواسی کے خوب چاؤ پورے کیے۔ اسے اٹھانا، سنبھالنا، نہلانا، دھلانا سب امی نے اپنے ذمے لے لیا...... وہ بے فکر ہوگئی۔ اشعر بھائی اور نبیلہ، طاہر اور ولید سب اس کے آنے سے بہت خوش تھے۔ ماہم سب کی آنکھوں کا تارا بنی ہوئی تھی۔ بابا اور صفدر بھائی دونوں کویت میں ہوتے تھے۔ وہ بھی عنقریب آنے والے تھے۔ ان لوگوں سے بھی تقریباً روز ہی نیٹ کے ذریعے بات چیت ہو جاتی۔ زندگی ایک دم پُر رونق ہوگئی تھی۔ سارا دن ملنے گلنے میں نہ اسے ایاز یاد آتا نہ ہی کوئی اور مگر دن بھر کے ہنگاموں کے بعد جب وہ رات سونے کے لیے بستر پر لیٹتی تو اسے ایک دم اس ظالم شخص کا خیال آتا۔ اس کی نگاہ میں تو وہ ظالم ہی تھا جس نے بیٹی کی بیماری کا پتا ہونے کے باوجود ایک دفعہ بھی اس کی خیریت پوچھنے کے لیے فون نہیں کیا تھا۔

”میں اور میری بیٹی تمہاری نگاہوں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔“ وہ آزردہ ہو کے سوچتی۔ امی کو اس نے یہی بتایا تھا کہ ایاز سے اس کی روز فون پر بات ہوتی ہے۔ گو بعد میں امی نارمل ہوگئی تھیں مگر ان کی پہلے دن والی پریشانی دیکھ کر وہ انہیں کچھ بھی بتا نہیں پائی تھی۔ پھر گھر میں اب نبیلہ بھی تو تھی۔ اس کے سامنے اسے کوئی ایسی ویسی بات کرتے ہوئے اپنی ہی ہتک محسوس ہو رہی تھی۔ مگر اب اسے سچ مچ پریشانی نے آگھیرا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک دوبار اسے خیال آیا کہ وہ ایاز کو یا اماں کو فون کرے لیکن ایاز کے معاملے میں انا آڑے آگئی تو اماں کی دفعہ خوف......

”پتا نہیں میرے آنے کے بعد وہاں کے حالات کیا ہوں گے...... ایاز نے اماں سے کیا کہا ہوگا۔ اماں نے تو ایک بار بھی مجھے یاد نہیں کیا۔ چلو مجھے یاد نہ کرتیں، پوتی ہی کی خیریت پوچھ لیتیں...... مگر وہ کیوں کرنے لگیں پوتی کے لیے فون۔ ماہم کو انہوں نے پوتی سمجھا ہی کب ہے۔“ اماں کی طرف سے دل میں پڑی ہوئی گرہ اور مضبوط ہوگئی۔

☆☆☆

سارا دن آفس، کچھ دیر اماں کے کمرے میں وقت گزارنے کے بعد، ساری رات اپنے کمرے میں سگریٹ پھونک کر گزارتے ہوئے ایاز نے سیکڑوں بار تو ردا کو فون کرنے کا سوچا ہوگا۔ ”نہ جانے ماہم کیسی ہوگی۔“ وہ بیٹی کی یاد سے بے چین ہونے لگتا مگر ہر بار انا آڑے آجاتی۔ ”اس کا کیا خیال ہے جس ہٹ دھرمی سے وہ اپنے میکے گئی ہے کیا یہ بات میں آسانی سے ہضم کرلوں گا...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دیکھتے ہیں تم میں کتنا دم ہے ردا بی بی...“ اس نے سامنے دیوار پر لگی ہوئی اپنی اور ردا کی شادی کی تصویر کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے بہت جچ رہے تھے۔ سب کا یہی خیال تھا کہ ایسے لاجواب کپلز بہت کم ہوتے ہیں گویا چاند سورج کی جوڑی تھی۔ بنانے والے محاورے تو بہت بنا دیتے ہیں لیکن اس کی گہرائی میں اتر کے کسی نے نہیں سوچا تھا۔ آسمان پر چاند اور سورج اکٹھے دکھائی ہی کب دیتے ہیں جو اُن کی جوڑی کو سراہا جائے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ لاجواب ہیں مگر دونوں کی سمتیں مختلف ہیں۔ وہ بے معنی اور لاحاصل سوچوں میں الجھتا، خود سے لڑتا تو کبھی خود کو سمجھاتا رہا۔ گھر کے سب لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ ردا اس کی مرضی اور اجازت سے گئی ہے اس لیے اسے وہ لوگ کچھ کھنچے کھنچے سے بھی لگ رہے تھے۔ وہ کیا کرتا...... اگر ان کی غلط فہمی دور کرتا تو معاملہ اور سنگین

www.Paksociety.com

ہوجاتا۔ وہ عجیب مخمصے میں پھنس گیا تھا۔ مستقبل کی سوچیں اسے پریشان کررہی تھیں اور وہ کسی فیصلے پر پہنچ نہیں پارہا تھا۔ لیکن ایک بات تو طے تھی رداسے اسے بہت محبت تھی مگر ابھی اسے ردا پر شدید غصہ آرہا تھا جسے وہ کنٹرول کرنے پر قادر نہ تھا۔

☆☆☆

سیل فون کی گھنٹی دن میں کئی بار بجتی۔ بہت سے فون آتے مگر ایک اسی کا نہ آتا جس کا اسے بے چینی سے انتظار تھا۔ وہ ہر بار لپک کے فون ریسیو کرتی اور مایوس ہوتی، اسے میکے آئے ہفتے سے اوپر ہورہا تھا۔ سب کے رویوں میں گرم جوشی تو ابھی بھی بہت تھی مگر اسے امی کچھ خاموش خاموش لگ رہی تھیں اور نبیلہ کی آنکھیں کچھ کھوجتی ہوئی۔ اس بار بیل پر اس نے مردہ دلی سے فون اٹھایا جیسے اسے یقین ہوگیا ہو کہ اب اس ظالم شخص کا فون کبھی نہیں آئے گا، بیزاری سے اسکرین پر آنے والا نام پڑھا اور حیرت زدہ رہ گئی۔ اسے کم از کم اس فون کی ہرگز توقع نہیں تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہو ردا......؟'' نگہت کا مخصوص دھیما لہجہ اس کے کانوں میں گونجا۔

''میں ٹھیک ہوں اور آپ کیسی ہیں؟'' وہ دھیرے سے بولی۔

''میں بھی ٹھیک ہوں، تم سناؤ ماہم کیسی ہے؟'' اس کا دل چاہا کہے بڑی جلدی خیال آگیا ماہم کو پوچھنے کا۔ اس نے اپنے دل کی بات دل میں دباتے ہوئے اوپری لہجے میں جواب دیا۔

''اب تو بالکل ٹھیک ہے۔''

''تمہارا کوئی فون آیا نہ خیریت کا پتا چلا... تو میں نے سوچا میں ہی فون کرلیتی ہوں، تم تو میکے جا کے سسرال کو بھول گئی ہو۔'' نگہت نے ہنس کر اس کے لہجے کی تلخی کو کم کرنا چاہا۔

''میرا فون نہیں آیا تو مجھے کون سا کسی نے یاد کرلیا۔'' اس بار وہ اپنے دل کی بات ہونٹوں تک آنے سے نہ روک سکی۔ جواباً نگہت چند سیکنڈ تک خاموش رہی۔

''ردا تم میری چھوٹی بہن کی طرح ہو، یہ اور بات ہے مجھ سے بڑے بھائی کی بیوی ہو مگر عمر میں مجھ سے کم ہو اس لیے میں تمہیں چھوٹا ہی سمجھتی ہوں، تم مجھ پر بھروسا کرسکتی ہو، مجھے بتاؤ آخر بات کیا ہوئی۔'' بالآخر نگہت نے مدعا بیان کردیا۔

''آپ کو نہیں معلوم، آپ کے بھائی نے کچھ نہیں بتایا۔'' وہ جھلا کر بولی۔

''نہیں ایاز تو بالکل چپ ہے لیکن پریشان بہت ہے۔'' نگہت نے سچی بات کہہ دی۔ ردا کو فوری طور پر سمجھ میں نہ آیا وہ کیا کہے۔ وہ کیوں روٹھ کے میکے چلی آئی تھی اسے صحیح وجہ یاد نہ آسکی۔ اس کو کچن میں کام کرنا پڑتا تھا وہ بھی بچی سمیت، وہ اس لیے ناراض تھی یا ایاز کا یہ کہنا اسے برا لگا تھا کہ اپنے میکے سے کسی کو بلوا کے اس کے ساتھ چلی جائے وہ اسے چھوڑنے نہیں جائے گا یا کوئی اور وجہ تھی؟ کوئی بھی مضبوط جواز اسے نہ سوجھ سکا۔ ایمانداری کی بات تو یہ تھی کہ اس کے پاس ناراضی کی کوئی ٹھوس وجہ نہ تھی۔

''تم کو کیا شکایت ہے ردا کھل کے کہو۔'' نگہت نے سہولت سے کہا۔ وہ اب بھی چپ رہی۔

''میں جانتی ہوں تم بہت اچھی لڑکی ہو، مجھے یہ بھی پتا ہے کہ گھر میں تمہارے ساتھ اکثر زیادتی ہوجاتی ہے، تم بہت حساس ہو اور بہت ساری ایسی باتیں دل پر لے لیتی ہو جنہیں شاید کوئی دوسرا محسوس بھی نہ کرتا ہو۔'' نگہت کے منہ سے وہ جملے نکل رہے تھے جو وہ ایاز کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ وہ یہی تو چاہتی تھی کہ ایاز کم از کم اس کی محبت اور قربانی کا احساس تو کرے۔ وہ اس کے عوض ایاز کے گھر کے ہر فرد کی خدمت کو تیار تھی مگر وہ نہ جانے اس کے معاملے میں اتنا ٹھس کیوں ہوجاتا تھا۔ اس کی خاموشی پر نگہت دوبارہ بولی۔

''کچھ تو بولو ردا، خاموش کیوں ہو، دیکھو ہر گھر میں چھوٹی موٹی باتیں ہوتی رہتی ہیں، ایسی باتیں جو ناگوار گزرتی ہیں مگر پھر بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں کیونکہ اگر ان معمولی باتوں کو نظر انداز نہ کیا جائے تو یہی معمولی باتیں آگے جا کر ایسے بڑے مسائل میں تبدیل ہوجاتی ہیں جن کو نہ تو نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی برداشت۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' وہ دھیرے سے بولی۔ ''مگر برداشت ہمیشہ ایک ہی فرد کے حصے میں کیوں آتی ہے؟''

''برداشت ہمیشہ اس کے حصے میں زیادہ آتی ہے جو زیادہ سمجھدار اور ذمے دار ہو اور ایک ماں سے زیادہ اس کا حقدار اور کون ہوسکتا ہے۔'' نگہت نے آہستہ سے کہا۔

''چاہے دوسری طرف سے کتنی زیادتی ہوجائے اس کے باوجود بھی!'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''میں اس چیز کو مانتی ہوں ناں کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوجاتی ہے۔'' نگہت نے اعتراف کیا۔

''آپ مانتی ہیں ناں اور تو کوئی نہیں مانتا......'' وہ ''کوئی'' پر زور دے کر بولی۔

''یہی تو تمہاری اعلیٰ ظرفی اور سمجھداری کا امتحان ہے، یہ بتاؤ تمہاری امی جانتی ہیں کہ تم ناراض ہوکر میکے آئی ہو؟'' نگہت نے ایک دم پوچھا۔

''نہیں......'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''یہی تو برداشت ہے، تم نے اپنی تکلیف اپنے مسئلے کو اپنی حد تک محدود رکھا، کس لیے؟ اس لیے کہ تمہاری امی اور گھر والے پریشان نہ ہوں اور اس لیے بھی کہ میکے میں تمہارا بھرم قائم رہے۔ تم نے کبھی اس انداز میں اپنی سسرال والوں کے لیے سوچا؟ کبھی ساس کو ماں کا مقام دیا؟'' وہ نگہت کے سو فیصد درست تجزیے پر حیران رہ گئی اور ہلکی سی شرمندگی نے اسے آن گھیرا۔

''شادی کے بعد عورت کے کندھے پر ذمے داریوں کا بے پناہ بوجھ آن پڑتا ہے۔ تعلقات اور معاملات کو نبھاتے نبھاتے کبھی کبھار ہمت بھی جواب دے جاتی ہے۔ عورت کئی بار ٹوٹتی ہے، کئی بار جڑتی ہے اور یہ کھیل ساری زندگی جاری رہتا ہے۔'' نگہت دوبارہ بولی۔

''پھر شادی سراسر نقصان کا سودا ہے۔'' ردا تنک کے بولی۔ ''عورت کی اپنی زندگی تو کچھ نہیں رہتی، وہ دوسروں کے رحم و کرم پر جا پڑتی ہے اور اگر وہ اپنی مرضی کرنا چاہے تو لوگوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے...... اگر عورت سمجھداری سے کام لے، تھوڑے صبر اور برداشت کا مظاہرہ کرے اور اس راز کو سمجھ لے کہ اسے کہاں خاموش رہنا ہے، کہاں بولنا ہے، کہاں اپنی مرضی چلانی ہے۔ اور کہاں دوسرے کی بات ماننی ہے تو وہ بڑی آسانی سے اپنی پسند کی زندگی گزار سکتی ہے۔ بس صحیح وقت پر صحیح فیصلہ ضروری ہوتا ہے۔ آپ ہر وقت نہ تو اپنی مرضی چلاسکتے ہیں اور نہ بڑوں کا کہا ٹال سکتے ہیں۔'' نگہت بولی۔

''مگر نگہت آپا! تالی ایک ہاتھ سے تو کبھی نہیں

www.Paksociety.com

بجتی۔ دوسرا ہاتھ آگے نہ بڑھے تو اکیلا ہاتھ کیا کرے۔'' وہ آج اپنی ساری بھڑاس نکال دینا چاہتی تھی۔

''یہاں تم تھوڑی سی زیادتی کر رہی ہو، ایاز کی غلطیاں بے شمار سہی مگر تم اسے سو میں سے بالکل صفر نمبر تو نہیں دے سکتیں۔ نکاح کے مقدس بندھن میں بندھنے کے وقت اس بات کے لیے تیار ہو جانا چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کے ساتھی کو اس کی خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس کی خوبیوں کو انجوائے کر سکتے ہیں اس کی اچھائیوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو اس کی خامیوں اور کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ یہ تو انصاف کی بات نہ ہوئی کہ ہم اس کی خوبیوں کو تو اپنا حق سمجھ کر وصول کرلیں اور اس کی خامیوں پر اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔ وہ تم سے بے حد محبت کرتا ہے، اپنی ذمے داریاں نبھاتا ہے، دس باتیں وہ تمہاری مانتا ہے تو کیا تم اس کے لیے کہیں پر اپنا سر نہیں جھکا سکتیں۔'' نگہت تیزی سے بولی۔ ردا سچ مچ شرمندہ ہوگئی۔ اس سے اور ماہم سے ایاز کی محبت ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ وہ ان دونوں کے لیے اپنی جان بھی نچھاور کرنے کو ہر دم تیار رہتا تھا۔ اسے پشیمانی نے آن گھیرا۔

''ضروری تو نہیں کہ اپنی بات لڑائی جھگڑے کے بعد ہی منوائی جائے۔ ہنر تو یہی ہے کہ اپنی مرضی دوسرے کی رضا بن کے پوری ہو۔'' ردا کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا واقعی وہ صرف لینا چاہتی تھی اور دینے کو تیار نہ تھی اور عزت دیے بغیر ملنی مشکل۔

''میں ایاز سے بات کرتی ہوں...... وہ تمہیں لینے آئے گا اور تم بھی ہنسی خوشی اسی طرح چلی آنا جیسے بیاہتا بیٹیاں میکے میں رہنے کے بعد خوشی خوشی شوہروں کے ساتھ واپس اپنے گھروں کو آجاتی ہیں۔ آؤ گی ناں؟'' نگہت نے محبت سے پوچھا۔

''انشاء اللہ ضرور......'' وہ آہستہ سے بولی۔

اپنی ''میں'' کے خول سے باہر آتے ہی ساری غلط فہمیاں دور ہوگئی تھیں۔ نگہت نے مطمئن ہو کر فون بند کر دیا۔ اب اسے ایاز کو بھی سمجھانا تھا اور اماں کو بھی کہ وہ ایک ہی لاٹھی سب کے لیے استعمال نہ کریں۔

☆☆☆

سارے بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ اس کی ایاز ہی سے بنتی تھی۔ دونوں میں دو سال کا فرق تھا۔ دونوں کے شوق ایک جیسے تھے اور پسند ناپسند بھی ملتی جلتی۔ دونوں پڑھائی میں بہت زیادہ لائق تھے۔ عفت اور راحت سے اس کی پسند بالکل نہیں ملتی تھی۔ وہ دونوں بہنیں، ٹی وی، فلم، کپڑے، جیولری سے آگے کچھ سوچتی نہ تھیں اسی لیے وہ بہنوں کے مقابلے میں بھائی سے زیادہ قریب تھی۔ اسے ایاز پر بڑا مان تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ایاز دل کا بہت اچھا اور کشادہ ذہن رکھنے والا ہے۔ ہاں مگر وہ جذباتی بہت زیادہ تھا۔

سرفراز بھائی چھٹی لے کر بیگم اور بچوں کے پاس مری جا چکے تھے، اتوار کی صبح ان کی واپسی متوقع تھی۔ راحت آپا بھی اتوار کی صبح ہی آنے کا وعدہ کر گئی تھیں۔ اماں نے خاندان کے چند اور قریبی رشتے داروں کو بھی بلا لیا تھا۔ کھانا بے شک باہر سے پک کر آرہا تھا مگر انتظامی امور تو گھر والوں ہی کو دیکھنے ہوتے ہیں۔ اماں کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

''میں نے تو کہا تھا اماں سے، سرفراز بھائی واپس آجائیں تو اس کے بعد دعوت کا رکھیں۔'' نگہت نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

''بس بیٹا بخشو، کسی کے احسان سے، جب گھر والوں کو خود احساس نہیں ہے تو میں کہاں تک سب کے پیچھے بھاگتی پھروں۔ بڑے بیٹے اور بہو اور چھوٹی بہو بیگم اس گھر کو سرائے سمجھتے ہیں، جب دل چاہا آگئے جب دل چاہا منہ اٹھا کے چلتے بنے۔'' اماں چڑ کے بولیں۔

''چلیں بڑوں سے تو آپ کی شکایت بجا سہی مگر چھوٹی بہو کے ساتھ تو آپ نے خود زیادتی کی ہے۔'' نگہت نے ہمت کر کے کہا۔

''میرا دل تو پہلے ہی سے ڈرا ہوا تھا، اسی لیے اسے اہمیت نہیں دی اور دیکھ لو دکھا دیا ناں اس نے بھی کہ میرا خیال صحیح تھا۔'' اماں بگڑ کے بولیں۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے اماں کہ آپ کا خیال صحیح نہ رہا ہو البتہ آپ کے رویّے نے بہو کو ایسی حرکت پر مجبور کر دیا ہو۔'' نگہت بولی۔

''ارے اس معاملے میں تو ہماری قسمت ہی خراب ہے، بڑی بہو کے ناز اٹھائے تو اس نے کوئی صلہ نہیں دیا، چھوٹی والی کو جوتے کی نوک پر رکھا تو وہ بھی ہری جھنڈی دکھا گئی۔ بیٹے صاحب الگ چپ کا روزہ رکھے بیٹھے ہیں۔ نہ جانے بیگم صاحبہ دعوت والے دن بھی آئیں گی یا نہیں، کچھ علم نہیں...... اگر نہیں آئیں تو رشتے داروں کو ان کی غیر موجودگی کا جواز کیا بتاؤں گی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ اوپر سے اتنا کام وہ بھی اکیلے مجھے ہی دیکھنا ہے تم ابھی اس قابل نہیں ہو اور باقی دونوں بیٹیوں پر بھی میرا کیا زور......'' اماں سچ مچ کافی پریشان تھیں۔

''اماں اگر میں ایک بات کہوں تو آپ برا تو نہیں مانیں گی؟'' نگہت نے پوچھا۔

''کیا بات......؟'' اماں حیران ہوگئیں۔

''جیسے آپ کو لگ رہا ہے کہ میں ابھی ذمے داریاں اٹھانے کے لائق نہیں ہوں، آپ مجھ سے

کیا آپ
لبوب مُقوّی اعصاب
کے فوائد سے واقف ہیں؟

کھوئی ہوئی توانائی بحال کرنے اعصابی کمزوری دور کرنے تھکاوٹ سے نجات اور مردانہ طاقت حاصل کرنے کیلئے کستوری عنبر زعفران جیسے قیمتی اجزاء والی بے پناہ اعصابی قوت دینے والی لبوب مقوی اعصاب ایک بار آزما کر دیکھیں۔ اگر آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تو فوری طور پر لبوب مُقوّی اعصاب استعمال کریں۔ اور اگر آپ شادی شدہ ہیں تو اپنی زندگی کا لطف دوبالا کرنے یعنی ازدواجی تعلقات میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے بے پناہ اعصابی قوت والی لبوب مُقوّی اعصاب ٹیلیفون کر کے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی VP منگوالیں فون صبح 10 بجے تا رات 9 بجے تک

المسلم دارالحکمت (رجسٹرڈ)
(دیسی یونانی دواخانہ)
ضلع وشہر حافظ آباد پاکستان
0300-6526061
0301-6690383

آپ صرف فون کریں۔ آپ تک
لبوب مقوی اعصاب ہم پہنچائیں گے

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ہمدردی محسوس کر رہی ہیں، مجھے رعایت دے رہی ہیں یہی رعایت آپ ردا کو بھی تو دے سکتی تھیں مگر آپ کا دل اس کی بار سخت ہو گیا تھا۔ وہ پھر بھی خاموش رہی تو آپ اور زیادہ سخت ہو گئیں۔ بجائے اس کے کہ اس کی قدر کرتیں، اماں خون کے رشتوں میں تو بڑی گنجائش نکل آتی ہے مگر بنائے ہوئے رشتوں کو استحکام دینے کے لیے بڑی کوششیں کرنی پڑتی ہیں۔ ایک بار کے تلخ تجربے کی سزا کا حقدار وہ تو نہیں ہے ناں جو بے قصور ہو......؟'' نگہت کے سوال پر اماں لاجواب ہو گئیں۔

''آپ نے ردا کے گھر والوں کو دعوت پر بلایا؟'' نگہت نے پوچھا۔

''اس نے پلٹ کر مجھے پوچھا، کبھی اس کی ماں کا میرے پاس فون آیا جو میں انہیں دعوت میں بلالوں۔'' اماں پھر چیخ گئیں۔

''آپ نے تینوں بیٹیوں کے سسرال والوں کو خود فون کر کے بلایا ہے یہاں تک کہ سائرہ بھابی کے میکے والوں کو بھی بلالیا...... مگر نہیں فون کیا تو ردا کی امی کو...... جب آپ اس کے میکے والوں کو عزت نہیں دیں گی تو وہ کس دل سے آپ کی اور ہماری عزت کرے گی۔'' نگہت کی بات تلخ تھی۔ اماں ایک بار پھر چپ رہ گئیں۔

''آپ ابھی اس کی امی کو فون کر کے دعوت کا بتائیں۔ ردا بھی ضرور آئے گی۔ آپ اپنا طریقہ بدل کے دیکھیں۔ میں گارنٹی دیتی ہوں کہ ردا کی شکل میں آپ کو اس بار بہو نہیں بلکہ بیٹی ملے گی۔'' نگہت نے ماں کے شانے پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اماں قائل نظر آ رہی تھیں۔

☆☆☆

رات کے کھانے کے بعد اماں عشا کی نماز کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں، عفت کچن کا بکھیڑا نبٹانے لگی۔ بے چاری پر کاموں کی بے تحاشا ذمے داریاں پڑ گئی تھیں۔ بچہ بھی چھوٹا ہی تھا، وہ تو فہیم کافی سمجھدار اور تعاون کرنے والا تھا اسے بیوی کے میکے میں طویل قیام پر اعتراض نہیں ہوا۔ زندگی یونہی تو اچھی گزرتی ہے جب انسان افہام و تفہیم سے کام لیتا ہے اس کے دل میں فہیم کی کافی قدر محسوس ہوئی۔ نگہت نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایاز کو جا پکڑا۔ ایاز محویت سے ٹی وی دیکھ رہا تھا مگر یہ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا ذہن کہیں اور ہے۔ اس نے بھائی کے سامنے بیٹھتے ہی بغیر کسی تمہید کے سوال داغ دیا۔

''ردا کو کب واپس لا رہے ہو، پرسوں گھر میں تقریب ہے، اس کا ہونا تو بہت ضروری ہے۔'' ایاز اس سیدھے حملے پر گڑبڑا گیا۔

''آجائے گی وہ۔'' اس کے منہ سے ادھورا جملہ نکلا۔

''کیسے آجائے گی، تم جاؤ گے لینے تو آئے گی ناں ہے؟'' نگہت بولی۔

''میں چھوڑنے گیا تھا جو وہ میرے لینے آنے کی منتظر ہو گی۔ جیسے گئی تھی ویسے ہی آئے، اپنی مرضی کی مالک ہے۔'' ایاز ہٹ دھرمی سے بولا۔ شاید اب صورتِ حال اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تھی ورنہ اب تک تو اس نے چپ سادھی ہوئی تھی۔

''تم دونوں میں لڑائی ہوئی ہے ہے؟'' نگہت نے کریدا۔

''وہ تو ہر دوسرے دن ہوتی ہے۔ اس کی زبان ہے یا دو دھاری تلوار وہ تو ہر وقت برسرِ پیکار ہی رہتی ہے۔ کوئی نئی بات ہے کیا۔'' وہ جھنجلایا۔

''اچھا اور کچھ۔'' نگہت اسے بھی بھڑاس نکالنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔

''اور کیا، بس ہر بات میں ترکی بہ ترکی جواب حاضر، میرا مقابلہ کرنا چاہتی ہے، ٹھیک ہے کرے، چھٹی کا دودھ یاد نہ دلا دیا تو میرا نام بھی ایاز نہیں۔'' ایاز غصے سے بولا۔

''اوہو، تم تو بڑے غصے میں ہو بھئی...... لگتا ہے بہت ساری شکایتیں جمع ہو گئی ہیں تمہارے دل میں اس سے مگر ایک بات ہے کہ تم ذرا جانب داری سے کام لے رہے ہو، اس طرح شو کر رہے ہو جیسے وہ اکیلے ہی لڑتی ہے تم بے قصور ہو۔'' نگہت مسکرائی۔

''تو اور کیا میں تو پہل نہیں کرتا ہوں۔'' ایاز وثوق سے بولا۔

''خام خیالی ہے تمہاری، تنک مزاج تو تم بھی بہت ہو۔'' نگہت نے ہنس کر کہا۔ جواباً ایاز اسے گھور کے رہ گیا۔

''ویسے مسئلہ کیا ہے تم دونوں کے بیچ میں؟ اس دفعہ خدانخواستہ کوئی بڑی بات ہوئی ہے جو نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے۔'' نگہت نے پوچھا۔

''بڑی بات سے کیا مراد ہے تمہاری ہے؟'' ایاز حیران ہو گیا۔

''ویسے سچ پوچھو تو میاں بیوی کے درمیان بڑی باتیں شاذ و نادر ہی ہوتی ہیں، وہ عموماً چھوٹی موٹی معمولی اور غیر اہم باتیں ہی ہوتی ہیں جن پر دونوں ایک دوسرے کا جی جلایا کرتے ہیں۔ بڑی باتوں میں سرِفہرست تو بے وفائی ہی ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنا۔ جسمانی تشدد وغیرہ وغیرہ۔'' نگہت سنجیدگی سے بولی۔

''استغفر اللہ، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ خفگی سے بولا۔

''تو پھر میرے بھائی یہ امریکا بھی نہیں ہے

اس دن سے

مرے پاؤں میں بے بہا گردشیں ہیں
محبت کا حاصل فقط ٹھوکریں ہیں
مجھے مسکراتے ہوئے اُس نے دیکھا
اسی دن سے زیرو بم دھڑکنیں ہیں

شاعرہ، فصیحہ آصف خان، ملتان

☆☆☆

جہاں میاں بیوی محض اس لیے علیحدہ ہو جاتے ہیں کہ رات میں سوتے ..... وقت میاں بہت زور سے خراٹے لیتا ہے جس پر بیگم صاحبہ کی نیند خراب ہوتی ہے یا بیوی کی پنسل ہیل کی ٹک ٹک میاں صاحب کے سر پر ہتھوڑے کی طرح برستی ہے جو اُن کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ وہاں ایک عورت نے اپنے شوہر سے محض اس لیے طلاق لے لی کہ اس کا میاں روزانہ واش روم میں دانت برش کرنے کے بعد ٹوتھ پیسٹ کی ٹیوب کا ڈھکن لگانا بھول جاتا تھا اور یہ بات بیوی کے لیے ذہنی کوفت کا سبب تھی۔'' نگہت نے اسے سمجھانے کا آغاز کیا۔ جواباً وہ خاموش رہا البتہ اس کے چہرے پر سوچ کی لکیریں صاف نظر آ رہی تھیں۔

''تم تو اتنے پڑھے لکھے ہو، سمجھدار ہو اور پھر مرد ہو...... عورت طبعاً اور مزاجاً نازک ہوتی ہے، مرد کو تو اللہ تعالیٰ نے مضبوط بنایا ہے اسی لیے اسے ہی خاندان کی سربراہی سونپی گئی ہے اور اب تو ماشاء اللہ تمہارے خاندان کا آغاز ہو گیا ہے، تم لوگ یوں ذرا ذرا سی باتوں پر الجھتے رہے تو کام کیسے چلے گا۔'' نگہت دھیرے سے بولی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کام کیسے چلے گا...... جیسی بے وقوف میری بیوی ہے شاید کسی کی نہیں ہوگی، ذرا سی سمجھداری نہیں ہے اس کے اندر......" ایاز کو اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا موقع مل گیا۔

"یہ تمہاری خام خیالی ہے...... تمہیں اپنے ارد گرد جتنے بھی جوڑے نظر آرہے ہیں وہ سب بھی کم و بیش اس قسم کے حالات سے دوچار ہوتے ہیں اور شادی کے ابتدائی دنوں میں تو ایسے چھوٹے موٹے مسئلے اور زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ دور ایسا ہوتا ہے جب میاں اور بیوی ایک دوسرے کو سمجھنے سمجھانے کے مرحلے سے گزر رہے ہوتے ہیں...... لیکن یہ سارے معاملات تھوڑی سی عقل مندی، تھوڑی سی برداشت اور زیادہ سی محبت سے بڑے آرام سے سلجھ جاتے ہیں۔" نگہت مسکرائی۔

چاہے عقل مندی کا مظاہرہ کیا ہو اور نہ برداشت کا مگر محبت تو اسے اپنی بیوی سے بہت تھی، اس کے دل نے اعتراف کیا۔

"دیکھو انسان تو غلطی کا پتلا ہے، کوئی نہ کوئی کمی یا خامی تو ہر ایک ہی میں ہوتی ہے۔ مجھ میں بھی ہوگی اور تم میں بھی...... اچھی زندگی گزارنے کے لیے ہمیں دوسروں کی خامیوں کی جگہ خوبیوں کو نوٹ کرنا چاہیے کہ کوئی نہ کوئی خوبی ہر شخص میں ضرور ہوتی ہے۔ ردا میں بھی ضرور ہوگی اور میرا خیال ہے کہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے، تم اسے اعتماد دوگے تو اس کی مزید اچھائیاں تم پر آشکار ہوں گی۔" ایاز کو نگہت کا کہا ہوا ہر لفظ اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے مشکور نگاہیں اپنی بہن پر ڈالیں جو عمر میں تو اس سے چھوٹی تھی مگر مشاہدے اور تجربے میں شاید زیادہ۔

کتنا اچھا لگتا ہے جب کوئی غلطی کرنے لگے اور اس کا کوئی مخلص اور ہمدرد اسے سمجھا بجھا کے اس غلطی سے باز رکھے۔ یہی تو سچے دوست اور خیر خواہ کی پہچان ہوتی ہے۔ ایاز کو لگا اس کے اپنے دل کی بھی یہی آرزو تھی کہ اس کی روٹھی ہوئی بیوی گھر آجائے جس کے بغیر... کمرا اسے کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ اپنی ننھی منی معصوم سی بچی اسے ہر روز بری طرح یاد آرہی تھی۔ جب دل ان دونوں کے لیے اس قدر گداز تھا تو پھر کیا وجہ تھی کہ وہ ان دونوں کو اب تک ..... واپس نہیں لے آیا تھا؟ اس نے ردا سے خود ہی تو میکے سے کسی کو بلوا کے اس کے ساتھ چلے جانے کو کہا تھا۔ ایاز کو دل ہی دل میں شرمندگی محسوس ہونے لگی۔

"تو پھر تم کل ردا کو لینے جاؤ گے نا؟" نگہت نے امید بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ضرور۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔ نگہت مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔ غصے کے بادل چھٹے تو اسے اپنے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

سچ ہی تو کہا تھا نگہت نے، ردا بھی تو انسان ہی ہے، وہ خوش بھی ہوتی ہے اور پریشان بھی۔ تھکتی بھی ہوگی اور کسی بات پر خفا بھی۔ ہم ہمیشہ دوسروں ہی سے اچھا ہونے کی توقع کیوں رکھتے ہیں۔ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ انسان انسانیت کا منصب چھوڑ کر فرشتہ بن جائے، بالکل پرفیکٹ اور لاجواب، کوئی غلطی نہ کرے، البتہ غلطیوں اور کوتاہیوں کی گنجائش اپنے کھاتے میں ضرور چھوڑ دیتے ہیں اور اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ دوسرے ہماری ہر بھول نظر انداز کردیں۔ یہی رعایت ہم خود دوسروں کو کیوں نہیں دیتے۔

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں

عائشہ خان

"جناب بابر زمان صاحب! اب آپ کچھ دیر آرام فرمالیں کیونکہ آپ کی گاڑی اب نکل چکی ہے۔" ولید نے اطمینان سے ٹانگیں پھیلا کر صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کردیا۔ بابر نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی، چار بج کر دس منٹ ہوئے تھے اور اس نے ساڑھے چار بجے والی ڈاٸیوو پر جانا تھا۔

"ابھی تو بیس منٹ ہیں، ہم آرام سے پہنچ

جائیں گے۔"

"جی نہیں...... بیس منٹ میں اسٹیشن پہنچنے کی کوشش میں ہم جہاں پہنچ سکتے ہیں نا وہاں پہنچنے کا میرا فی الحال کوئی ارادہ نہیں ہے۔" ولید نے ہنوز ٹی وی پر نگاہ جمائے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا تم اٹھو تو...... پہنچ جائیں گے۔" بابر نے اسے جھٹکے سے کھینچ کر اٹھایا۔

"ٹھیک ہے...... لیکن ڈائیوو نکل گئی تو ویٹنگ روم میں اگلی گاڑی کے انتظار میں تم اکیلے جھک مارنا...... میں نہیں رکوں گا۔"

"اچھا بابا اچھا...... اب چلو مرو۔" بابر نے اسے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے...... دیکھ کر واپس گھسیٹا۔

"تم گاڑی اسٹارٹ کرو، میں ایک منٹ میں آیا۔" اس نے جلدی جلدی اپنا سامان باہر رکھتے ہوئے دروازہ لاک کیا۔

"چلو تم آگے گھسکو، گاڑی میں خود چلاؤں گا۔" بابر نے تیزی سے دروازہ کھولا۔

"اوں ہوں..." نفی میں سر ہلاتے ہوئے ولید نے انگوٹھے سے دوسری طرف اشارہ کیا... اور وہ جانتا تھا کہ اب وہ سیٹ نہیں چھوڑے گا اس لیے مزید ٹائم ویسٹ کرنے کا ارادہ ترک کرتا وہ خاموشی سے دوسری طرف آبیٹھا۔

پھر ولید کی بات ٹھیک نکلی۔ اچھی خاصی اسپیڈ میں گاڑی چلانے کے باوجود گاڑی ان کے اسٹیشن پہنچنے سے دس منٹ پہلے نکل گئی تھی۔

"چلو اب تم بیٹھ کر مکھیاں مارو...... میں تو چلا بائے بائے...... سی یو اگین۔" ولید نے اس کی بیزار شکل پر ایک مسکراتی ہوئی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا اور ہاتھ ہلاتے ہوئے زن سے گاڑی نکال لے گیا

"منحوس گھر کی چابی تو لے کر نہیں گیا، گاڑی کدھر کھڑی کرے گا۔" دانت پیستے ہوئے اس نے ولید کا نمبر ملایا.... مگر اس کا سیل فون آف تھا۔ بری طرح جھنجلاتے ہوئے وہ ویٹنگ روم میں آبیٹھا۔

لیٹ ہونا اس کے لیے نئی بات نہ تھی...... نہ ہی اس لیٹ ہونے پر جھنجلانا...... نئی بات تو یہ تھی کہ آج یہ لیٹ ہونا اسے پریشان کر رہا تھا۔ واہموں اور وسوسوں میں مبتلا کر رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ آج صبح اس کے جی ایم نے لیٹ ہونے پر اسے پورے آدھے گھنٹے کا لیکچر دیا تھا اور آخر میں سرد لہجے میں تاکید کی تھی کہ وہ آج ہی نپولین بونا پارٹ کی شکست کا ریزن چارٹ پر لکھ کر اپنے بیڈ روم میں لگائے اور ہر روز اسے پڑھے تاکہ کسی بڑے نقصان سے محفوظ رہ سکے۔

اس وقت تو اس نے یہ باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دی تھیں لیکن اب اچانک ہی اسے یہ باتیں یاد آگئی تھیں اور یہ بھی کہ نپولین بونا پارٹ جیسے عظیم فاتح کو اپنے جرنیل کی ذرا سی تاخیر کی وجہ سے کیسی بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

"ایسا نہ ہو کہ مجھے بھی کبھی اس ہمیشہ لیٹ ہونے والی عادت کی وجہ سے کوئی بڑا نقصان اٹھانا پڑے۔" اچانک ہی اس کے ذہن میں خیال آیا۔ اور وہ مضطرب ہو کر اٹھ کھڑا ہوا.... عجیب سی کیفیت میں گھرا کچھ دیر اسٹیشن کی گہما گہمی کو دیکھتا رہا پھر واپس آبیٹھا۔

"سیل فون آپ ہی کا بج رہا ہے نا؟" موبائل کی مسلسل بیپ پر سامنے بیٹھے عمر رسیدہ شخص نے کافی ناگواری سے اسے گھورا... اس نے جلدی سے کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا۔

"ہیلو...... کیا کر رہے ہو؟" ولید شوخ لہجے میں

www.Paksociety.com

لب تھا۔

"تمہارا سر۔" اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا، جواب میں وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"اچھا سنو...... اگر یہ دو دن میں تمہاری گاڑی چلالوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا نا؟" اب وہ بڑے معصوم سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"کیوں، تمہاری گاڑی کو کیا تکلیف ہے؟"

"تکلیف تو کوئی نہیں یار مگر زیرو میٹر گاڑی دوڑانے کا اپنا ہی چارم ہے۔" اس نے مزے سے کہا اور بابر دانت پیس کر رہ گیا تھا۔

"چلو حوصلہ رکھو، صرف ایک ہی دن چلاؤں گا وہ بھی صرف دادا ابا کی طرف جاتے ہوئے...... ایک گیم کھیلنے کا ارادہ ہے اگر کامیابی ہوئی تو تمہارے آنے تک میرے پاس بھی نیو برینڈ گاڑی ہوگی۔"

"کیسا گیم......؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"بس ایک چھوٹا سا جھوٹ کہ یہ گاڑی تمہارے دادا جانی نے تمہیں لے کر دی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی اور اپنی گاڑی کی قابلِ رحم حالت کا تفصیلی احوال...... بس تم دعا کرنا دادا کا دل پسیج جائے اور سنو...... اگر یہ فریال صاحبہ میری ہونے والی بھابی ہیں تو میرا سلام کہنا۔"

"ہیں......" فون بند ہو چکا تھا اور وہ حیرانی سے منہ کھولے سوچ رہا تھا کہ اسے کیسے فریال کے بارے میں علم ہوا۔ پھر وہ زیرِ لب مسکرایا.... اسے یاد آگیا تھا کہ رات جب وہ نئے سال کی ڈائری پر بے حد سجا سنوار کر فریال کا نام لکھ رہا تھا تو ولید اسے زہیر کمال کے نیو ائیر کے فنکشن میں جانے کے لیے بلانے آیا تھا۔ یقیناً تبھی اس نے ڈائری میں یہ نام پڑھ لیا تھا...... مگر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔

"گھنا......" اس نے آہستگی سے کہا.... اور مسکراتے ہوئے وہ ایس ایم ایس پڑھنے لگا.... جو رات ہی اس نے Save کیے تھے اور جاتے ہی فریال کا نمبر لے کر اسے سینڈ کرنے تھے۔

اس کے لبوں پر ایک دھیمی سی خوب صورت مسکراہٹ رقص کر رہی تھی جس نے اس کے چہرے کو بے حد روشن کر دیا تھا۔ کچھ دیر پہلے کی کوفت اور جھنجلاہٹ کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

کتنی عجیب بات تھی کہ بچپن سے وہ ساتھ ساتھ تھے۔ اکٹھے کھیلے تھے، ایک ہی اسکول میں پڑھے تھے۔ میٹرک کے بعد اسکول کا ساتھ چھوٹ گیا... تو بھی دیوار سے دیوار جڑی ہوئی تھی۔ دونوں گھرانوں کا برسوں کا ساتھ تھا اس لیے غیروں والی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ ہر وقت کا آنا جانا تھا، ملنا ملانا تھا لیکن بابر کے دل میں اس کے لیے کوئی نیا جذبہ نہیں ابھرا تھا۔ کسی نئے اچھوتے احساس نے جنم نہیں لیا تھا۔ حتیٰ کہ گزشتہ ماہ جب وہ گھر گیا تھا تو امی جان نے کہا تھا۔

"بابر بیٹے...... نعمانہ اور زہرہ کے بعد گھر میں تم تھے تو اتنا محسوس نہیں ہوتا تھا لیکن جب سے تم بھی دوسرے شہر چلے گئے ہو گھر میں خاموشیوں نے ڈیرے ڈال لیے ہیں۔ اب تو دل گھبرانے لگتا ہے۔ میں سوچ رہی ہوں بس اب جلدی سے تمہاری شادی کر دوں۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے لڑکی آپ نے ڈھونڈ رکھی ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔

"لڑکی ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو گھر میں ہی موجود ہے۔"

"گھر میں......؟" اس نے حیرانی سے امی کو دیکھا تھا۔ گھر میں کون لڑکی تھی بھلا۔

www.Paksociety.com

"بھئی اپنی فریال کی بات کر رہی ہوں۔"

"نہیں امی......" ٹی وی پر نگاہ جمائے ہوئے اس نے بے دھیانی میں کہا تھا۔

"کیوں......؟ اور وہ جو تم اس کی اتنی تعریفیں کیا کرتے تھے۔"

"تعریف کرنا اور بات ہے امی اور شادی...... نہیں امی، فریال نہیں......" اس نے دوٹوک کہا تھا۔

"السلام علیکم خالہ جان!" دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے فریال نے سلام کیا تھا اور یوں یہ موضوع ختم ہو گیا تھا۔ فریال کے سنجیدہ سے چہرے کو دیکھتے ہوئے اسے محسوس ہوا تھا کہ شاید وہ ساری بات سن چکی تھی...... لیکن اس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی اور دیتا بھی کیوں...... اس کا کون سا اس سے کوئی دلی تعلق تھا۔

اگلے دن نعمانہ باجی اور زہرہ آپا آ گئی تھیں اور گھر میں اچھی خاصی چہل پہل ہو گئی تھی۔ بچوں کے ہنگامے اور دوستوں سے ملنے ملانے میں اسے پتا بھی نہیں چلا کہ اس کے بعد وہ ایک بار بھی ان کی طرف نہیں آئی تھی۔

اس دن وہ کسی کام سے احسن چچا کی طرف گیا تو وہ جو دادی کے پاس برآمدے میں بیٹھی تھی اس پر نگاہ پڑتے ہی تیزی سے اندر کی طرف بڑھی تب وہ چونکا تھا۔

"کیا بات ہے فریال...... کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟"

"نہیں تو...... میں کیوں ناراض ہوں گی بھلا۔" دھیمے سے لہجے میں کہتی وہ اندر کی طرف بڑھ گئی اور وہ ٹھٹک کر وہیں رک گیا تھا۔ یقیناً اس دن وہ اس کی گفتگو سن چکی تھی مگر اس کا یہ رویّہ کیا ظاہر کر رہا تھا...... کیا اس کی باتوں نے اس کی انا کو مجروح کیا تھا یا پھر یہ کوئی اور جذبہ تھا۔ اس نے سوچا تھا مگر پھر کچھ ہی دیر بعد وہ اس بات کو بھول بھال گیا۔

مگر دبے پاؤں اترتی اس شام کا وہ لمحہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جو انسان کبھی بھول نہیں پاتا۔ یہ چپکے سے زندگی میں آتے ہیں اور پوری زندگی کا عنوان بدل جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو کبھی نگاہ میں بھی نہیں آتے، وہ دل میں بس جاتے ہیں اور انسان حیران ہو کر سوچتا رہ جاتا ہے کہ یہ سب کیسے ہوا کیونکر ہوا۔ روانگی کے وقت حسبِ عادت اور حسبِ روایت وہ احسن چچا کے گھر گیا۔ سب سے ملنے کے بعد جب وہ باہر نکل رہا تھا تو بری طرح کسی سے ٹکرایا تھا۔ وہ فریال تھی اور اگر وہ بے اختیار ہی اسے تھام نہ لیتا تو وہ یقیناً الٹ کر پیچھے جا پڑتی۔ ایک ہاتھ ناک پر رکھے، نچلا لب دانتوں تلے دبائے سرخ چہرے اور...... نم ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتی، وہ فریال تو نہیں تھی جسے وہ بچپن سے دیکھتا آ رہا تھا......

جس سے وہ بچپن سے کھیلتا آ رہا تھا جس کے ساتھ وہ کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ پڑتا تھا اور کبھی اس کی خاطر دوسرے بچوں کے ساتھ گتھم گتھا ہو جاتا تھا۔ یہ تو جیسے کوئی اور ہی لڑکی تھی۔ جس کی آنکھوں میں ایک عجیب مقناطیسی کشش تھی...... کوئی نیا سا، انوکھا سا جذبہ تھا...... اک حزن تھا، ملال تھا، گلہ تھا اور یہ آنکھیں اسے جکڑ رہی تھیں، اندر تک اتر رہی تھیں۔ اسے اک ایسی کیفیت سے دوچار کر رہی تھیں جس سے وہ پہلے آشنا نہیں تھا۔

پھر ایک دم جیسے وہ کسی خواب سے جاگی اور ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ کاندھوں پر سے ہٹاتے ہوئے تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی...... وہ کتنی ہی دیر وہیں کھڑا رہا تھا...... اس کی بولتی، بہت کچھ کہتی

نگاہوں کے حصار میں گھرا اپنے دل کی دھڑکنوں کو انہیں سمجھنے کی سعی کرتا...... پھر کھویا کھویا سا باہر نکل آیا تھا۔

"آرام سے گاڑی میں آیا ہوتا تو جس وقت مرضی چلا جاتا مگر ہماری والدہ محترمہ...... انہیں کون سمجھائے بس ان کے حکم کی تکمیل میں گاڑی پاس ہوتے ہوئے بھی بسوں کے دھکے کھاؤ۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے بالوں میں انگلیاں الجھائی تھیں۔

ایک تو وہ گاڑی بہت تیز چلاتا تھا دوسرے ڈرائیو کرتے ہوئے سو جاتا تھا جس کی وجہ سے خالدہ بیگم نے اسے سختی سے گاڑی پر آنے سے منع کر رکھا تھا۔ بے دلی سے چلتے ہوئے جانے کس آس پر اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ بند گیٹ اس کا منہ چڑا رہا تھا...... وہ بدمزہ سا ہوتے ہوئے پلٹا اور پھر خود کو ہی ڈپٹنے لگا تھا۔ "اب وہ کسی فلمی ہیروئن کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر خدا حافظ کرنے سے تو رہی جناب بابر زمان صاحب۔"

پھر کافی دیر سواری کے لیے کھڑے ہو کر انتظار کی کوفت اٹھانے، کبھی جھنجلانے اور کبھی خود کو سمجھانے کے مرحلے سے گزرتا بالآخر وہ ڈائیوو کی سیٹ پر براجمان ہو ہی گیا تھا اور حسبِ عادت سر سیٹ کی پشت سے ٹکاتے ہوئے آنکھیں موند لی تھیں۔ ہمیشہ سیٹ پر ٹکتے ہی وہ یہی کام کرتا تھا لیکن پہلے سیٹ کی پشت سے سر ٹکاتے ہی وہ نیند کی وادیوں میں پہنچ جاتا تھا مگر آج ایسا نہیں ہوا تھا۔

آج آنکھیں موندتے ہی دو آنکھیں چھم سے اس کے تصور کے افق پر لہرائی تھیں اور اس کے ساتھ ہی دل میں گویا ہلچل سی مچ گئی تھی۔ دھڑکنوں کے اس شور پر پہلے تو وہ کچھ حیران ہوا پھر کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

"چچ، چچ......" ساتھ بیٹھا شخص تاسف سے کہتے ہوئے سیدھا ہوا اور اس نے چونک کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ رحم بھری نگاہوں سے دیکھتا وہ یقیناً اسے آدھا کھسکا ہوا سمجھ رہا تھا۔

"یار دل! اگر جو تم آج کے بجائے کل یہ کارنامہ انجام دے دیتے تو تمہاری شان تو نہ کم ہو جاتی۔" لبوں پر مچلتی مسکراہٹ کو بہ مشکل کنٹرول کرتے ہوئے اس نے زیرِ لب کہا تھا اور گویا اس شخص کے شبے پر یقین کی مہر ثبت کر دی تھی۔ پھر وہ سارا راستہ گاہے بہ گاہے ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا اور وہ دل ہی دل میں مسکراتا رہا تھا لیکن یہ مسکراہٹ اس وقت کافور ہو گئی جب سیل فون پر ولید نے دل بھر کر صلواتیں سنائی تھیں۔

"میں پورا گھنٹا اسٹیشن پر تمہارا انتظار کرنے کے بعد اب واپس جا رہا ہوں۔ اللہ کرے تمہیں کوئی رکشا، ٹیکسی نہ ملے اور تمہیں اسٹیشن پر رات بسر کرنا پڑے اور کان کھول کر سن لو تم اگر آئندہ مجھ سے کہا کہ اسٹیشن سے لے لو تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" انتہائی بھنائے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے سیل فون آف کر دیا تھا۔

بابر زمان نے سیل فون آف کرتے ہوئے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے پسنجر پر نگاہ ڈالی وہ کتاب ہاتھ میں پکڑے حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تبھی ڈائیوو رک گئی، وہ اپنا بیگ اور بریف کیس سنبھالے نیچے اتر آیا۔

اپنی ہر جگہ لیٹ ہونے والی اس عادت کو کوستا ہوا وہ صبر شکر کر کے سواری کے انتظار میں سڑک پر کھڑا رہا لیکن ولید کو فون کرنے کی جرات نہیں کی تھی، جانتا تھا کہ ابھی وہ اسٹیشن کے قریب بھی ہوا تو واپس ہرگز نہیں آئے گا پھر پورا ماہ اس نے ایک ایک دن

www.Paksociety.com

بلکہ ایک، ایک لمحہ گنتے گزارہ تھا۔

☆☆☆

سال کا آخری ماہ تھا۔ کام کا برڈن بھی زیادہ تھا اور جی ایم کا موڈ بھی اس کے مسلسل لیٹ آنے پر بگڑا ہوا تھا اس وجہ سے دو تین دن کی چھٹی لے کر گھر کا چکر بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ اللہ اللہ کر کے مہینا گزر ہی گیا تھا۔ اب صرف دو دن باقی تھے لیکن وہی دو دن گزارنے مشکل محسوس ہو رہے تھے۔

''اس کا فون نمبر بھی تو نہیں ہے میرے پاس ورنہ فون پر ہی حالِ دل سنا دیتا۔'' وہ الجھا ہوا تھا۔

''چلو سونے کی کوشش کی جائے...... شاید خوابوں کی وادیوں میں اس دلربا کا ساتھ ہو جائے۔'' اس نے کمبل میں چھپتے ہوئے سوچا تھا۔

اور پھر اس کا جذبۂ شوق ہی اس قدر طاقتور تھا یا قدرت ہی اس پر اس قدر مہربان تھی کہ چند لمحوں بعد وہ اس محبوبۂ دلنواز کے ساتھ سپنوں کی حسین وادیوں میں گھوم رہا تھا۔ جہاں گھاس کے مخملیں خطے پاؤں کو گدگدا رہے تھے۔ پودے پھولوں کا زیور پہنے اترا رہے تھے۔ ماہتاب ستاروں کے جھرمٹ میں گھرا ہر سو اپنی دودھیا چاندنی لٹا رہا تھا اور اس چاندنی میں نہایا ہوا وہ حسین اور دلربا پیکر اس کے ساتھ تھا اور زندگی جیسے سکون و طمانیت اور مسرت و سرشاری کا دوسرا نام تھی۔

ساری رات خوابوں کے مزے لوٹنے کے بعد صبح اس کی آنکھ پھر لیٹ کھلی تھی۔ بھاگم بھاگ تیار ہو کر وہ آفس پہنچا۔ وہ تو شکر ہوا کہ جی ایم صاحب ابھی نہیں پہنچے تھے ورنہ یقیناً اس کی خیر نہیں تھی۔

''بابر آخر کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟'' اس کے صاف انکار پر ولید جھلایا تھا۔ ''یار! سارے دوست اکٹھے ہو رہے ہیں...... کوئی گانے وانے کا پروگرام بھی رکھا ہے زہیر کمال نے۔ چلے چلو خوب انجوائے کریں گے۔''

''اور صبح...... یونو صفدر صاحب آخری وارننگ دے چکے ہیں مجھے اور سال کے پہلے دن میں ہرگز، ہرگز ان کی ڈانٹ پھٹکار نہیں سننا چاہتا...... اس لیے مجھے تو تم معاف رکھو پلیز۔'' اس کی بات جیسے ولید کے بھی دل کو لگی تھی اس لیے وہ اسے خدا حافظ کہتا آرام سے چلا گیا تھا۔

اور وہ خوش خوش اپنی پیکنگ کرنے لگا..... کل آفس سے آتے ہی ایک پل کی تاخیر کیے بنا اس کا روانگی کا ارادہ تھا۔ پیکنگ کے بعد وہ سونے کے لیے لیٹ گیا۔ کروٹیں بدل بدل کر تھک گیا مگر نیند نے آنے کا نام نہیں لیا۔ آخر کار بارہ بج گئے تھے کہیں قریب ہی سے فائرنگ اور پٹاخوں کی آواز آئی تھی اور وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

''تو سال 2011ء بالآخر اختتام کو پہنچا۔'' سوچتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا اور گھر کا نمبر ملایا تھا۔ مگر بیل جاتے ہی اسے خیال آیا کہ..... امی، ابو تو شاید سو گئے ہوں گے اس نے فوراً فون بند کر دیا... پھر چند دوستوں کو نئے سال کی مبارک باد کے ایس ایم ایس کیے تھے۔

''کیا ہی اچھا ہوتا فریال بی بی کہ تمہارا نمبر میرے پاس ہوتا۔'' موبائل پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے اس نے دھیرے سے کہا اور پھر کسی خیال سے اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں اور انگلیاں تیزی سے موبائل کے نمبروں پر چلنے لگی تھیں۔

محبت کے خمار میں ڈوبا، جذبوں کے اظہار میں گم جانے کتنی دیر وہ ایک کے بعد دوسرا میسج ٹائپ کرتا اور پھر سیو کرتا رہا کہ یکدم اسے وقت کا احساس ہوا تھا۔

''افوہ...... آج تو مجھے جلدی سونا تھا اور صبح ہر ...ال میں آفس ٹائم پر پہنچنا تھا۔ اب اتنا ٹائم ہو رہا ...ے اگر صبح آنکھ نہ کھلی تو۔'' اس نے موبائل پر الارم ...اتے ہوئے سوچا تھا۔

اور جو سوچا تھا صبح وہی ہوا..... الارم بجتا رہا... ...ر وہ نہیں اٹھا۔ فون کی مسلسل بیل پر جب آنکھ کھلی تو ...ال کلاک پر نگاہ پڑتے ہی اس کا دماغ گھوم گیا۔ ...ون کی بیپ ایک دفعہ پھر بجی..... اس نے جلدی ...ے موبائل اٹھایا۔

''ہاں...... کہاں غائب ہو...... پہنچے نہیں ...فس؟'' دوسری طرف ولید تھا۔

''بس آ رہا ہوں۔''

''بس آ رہا ہوں......'' ولید نے نقل اتاری تھی۔ ''اب آ بھی چکو...... اور تمہارے لیے اچھی خبر ہے کہ ابھی صفدر صاحب نہیں آئے۔'' اس نے بتایا اور بابر کی جان میں جان آئی۔

جلدی جلدی تیار ہو کر آفس پہنچا تو ولید اسے باہر ہی مل گیا۔ بابر نے بے اختیار اس کے گلے لگتے ہوئے اسے بھینچ لیا۔

''خیریت...... ! یہ اتنی محبت کس لیے امڈی پڑ رہی ہے بھئی...... کہیں خواب میں مجھے مرتے تو نہیں دیکھ لیا۔''

شٹ اپ ولید۔'' بابر نے غصے سے اسے گھورا۔

''اچھا تو پھر میرے چہرے میں کسی اور کا چہرہ نظر آ گیا ہے کیا۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''جی نہیں...... میں تم سے ہی مل رہا تھا، اپنے بہت اچھے دوست ولید رضا سے۔ رئیلی ولید بہت خیال رکھتے ہو تم میرا۔ اگر تم نہ ہوتے تو یقیناً میں کب کا اس جاب سے فراغت پا کر گھر سدھار چکا ہوتا۔''

ہر شمارہ خاص شمارہ
سچی کہانیوں، آپ بیتیوں، جگ بیتیوں کا بے مثال مجموعہ
ماہنامہ سرگزشت
مارچ 2012ء کے نئے شمارے کی جھلکیاں
سوز و ساز
اردو ادب میں غزل گوئی کی ابتدا کرنے والے ایک باکمال شاعر کا زندگی نامہ
لینس ڈاؤن برج
پاکستان کی شان کہے جانے والے پل کا تاریخی پس منظر
چلبلا
بولی وڈ کے ایک معروف اداکار کے حالات زندگی
پراسرار مخلوق
امریکا اسپیس ریسرچ سینٹر میں کیا واقعی ایلیین قید ہیں؟ کیا دوسرے سیاروں کی کسی مخلوق کا زمین سے رابطہ ہے؟
ان کے علاوہ
پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کر کے بدنامی اٹھانے والے شخص کی روداد ''سربلند'' یورپ سے درآمد ایک پراسرار واقعہ ''دوسری زندگی'' افریقا کی سفر کہانی ''شب رنگیں'' اور بھی بہت سی سچ بیانیاں، سچے واقعات، معلوماتی قصے
ایک ایسا خاص شمارہ جسے آپ محفوظ رکھنا ضروری سمجھیں گے
آج ہی نزدیکی بک اسٹال پر اپنا شمارہ مختص کرا لیں
خاص شمارہ...... ہر شمارہ، خاص شمارہ...... ہر شمارہ، خاص شمارہ

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

اور یہ بات وہ حقیقتاً صحیح کہہ رہا تھا۔ اکثر وہ الارم بجنے پر غنودگی میں الارم بند کر دیتا تھا کہ ابھی اٹھتا ہوں اور پھر گہری نیند میں چلا جاتا تھا تو پھر ولید کی فون کالز ہی...... اسے اٹھاتی تھیں۔

"دوستی میں انسان اتنا خیال بھی نہ کرے تو پھر یہ دوستی تو نہ ہوئی...... ویسے بائی داوے تم یہ بتاؤ کہ تمہیں تو آج ہر حال میں ٹائم پر آفس پہنچنا تھا نا؟"

"بس یار......" اس نے خجالت سے کان کھجایا۔

"یہ... "یہ ہم یہاں اتنی فرصت میں کس خوشی میں کھڑے ہیں۔" اسے اچانک خیال آیا تھا۔

"اس لیے کہ جناب صفدر حسین صاحب آج نہیں آئے اور نہ ہی آئیں گے۔"

"ریئلی۔"

"ہوں۔"

"ہرّا......"

"لیکن زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں انہوں نے اکمل صاحب کو تاکید کی ہے کہ کسی کو آفس ٹائم سے پہلے چھٹی نہ دی جائے۔" ولید نے مسکراتے ہوئے کہا اور بابر برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"اس مرتبہ تمہیں گھر جانے کی بڑی بیتابی ہے...... کوئی خاص بات ہے کیا......؟"

"خاص بات کیا ہوگی بھلا......؟" اس نے نگاہ چراتے ہوئے بالوں میں انگلیاں الجھائی تھیں۔

"ہو بھی سکتی ہے۔"

"پورا ماہ انسان گھر سے دور رہے تو اداس ہو جاتا ہے یار۔"

"اچھا...... کس کے لیے......؟" معنی خیز انداز میں اچھا کہتے ہوئے ولید نے پوچھا۔

"بھئی والدین کے لیے اور کس کے لیے......

جلدی چلو اکمل صاحب آ رہے ہیں۔" اس نے رخ موڑتے ہوئے جلدی سے کہا اور دونوں نے تیزی سے اندر کی جانب قدم بڑھا دیے تھے۔ اکمل صاحب نے تیز نظروں سے ان دونوں کو گھورا تھا۔ انہیں اس لڑکے کی جو منیجر کی پوسٹ پر کام کر رہا تھا سمجھ نہیں آتی تھی کہ آخر اس کے ساتھ کیا مسئلہ تھا، ہر روز ڈانٹ کھاتا تھا اور اگلے دن پھر لیٹ آتا تھا لیکن چونکہ انتہائی انٹیلی جنٹ اور ایکٹیو تھا، گھنٹوں کا کام جیسے منٹوں میں کرتا تھا اس لیے کسی قسم کی سخت کارروائی سے بچا ہوا تھا۔

"ولید ساڑھے چار بجے کی سیٹ ہے میری... تم ساڑھے تین بجے آ جانا۔" آفس سے نکلتے ہوئے اس نے ولید کو تاکید کی تھی۔

"میں تو آ جاؤں گا یار...... تم خود اتنے سے ٹائم میں تیار ہو جاؤ گے یہ دیکھ لو۔"

"دو بجے ہیں...... کافی ٹائم ہے۔" اس نے بے فکری سے رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا۔

"ٹائم تو کافی ہے لیکن مجھے نہیں لگتا کہ تمہارے لیے یہ کافی ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ جب میں آؤں گا تو جناب بھاگم بھاگ تیار ہو رہے ہوں گے۔ اینی وے، میں ساڑھے تین بجے پہنچ جاؤں گا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم ریڈی نہیں ہو گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا... پھر واقعی ولید کی بات ٹھیک نکلی تھی۔ وہ اپنے وقت پر پہنچ گیا تھا لیکن بابر تیار نہیں تھا۔

"افوہ آنٹی...... اتنا بھاری بیگ ہے کندھا ٹوٹ گیا ہے میرا۔" تیز، جھنجلائی ہوئی نسوانی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی.... اور ساتھ ہی بیگ ٹھک سے اس کے قریب پٹخا گیا تھا۔ صوفے کی بیک سے پشت ٹکائے خیالات میں گم بابر چونک کر سیدھا ہوا۔

"ٹائم کیا ہوا ہے بیٹے؟" سامان رکھتے ہوئے خاتون نے بابر سے پوچھا۔

"ٹائم...... اوہ مائی گاڈ......" اس نے جھٹکے سے اپنے دونوں بیگز اٹھائے..... اور بھاگنے کے سے انداز میں باہر کی جانب بڑھا۔

"پانچ بج کر دس منٹ ہوئے ہیں آنٹی......"

اچانک خیال آنے پر ویٹنگ روم سے نکلتے نکلتے اس نے آواز لگائی۔

"تھینکس گاڈ......" سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے گہری سانس لی تھی۔

"اگر وہ دونوں خواتین ویٹنگ روم میں نہ آتیں تو میں یقیناً اس بس کو بھی مس کر دیتا۔ اسٹیشن پر موجود ہونے کے باوجود...... جلد از جلد گھر پہنچنے کی خواہش کے باوجود...... کتنی عجیب بات تھی یہ......

"آخر میرے ساتھ ہمیشہ ایسا کیوں ہوتا ہے' کیوں......؟" اس نے پریشانی سے بالوں میں انگلیاں الجھائی تھیں۔ "کیوں وہ ہر جگہ لیٹ ہو جاتا ہے......" اس کے اندر گہرا اضطراب کروٹیں لے رہا تھا۔ جوں جوں یہ اضطراب بڑھ رہا تھا وہ پریشان ہو رہا تھا۔

بے شمار اور لاتعداد لمحے اسے یاد آ رہے تھے جب وہ لیٹ ہوا تھا...... وقتی طور پر جھنجلایا تھا۔ کھسیایا تھا اور اگلے ہی پل سب بھول بھال گیا تھا۔ تاخیر اس کی عادت بن چکی تھی اور اس نے اس عادت کو کبھی اپنی خامی نہیں سمجھا تھا۔ اس لیے کبھی کسی کی نصیحت پر کان نہیں دھرے تھے لیکن آج جانے کیا ہوا تھا کہ وہ اپنے دل و دماغ میں ابھرتے واہموں، خدشوں کو نظر انداز نہیں کر رہا تھا۔ تبھی ساتھ والی سیٹ پر ایک لڑکی آ کر بیٹھی جو سائڈ سے بالکل فریال جیسی لگ رہی تھی۔ واقعی تھی یا اسے ہی یوں محسوس ہو رہا تھا......

لیکن اس کی توجہ بٹ گئی تھی۔ مسکراہٹ بے اختیار

قارئین متوجہ ہوں

قرآنِ حکیم کی مقدس آیات و احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر آیات اور احادیث درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس کے لبوں پر در آئی... اور خیالات کی رو فریال کی طرف سفر کرنے لگی۔

"فریال......" اس کے لبوں نے دھیرے سے اس نام کو چھوا تھا اور ہر طرف جیسے پھول ہی پھول کھل اٹھے تھے۔ مدہوش کن خوشبو میں...... اسے اپنے حصار میں لینے لگی تھیں۔

"کبھی تو آسماں سے چاند اترے جام ہو جائے
تمہارے نام کی ایک خوب صورت شام ہو جائے"

خمار آلود لہجے میں بشیر بدر کا یہ شعر زیرِ لب پڑھتے ہوئے اس لمحے کو تصور میں دیکھتے ہوئے کہ جب وہ فریال کو حالِ دل سنائے گا' پورا ماہ اس نے اسے کتنا یاد کیا ہے یہ سب بتائے گا جانے کس وقت وہ نیند کی حسین وادیوں میں جا پہنچا تھا۔

"بابر صاحب! بابر صاحب......!" کسی نے اسے بری طرح جھنجوڑا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا تھا۔

"حد ہو گئی ہے بابر صاحب...... کوئی یوں بھی بے خبر ہو کر سوتا ہے بھلا۔" کہنے والا بس کا ڈرائیور تھا۔ اپنی بے سدھ نیند اور ہر مرتبہ لیٹ ہو کر سیٹ کے ادل بدل کے باعث تقریباً سب ڈرائیور ہی اسے جاننے لگے تھے۔ اس نے قدرے کھسیاتے ہوئے اس کی بات سنی تھی۔ چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا اور جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

www.Paksociety.com

''لو بھئی......'' کرایہ ٹیکسی والے کو تھماتے ہوئے بے حد مگن سے انداز میں گنگناتا ہوا وہ ٹیکسی سے اترا تھا۔ نگاہیں بے قراری سے درِ یار کی طرف اٹھی تھیں اور اٹھی رہ گئی تھیں۔ دل میں جیسے بھونچال سا آ گیا تھا...... قدم وہیں زمین پر جم کر رہ گئے تھے۔ آنکھیں حیرانی، بے یقینی اور صدمے سے ایک ٹک ان روشنیوں کو دیکھ رہی تھیں جن میں گھرا وہ گھر جگمگا رہا تھا۔

''یہ ......سب......'' اس نے جیسے ڈرتے ڈرتے سوچا تھا۔ فریال کی بڑی دونوں بہنیں شادی شدہ تھیں اور بھائی ابھی آٹھویں میں پڑھتا تھا۔

''تو پھر یہ سب......؟'' ذہن میں ابھرنے والے خیال سے اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔

''بابر بھائی...... بابر بھائی......'' سامنے والے شہزاد صاحب کا بیٹا اپنے ٹیرس میں کھڑا اونچی آواز میں اسے پکار رہا تھا۔ اس نے بہ مشکل پلٹ کر اوپر دیکھا تھا۔

''بابر بھائی! آپ کے امی ابو تو فریال باجی کی شادی میں گئے ہوئے ہیں...... اب آپ کیا کروگے۔''

''فر......یا......ل کی شادی......!'' لفظ تھے یا سنسناتے ہوئے تیر جو سیدھے اس کے دل میں لگے تھے اور اس کے لیے سانس تک لینا دوبھر کرنے لگے تھے۔

وہ سب خواب، وہ سب سپنے جو اس نے پچھلے تیس دنوں میں بُنے تھے اور وہ سب منظر جو اس کے تخیل نے اسے دکھائے تھے ایک، ایک کر کے اس کی نگاہوں کے سامنے لہرا رہے تھے اور اس کے وجود کو کھوکھلا کرتے جا رہے تھے۔

''بابر بیٹے! قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر اوقات کی قسم کھائی ہے...... وقت کی اہمیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا۔ آفتاب کا طلوع و غروب، ماہتاب کا جگمگانا اور پھر چھپ جانا، دن رات کا آنا جانا، سردی اور گرمی، بہار اور خزاں غرض کائنات کا یہ سارا نظام ایک مقررہ وقت اور خوب صورت ترتیب کے ساتھ چل رہا ہے۔ ذرا سوچو اگر صرف سورج ہی ہر دوسرے دن گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تاخیر سے طلوع ہونے لگے تو کائنات کا یہ سارا نظام کیسے درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ تاخیر اگر عادت بن جائے تو انسان کی زندگی کے تمام معاملات کو بھی یونہی درہم برہم کر دیتی ہے۔ اس لیے بیٹے اس عادت کو ترک کرنے کی کوشش کرو۔'' سر عطاالحق کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

''تم آج ہی نپولین بونا پارٹ کی شکست کا ریزن چارٹ پر لکھ کر اپنے بیڈ روم میں لگاؤ بابر زمان...... اور دن میں کئی بار اسے پڑھو...... شاید اس طرح تم خود کو سدھار سکو اور کسی بڑے نقصان سے محفوظ رہ سکو۔'' جی ایم صفدر حسین نے کہا تھا اور اس نے ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا تھا۔ جب بھی جس کسی نے اسے سمجھایا تھا اس نے یہی کیا تھا پھر اب ایسا تو ہونا ہی تھا۔

جو لوگ اپنی خامیوں پر نظر نہیں رکھتے...... اپنے بڑوں کی باتوں پر کان نہیں دھرتے...... انہیں نقصان تو اٹھانا ہی پڑتا ہے۔ لیکن کاش یہ بات پہلے اس کی سمجھ میں آ جاتی...... دھواں دھواں ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے روشنیوں سے جگمگاتے فریال کے گھر کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا اور خود کو دبیز اندھیروں میں گھرتے محسوس کیا تھا۔

کفارہ

تابندہ جبیں

''میم ہم شادی کرنا چاہتے ہیں ہمیں قانونی مدد اور مشورے کی ضرورت ہے۔ طریقۂ کار سے ہم بالکل ناواقف ہیں۔'' سول جج شہلا حیات کے چیمبر میں اس وقت چوبیس پچیس سالہ لڑکا اور اس کا ہاتھ تھامے ہراساں...... آنکھوں والی لڑکی موجود تھی۔

''کورٹ میرج!'' انہوں نے عینک کے شیشوں کے اوپر سے جھانکا۔

''جی میم۔'' لڑکے کی آواز میں ٹھہراؤ اور پختگی تھی گویا وہ یہ قدم اٹھانے کی ٹھان کر آیا تھا۔

''بیٹھو۔'' انہوں نے کچھ لمحوں تک انہیں خاموشی سے تکنے کے بعد بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''گھر والے نہیں مانے کیا......؟'' شہلا حیات نے انہیں جانچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ لڑکی کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں اُس نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلا دی۔

''نام کیا ہے تمہارا؟'' انہوں نے پُرشفقت انداز میں پوچھا۔

''نورالعین شہباز۔'' اس کے گلے میں پھر آنسوؤں کا پھندا اٹکا تھا۔

''اکٹھے پڑھتے تھے؟'' انہوں نے ایک اور سوال داغا۔

''جی۔'' نورالعین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میم پلیز، یہ ساری تفصیلات غیر ضروری نہیں ہیں کیا۔ آپ کی تسلی کے لیے صرف یہ کافی نہیں کہ ہم عاقل و بالغ پاکستانی شہری ہیں آپ ہمارے شناختی کارڈز دیکھ سکتی ہیں۔'' لڑکے نے کچھ جتاتے ہوئے انداز میں انہیں مخاطب کیا۔

''بالکل نوجوان، ویسے نام کیا ہے آپ کا؟'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے پہلے اس کا نام دریافت کیا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

''ولید، ولید ہاشم۔'' اس نے جواب دیا۔

''ہاں تو ولید، مجھے آپ کی بات سے کب اختلاف ہے۔ آپ عاقل و بالغ ہیں، پسند کی شادی کرنا آپ کا شرعی اور قانونی حق ہے۔'' انہوں نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔ لڑکے کے تنے اعصاب کچھ ڈھیلے پڑے تھے۔

''میم، آپ ہمیں جلد از جلد اس بندھن میں باندھ دیں، ہم اس کام میں مزید تاخیر نہیں کرنا چاہتے۔'' ولید نے دھیمے مگر متوازن لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

''ولید دیکھو بیٹا تم مائنڈ مت کرنا لیکن کیا تمہیں یہ نہیں لگتا کہ تم اتنا بڑا فیصلہ کرنے کے ابھی قابل نہیں ہو، میرا مطلب ہے کہ ابھی تو تمہاری اسٹڈیز کمپلیٹ ہوئے بھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہوگا، کیا تم اپنے ساتھ کسی اور کی ذمے داری اٹھا سکتے ہو اگرچہ یہ باتیں جو میں تمہیں سمجھانا چاہ رہی ہوں میرے فرائضِ منصبی میں شامل نہیں ہے لیکن تم مجھے بہت اپنے اپنے سے لگ رہے ہو، میرا بڑا بیٹا تم سے چند برس ہی چھوٹا ہوگا۔ مجھے تمہارے اندر اس کی شباہت نظر آ رہی ہے بس اسی لیے چاہ رہی ہوں کہ تمہیں اس معاملے کی نزاکت اور باریکیوں سے آگاہ کروں۔ یہ ہرگز اتنا آسان فیصلہ نہیں ہے جتنا تم لوگ سمجھ رہے ہو۔'' انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر الفاظ کا انتخاب کیا تھا۔

''میں نے اس فیصلے کے ایک، ایک پہلو پر بہت غور کیا ہے میڈم لیکن آپ یقین کریں کہ ہم دونوں کے پاس اس کے سوا اور کوئی آپشن نہیں۔ اس کے گھر والے اس کی شادی کہیں اور طے کر رہے ہیں، ہمیں اسی لیے فوری طور پر یہ قدم اٹھانا پڑ رہا ہے ورنہ ظاہر ہے میں بھی شادی پوری طرح اسٹیبلش ہونے کے بعد ہی کرنا چاہتا تھا خیر مجھے اب بھی کوئی فکر نہیں۔ میرے پاس ڈگری ہے، قابلیت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھے اپنی صلاحیتوں پر بھرپور اعتماد ہے۔ میں نورالعین کو یقیناً ایک بہترین زندگی فراہم کرنے کے قابل ہوں۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا تھا۔ شہلا حیات جانتی تھیں کہ وہ سچ کہہ رہا ہے لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ وہ بہت سی باتوں سے لاعلم ہے۔ وہ فی الحال نورالعین سے مخلص تھا، اس سے سچی محبت کا دعویدار تھا لیکن محبت پالینے کے بعد دونوں کا مستقبل کیسا ہوسکتا تھا اس کا اندازہ شہلا حیات سے زیادہ اور کون لگا سکتا تھا لیکن ولید ہاشم کا بے لچک انداز بتا رہا تھا کہ اسے سمجھانا فضول ہے۔ انہوں نے ایک گہری سانس اندر کھینچی تھی۔

''کتنے بہن بھائی ہو تم لوگ نور؟'' کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے روئے سخن نورالعین کی طرف موڑا۔ اس بار ان کا لہجہ قدرے بے تکلفی لیے ہوئے تھا۔

''تین بھائی، دو بہنیں۔'' اس نے ہولے سے جواب دیا۔

''بڑی ہو سب سے؟'' انہوں نے پیار سے پوچھا۔ لڑکے نے اکتا کر پہلو بدلا۔

''نہیں، دو بھائی مجھ سے بڑے ہیں پھر ایک بھائی اور پھر چھوٹی بہن۔'' اس نے قدرے تفصیل بتائی۔

''ہوں...... یعنی دو بھائیوں کے بعد ہوئی تھیں تم پھر تو امی، بابا کی بہت لاڈلی ہوگی تم......'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اندازہ لگایا۔

''جی میرے ممی پاپا بہت پیار کرتے ہیں مجھ سے اور پاپا تو خصوصاً جان چھڑکتے ہیں مجھ پر۔'' اس کی آنسوؤں سے بھری آنکھوں میں مسکراہٹ کوندی

www.Paksociety.com

...ی۔

''جی، اتنی جان چھڑکتے ہیں وہ اس پر کہ اس ...زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ اس کی مرضی کے ...ف کرنے لگے ہیں۔'' لڑکے نے استہزائیہ ...از میں خود کلامی کی۔ نورالعین نے سر جھکا لیا۔

''ابھی تو تم لوگ شادی کے بندھن میں ...ھے بھی نہیں، تم ابھی سے اس پر طنز کر رہے ہو۔'' ...ہلا حیات نے لڑکے کو کڑے تیوروں سے گھورا۔

''نہیں، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' اس نے ...افعانہ انداز اختیار کیا۔

''پھر تمہارا مطلب کیا تھا؟'' انہوں نے ...صنوعی حیرت سے استفسار کیا۔ لڑکا چڑ گیا تھا۔

''میں اتنا غلط نہیں کہہ رہا اگر وہ اس کو اتنا ...چاہتے ہیں تو اس کی خوشی کو کیوں نظر انداز کیا انہوں ...نے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ اپنے چچا کے بیٹے کو جیون ...ساتھی کے روپ میں قبول کرنے پر آمادہ نہیں پھر بھی ...وہ زبردستی کا یہ بندھن جوڑنے پر بضد ہیں۔ اس کے ...والدین کو اس کی خوشیوں سے زیادہ اپنی انا پیاری ...ہے۔ وہ انتہائی بے لچک اور ہٹ دھرم ثابت ہوئے ...ہیں۔'' اس نے تنفر سے کہا۔ شہلا حیات نے نور ...العین پر نگاہ ڈالی وہ شکوہ کناں نگاہوں سے ولید کو ...دیکھ رہی تھی اسے یقیناً اپنے والدین کے لیے بولے ...جانے والے الفاظ پسند نہیں آئے تھے۔

''نورالعین بیٹا، تم اسے اتنا حیران، پریشان ہو کر کیوں دیکھ رہی ہو۔ اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرلو۔ آئندہ زندگی میں تمہیں قدم قدم پر کچھ اسی قسم کے طعنے سننے کو ملیں گے۔ اپنے پیاروں کے متعلق ...طنزیہ پیرائے میں گفتگو سننے کا حوصلہ پیدا کرنا پڑے گا تم کو۔'' انہوں نے اسے جتایا تھا۔ وہ سر جھکا کر ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

1۔ زمین کی جنت...... کشمیر کو کہتے ہیں۔
2۔ گلابی شہر...... جے پور، بھارت کو کہتے ہیں۔
3۔ گینڈوں کا شہر...... استنبول کو کہتے ہیں۔
4۔ نہروں کا شہر...... وینس کو کہتے ہیں۔
5۔ صحرا کا چمن...... حبشہ کو کہتے ہیں۔
6۔ مسجدوں کا شہر...... ڈھاکہ کو کہتے ہیں۔
7۔ ہواؤں کا شہر...... شکاگو کو کہتے ہیں۔
8۔ نوابوں کا شہر...... حیدر آباد دکن کو کہتے ہیں۔
9۔ شاہینوں کا شہر...... سرگودھا کو کہتے ہیں۔
10۔ زندہ دلوں کا شہر...... لاہور کو کہتے ہیں۔
11۔ روشنیوں کا شہر...... کراچی کو کہتے ہیں۔
12۔ فلک بوس عمارتوں کا شہر...... نیویارک کو کہتے ہیں۔
13۔ پیغمبروں کی سرزمین...... فلسطین کو کہتے ہیں۔
14۔ خاموشی کی سرزمین...... کوریا کو کہتے ہیں۔

مرسلہ: منور شہزادی، گوجرانوالہ

''دیکھیے میم، آپ نور کو مجھ سے بدگمان کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔'' لڑکا جز بز ہوتے ہوئے بولا۔

''یہ کام میں نہیں تم خود کر رہے ہو۔ اس کے گھر والوں کے لیے ناشائستہ زبان استعمال کرتے ہوئے تم نے اس کے جذبات و احساسات کو رتی برابر بھی اہمیت نہیں دی، مانا یہ تم سے پیار کرتی ہے اور تمہارے پیار میں اتنا آگے بڑھ گئی ہے کہ اپنے گھر

www.Paksociety.com

والوں کی مرضی کے خلاف تم سے شادی کرنے چلی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے دل میں اپنے گھر والوں کے لیے پیار یکسر ختم ہوگیا ہے۔ تم صرف......"

"میم پلیز آپ بلاوجہ بات الجھا رہی ہیں۔ ہم دونوں کی آپس میں بے مثال انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ ایک دوسرے کے جذبات واحساسات کی پروا کرنا جانتے ہیں ہم۔ میں نے ویسے ہی بات برائے بات کردی تھی۔" لڑکے نے اکتا کر ان کی بات کاٹی تھی۔ شہلا حیات نے گہری سانس اندر کھینچی۔ لڑکا معاملہ فہم تھا ان کا مقصد کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا۔

"اچھا چلو ولید، میں بھی تم سے ویسے ہی بات برائے بات کچھ پوچھنا چاہ رہی ہوں۔"

"پوچھیں۔" وہ بادلِ ناخواستہ گویا ہوا۔

"کیا تمہارے گھر والے بھی تمہارا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں۔ انہیں تو تمہاری خوشی میں شریک ہونا چاہیے تھا لیکن کیا وجہ ہے کہ تمہارا کوئی سرپرست اس وقت موجود نہیں۔" انہوں نے کچھ جتاتے ہوئے انداز میں پوچھا۔ لڑکا ایک لمحے کو چپ سا ہوگیا تھا۔

"جی وہ بھی راضی نہیں۔" اس بار اس کا لہجہ دھیما تھا۔

"اوہ تو گویا وہ بھی انا پسند، ضدی اور ہٹ دھرم......"

"میم پلیز آپ پرسنل ہو رہی ہیں۔" لڑکا مشتعل ہوگیا تھا۔

"دیکھ لو نور، یہ ہوتا ہے ان مردوں کا دہرا معیار۔" انہوں نے اب صاف صاف بات کرنے کی ٹھانی۔ لڑکی بے یقین نگاہوں سے لڑکے کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔ آپ بلاوجہ کی باتوں میں الجھا رہی ہیں ہمیں۔" لڑکے کے چہرے سے خفگی جھلکنے لگی تھی۔

"میں تم لوگوں سے صرف یہ پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ آئندہ کی زندگی کے لیے کیا لائحہ عمل طے کیا ہے تم نے، کیا رشتوں سے کٹ کر جی لو گے؟"

"پلیز میم یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔" لڑکا بدلحاظ ہوا۔

"دیکھو لڑکے، کیا نام ہے تمہارا.... ہاں ولید تم ذرا دیر کو خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ اب میں تم سے نہیں نورالعین سے مخاطب ہوں۔" انہوں نے بھی اس بار پُررعب انداز اختیار کیا۔ ولید کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

"ہاں نور، تم اپنے خونی رشتوں سے کٹ کر جینے کا حوصلہ پاتی ہو اپنے اندر۔" انہوں نے اسے جانچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ نورالعین کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمودار ہوئے تھے۔

"وہ بعد میں مان جائیں گے، مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔" کچھ لمحوں کی ہچکچاہٹ کے بعد اس نے جواب دیا تھا۔

"وہ تم سے بہت پیار کرتے ہیں اور تم ان کے پیار کا یہ صلہ دے رہی ہو۔ یہ لڑکا بھی تو تم سے پیار کا دعویدار ہے، مستقبل میں اس کے پیار کا بھی کچھ ایسا ہی جواب دو گی۔ کوئی اور ملا تو اسے بھی چھوڑ دو گی۔" انہوں نے چبھتے ہوئے انداز میں دریافت کیا تھا۔ وہ ان کی بات سن کر سناٹے میں آگئی تھی، اس کے چہرے پر پھیلی سرخی اس کی برہمی کا پتا دیتی تھی۔

"غصہ تھوک دو، مستقبل میں تمہیں کچھ اس قسم کی باتیں اپنے شوہر کے منہ سے بار بار سننی پڑیں گی۔ محبوب جب شوہر بنتا ہے تو بہت بے رحم ہو جاتا ہے نورالعین۔"

"آپ یہ خود ساختہ مفروضے سنا کر اسے کیوں پریشان کرنے پر تلی ہوئی ہیں؟" لڑکے سے اب مزید ضبط محال تھا۔

"میں نے تم سے کہا ہے کہ تم تھوڑی دیر کو خاموش بیٹھے رہو۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر اسے ٹوکا۔ وہ لب بھینچ کر خاموش ہوگیا۔

"اچھا تو نور یہ بتاؤ کہ تم دیکھنے میں تو اتنی نازک سی ہو، اتنا بڑا فیصلہ اکیلے کیسے کرلیا؟" انہوں نے ایک بار پھر دوستانہ انداز اپنایا تھا۔

"مجبوری تھی۔" اس کے لب کپکپائے۔

"وہ لڑکا میرا مطلب ہے کہ تمہارا چچا زاد کیا کرتا ہے۔ جس کو تمہارے والدین نے تمہارے لیے منتخب کیا۔"

"انجینئر ہے۔" اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"اچھا یعنی کہ پڑھا لکھا ہے، شکل صورت کا بہت واجبی سا ہوگا، ہے نا؟" انہوں نے تائید چاہی نورالعین نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلادی۔

"بری عادتوں میں مبتلا ہے، نشہ وغیرہ کرتا ہے۔ غلط صحبت کا شکار ہے۔" وہ دوستانہ انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، بہت ریفائنڈ پرسنالٹی ہے احمر کی۔" لڑکی نے اقرار کیا۔

"فار گاڈ سیک نور اس شخص کا نام مت لو میرے سامنے، زہر لگتا ہے وہ مجھے۔" ولید نے یکدم دونوں کی گفتگو میں مداخلت کی تھی۔

"اتنی جیلسی، لڑکی تم ابھی بھی اس بندے کی نیچر سمجھ نہیں پارہیں، شادی کے بعد طعنے دے دے کر تمہارا جینا حرام کردے گا۔" انہوں نے جیسے پیشگی آگاہ کیا۔ نورالعین نے بے یقینی سے ولید کو دیکھا اس

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

نے غصے سے منہ پھیر لیا تھا۔ ”ایک بندے کے لیے تم اتنی محبتیں، اتنی چاہتیں ٹھکرا رہی ہو کبھی سوچا ہے کہ تمہارے اس اقدام سے تمہارے گھر والوں پر کیا بیتے گی۔ تمہارے بھائی زندگی بھر کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ تمہاری چھوٹی بہن کا رشتہ کسی اچھی جگہ نہ ہو پائے گا، اس کے نام کے ساتھ یہ حوالہ لگ جائے گا کہ وہ گھر سے بھاگ کر شادی کرنے والی لڑکی کی بہن ہے اور تمہارے والد......؟“ انہوں نے بات ادھوری چھوڑی تو نورالعین نے بے تابی سے انہیں دیکھا گویا بات مکمل کروانا چاہ رہی ہو۔

”ان کا دل تو ہوسکتا ہے کہ یہ صدمہ سہار ہی نہ پائے، جس گھر سے وہ تمہاری ڈولی اٹھانا چاہتے ہیں وہاں سے ان کا......“

”اللہ نہ کرے۔“ نورالعین نے دہل کر ان کی بات کاٹی۔

”ہاں، واقعی اللہ نہ کرے۔“ انہوں نے گہری سانس اندر کھینچی۔

”تمہیں یاد ہے نورالعین بچپن میں ایک دفعہ تم بہت شدید بیمار پڑ گئی تھیں۔“ وہ اسے کسی گہری سہیلی کی طرح یاد دلا رہی تھیں۔

”آپ کو کیسے پتا؟“ شدید حیرانی کے عالم میں اس کے منہ سے نکلا تھا۔

”تمہارے پاپا ساری ساری رات تمہارے سرہانے بیٹھے جاگتے رہتے تھے، یاد ہے نا؟“ انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ نورالعین نے ٹرانس کی حالت میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اور تمہاری ممی بے چاری تمہیں کھلانے پلانے کے لیے کتنے جتن کرتی تھیں۔ تمہارے منہ کا ذائقہ دوائیاں کھا کھا کر ان دنوں اتنا خراب ہوتا تھا کہ تمہیں کوئی چیز اچھی ہی نہ لگتی تھی۔ کتنی منت سماجت کے بعد تم ایک نوالہ لیتی تھیں اور ممی، پاپا خوش ہو جاتے تھے، ان دنوں پاپا تمہارے لیے روز ایک نیا کھلونا لاتے تھے۔“ نورالعین نے انہیں حیرت سے دیکھتے ہوئے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

”تمہارے ممی، پاپا کتنے عرصے سے تم سے محبت کی ایکٹنگ کر رہے ہیں نا نور، انہیں تو انہیں شاندار ایکٹنگ پر ایوارڈ ملنا چاہیے۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

”ہرگز نہیں، وہ مجھ سے واقعی محبت کرتے ہیں۔“ اس نے قطعی انداز میں ان کی بات کی تردید کی۔

”اگر وہ تم سے محبت کرتے تو تمہاری زندگی کے لیے اتنا غلط فیصلہ کیوں کرنے لگے کہ جس شخص سے تم نفرت کرتی ہو وہ اسے تمہاری زندگی میں شامل کر رہے ہیں۔“

”میں احمر سے نفرت نہیں کرتی۔“ نورالعین نے درمیان میں ان کی بات کاٹی۔ انہوں نے اپنے جنون سے اسے دیکھا۔

”وہ اچھا بندہ ہے، میرے والدین نے اپنی دانست میں میرے لیے بہترین فیصلہ کیا ہے لیکن میں......“ بات کرتے کرتے اس کی نظر ولید پر پڑی تو اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سر جھکا لیا۔ ولید کے چہرے پر ناگوار تاثرات ابھر رہے تھے۔

”چلو شکر ہے، تم یہ بات تو مانتی ہو کہ انہوں نے تمہاری بہتری جان کر یہ فیصلہ کیا تو نورالعین کیا تم آزمانا نہیں چاہو گی کہ یہ فیصلہ تمہاری زندگی میں حقیقی بہتری لاتا ہے یا ابتری کا باعث بنتا ہے۔“ انہوں نے سوالیہ نظریں اس پر گاڑیں۔ وہ کچھ نہ بول پائی تھی۔ ”دیکھو نور! اگر والدین کا یہ فیصلہ تمہارے لیے

بدترین بھی ثابت ہوا تو تمہارے پاس واپسی کا ایک در تو کھلا ہوگا۔ تمہارے ماں باپ کا گھر...... زندگی میں جب بھی تمہیں کوئی آزمائش درپیش ہوگی تو صرف ان کی دعائیں تمہارے ساتھ نہ ہوں گی بلکہ وہ خود بھی تمہارے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ تمہاری ساری پریشانیاں، تفکرات سلجھانا، نمٹانا تمہاری نہیں ان کی ذمے داری ہوگی لیکن دوسری صورت میں......“ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”اور دوسری صورت میں؟“ اس نے بے تابی سے پوچھا۔

”چلو نور اٹھو، یہ صرف ہمارا وقت ضائع کر رہی ہیں۔“ ولید نے اٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ نورالعین اپنا ہاتھ چھڑا کر دوبارہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

”آپ کیا کہہ رہی تھیں میڈم۔“ اس نے انہیں مخاطب کیا۔

”میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا نور۔“ انہوں نے گہری سانس اندر کھینچی۔ ”تمہیں تمہاری محبت مبارک، اتنی ڈھیروں محبتوں کو پاؤں تلے روند کر جس محبت کو اپنا رہی ہو وہ محبت زندگی کے کسی موڑ پر تمہیں تہی دامن نہ کر دے۔ اللہ تم دونوں کو محبت کی آزمائش میں سرخرو ہونے کا موقع دے۔“ انہوں نے بھی گویا تھک ہار کر دونوں کو صدقِ دل سے دعا دی تھی۔

”شناختی کارڈ ہیں تم دونوں کے پاس۔“ انہوں نے تھکے تھکے انداز میں پوچھا۔

”نکالو نور اپنا شناختی کارڈ۔“ ولید نے اسے مخاطب کیا وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے تکتی رہی۔

”میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں نور، ہمارے پاس وقت کم ہے۔“ ولید بے چین ہوتے ہوئے بولا......

گاجر کا جوس

گاجر خوش ذائقہ اور شیریں سبزی ہے۔ اسے پھل کے طور پر بھی کھایا جاتا ہے۔ اس میں سیب کی سی خوبیاں ہوتی ہیں۔ وٹامنز سے پُر اس رس بھری سبزی کا جوس پینا بہت مفید ہے۔ اس سے ہمارے بدن کو غذائی اور شفا بخش کیلوریز حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے پینے سے تازہ اور صاف خون بنتا ہے اور خون کی کمی دور ہوتی ہے۔ یہ بصارت کے لیے بھی مقوی ہے۔ قبض کشا ہے اور بواسیر کے لیے مفید ہے۔ گاجر کا جوس یرقان میں بھی بہت مفید ہے۔ اس کے پینے سے جگر اور مثانے کی گرمی دور ہوتی ہے۔ پیشاب کھل کر آتا ہے اور گرمی کی شدت کم کرتی ہے۔ جگر، مثانے اور معدے کے لیے صحت بخش ہے۔

گاجر کا جوس غذائیت کے علاوہ ایک ایسی قدرتی دوا ہے جس کے پینے سے آنتوں اور معدے کی تیزابیت ختم ہوتی ہے۔ جن بہنوں اور خواتین کا پیٹ زیادہ بڑھا ہوا ہو، وہ ایک گلاس گاجر کے جوس میں لیموں کا رس شامل کرلیں۔ اس کے پینے سے بڑھے ہوئے پیٹ میں کمی واقع ہوگی۔ ایسی خواتین جن کے معدے یا آنتوں میں ورم یا سوزش ہو یا بار بار قے آتی ہو وہ بھی یہی جوس استعمال کریں۔ اس سے افاقہ ہوگا۔

دل کے مریضوں کے لیے فائدہ مند ہے۔ کمر درد کے لیے مجرب ہے۔ کمزوری دور کر کے قوت بڑھاتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے۔ غذائیت کے علاوہ قوت بخش اور فرحت بخش ہے۔ الغرض گاجر ایک ایسی سودمند سبزی ہے جس سے بہنیں...... بھرپور فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

مرسلہ: فرحت قدیر، کراچی

www.Paksociety.com

نورالعین پھر بھی بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی۔

''نورا!'' ولید نے غصے سے اسے پکارا۔

''آئی ایم سوری ولید۔'' وہ یکدم دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔ شہلا حیات کے سینے میں کب سے اٹکی سانس بحال ہوئی تھی۔ ولید کتنے لمحوں تک بے یقینی سے اسے تکتا رہا تھا۔

''ولید بیٹے تم اپنے گھر جا سکتے ہو، یقین کرو جس فیصلے پر نورالعین پہنچی ہے تمہاری زندگیوں کے لیے اس سے بہتر فیصلہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اپنی محبتوں کو سینے کے ایک گوشے میں اچھی یاد بن کر زندہ رہنے دو۔ میں جانتی ہوں تم دونوں ایک دوسرے سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہو لیکن جو محبت ڈھیروں دوسری محبتوں کے بدلے میں ملے وہ زندگی میں سوائے آزار کے کچھ نہیں دیتی۔'' انہوں نے لڑکے کو نرمی سے مخاطب کیا تھا۔ وہ کچھ لمحوں تک انہیں سرد نگاہوں سے دیکھتا رہا تھا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا واپس چلا گیا۔ نورالعین نے بے قراری سے اسے جاتے دیکھا تھا پھر دوبارہ سسکیاں بھرنے لگی۔

''جی بھر کر رو لو پھر دل کو قرار آ جائے گا لیکن اگر وہ قدم اٹھا لیتیں جو اٹھانے چلی تھیں تو زندگی میں پچھتاووں کے سوا کچھ نہ بچتا۔'' انہوں نے اس کے قریب آ کر سر تھپکا تھا، وہ واقعی کتنی دیر تک روتی رہی تھی آخر ٹشو سے ناک رگڑتے ہوئے اٹھ گئی۔

''میں چلتی ہوں۔''

''رکو، میرا ڈرائیور تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آئے گا۔'' انہوں نے ڈرائیور کو فون کر کے بلایا تھا۔ چند لمحوں کے بعد کمرا پھر خالی ہو چکا تھا۔ تھک ہار کر شہلا حیات نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں۔ بیتا وقت اور گزری یادیں دماغ کے پردے پر یلغار کرنے لگیں۔ بیس، بائیس برس پہلے جب وہ شہلا حیات نہیں شہلا رضوان تھیں۔ خود قانون کی طالبہ تھیں، اپنے شرعی اور قانونی حق سے بخوبی آگاہ۔ یہیں اسی عدالت میں شہلا رضوان سے شہلا حیات بننے کا سفر طے ہوا تھا۔ زندگی جو بہت خوب صورت تھی محبت کی تکمیل کے بعد خوب صورت ترین ہو جانی چاہیے تھی لیکن جانے کیوں قدم قدم پر کٹھنائیوں سے ہی پالا پڑا۔ اگر انہیں محبت نہ ملتی تو زندگی بھر ایک کسک میں مبتلا رہتیں لیکن وہ کسک یقیناً ضمیر کی اس چبھن سے بہتر ہوتی جو ماں، باپ کا دل دکھانے کی وجہ سے ان کا مقدر بنی تھی۔ محبوب بھی شوہر بننے کے بعد یکسر اجنبی شخصیت ثابت ہوا تھا۔ وہ طوفانی محبت جس کا وہ دعویدار تھا وہ تو قصۂ پارینہ بن چکی تھی، ہاں اولاد کی وجہ سے دونوں یہ بندھن نبھانے پر مجبور تھے اگر شادی مجبوری کا سودا ہی ثابت ہونی تھی تو ان کے ماں، باپ کے انتخاب میں کیا برائی تھی۔ وہ کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ کر سکتی تھیں۔

کاش بیس بائیس برس پہلے انہیں بھی کوئی شہلا حیات مل جاتی جو سمجھاتی کہ یہ فیصلہ کتنا گھاٹے کا سودا ثابت ہو گا تو وہ بھی نورالعین کی طرح واپس پلٹنے میں دیر نہ لگاتیں لیکن قسمت ہر کسی پر نورالعین کی طرح مہربان تو نہیں ہوتی۔ کسی کسی کی زندگی ان کی طرح محض پچھتاووں سے عبارت ہوتی ہے اور جانے کب تک انہیں کتنی نورالعینوں کو بھٹکنے سے بچانے کا فریضہ سر انجام دے کر اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرتے رہنا تھا۔

بھرم

نزہت جبیں ضیا

''اماں...... اماں...... شاید فیض ماموں آئے ہیں......'' ساجد ہانپتا کانپتا گھر میں داخل ہوا...... پھولی سانسوں میں حیرت اور خوشی نمایاں تھی، اماں جو پان کی گلوری منہ میں رکھ کر چھالیا پھانک رہی تھیں پلنگ سے یوں اچھلیں جیسے پلنگ نے کاٹ لیا ہو۔

''ہائے، میرا لاڈ بھیا آیا ہے۔'' فرطِ مسرت سے باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔

''ارے نیلم...... نیلی! جلدی آ...... یہ سبزی کی

www.Paksociety.com

ٹوکری پلنگ سے اٹھالے۔“

”ببلی رسی سے کپڑے اتارلے، منہ کو لگ رہے ہیں۔“ اماں کی بدحواسی پر نیلی اور بیلا کو ہنسی آگئی تب ہی دروازے سے فیض عالم داخل ہوئے...... اماں تیزی سے اچھل کر پلنگ سے اتریں، چپل میں پیر اڑسنے کی کوشش میں لڑکھڑا گئیں۔

”ارے...... ارے...... آپا...... سنبھل کر۔“ اتنی دیر میں فیض عالم آگے بڑھ کر انہیں تھام چکے تھے۔

”ہائے میرا بھائی......“ فیض عالم کے سینے سے لگ کر اماں بری طرح رودیں' بیش قیمت سوٹ کے ساتھ فیض عالم کے وجود سے اٹھتی غیر ملکی پرفیوم کی مہک سے سارا گھر معطر ہوگیا...... فیض عالم، نیلی، بیلا اور ساجد سے ملے...... اماں' فیض عالم کو پلنگ پر بٹھا کر ان کے قریب آبیٹھیں۔

”آخر تجھے آپا کی یاد آہی گئی......؟“ شکوہ لبوں پر آگیا۔

”ارے آپا...... شرمندہ مت کرو...... بس حالات ہی ایسے ہوگئے تھے کہ......“ فیض عالم شرمندگی سے بولے۔

”احمد بھائی کب تک آئیں گے......؟“ فیض عالم نے بات کا رخ موڑا۔

”مغرب کی نماز کے بعد......“ اماں نے جواب دیا۔ ”رخشی کیسی ہے؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی بھاوج کا نام لیتے لیتے اماں کا منہ بن گیا۔

”ٹھیک ہے......؟“ فیض عالم آہستگی سے بولے۔

”تو پہلے بھی تو پاکستان آتا رہا ہے......؟“ اماں نے کریدا۔

”ہاں آپا...... مگر ہمیشہ بزنس کے سلسلے میں آنا ہوتا تھا مختصر وقت کے لیے۔“ فیض عالم کی آواز قدرے دھیمی تھی۔

”اچھا خیر چھوڑو...... اب آیا ہے تو رات کا کھانا کھا کر جانا......“

”ہائے کھانا......!“ نیلی اور بیلا نے آنکھیں پھیلا کر ایک دوسرے کو دیکھا...... دوپہر میں ماش کی دال بنی تھی اور شام کے لیے اماں نے ابھی ابھی لوکی کاٹ کر رکھی تھی۔

”نہیں آپا...... پھر سہی...... آج میرا ڈنر باہر ہے۔“ فیض عالم کی بات پر نیلی اور بیلا نے اطمینان کی سانس لی۔ فیض عالم نے ہاتھ میں پکڑے شاپرز اماں کے سامنے رکھے۔

”یہ آپ لوگوں کے لیے لایا ہوں......“ اماں نے شاپر لے کر بھائی کی بلائیں لے ڈالیں...... تب ہی ابا میاں بھی آگئے۔ ابا میاں کو دیکھ کر اماں کے چہرے پر تکبر سا آگیا...... ان کا لکھ پتی بھائی ان کے چھوٹے سے گھر میں آیا تھا، وہ بھی ڈھیر سارے تحفوں کے ہمراہ...... کچھ دیر بعد فیض عالم چائے پی کر دوبارہ آنے کا وعدہ کرکے چلے گئے۔

”کیسے آگئے برادرم......؟“ ابا میاں نے مذاقاً اماں کو چھیڑا۔

”کیا مطلب......؟“ اماں نے تیکھے چتون سے گھورا۔ ”بھائی ہے میرا...... اکلوتا...... میرے میکے کا مان...... خالی ہاتھ نہیں آیا۔“ اماں نے نخوت سے کہا اور پلنگ پر شاپرز الٹ دیے۔ لیڈیز سوٹس...... مردانہ پینٹ شرٹس...... سوئٹرز، پرفیوم، جیولری، کاسمیٹکس...... اماں کی آنکھیں پھیل گئیں...... ابا میاں کے چہرے پر اپنی کم مائیگی کا احساس نمایاں تھا۔

”چھوٹا ہوکر اتنا سامان لے آیا...... ہم بھلا کیسے احسان اتاریں گے......؟“ دھیمے لہجے میں کہا۔

”احمد علی! تم تو ہر بات میں پخ نکالتے ہو...... میرے بھائی کو کوئی لالچ نہیں ہے، ہم جیسوں سے وہ بھلا کیا توقع رکھے گا...... اس کو کسی چیز کی کمی نہیں، کروڑ پتی ہے...... وہ تو میری محبت میں یہاں آیا ہے۔“ اماں کے لہجے میں بھائی کے لیے غرور اور ابا میاں کے لیے حقارت تھی...... ابا میاں بے چارے سر جھکا کر رہ گئے۔

”اتنی محبت تھی تو برسوں سے کہاں چھپا رکھی تھی......؟“ بیلا کی دھیمی سرگوشی پر اماں بھڑکیں۔

”اے لڑکی! بہت زبان چل رہی ہے تیری...... زبان کھینچ لوں گی تیری...... شکر کر کہ میرے بھائی کی وجہ سے تم لوگوں کو یہ چیزیں نصیب ہوئیں جو کبھی نہ ہوئی تھیں......“ اماں کی بات پر خاموشی ہوگئی جبکہ ابا میاں سر جھکا کر گھر سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

اسحٰق احمد کا کپڑے کا بہت بڑا کاروبار تھا' ان کی تین اولادیں نور جہاں، بدر جہاں اور فیض عالم تھے۔ احمد علی، اسحٰق احمد کی کپڑے کی دکان پر سیلز مین تھے۔ احمد علی نیک شریف اور پڑھے لکھے انسان تھے۔ اسحٰق احمد کی بڑی بیٹی بدر جہاں سیدھی اور نیک تھیں۔ اسحٰق احمد نے احمد علی سے کہا کہ اگر وہ چاہیں تو ان کی بڑی بیٹی سے شادی کرسکتے ہیں۔ احمد علی کی ایک بہن بھی تھیں جو شادی شدہ اور ایک بیٹے کی ماں تھیں' احمد علی نے یہ سنا تو گڑبڑا گئے۔ وہ بے چارے غریب آدمی تھے لیکن اسحٰق احمد کی محبت کے آگے انہوں نے سر جھکا دیا۔ بدر جہاں سے چھوٹی نور جہاں تھیں جن کے پیر میں پیدائشی ہلکا سا لنگ تھا اور شکل بھی معمولی تھی۔ نور جہاں چڑچڑی' بدمزاج اور مغرور تھیں' انہیں باپ کے پیسے کا بہت غرور تھا۔

بدر جہاں نے احمد علی کے چھوٹے سے گھر کو جنت بنا دیا۔ بہت سلیقے سے گھر سجاتی سنوارتیں، احمد علی بہت خوش تھے کچھ عرصے بعد ننھی نیلم ان کی خوشیوں میں اضافہ کرنے آگئی لیکن...... نیلم کی پیدائش کے ساتھ ہی بدر جہاں سب کو چھوڑ کر مالکِ حقیقی سے جا ملیں۔ احمد علی تو بالکل پاگل ہوگئے۔ ننھی بچی، جوان بیوی کی موت...... ایسے میں ان کی بہن فریدہ نے انہیں بہت سنبھالا۔ بھتیجی کو سنبھالتیں، بھائی کا خیال رکھتیں لیکن کب تک...... وہ خود گھر بار والی ایک بچے کی ماں تھیں۔ احمد علی اس قابل بھی نہ تھے کہ فل ٹائم ملازمہ رکھ لیتے۔ اس عرصے میں فیض عالم نے بھی اپنی پسند سے شادی کرلی' ان کی بیوی رخشندہ ایک طرار اور بدتمیز عورت تھی جو کسی کو خاطر میں نہ لاتی حتیٰ کہ نور جہاں کا وجود بھی اس کو کھٹکتا تھا ایسے میں اسحٰق صاحب نے نئی راہ دکھائی۔ وہ گھر کے حالات دیکھ رہے تھے نور جہاں بھی بدتمیز تھیں کوئی مناسب رشتہ بھی نہیں مل رہا تھا تب انہوں نے احمد علی کو نور جہاں سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا۔ نور جہاں کو کم گو اور سیدھے احمد علی پسند تھے۔ یوں نور جہاں' احمد علی کے نکاح میں آگئیں وہ بدر جہاں سے بالکل الگ فطرت رکھتی تھیں، میکے کا غرور بہت زیادہ تھا' بات بات پر احمد علی کو کم مائیگی کا احساس دلاتی رہتیں۔

فیض عالم کے سالے وغیرہ امریکا میں رہائش پذیر تھے۔ یوں رخشندہ انہیں باہر چلنے پر اکسانے لگیں۔ اسحٰق صاحب کی زندگی تک تو فیض عالم برداشت کرتے رہے لیکن جب چند سالوں بعد

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

اسحٰق احمد نے آنکھیں بند کیں انہوں نے سارا کاروبار ختم کر کے امریکا جانے کا فیصلہ کرلیا۔ نور جہاں بیگم تو سوچ کر ہی گھبرا رہی تھیں، ایک بھائی تھا میکے کے نام پر اور وہ بھی کوسوں دور جا رہا تھا۔ انہوں نے فیض عالم کو بہت سمجھایا، بھاوج کو کھری کھری سنائیں لیکن فیض عالم تو گوڈے گوڈے بیگم کی محبت میں گرفتار تھے۔ وہ بھلا اپنی پیاری بیوی کو کیسے ناراض کرتے۔ فیض عالم چلے گئے۔ نور جہاں بیگم پہلے ہی بدمزاج تھیں اب اور بھی چڑچڑی ہو گئیں۔ نیلی تو تھی ہی پھر بیلا اور ساجد بھی پیدا ہو گئے۔ اکثر فریدہ آجاتیں تو نیلی خوش ہو جاتی، فریدہ کے بیٹے سمنان کے ساتھ کھیل میں لگ جاتی۔

بچے بڑے ہوئے تو اسکولوں میں داخل کروایا گیا۔ ویسے بھی اسحٰق صاحب کی دکان اچانک ختم ہو جانے سے احمد علی بھی پریشان تھے، اخراجات زیادہ تھے، احمد علی نے نئی نوکری کرلی تھی لیکن آمدنی بہت کم تھی۔ نور جہاں ہر وقت جھنجلاہٹ کا شکار رہتیں۔ کم آمدنی اور ڈھیروں اخراجات کا رونا روتی رہتیں۔ بڑبڑاتی رہتیں اور احمد علی کو مستقل ٹارچر کرتی رہتیں، بچے بھی سہمے رہتے۔ احمد علی بے چارے سر جھکائے بیوی کی بدزبانی برداشت کرتے رہتے۔ بچوں کو اپنے مظلوم ابا میاں سے بہت پیار تھا۔ احمد علی بھی بچوں سے بہت پیار اور شفقت سے پیش آتے، ان کے ساتھ اچھی اچھی باتیں کرتے، پڑھائی کے متعلق گفتگو کرتے...... فریدہ اور سمنان آجاتے تو بچے مزید خوش ہو جاتے۔ نور جہاں بیگم کو نند کو دیکھتے ہی پتنگے لگ جاتے، اتنی بدتمیزی اور سرد مہری کا مظاہرہ کرتیں کہ اب تو فریدہ بیگم نے بھی آنا کم کر دیا تھا۔

زندگی اسی طرح گزرتی رہی، وقت گزرتا رہا، نیلم نے بی اے کرلیا۔ بیلا انٹر اور ساجد میٹرک میں آگیا۔ سمنان نے بھی ایم اے کے بعد ایک آفس میں جاب کرلی تھی۔ سمنان اور نیلم ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے جس کا علم احمد علی اور فریدہ بیگم کو بھی تھا۔ فریدہ بیگم کا ارادہ تھا سال دو سال میں مناسب رقم جمع کر کے نیلی کو بہو بنا کرلے جائیں۔ اس بات کی بھنک اماں کو بھی تھی مگر انہوں نے اس بات پر کسی قسم کا کوئی ردِعمل نہیں کیا ویسے بھی نیلی کون سی سگی بیٹی تھی۔ نیلی، بیلا اور ساجد آپس میں ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے۔ اماں کو اکثر فیض عالم یاد آجاتے، ایسے میں وہ پلو پسار کر بھاوج کو خوب خوب کوستیں۔ جب سے فیض عالم گئے تھے پلٹ کر خبر تک نہیں لی تھی۔

☆☆☆

دن اسی طرح گزرتے رہتے اگر اچانک سے فیض عالم نہ آٹپکتے۔ فیض عالم کا بزنس خوب چل نکلا تھا، وہ گاہے گاہے پاکستان کا بھی چکر لگا لیتے لیکن بہن سے ملنا گوارا نہ کیا۔ ایک روز ساجد دوپہر میں اسکول سے واپس آیا تو دروازے پر پڑے موٹے سے لفافے کو دیکھ کر اٹھا کر اندر لے آیا۔

''ارے کیا ہوگا......؟ یقیناً تمہارے ابا کے نام کوئی ٹیکس کوئی بل ہی ہوگا......'' پان منہ میں رکھتے رکھتے اماں نے طنزاً کہا۔

نیلی نے.... لفافہ چاک کیا تو اس میں سے کچھ تصاویر نیچے آگریں، ساتھ ہی خط بھی تھا۔

''یہ...... یہ...... یہ کیا...... کون ہے......؟''

تینوں بہن بھائی حیران تھے۔

''ارے یہ...... یہ تو میرا بھائی فیض ہے......'' اماں نے لپک کر تصویر اٹھالی...... تصویر میں فیض کے ساتھ اس کے دونوں بیٹے تھے۔ اماں کی آنکھیں برسنے لگیں...... ''جلدی سنا نیلی! کیا لکھا ہے میرے بھائی نے......'' اماں کی بے چینی عروج پر تھی...... بیلا نے خط پڑھنا شروع کیا۔

''آپا! السلام علیکم!

آپا مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہوگی اور تمہاری ناراضی بجا بھی ہے لیکن یقین کرو میں نے پل پل تمہیں یاد کیا اور دیکھو تمہارا ایڈریس آج بھی مجھے یاد ہے۔ میں تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں اگر تم اجازت دو تو...... یہ میرا موبائل نمبر ہے اگر مجھے معاف کرسکو تو اس نمبر پر بات کرلینا، میں عنقریب پاکستان آؤں گا...... بچوں کو بہت پیار، احمد بھائی کو سلام۔

تمہارا گناہ گار، فیض عالم۔''

خط ختم ہونے پر اماں دھواں دھار رونے لگیں۔

''ہائے میرا بھائی...... میرے لیے تڑپ رہا ہے...... بھائی تو ہمیشہ سے اچھا تھا منحوس بھاوج نے اس کو جانے کیا گھول کر پلا دیا تھا۔ اے ساجد...... جلدی سے فون ملا، ابھی میں بات کروں گی اپنے بھائی سے۔'' اماں کا بس چلتا تو اڑ کر بھائی سے مل لیتیں...... پھر اماں نے فیض عالم سے بات کر کے خوب آنسو بہائے اور جلد از جلد بھائی کو آنے کے لیے کہا۔

رات کو احمد علی کام سے آئے تو خلافِ معمول نور جہاں بیگم کو برآمدے میں دیکھا ورنہ اس وقت تو وہ منہ لپیٹے لیٹی ہوتیں...... موڈ بھی قدرے بہتر تھا۔

''مزاج بخیر تو ہیں نا......؟'' ابا میاں نے مسکرا کر بیگم کو مخاطب کیا۔

''ہاں ابا میاں، اماں آج بہت خوش ہیں، آج ان کے بھائی نے خط بھی بھیجا اور فون پر بات بھی کی۔'' بیلا نے دسترخوان بچھاتے ہوئے کہا۔

''اے لڑکی! وہ میرا بھائی تیرا ماموں لگتا ہے......'' اماں نے بیلا کو گھرکا۔

''سچ! کیا فیض میاں سے بات ہوئی......؟'' ابا میاں نے بھی خوش ہوتے ہوئے حیرانی کا اظہار کیا۔

''ہاں! میرے بھائی نے رو رو کر مجھ سے معافیاں مانگیں، بہت جلد آرہا ہے وہ......'' اماں کے لہجے میں برسوں بعد میکے کا غرور نمایاں تھا۔

''شکر ہے یاد تو کیا......!'' ابا میاں نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''یاد تو ہمیشہ سے تھی...... وہ منحوس نگوڑی رخشندہ نے سفلی کروا کر میرے بھائی پر بندش کروادی تھی لیکن آخرکار میرے تعویذ بھی رنگ لے آئے......'' اماں نے سینے پر ہاتھ مار کر فخر سے کہا تو ابا میاں زیرِلب مسکرا دیے۔

''شکر ہے کافی عرصے بعد نور جہاں بیگم مسکرائیں تو......''

☆☆☆

پھر تو گھر میں فیض عالم کے آنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ فیض عالم نے کہہ دیا تھا کہ وہ اچانک ہی آجائیں گے دراصل انہیں بزنس کے سلسلے میں کراچی آنا تھا۔

اماں ایک، ایک دن گن کر گزار رہی تھیں پھر اچانک ہی فیض عالم آگئے۔ ڈھیر سارے سامان کے ساتھ، پھر جاتے جاتے بہن کے ہاتھوں میں سو ڈالر تھما گئے پھر بھلا نور جہاں بیگم کیوں نہ ہواؤں میں اڑتیں، میاں کے سامنے ان کی ناک اونچی کر کے بھائی نے ان کا مان بڑھا دیا تھا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

پھر تو اکثر فیض عالم چلے آتے، کبھی فروٹ، کبھی مٹھائی، کیک اور نہ جانے کیا کیا لے آتے۔ اماں تو بھائی کی محبت اور میکے کے غرور کے آگے سب کچھ بھول بیٹھی تھیں جبکہ ابا میاں کو ان کا اتنے سال بعد آنا اور اس والہانہ محبت کے اظہار سے کچھ تشویش سی ہو رہی تھی۔ انہیں فیض عالم سے اتنا سب کچھ لینا کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ فیض عالم، نیلی اور بیلا پر بھی واری صدقے ہوتے، ساجد کے لیے بھی محبتوں کی کمی نہ تھی۔ نیلم اور بیلا کو بھی فیض ماموں کچھ عجیب سے لگتے تھے جب کہ ساجد ان کی امارت سے متاثر تھا۔

☆☆☆

اس روز کافی عرصے بعد فریدہ پھپو آئیں اور نیلی اور بیلا ان کے گلے گل گئیں۔

''آپ کتنے دنوں بعد آئی ہیں پھپو؟'' نیلی نے شکوہ کیا۔

''بیٹی! دراصل پچھلے دنوں بلڈ پریشر تنگ کر رہا تھا۔'' فریدہ بھتیجی کی محبت پر نہال ہو کر بولیں۔

''اے بہن! اس عمر میں تو ہو گا ہی بلڈ پریشر' مجھے تو مستقل ہی رہتا ہے......'' نور جہاں بیگم نے قدرے چبھتے لہجے میں کہا۔

''پھپو! چائے پئیں گی......؟'' بیلا نے اماں کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پھپو کو مخاطب کیا۔

''نہیں، ابھی پی کر آئے ہیں......'' فریدہ سے پہلے سمنان نے کہہ دیا۔

''ارے نہیں، نہیں...... بھئی چائے تو پینی ہو گی بیلا اس پتی کی چائے بنانا جو میرا فیض امریکا سے لایا ہے۔'' ان کے جملے پر فریدہ نے چونک کر انہیں دیکھا اور ہاتھ میں پکڑا شاپر نیلی کی طرف بڑھایا۔

''بیٹی بازار گئی تھی اپنے لیے لان کے کپڑے لیے تم دونوں کے لیے بھی ایک ایک جوڑا لے آئی......'' فریدہ نے کہا۔

''ہاں بھئی! بھائی آیا ہے میرا امریکا سے ڈھیروں ڈھیر بیش قیمت جوڑے لایا ہے ہمارے لیے۔'' اماں نے حقارت سے نیلی کے ہاتھ میں تھمے کپڑوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ فریدہ کے چہرے پر عجیب سا پھیکا سا رنگ آ گیا۔ سمنان نے غور سے ماں کے بجھے چہرے کو دیکھا، نیلی کو اس دم اپنی پھپو پر بہت ترس آیا۔

''ہائے اللہ پھپو! کتنا خوب صورت پرنٹ ہے۔'' بیلا نے آگے بڑھ کر نیلی کے ہاتھ سے شاپر لے کر سوٹ پیس نکالے۔

''آپا یہ سی گرین میں لوں گی......'' بیلا کی خوشی دیکھ کر فریدہ پھیکی سی ہنس دیں جبکہ اماں نے تیوری چڑھا کر رخ دوسری جانب پھیر لیا پھر کچھ دیر بعد سمنان اور فریدہ پھپو چلے گئے۔

☆☆☆

اس روز فیض عالم آئے تو اماں سے جانے کیا کھسر پھسر کرتے رہے۔ اماں کے چہرے پر عجیب قسم کے اتار چڑھاؤ نظر آ رہے تھے۔ نیلم اور بیلا بھی عجیب الجھن کا شکار تھیں کیونکہ فیض عالم کے جانے کے بعد بھی اماں دیر تک سوچوں میں گم رہیں۔

رات کو ابا میاں کھانا کھا رہے تھے کہ اماں نے بم دے مارا۔ ''فیض نے نیلی کے لیے اپنے بڑے بیٹے حارث کا رشتہ دیا ہے۔''

''کیا......؟'' نوالہ ابا میاں کے ہاتھ سے چھوٹ کر دسترخوان پر گر پڑا...... جبکہ نیلی نے دیوار تھام کر خود کو گرنے سے بچایا...... بیلا نے گھبرا کر نیلی کے سرد ہاتھ تھامے...... نیلی کے چہرے پر دکھ نمایاں تھا۔

''لیکن...... نور جہاں تم جانتی ہو کہ نیلی کو فریدہ نے سمنان کے لیے مانگ لیا ہے اور......''

''اور تم وہی لکیر کے فقیر بنے رہنا چاہتے ہو۔''

''لیکن نور جہاں بیگم! ہمیں بچوں کی خوشیاں عزیز ہونی چاہئیں۔'' احمد علی نے ہاتھ کھینچ کر پلیٹ سرکا دی۔

''دیکھو احمد علی! تم کچھ بھی کہو...... میں کسی بھی قیمت پر دوبارہ اپنے بھائی کو کھونا نہیں چاہتی...... اور پھر اس نے دوسرے بیٹے کے لیے بیلا کو بھی مانگا ہے۔ دونوں بیٹیاں عیش کریں گی...... لیکن تمہیں تو عادت ہے ساری زندگی تنگدستی میں گزار دی، بچوں اور مجھے بھی ترسایا...... اور آج جب ایک موقع مل رہا ہے تو...... تم...... تم پھر رخنہ ڈال رہے ہو......''

''دیکھو نور جہاں بیگم! بات صرف اتنی ہے کہ ہمارے بچے کیا چاہتے ہیں......؟'' احمد علی کا لہجہ بدستور دھیما تھا۔

''بچے کچھ بھی چاہیں...... ہو گا وہی جو میں چاہوں گی۔'' اماں کا لہجہ باغیانہ تھا۔ ''اتنے سالوں بعد میرا بھائی ملا ہے اور میں اسے کھونا نہیں چاہتی اور اس کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں...... کسی بھی حد تک جا سکتی ہوں......'' ترش اور حاکمانہ لہجے میں کہتے ہوئے نور جہاں بیگم کی آواز کپکپا رہی تھی۔

''لیکن نور جہاں......'' احمد علی نے کچھ کہنا چاہا۔

''بس! احمد علی آگے کوئی بات نہیں......'' ہاتھ اٹھا کر گویا نور جہاں بیگم نے بات ختم کر دی اور سر تک چادر تان کر کروٹ بدل لی۔ ابا میاں نے ایک نظر اپنی بیوی پر ڈالی اور تھکے تھکے قدموں سے کمرے سے باہر آ گئے۔

''ابا میاں......'' سامنے ہی بکھری بکھری نیلی کھڑی تھی۔

''میری بچی! فکر نہ کر......'' ابا میاں نے آگے بڑھ کر نیلی کے سر پر ہاتھ رکھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گئے۔

دوسرے دن صبح اماں نے نیلم کو کمرے میں بلوایا۔

''جی اماں......'' قدموں کی لرزش کو چھپانے کی ناکام کوشش کی......

''نیلم! جو میں کہہ رہی ہوں چپ چاپ سنو......'' کچھ دیر توقف کے بعد اماں نے ترچھی نگاہوں سے نیلم کو دیکھا۔

''جی......'' نیلم سر جھکائے کھڑی تھی۔

''میں نے تمہارا رشتہ فیض کے بیٹے حارث سے طے کر دیا ہے۔''

''مگر اماں...... وہ سمنان...... اور پھپو......؟'' نیلم کی زبان اس کا ساتھ نہ دیتے ہوئے بے ربط لفظ ادا کرنے لگی۔

''فضول باتیں مت کرو، بہتری اسی میں ہے کہ جو میں نے کہہ دیا ہے......'' لہجہ کھردرا اور بدستور سخت تھا۔

''لیکن اماں......! پھپو بہت پہلے بات ڈال چکی ہیں......'' بیلا سے بہن کی بے بسی نہ دیکھی گئی تو اس نے بیچ میں مداخلت کی۔

''بیلا! تم چپ رہو......'' اماں گرجیں......

''کیا ہے اس سمنان کے پاس......؟ اسی گز کا معمولی گھر...... معمولی نوکری اور...... پرانی پھٹ پھٹی سی بائیک...... لوگ اچھی زندگی کے لیے کیا کچھ کوششیں نہیں کرتے اور تم لوگ......''

''اماں...... ہم بہت...... خوش ہیں......'' نیلم نے بہ مشکل کہا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

''سن لو تم سب کان کھول کر......'' نیلم کی بات پر اماں کی آواز مزید سخت ہو گئی۔ ''اگر میری بات مانی نہ گئی تو میں کچھ بھی کر سکتی ہوں......'' ساتھ ہی اماں بستر پر گر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''یا اللہ......!'' نیلم اور بیلا ایک دوسرے کو دیکھ کر رونے لگیں...... اماں جیسی شدت پسند خاتون کسی حد تک بھی جا سکتی تھیں۔

''ہائے آپا......! اب کیا ہوگا......؟'' بیلا، نیلم کے گلے لگ کر رو دی...... نیلم خود اس وقت سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو رہی تھی۔

ویسے تو اماں ہمیشہ سے ہی ضدی تھیں لیکن اس بار تو انہوں نے کمال ہی کر دیا پھر سارا دن اماں بھوکی پیاسی اسی طرح سر لپیٹے پڑی رہیں۔ رات کو ابا آئے تو نیلم ان کے سامنے بری طرح بکھر گئی۔

''ابا میاں پلیز! اماں جو چاہتی ہیں وہی ہوگا...... آپ...... آپ پھپھو کو منع کر دیں۔'' اس کو لگا جیسے اس کی اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آ رہی ہو...... نیلم کے لہجے میں دکھ تھا۔

''اگر...... اگر...... خدانخواستہ اماں کو کچھ ہو گیا تو...... ابا میاں میں...... جی نہ سکوں گی...... اماں نے رات سے کچھ نہیں کھایا...... انہیں بلڈ پریشر ہو جائے گا...... پلیز ابا میاں......'' نیلم کے لہجے میں التجا تھی۔

''میری بچی تو...... فرشتہ ہے فرشتہ......'' ابا میاں نے نیلم کو سینے سے لگا کر اپنی نم آنکھیں صاف کیں۔

اماں نے سنا تو جھٹ اپنے بھائی کو بلوا لیا۔ فیض بھی خوشی خوشی مٹھائی لے کر آ گئے۔

''نیلی...... نیلی...... یہ سب کیا ہے......؟'' سمنان کو معلوم ہوا تو وہ بھاگا آیا۔

''سمنان، پلیز...... مجھے معاف کر دو...... لیکن اگر اماں کو کچھ ہو جاتا تو...... لوگ کہتے سوتیلی بیٹی کی وجہ سے ہوا ہے...... میں ساری زندگی ان کے اشاروں پر چلی ہوں...... میں بہت...... بہت شرمندہ ہوں...... مجھے بھولنے کی کوشش کرو......'' اتنا کہہ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے نیلم کمرے سے نکل گئی اور سمنان خالی خالی نظروں سے ہلتے پردے کو دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

''آپا! دو دن بعد میری روانگی ہے...... اس لیے بہتر یہی ہے کہ ٹیلی فون پر نیلم اور حارث کا نکاح کر دیں، میں جا کر کارروائی کر کے عنقریب نیلم کو بلوا لوں گا...... کیوں احمد بھائی!'' بات کے اختتام پر فیض عالم نے بہنوئی کو مخاطب کیا۔

''اپنی آپا سے پوچھ لو...... کیونکہ تمام فیصلوں کا اختیار ان کے پاس ہے۔'' ابا میاں نے سر اٹھا کر ترچھی نگاہ بیوی پر ڈالی اور اٹھتے ہوئے جملہ ادا کیا۔ پھر خاموشی سے گھر سے باہر نکل گئے۔ اماں نے کاندھے اچکا کر گویا انہیں نو لفٹ کر دیا اور بھائی سے معاملات طے کرنے لگیں۔

''آپا! ایک بات کرنی ہے تم سے......'' فیض عالم نے کچھ دیر بعد قدرے رازداری سے قریب آ کر کہا...... ''آپا......! یہ بات صرف تمہارے اور میرے درمیان رہے گی...... میں تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ تم سے چھپا کر کچھ نہیں کرنا چاہتا......''

''ہاں...... ہاں...... بولو......'' اماں آنکھیں پھیلا کر متجسس ہوئیں۔

''وہ آپا...... دراصل...... آج سے چار سال پہلے حارث نے ایک انگریز لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ اس کا تین سال کا بیٹا بھی ہے۔ پچھلے سال حارث کلب سے واپس آ رہا تھا۔ اس رات دوستوں نے اسے زیادہ پلا دی تھی اس لیے واپسی میں زبردست ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ حارث اب وہیل چیئر پر ہے...... حارث کا بیٹا بھی ہے اور وہ معذور، اس کو رخشندہ کب تک سنبھالے گی...... یہ کام نیلم اچھی طرح کر سکتی ہے۔''

''کیا...... کیا...... کہہ رہا ہے تو......؟'' اماں ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹیں، دفعتاً ان کے منہ کا زاویہ بھی بدل گیا اب وہاں تجسس کے بجائے سختی ابھر آئی تھی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟''

''آپا، نیلم کون سی تمہاری سگی بیٹی ہے اور کچھ عرصے بعد بیلا بھی تو آ جائے گی...... دونوں بہنیں عیش کریں گی۔''

''بکواس بند کرو اپنی......!'' اماں اتنی زور سے گرجیں کہ دوسرے کمرے میں بیٹھی نیلم اور بیلا کے ساتھ ساتھ ساجد بھی بھاگا چلا آیا۔

''فیض......! لعنت ہے تیری سوچ پر...... تو نے کیسے کہہ دیا کہ وہ میری سوتیلی بیٹی ہے، وہ میری بہن کی ہی نہیں...... میری بھی بچی ہے اور میں نے آج تک کوئی فرق نہیں کیا...... بے شک میرا مزاج سخت سہی لیکن میرا رویہ تینوں کے لیے ایک سا رہا...... تو کتنا گر چکا ہے مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا...... برسوں بعد محبت جاگی تو اس میں بھی تیری اپنی غرض تھی...... تجھے اپنے گھر کے لیے کل وقتی ملازمہ چاہیے...... جو بیمار بیٹے اور پوتے کی دیکھ بھال کرے...... سن لے فیض...... تیرے پاس بہت پیسہ ہوگا...... لیکن میری بیٹیاں میرے لیے ہیروں سے کم نہیں...... تو باپ بن کر اپنے...... بیٹے کے لیے اس حد تک گر کر سوچ سکتا ہے تو...... تو...... یہ سوچ کہ میں تو ماں ہوں...... میں بھلا اپنی قیمتی چیزیں کیسے تیری غرض کے حوالے کر دوں......

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں
گھر بیٹھے
رسالے حاصل کیجیے
جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت
باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں، اپنے دروازے پر
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 600 روپے
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 7,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 6,000 روپے
آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔
یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہو سکتا ہے
رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر یا ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہے۔ مقامی حضرات دفتر میں نقد ادائیگی کر کے رسید حاصل کر سکتے ہیں
رابطہ: ثمر عباس (فون نمبر: 0301-2454188)
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 35895313 فیکس: 35802551

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

فیض...... تو ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل جا...... اور آئندہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تو میرے لیے مر گیا۔"

"آپا...... آپا......" فیض عالم نے کچھ کہنا چاہا لیکن اماں نے دھکے دے کر فیض کو گھر سے باہر نکال دیا...... نیلم، بیلا اور ساجد ہونق بنے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ یہ اماں کو اچانک کیا ہو گیا تھا......

فیض عالم کے جاتے ہی اماں منہ لپیٹے اپنے کمرے میں پڑ گئیں...... بچوں نے آوازیں دیں لیکن وہ اسی طرح خاموش پڑی رہیں...... اماں کی ہمیشہ سے عادت تھی ہر بات پر اسی طرح ری ایکٹ کرتیں۔

رات کو ابا میاں آئے تو بچوں نے انہیں سب بتایا کہ کس طرح اماں نے فیض ماموں کو گھر سے نکال دیا ہے۔

"اچھا!" ابا میاں تاسف سے بولے اور اماں کے کمرے کی طرف چل دیے۔

"کیا بات ہے...... نور جہاں...... اب جبکہ سب کچھ تمہاری مرضی سے ہو رہا ہے پھر یہ احتجاج کیسا......؟" ابا میاں نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے دھیرے سے کہا...... تینوں بچے کمرے کے دروازے میں کھڑے تھے...... تب ہی اماں ایک جھٹکے سے اٹھیں۔

"احمد علی......! مجھے معاف کر دو......" وہ ابا میاں کے کندھے سے لگ کر بری طرح رو دیں۔

"ہائیں...... ہائیں...... کیا ہو گیا۔" ابا میاں اس نئی اور غیر متوقع افتاد پر واقعی حواس باختہ ہو گئے۔

"احمد علی......! میں نے ہمیشہ اپنی من مانی کی...... ہمیشہ بچوں پر سختیاں کیں...... کبھی تمہیں خاطر میں نہ لائی...... ہمیشہ اپنی ضدیں منوائیں...... لیکن یقین کرو احمد علی...... میں نے کبھی بھی نیلم کو سوتیلی نہیں سمجھا...... میں نے کبھی نیلم اور بیلا میں فرق نہیں کیا۔"

"ہاں...... ہاں...... نور جہاں بیگم ہم سب جانتے ہیں اس بات کو۔" ابا میاں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"لیکن آج...... میرے بھائی نے نیلم کو سوتیلی بیٹی کہہ کر میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے ساتھ میں ایسی شرط رکھی کہ میں نے اس سے سارے ناتے توڑ لیے...... میری بچی پر ایسے دس بھائی قربان......" اماں نے آنکھیں پونچھیں...... "تم لوگ ہی میری جنت ہو، آؤ میرے بچو......" اماں کے کہنے پر تینوں دوڑ کر ان سے لپٹ گئے۔ آج اماں کی بانہوں میں آ کر ٹھنڈی میٹھی ممتا کا سکون مل رہا تھا جبکہ اماں کو بھی دلی سکون ملا تھا۔ ابا میاں بھی دھیمی دھیمی مسکراہٹ لبوں پر سجائے ہولے ہولے نور جہاں بیگم کی پیٹھ تھپتھپا رہے تھے۔ اسی ماحول کے تو وہ برسوں سے متلاشی تھے...... کچھ دیر بعد اماں اٹھیں۔

"کہاں چلیں محترمہ......؟" ابا میاں کی رگِ ظرافت پھڑکی۔

"ذرا فریدہ کو فون کر لوں...... کب سے نہیں آئی...... اور ہاں اس سے کہیں گے کہ اب جلدی...... آ کر اپنی امانت لے جائے۔"

"ارے واہ......" بیلا تو اچھل پڑی جبکہ نیلم دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی...... اور ابا میاں نے آگے بڑھ کر نیلم کو سینے سے لگا لیا...... جبکہ ساجد زور زور سے گانے لگا...... ابا میاں سوچ رہے تھے کہ بڑھاپے میں ہی سہی اماں کو عقل تو آئی جبکہ اماں نے اصل بات چھپا کر آج بھی میکے کا بھرم رکھا تھا۔

www.Paksociety.com

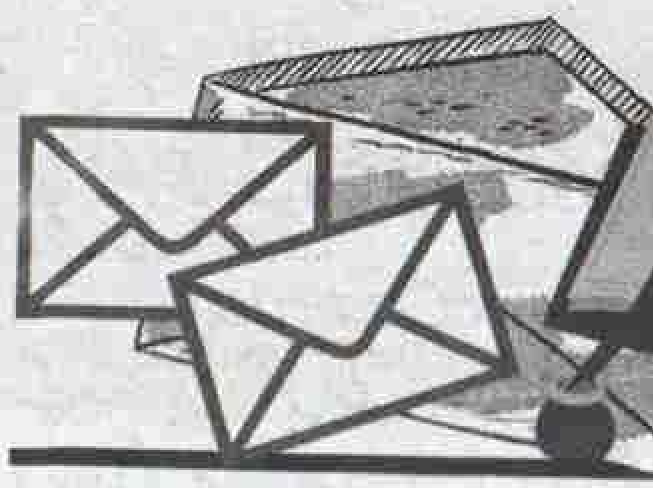

بہنوں کی محفل

مدیرہ

عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا...... اور درود و سلام حضرت محمد ﷺ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

الحمدللہ بہار کا موسم شروع ہو چکا ہے۔ دلی دعا ہے کہ یہ بہار ہر آنگن میں اترے۔ یہ بہار صرف پھولوں کی حد تک نہ رہے بلکہ نیکیوں کا موسم بہار بھی رہے...... جو پورے سال جاری و ساری رہے اور ہم سب نیکی کرنے کے لیے ہمہ وقت بے چین رہیں۔ (کاش)

بفضلِ خدا...... ہم یہ بہار ماہِ ربیع الاول میں منا رہے ہیں اور یہ ماہِ مقدس سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ کی پیدائش کا ہے۔ آپ سب کو یہ ماہِ مبارک ہو اور ہمیشہ کی طرح آپ اپنے بچوں کو کم از کم تین احادیث نبوی ﷺ یاد کروائیں اور اپنے بچوں کو جن بھوتوں اور ٹارزن کی کہانیوں کے بجائے نبی کریم ﷺ کی سیرت اور ان کے اخلاق کے بارے میں واقعات سنائیں تاکہ ہمارے بچوں کے دماغوں میں یہ بات واضح رہے کہ ہماری زندگی کا مقصد نبی کریم ﷺ کی سیرت پر چلنا ہے۔ (انشاءاللہ)

پاکیزہ کے اپریل اور مئی کے شمارے سالگرہ نمبرز ہوں گے، ان خصوصی شماروں کے لیے آپ اپنی تحریریں جلد از جلد ارسال کریں۔ اپنے خوب صورت ترین مراسلات بھیجیں اگر آپ اپنا انٹرویو شائع کروانا چاہتی ہیں تصویر کے ساتھ یا بغیر تصویر کے تو وہ بھی ہمیں جلد ارسال کریں۔ سندیسے کے سلسلے کے لیے مجھے اپنی مراسلہ نگار بہنوں سے یہ ضروری بات کہنی ہے کہ پلیز اس سلسلے میں آپ نثر میں پیغامات بھیجیں...... شاعری اچھی لگتی ہے مگر ہر جگہ صرف شاعری ہی کیوں...... کیا دلچسپ پیغامات نثر میں نہیں بھیجے جا سکتے؟ تو پھر آپ بھیج رہی ہیں نا اپنے سندیسے نثر میں۔

٭٭٭

پاکیزہ میں اپنے خط، افسانے اور مراسلات بھیجنے کے لیے ہمارا پتا نوٹ کر لیجیے۔ مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63c فیز II ایکس ٹینشن۔ ڈیفنس کمرشل ایریا۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ 75500۔

اور آیئے اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے قبل درودِ ابراہیمی پڑھتے ہیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔ ابھی پڑھ لیں۔

آیت کریمہ یہ ہے۔

www.Paksociety.com

لاالہ الا انت سبحنک انی کنت من الظالمین

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ اردو ڈائجسٹ کے جنوری کے شمارے میں پاکستان کی چالیس نامور اور مؤثر خواتین کے انٹرویو شائع کیے گئے ہیں۔ جس میں ادب میں عمیرہ احمد کا نام ہے کہ یہ دورِ جدید کی نامور مصنفہ ہیں اور ذرائع ابلاغ (میڈیا) کے پورشن میں آپ کی باجی انجم انصار کا نام بطور مدیرہ اور لکھاری کے لیے ہے۔ (ماشاءاللہ)

☆ ہماری مایہ ناز مصنفہ عالیہ حرا نے ایک میڈیسن کی کمپنی میں جاب شروع کر دی ہے۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور شاعرہ مسز شمع حسین ٹورنٹو سے اپنے عزیز و اقارب کی شادیوں میں شرکت کرنے ان دنوں پاکستان آئی ہوئی ہیں۔ (خوش آمدید)

☆ ہماری بے حد پیاری افسانہ نگار، تجزیہ نگار اور شاعرہ فریدہ لاکھانی، سڈنی کے شوہر گزشتہ چار ماہ سے شدید علیل ہیں۔ ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

☆ ہماری پیاری مصنفہ شیریں حیدر بھی ٹی وی رائٹرز کی صف میں شامل ہو گئی ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی ٹیلی فلم بڑی آپا گزشتہ دنوں چینل ہم سے دکھائی گئی ہے۔ (مبارک باد)

☆ ہماری ایک اور پیاری مصنفہ صائمہ قیصر کا لکھا ہوا ڈراما چینل + A سے دکھایا گیا۔ (مبارک باد)

☆ ہماری نئی رائٹر اصفا فیصل نے ہمیں بتایا...... ان دنوں وہ ٹی وی کے لیے لکھ رہی ہیں۔ (مبارک باد)

☆ ہماری ... رائٹر سلمٰی غزل کا ڈراما بھی چینل ہم سے دکھایا جا چکا ہے۔ (مبارک باد)

☆ ہماری ایک پیاری رائٹر شگفتہ بھٹی کا سوپ آپ عنقریب ٹی وی پر دیکھیں گے۔ (مبارک باد)

☆ اس وقت ماہنامہ پاکیزہ کی تمام مصنفات ہی ٹی وی کے مختلف چینلز کے لیے لکھ رہی ہیں۔ کتنی حیرت مگر مسرت کی یہ بات ہے کہ اس وقت ٹی وی کے تمام چینلز پر ڈائجسٹوں کی رائٹرز کی حکمرانی ہے...... مرد رائٹرز کی تعداد ان کے مقابلے میں بے حد کم ہے۔ (اللہ نظرِ بد سے خواتین رائٹرز کو بچا کر رکھے)

☆ ہماری پیاری بھتیجی رابعہ سلیم کی آمین کی تقریب آئندہ ہفتے سڈنی کے مقامی ہوٹل میں ہو رہی ہے۔ جس میں شرکت کرنے کے لیے رابعہ کے نانا اور نانی اسلام آباد سے سڈنی جا رہے ہیں۔ (بے حد مبارک باد)

☆ نامور ادیب، تجزیہ نگار علامہ عبدالستار عاصم عمرے کی ادائیگی کے لیے آئندہ چند روز میں سعودی عرب روانہ ہونے والے ہیں۔ (پیشگی مبارک باد)

☆ ہماری مصنفہ رفاقت جاوید کا ناول ان دنوں زیرِ طبع ہے۔ جو آپ سب بہت جلد القریش پبلی کیشنز لاہور سے حاصل کر سکتے ہیں۔

☆ ملکی و بین الاقوامی شہرت کے حامل شاعر جناب نصرت زیدی کا تازہ مجموعۂ کلام حرف و صدا شائع ہو گیا ہے۔ اس میں ان کی خوب صورت غزلیات اور نادر قطعات شامل ہیں۔ اس کا انتساب شاعر نے سید مصطفٰے زیدی، مشیر زیدی اور ضمیر حسن مشرق کے نام کیا ہے۔ اس کتاب کی قیمت صرف 270 روپے ہے اور ملنے کا پتا ہے۔ اسٹوڈنٹ بکس کمپنی صدر راول پنڈی۔ ادریس بک شاپ۔ بنک روڈ صدر۔ راول پنڈی۔

☆ ہماری پیاری مصنفہ اقبال بانو وہاڑی کے ناولٹ کے دو مجموعے شائع ہو گئے ہیں۔ عشق میں روگ ہیں ہزار سائیں کی قیمت۔ 250 روپے ہے۔ کوئی سجن موڑ لے آوے کی قیمت 300 روپے ہے۔ دونوں کتابوں کی کہانیاں محبت کی خوب صورت قوسِ قزح سے سجی ہوئی ہیں۔ کتابیں منگوانے کا ایڈریس یہ ہے۔ ناشر عبداللہ اکیڈمی۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار...... لاہور۔

☆ ایس۔ ایچ۔ جعفری سابق بینکار رہے ہیں مگر اپنی طنز و مزاح کی کتاب لکھ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ میں بڑے دلچسپ انداز میں مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ جس کو پڑھ کر طبیعت میں شگفتگی بھی پیدا ہوتی ہے اور ڈپریشن میں کمی بھی۔ اس دلچسپ کتاب کی قیمت صرف 250 روپے ہے۔ صفحات۔ 199۔ کتاب منگوانے کا ایڈریس یہ ہے۔ بی۔ 6/C امروہہ سوسائٹی۔ سیکٹر 37/A کراچی سیل نمبر 0301.2683813

☆ پاکیزہ میں سلسلے وار شائع ہونے والا آپ کی محبوب مصنفہ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا ناول اگر ملنا نہیں ہمدم کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔ قیمت صرف چار سو روپے۔ خوب صورت معاشرتی کہانی...... جس کی سطر سطر ایک سبق ہے خواتین کے لیے۔ کتاب حاصل کرنے کے لیے القریش پبلیشرز۔ سرکلر روڈ۔ چوک اردو بازار لاہور سے رابطہ کریں۔

☆ مقصود احمد چغتائی اور محمد یونس بھٹی کی تحریر و تحقیق ایکسپورٹ کریں اور آمدنی بڑھائیں کتابی شکل میں شائع ہو گئی ہے۔ اس میں ایک عام شخص کو اپنے گھر میں صنعت...... لگانے اور اشیا کو ایکسپورٹ کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس طرح بیروزگار افراد ہیومن ریسورس ڈیپارٹمنٹ سے رابطہ کر کے اپنی ملازمت کی کوشش کر سکتے ہیں۔ کتاب کی قیمت صرف 700 روپے ہے۔ اس ضخیم کتاب کو منگوانے کا پتا ہے۔ مقبول اکیڈمی۔ 199 سرکلر روڈ۔ اردو بازار۔ لاہور۔

☆ شمع سید ایک خوب صورت شاعرہ ہیں۔ ان کی شاعری نسائی جذبوں سے روشن ہے۔ ان کی سوچ محبت سے گندھی ہوئی ہے اور اسلوب فکر انگیز ہے۔ خواب سارے سنبھال رکھنا ان کا مجموعۂ کلام ہے جو 160 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کی قیمت صرف 200 روپے ہے۔ کتاب منگوانے کا پتا یہ ہے۔ دعا پبلی کیشنز۔ الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ فون نمبر۔ 042.7233585

☆ ہماری پیاری دوست ڈاکٹر نگہت نسیم جو بے حد اچھی افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہت ہی خوب صورت شاعرہ بھی ہیں۔ جن کی نظموں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فہمیدہ ریاض اور کشور ناہید کی نظموں کے درمیان سے اپنا الگ راستہ بناتی ہوئی نمودار ہو رہی ہیں۔ ڈاکٹر نگہت نسیم کی دل کو چھو لینے والی نظموں کا مجموعہ اب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔ جس کا نام سفید جھیل ہے۔ صفحات 312 اور قیمت صرف 400 روپے ہے۔ کتاب منگوانے کا ایڈریس یہ ہے مثال پبلیشرز۔ رحیم سینٹر پریس مارکیٹ، امین پور بازار فیصل آباد۔ موبائل 0300.6668284۔ ڈاکٹر نگہت نسیم کے کالموں کا مجموعہ یہی دنیا ہے یہیں کی باتیں کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے۔ نگہت کے کالموں میں روایتی کالم بازی والی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے

www.Paksociety.com

ان کے تحریر کردہ کالموں کی عمر ایک رات نہیں ہے بلکہ بعد از مرگ حیات والی کیفیت ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے بعض ایسے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے جو نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ صفحات 404 اور قیمت 500 روپے ہے۔ فون نمبر۔ فیصل آباد۔ 2615359۔

☆ آپ کی باجی انجم انصار کی طنز و مزاح کی نئی کتاب کھری کھری شائع ہو گئی ہے۔ جو بے حد اچھے کاغذ پر شائع کی گئی ہے اور صفحات 367 ہیں۔ اس میں قمر علی عباسی امریکا مسز فریدہ فرح لاکھانی، آسٹریلیا۔ علامہ عبدالستار عاصم چیئرمین قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل لاہور۔ مسز شمع حسین ٹورنٹو افتخار مجاز پاکستان ٹیلی ویژن۔ لاہور وغیرہ کی آرا شامل ہیں۔ دلچسپ اور طنز و مزاح سے مزین تحریروں نے کیسے لفظوں سے شگوفے کھلائے ہیں اور بخیے اور ادھیڑے ہیں۔ اس کے لیے آپ کو یہ کتاب پڑھنی ضروری ہے۔ کتاب کی قیمت 500 روپے پانچ سو ہے اور کتاب منگوانے کا پتا یہ ہے۔ مقبول اکیڈمی، 199۔ سرکلر روڈ۔ اردو بازار چوک لاہور۔ فون نمبرز۔ 042.37324164.7233165 اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ اس کا انتساب فخرِ پاکستان اور کھری کھری بات کہنے والی شخصیت ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے نام ہے۔ ہماری نئی کتاب انمول خزانے اور آزمودہ ٹوٹکے اور وظائف شائع ہو چکی ہے۔ کتاب حاصل کرنے کے لیے آپ اس نمبر پر رابطہ کر سکتی ہیں۔ 021.36981952۔

☆ پاکیزہ میں 26 ماہ سلسلے وار چلنے والا ہمارا ناول محبت ہم سفر میری کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔ اس ضخیم ناول کے صفحات 576 ہیں۔ قیمت صرف پانچ سو روپے۔ کتاب منگوانے کا ایڈریس یہ ہے۔ القریش پبلی کیشنز۔ سرکلر روڈ۔ چوک اردو بازار۔ لاہور۔

☆ سیمی کرن کا پہلا ناول خوشبو ہے تو بکھر جائے گی کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے۔ یہ ایک گھریلو اور معاشرتی ناول ہے جس کی کہانی ہر دوسرے گھر کی کہانی لگے گی۔ طرزِ تحریر سادہ اور دلکش ہے۔ صفحات۔ 328 اور قیمت صرف 300 روپے۔ کتاب منگوانے کا پتا۔ ساگر پبلی کیشنز۔ 16 ای ٹیمپل روڈ۔ مہتہ اسٹریٹ۔ صفانوالہ چوک۔ لاہور۔

☆ پاکیزہ کی شاعرہ نوشین اقبال نوشی اور کرامت حسین البعث کی مشترکہ نظموں اور غزلوں کا مجموعہ وجہ ہے محبت کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔ جس میں محبت اور چاہت سے سجی خوب صورت نظمیں ہیں۔ صفحات۔ 144 اور قیمت صرف 200 روپے۔ کتاب منگوانے کا پتا۔ غزالہ جلیل راؤ۔ پوسٹ بکس نمبر 7۔ جی پی او۔ اوکاڑہ۔

☆ مقبول مصنفہ نمرہ احمد کا ناول قراقرم کا تاج محل کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔ یہ ان کا پانچواں ناول ہے۔ طرزِ تحریر اور اسلوب پختہ ہونے کے ساتھ ساتھ شگفتہ بھی ہے۔ اس ناول کے صفحات 320 ہیں اور قیمت صرف 400 روپے ہے۔ اس ناول کو منگوانے کے لیے اس ایڈریس پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ حرفِ تازہ پبلشرز۔ 10 ایل ڈی اے فلیٹس، گلبرگ۔ 111 لاہور۔ موبائل نمبر۔ 03454171310

☆ ہماری پیاری سی مستقل تبصرہ نگار مسز عظمیٰ خورشید لاہور ایک پیارے سے نواسے کی نانی بن گئی

www.Paksociety.com

ں۔ (مبارک باد)

☆ افسانہ نگار ارجمند عقیل کی شکاگو میں مقیم بیٹی انیقہ عقیل نے اکنامکس میں پی ایچ ڈی کر لیا ہے۔ (ماشاءاللہ)

☆ سندھ گورنمنٹ چلڈرن اسپتال نارتھ ناظم آباد کے معروف اسپشلسٹ ڈاکٹر عبدالوحید کے بیٹے محمد زہ کے لیے دعائے صحت کریں۔

☆ مصنفہ رابعہ فیاض قادری کراچی اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ عمرے کی ادائیگی کے لیے سعودی رب روانہ ہو گئی ہیں۔ (ماشاءاللہ)

☆ معروف ہومیو پیتھک کی ڈاکٹر شگفتہ نرگس، راول پنڈی نے کہا ہے کہ وہ پولیو کے شکار غریب بچوں کا مفت علاج کریں گی۔ غریب والدین اپنے بچوں کے مفت علاج کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں۔ 051.5590473

☆ تبصرہ نگار شگفتہ ملک علی پور کی بھابی ڈاکٹر فرزانہ کے پیاری سی بیٹی ہوئی ہے جس کا نام عالین رکھا گیا ہے۔ بھتیجی کی بہت بہت مبارک باد۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری مونا ملک پنجاب کے لیے بہنیں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اولادِ نرینہ عطا فرمائے۔

☆ ستارہ شیخ، سندھ کے ہاں پیارا سا پوتا تولد ہوا ہے۔ (مبارک باد)

انتقالِ پُرملال

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار مصباح رضا سعید، فیصل آباد کے ماموں انتقال کر گئے۔

☆ مصنفہ فاخرہ گل اٹلی کی خالہ پاکستان میں انتقال کر گئیں۔

☆ تمام مرحومین کی مغفرت کے لیے دعا کے ساتھ صرف تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین!

☆☆☆

اقبال بانو، وہاڑی سے۔ ”اس ماہ پرچہ پسند آیا۔ مجھے عمیرہ احمد کا عکس بہت اچھا لگ رہا ہے۔ کانچ سی لڑکی زبردست ہے۔ لبنیٰ عروج کا ناولٹ بھی پسند آیا۔ عطیہ عمر، ثمینہ عظمت، نمرہ احمد اور عنیقہ بیگ کے افسانے پسند آئے۔ پاکیزہ ڈائری بھی پُرلطف ہوتی ہے۔ میرا انتخاب میں آمنہ حماد بہت اچھا انتخاب لاتی ہیں۔ جلترنگ بھی مزے کے تھے۔ بہنوں کی محفل یوں لگتی ہے جیسے سب بہنیں محفل میں موجود ہوں اور گپ شپ ہو رہی ہو، یہ محفل اپنی اپنی سی لگتی ہے اور تمہارا پُرخلوص انداز بہت بھاتا ہے۔ سب بہنوں کو سلام۔“

(آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

شمع سید، لاہور سے۔ ”فروری کا شمارہ بہت خوب صورت سرورق سے مزین ملا۔ بات صرف میرے افسانے کو شائع کرنے کی نہیں ہے اس عزت اور حوصلہ افزائی کی ہے جو آپ نے، میری کی۔ آپ کے پرچے کے شایانِ شان ہونا اور اس میں چھپنا یقیناً بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔ عنیقہ کے توسط سے پتا چلا کہ

www.Paksociety.com

پرچہ مارکیٹ میں آگیا ہے لے لو اور اپنا افسانہ بھی پڑھو تو بہت خوشی کے ساتھ کچھ حیرانی بھی ہوئی اور یہ حیرت اس وقت دوچند ہوگئی جب آپ کی تحریریں پڑھیں۔ آپ ماشاءاللہ خود بہت پیارا لکھتی ہیں۔ پاکیزہ بلاشبہ بہت اعلیٰ پرچہ ہے۔ میں اسے تب سے پڑھ رہی ہوں جب پڑھنے پر اماں سے ڈانٹ پڑ جاتی تھی۔ پھر تو چوری چھپے جہاں موقع ملتا پڑھ ڈالتی۔ شاید مطالعے کا ہی شوق لکھنے کی صلاحیت کو تحریک دیتا رہا اور اب کچھ جوڑ توڑ کر لیتے ہیں۔ مدیرہ ہونے کی حیثیت سے جتنا اپنا پن اور محبت آپ نے پرچے کو دی ہے وہ خال خال ہی ملتی ہے اور جس طرح آپ ہر نئے لکھنے والے کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں بڑے ظرف کی بات ہے۔ بہت سے لوگ جو مجھے جانتے تک نہیں، انہوں نے مجھے بہت مان اور عزت دی ہے۔ نثر اور شاعری کے حوالے سے اب ان میں آپ سرِفہرست ہیں کیونکہ پاکیزہ کا پلیٹ فارم اور یہ بزم مجھ جیسے قدرے نوآموز کے لیے بہت بڑی بات ہے۔ پرچے کے حوالے سے کچھ کہنا تو سورج کو چراغ دکھانے جیسا ہے۔ تقریباً سب ہی رائٹرز نے خوب صورت لکھا ہے اور جسے آپ سند عطا کردیں وہ کسی تعارف اور تعریف کا محتاج کہاں رہتا ہے۔ یقین جانیں میری اس تحریر میں کہیں بھی مبالغہ آمیزی نہیں ہے، یہ سب آپ کی بھرپور صلاحیتوں کا چھوٹا سا اعتراف ہے۔ پاکیزہ کی پوری ٹیم اور تمام لکھنے والوں کے لیے ڈھیروں دعائیں۔'' (پیاری شمع اس محفل میں خوش آمدید۔ لکھنے کے سفر میں سیکھنے کا عمل ساری زندگی جاری رہتا ہے۔ اس لیے میں بھی نوآموز ہوں۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں تحریر ہو یا زندگی کا کوئی بھی کام اگر محبت اور لگن سے کیا جائے تو وہ اچھا ضرور ہوتا ہے۔ ہاں تم بہت اچھا لکھتی ہو.....)

آصفہ شفیق، اسلام آباد سے۔ ''ایک لمبے عرصے کے بعد آپ سے مخاطب ہو رہی ہوں۔ وجہ بلکہ وجوہات تو کافی تھیں لیکن غالب سستی ہی رہی۔ پاکیزہ سے الگ میں کبھی بھی نہیں رہی۔ لفظ لفظ پڑھتی رہی...... آپ کی خوشیوں کے ساتھ خوش ہوتی رہی اور آپ کے دکھوں، تکلیفوں پر آپ سب کے لیے دعا کرتی رہی مگر بس خط نہیں لکھ سکی۔ اب حاضر ہوں، امید ہے آپ ناراض ہوئے بغیر مجھے خوش آمدید کہیں گی۔ عکس، زندگی، ایک تھی نیناں اور شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں سبھی تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ کچھ بور کر رہے تو کچھ اگلی قسط تک تشنگی چھوڑ جاتے ہیں۔ بہرحال اپنی اپنی کوشش اور تحریر پر سبھی داد کے مستحق ہیں۔ کانچ سی لڑکی زبردست تو حد اس سے بھی زبردست۔ یعنی ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک...... آپ سب کو بہت مبارک باد۔ یادوں کی پٹاری مزے کی لگی۔ نویدہ تارڑ نے پروین شاکر کی نظم خوب یاد دلائی۔ ارے ہاں آپ کے بیٹے کی شادی بھی ہوگئی۔ بہت مبارک باد۔ مجھے تو دولہا، دلہن دونوں ہی نازک سے معصوم سے لگے۔ اللہ پاک ڈھیروں خوشیاں نصیب کرے۔ ہمیشہ خوش رہیں اور ہمیشہ ساتھ رہیں۔ (آمین) عذرا رسول کیسی ہیں؟ جناب معراج رسول کی صحت اب کیسی ہے؟ ذیشان کی کامیابیاں انہیں بے حد مبارک باد ہوں۔ ذکیہ بلگرامی صاحبہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟ میری طرف سے انہیں سلام پہنچا دیں اور حال بھی پوچھیں۔ اللہ پاک انہیں مکمل صحت عطا فرمائے، آمین۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

تسنیم منیر علوی دبئی سے۔ ''خدا کرے نیا سال گئے سال سے بہت اچھا گزرے۔ عذرا رسول کو بیٹے کا جاج اور گریجویشن بہت بہت مبارک ہو۔ جنوری کا شمارہ سامنے ہے۔ عمیرہ احمد کے ناول نے پاکیزہ کو چار

www.Paksociety.com

چاند لگا دیے ہیں۔ کانچ سی لڑکی ایک ہلکی پھلکی معاشرتی کہانی اور ایک اچھی اٹھان لیے اپنے انجام کی طرف رواں ہے۔ افسانوں میں محبت جی کے دیکھو رخ چوہدری کا دوسری شادی کا ڈراما اچھا رہا...... گویم مشکل ایک چونکا دینے والا افسانہ ہے جو قاری کو بھرپور طریقے سے اپنی گرفت میں رکھ سکا اس پر مزید کچھ کہنا واقعی گویم مشکل...... رضوانہ پرنس ایک منجھی ہوئی لکھاری ہے اگر لکھ کر انہوں نے ثابت کردیا کہ کہانی کو اہم موڑ دے کر چھوڑ دینا بہتر ورنہ اگر میں بھی تبدیل ہوسکتا تھا۔ حد بھی اپنی حد میں رہا اچھا تاثر چھوڑنے میں کامیاب...... البتہ سکینہ فرخ نے ایک عام سی بچکانا کہانی کیوں لکھی انہوں نے بڑے معرکے کے افسانے لکھے ہیں۔ آوارہ رکھوالا ایک سبق آموز افسانہ تھا ایک کتے نے پہلے مشکل میں ڈالا پھر اسی نے مشکل سے نکال دیا اچھا آئیڈیا تھا اور باقی سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح خوب رہے۔ ناہید سلطانہ اختر کا نیا ناول بھی پسند آیا...... اگر سلسلے وار سلسلے ذرا کم ہوجائیں تو کیسا رہے گا کیوں...... انجم......؟ عذرا، آمنہ سب کو سلام محبت۔'' (تبصرے کا شکریہ)

پروین عذرا لشنہ، کراچی سے۔ ''ماہ ربیع الاول بہت مبارک ہو۔ بہت عرصہ بعد لکھنے کی ہمت کر رہی ہوں۔ اب پاکیزہ میں بہت اچھی رائٹرز کے نام نظر آرہے ہیں۔ پڑھ کر بہت مزہ آرہا ہے۔ کانچ سی لڑکی، تمہارا ناولٹ بھی بہت اچھا لگا۔ نہاں اپنے حالات کے دائرے میں بہادر لگ رہی ہے اور عکس مجھے یوں لگ رہا ہے گویا کسی انگلش ناول کا ترجمہ ہو۔ بھئی تمہیں عمیر بیٹے کی شادی کی بہت بہت مبارک باد۔ عذرا رسول کو بھی ان کے بیٹے کی ڈگری ملنے اور حج کرنے کی بہت بہت مبارک باد۔'' (پیاری پروین ہماری عمیرہ احمد جب بھی اپنا ناول لکھتی ہیں۔ وہ ایسا غضب کا ہوتا ہے کہ اکثر کی یہی رائے ہوتی ہے کہ یہ انگریزی ناول کا ترجمہ ہے جبکہ اس عکس ناول کا انگریزی میں ترجمہ شائع ہونا چاہیے ہاں آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ ''اداریہ پسند آیا۔ عکس میں کہانی آگے بڑھی ہے۔ شہربانو اور شیردل کی چھیڑ چھاڑ اچھی لگی۔ عطیہ عمر کا تجروفا بس ٹھیک تھا۔ ناہید سلطانہ اختر کے ناول کی دوسری قسط ٹھیک ہے۔ حجاب اور رباب نام ہم قافیہ ہیں اس طرح شمع سید کے افسانے میں پارو اور لاڈو نام اچھے لگے۔ ریما سید کا احساس بھی زبردست تھا۔ طرزِ تحریر پسند آیا۔ نادیہ جہانگیر کو پاکیزہ میں پہلی مرتبہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ان کی مرحومہ بہن بھی بہت اچھی رائٹر تھیں۔ نمرہ احمد کا افسانہ ہٹ کر تھا۔ جلترنگ میں ایسا بھی ہوتا ہے بہت مزے دار تھا۔ اب کانچ سی لڑکی پر رائے کہ اس کو دو تین بار پڑھا میرے جیسے کمزور دل لوگوں کا اگلے ماہ تک انتظار کرنا مشکل ہے کہ اب ریحان کے ساتھ کیا ہوگا۔ مینا خود مرگئی مگر اب کتنے گھر اس کی وجہ سے تباہ ہوں گے۔ نوشین ناز اختر کی تحریر میں ایک مثبت پیغام تھا...... اور پسند آیا۔ بہنوں کی محفل تو ہوتی ہی زبردست ہے۔ سب بہنوں کی خیریت مل جاتی ہے۔ انجم تم پاکیزہ کو نمبر ون لے جانے میں کامیاب ہوگئی ہو۔ جب ہی تو میری جیسی بوڑھی، نانیاں، دادیاں بھی اس محفل میں شرکت کیا کرتی ہیں۔ ہم کو پاکیزہ بہت ہی اچھا لگتا ہے۔'' (پیاری ذکیہ! آپ سب بہنوں کے تبصروں سے اس محفل میں نہ صرف رونق ہے بلکہ گرم جوشی بھی ہے اور دوسری اہم بات یہ کہ تحریریں کبھی بوڑھی نہیں ہوتی وہ تو ہمیشہ جوان رہتی ہیں)

عظمیٰ عنبرین، ڈی جی خان سے۔ ''فروری کا ٹائٹل بہت اچھا تھا۔ دوپٹے میں ٹائٹل گرل پاکیزہ کا اسم باسمیٰ لگی۔ اس ماہ پاکیزہ کے تمام افسانے، ناول اور ناولٹ اچھے لگے۔ ان صفحات کے ذریعے میں دنیا

www.Paksociety.com

کی کم عمر ترین مائیکروسافٹ سرٹیفائیڈ پروفیشنل ارفع کریم کے والدین سے تعزیت کرنا چاہتی ہوں۔ بل گیٹس کے بقول اس کی پرنسز کولیگ کی اتنی کم عمری میں وفات پر بے حد رنج ہوا۔ یوٹیوب پر ارفع کریم کے بچپن سے تدفین تک کے مختلف مراحل اور جیو کے ساتھ ایک دن وغیرہ دیکھتے ہوئے بہت سی جگہوں پر اس بچی کو یاد کر کے بہت رونا آیا۔ عمیرہ احمد کی تحریر عکس جوں جوں واضح ہوتی جارہی ہے اس میں خوب نکھار آرہا ہے۔ آپ سے ملاقات کی خواہش کی بڑی وجہ آپ سے محسوس ہونے والی اپنائیت ہے۔ حج کے موقع پر بھی آپ، عذرا آنٹی اور معراج انکل (جو کہ ماضی میں جاسوسی ڈائجسٹ سے تعلق کی وجہ سے مجھے بہت عزیز ہیں) خود بہ خود ہر موقع پر مجھے یاد آتے رہے۔ میری دعاؤں میں شامل رہے۔ آپ تینوں کے لیے میں نے الگ الگ بیت اللہ کا طواف بھی کیا۔ جس میں آپ سب کی صحت، خوشیوں اور درازیٔ عمر کی ڈھیروں دعائیں کیں۔" (جزاک اللہ)

زرقا افشین، جام پور سے۔ "سب سے پہلے آپ کا ڈھیر، ڈھیر...... بہت ڈھیر سارا شکریہ کہ آپ نے میرا خط اور شاعری دونوں کو قبول کیا، دل آپ کا کتنا مشکور ہے اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ عکس کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے اور شیر دل کی فیورٹ غزل زندگی دھوپ تم...... میری بھی بہت پسندیدہ ہے آپ کی کہانی میں چڑیا کے علاوہ فی الحال کسی کردار سے محبت نہیں ہوئی۔ عطیہ عمر کا شجرِ وفا بھی پسند آیا۔ نمرہ احمد کا افسانہ پڑھ کر اچھا لگا۔ عتیقہ جی اکیلے گھر میں دو لڑکوں کے ساتھ تنہا لڑکی کا اتنا وقت گزارنا یہ بات معقول نہیں لگی باقی افسانہ مزیدار تھا۔ اس کے علاوہ نوشین، لبنیٰ، شمع اور ثمینہ ڈیئر آپ چاروں کے افسانے پڑھ کر دل ہول کے رہ گیا نوشین جی کی مہربانی کہ ہیرو کی موت نہیں کروائی باقی تینوں نے تو اپنے ہیرو یا ہیروئن کو عدم روانہ کردیا۔ بھابی افسانہ اچھا تھا اور نادیہ جی کا موضوع کچھ خاص نہیں تھا۔ ریما کا زبردست افسانہ تھا۔ افسانوں میں سب سے بہترین رفاقت جاوید کا سفرِ نو تھا۔" (تبصرے کا شکریہ)

مصباح رضا سید، فیصل آباد کانچ سی لڑکی خاص طور پر پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ آئندہ تفصیلی تبصرہ لکھنا۔

آشا کرلاتی، گولارچی گڑیا ناراض مت ہو۔ سالگرہ نمبر کے حوالے سے اپنی خصوصی نظمیں ضرور بھیجو اور سند یسے دلچسپ انداز میں نثر میں بھیجو۔ آپ کی حوصلہ افزائی ضرور ہوگی۔

عیسیٰ ساحل، جگہ کا نام نہیں لکھا۔ بیٹا جی! آپ کا پہلا خط بھی ملا تھا اور دوسرا بھی۔ یہ محفل صرف بہنوں کی ہے آپ اس کو ہر ماہ ضرور پڑھیں مگر اس میں صرف بہنوں کے ہی خطوط شائع ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے آپ سے معذرت۔

سلمیٰ غزل، کراچی۔ آپ اپنی غزلیں بھی ہمیں ضرور بھیجیں۔ ہاں ہم نے ٹی وی پر آپ کا ڈراما بھی دیکھا تھا اور شیریں حیدر کا بھی۔ جو رائٹرز ہمیں بتا دیتی ہیں ان کا ڈراما ہم ضرور دیکھتے ہیں دونوں ڈرامے بہترین تھے۔

لبنیٰ عروج، اسلام آباد سے۔ "آپ سنائیں کیسی گزر رہی ہے آفتوں کے اس دور میں۔ جب ہر طرف ہاہاکار مچی ہے۔ ٹی وی کھولو اخبار پڑھو۔ ہر طرف مایوسی دل دکھانے والی خبریں ہاں کرکٹ میں انگلینڈ

سے جیت پر دل خوش ہوا۔ افسانہ نگاری پر طبیعت مائل ہو تو لگتا ہے سب کو خبر ہوگئی کہ میں نے قلم تھاما ہے لہٰذا دور و نزدیک سے ٹیلی فون بجنا شروع ہو جاتے ہیں پھر شکوہ بھی ہوتا ہے کہ لکھنا کیوں چھوڑ دیا؟ اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا...... امید پہ دنیا قائم ہے، ذکیہ بلگرامی صاحبہ کے لیے میرا پیغام ہے کہ اپنی کوئی نہ کوئی تحریر تبرکاً پاکیزہ میں بھیج دیا کریں۔ ابھی ابھی میرا بیٹا آیا ہے حیرت سے آنکھیں کھولے پوچھ رہا ہے۔ "اس دور میں خط؟" اب یہ نئی نسل کیا جانے خط لکھنا میرا دل پسند مشغلہ ہوا کرتا تھا۔ موبائل پہ میسجنگ اور ای میل ابھی بھی مجھے اپنی طرف نہیں کھینچتے۔" (ٹھیک کہہ رہی ہو)

عذرا بیگ، لاہور سے۔ "پاکیزہ اے ون جا رہا ہے۔ ہر افسانہ سلسلے وار ناول اور مضامین بہت اچھے جارہے ہیں اور یہ سب آپ کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ خداوند کریم آپ کو ہمت اور صحت دے تاکہ پاکیزہ آپ کی سربراہی میں اور ترقی کرتا رہے۔ عکس کی پہلی دو قسطیں بے حد دلچسپ پُراسرار اور دھماکے دار تھیں۔ اب کچھ نارمل ہو گیا ہے لیکن دلچسپی برقرار ہے۔ صرف ایک چھوٹی سی عرض ہے جتنا خوب صورت انوکھا اور نیا نام عکس ہے شیر دل اس سے میچ نہیں کرتا۔ شاید یہ نام رکھنے کی عمیرہ احمد جی کی کوئی مصلحت ہو جو شاید آگے چل کر واضح ہو۔ باقی چند بہنوں نے انگلش الفاظ استعمال کرنے پر اعتراض کیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ تعلیم کے اس دور میں یہ اعتراض کیوں؟ آپ یقین کریں انجم گھر میں کام کرنے والی خواتین بھی جب بولتی ہیں تو ان کے ہر فقرے میں کم از کم تین چار الفاظ انگلش کے ہوتے ہیں پھر پاکیزہ تو سبھی پڑھتے ہیں۔ زیادہ پڑھے لکھے بھی اور کم پڑھے لکھے بھی۔ اعتراض برائے اعتراض کرنے سے سوائے دل شکنی کے اور کیا حاصل ہوتا ہے؟ اور آخر میں جلترنگ تو جلترنگ ہے خدا کرے اس کی میٹھی سریلی آواز یونہی آتی رہے اور دل کو برماتی رہے۔" (پیاری عذرا آپا...... اس محفل میں برسوں بعد آپ کی شرکت سے دلی خوشی ہوتی ہے۔ آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

محمد عمران خٹک، ضلع کرک برادرم، ماہنامہ پاکیزہ بے شک گھر کے ہر فرد کے لیے ہے مگر اس میں خواتین رائٹرز کی تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ آپ ہمارے ادارے سے نکلنے والے دیگر رسائل سرگزشت، سسپنس اور جاسوسی ڈائجسٹ میں اپنی تحریریں ارسال کر سکتے ہیں۔ فی الحال پاکیزہ میں ایسا کوئی سلسلہ بھی نہیں ہے جس میں مرد حضرات بھی شرکت کر سکیں۔ اگر ہماری بہنیں یہ چاہیں گی تو ہم شروع بھی کر سکتے ہیں مگر شرط وہی...... کہ ہماری بہنیں چاہیں تو......

مسز محمد وسیم، کراچی۔ اس محفل میں خوش آمدید...... آپ پیروں سے معذور ہیں۔ آپ اور آپ کے شوہر گھر میں کام کر کے وقت گزار رہے ہیں اگر ہمارے قارئین...... آپ سے کپڑے سلوانا چاہیں تو اس نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ 03232468976۔

سیمی کرن، فیصل آباد۔ خوش آمدید آپ کی حوصلہ افزائی ضرور ہوگی۔ آپ کی محبت اور عزت افزائی کا شکریہ۔

بہن ن، ک۔ جگہ کا نام نہیں لکھا۔ آپ اپنی کہانیاں ضرور بھیجیں میں پڑھ کر اپنی رائے دے دوں گی۔

www.Paksociety.com

مسز اقبال کاظمی، کراچی۔ خوش آمدید اتنا تفصیلی خط لکھا اور اس پر اپنا نام تک نہیں لکھا پھر میں نے دوبارہ خط پڑھا تو آپ کے شوہر کا نام لکھا نظر آیا۔ عالیہ بخاری کے ناول کو پسند کرنے کا شکریہ۔ ناول کا اختتام آپ کو پسند نہیں آیا تو ضروری نہیں ہوتا کہ ہر ایک کی رائے ایک جیسی ہو، ہماری بہت سی بہنوں کو بہت پسند بھی آیا ہے۔ آپ اپنی تحریریں ہمیں ضرور بھیجیں۔

مسز صفیہ حسین، کراچی سے۔ ''آپ کے پاکیزہ رسالے کی تقریباً ایک سال سے قاری ہوں۔ کافی دنوں سے میں سوچ رہی تھی کہ آپ کو خط لکھوں۔ آپ کی پیاری پیاری باتیں اور بہنوں کے خطوط کے جوابات پڑھ کر اس امید پر آپ کو خط لکھ رہی ہوں کہ آپ مجھ ناچیز کو جواب سے ضرور نوازیں گی۔ ویسے تو پاکیزہ کے تقریباً تمام ناول افسانے بہت اچھے ہوتے ہیں خصوصی طور پر روحانی مشورے، سندیسے، وغیرہ۔'' (شکریہ)

صائمہ، کراچی سے۔ ''پاکیزہ کو اگر میں ہر لحاظ سے بہترین رسالہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ خاص طور پر اس کے روحانی مشورے اتنے بہترین ہوتے ہیں کہ جن کی میں تعریف ہی نہیں کر سکتی۔ میرے دل کی تین شریانیں بند تھیں۔ روحانی مشوروں میں سے دیکھ کر گلاب کی پتیوں کو نہار منہ کھانے والے نسخے پر میں نے پورے ایک ماہ عمل کیا اور پھر مجھے بشارت ہوئی کہ میرے دل کی شریانیں کھول دی گئی ہیں۔ الحمدللہ میری طبیعت ٹھیک ہوگئی۔'' (صائمہ بہن اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ صحت مند رکھے، گلاب کی پتیوں کے علاج سے ہمارے بہت سے قارئین شفایاب ہوئے ہیں)

طلعت رانا، چیچہ وطنی سے۔ ''عکس بڑا زبردست جا رہا ہے۔ پہلی قسط سے لے کر آج تک اس کا تسلسل و تجسس برقرار ہے حالانکہ اردو میں انگلش عجیب لگتی ہے مگر اس میں اتنی خوب صورتی سے انگلش کا استعمال وہ بھی رومانوی ٹچ کے ساتھ ہے کہ اس کی ہر قسط پڑھ کر مزہ آتا ہے سو رائٹر صاحبہ کو بہت مبارک باد اتنی اچھی کاوش پر۔ سندیسے اور پاکیزہ ڈائری بہت مزیدار ڈشز ہیں اسی طرح نمک مرچ لگا کر سجاتی رہیں۔ باقی پاکیزہ پڑھ رہے ہیں سلوٹی سلوٹی۔'' (پسندیدگی کا شکریہ، ہاں اپنے اکلوتے بھائی طاہر کی شادی کی مبارک باد قبول کرو اور شادی کا احوال ضرور لکھ کر بھیجو)

ام ہاشمی، لاہور سے۔ ''پاکیزہ بہت اچھا ہے۔ خاص کر عمیرہ احمد کا عکس ...... بہت اچھا جا رہا ہے۔ مجھے ڈائجسٹ پڑھنے کا شوق نہیں ہے مگر عمیرہ احمد کے ناول عکس کی خاطر پاکیزہ شمارہ لینا پڑتا ہے۔ میرا عمیرہ احمد سے سوال ہے کہ کیا عمیرہ احمد شادی شدہ ہیں۔ (جی نہیں) آپ کے ڈائجسٹ کے سرورق پر ماڈل کے بجائے ہاتھ کی بنی ہوئی تصویر ہونی چاہیے۔'' (آپ کی تجویز نوٹ کر لی گئی ہے)

قرۃ العین شکیل، گوجرانوالہ سے۔ ''میرا کسی بھی ماہنامے میں پہلا خط ہے، آپ اسے بہنوں کی محفل میں جگہ ضرور دیں گی۔ ٹائٹل موسم کی مناسبت سے زبردست تھا۔ سب سے پہلے بات کروں گی اپنی فیورٹ رائٹر عمیرہ احمد کی واہ عمیرہ جی اتنا زبردست ناول میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپ کے ناول کے بارے میں بیان کر سکوں فقط اتنا کہوں گی یو آر گریٹ۔ ناہید سلطانہ اختر کے ناول کی چونکہ پہلی قسط تھی اس کے لیے تبصرہ محفوظ ہے۔ کانچ سی لڑکی انجم انصار کی تحریر بھی کافی دلچسپ تھی لیکن اس دفعہ نمرہ احمد کچھ خاص متاثر نہیں کر سکیں۔ افسانے سارے ہی زبردست تھے عنیزہ سید کی کافی عرصے بعد موجودگی بہت اچھی لگی آپ ان سے کوئی ناول بھی لکھوا دیں اب میں سکینہ فرخ کے افسانے پر تبصرہ کروں گی۔ کچھ دن پہلے میں بھی ایک مارننگ شو دیکھ رہی تھی شو کی ہوسٹ صرف اپنے ہی راگ الاپ رہی تھی اور بے چارہ وہاں آیا ہوا گیسٹ ابھی بولنا شروع کرتا ہی تھا کہ آدھی بات اس کے منہ میں ہی رہ جاتی اور ہوسٹ صاحبہ یا تو بریک کا سندیسہ لے کر کود پڑتیں یا پھر اپنے بارے میں بولنا شروع کر دیتیں، آپ یقین نہیں کریں گی جس طرح فیضو کو کوفت ہوئی تھی اسی طرح کا میرا بھی ردِعمل تھا مختصر یہ کہ رائٹر صاحبہ نے میرے جذبات کی عکاسی کی ہے اپنے اس افسانے میں کتنی ہی دیر میں ہنستی رہی اس کے علاوہ جلترنگ پڑھ کر بھی بہت مزہ آیا۔'' (شکریہ)

صائمہ سجاد بنگش کوہاٹ سے۔ ''نمرہ احمد کے ناولٹ حد نے مجھے تبصرہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ بہت اچھے موضوع پر زبردست تحریر تھی، قرآن کے ایک حکم کو بہت خوب صورتی سے اجاگر کیا گیا ہے اس ناولٹ میں داد دینی چاہیے ان کو۔ ہم لوگ بہت آسانی اور دھڑلے سے کسی پر بھی زنا کا الزام لگا دیتے ہیں جبکہ اسلام کیا کہتا ہے کہ چار گواہ لے کر آؤ۔ کتنا آسان مذہب ہے نا ہمارا لیکن ہمیں یہ سب کتنا مشکل لگتا ہے۔ ہم ڈی این اے ٹیسٹ کو تو تسلیم کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں لیکن اسلام کی یہ حد نافذ نہیں کر سکتے۔ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے اگر یہ دو حدیں نافذ ہو جائیں تو آپ بتائیں جرائم کے ریشو میں کتنی کمی ہوگی۔ پوری دنیا میں انٹرنیٹ پر فحاشی میں پہلا نام پاکستان کا آ رہا ہے۔ کیا یہ اسلامی ملک ہے اگر اسلامی ملک میں ہی اسلامی دفعات نافذ نہیں ہیں تو پھر دوسروں سے کیا توقع کریں، لمحہ فکریہ ہے ہمارے لیے کاش ہم سدھر سکتے۔ ثمینہ عظمت علی کا مہرباں کیسے کیسے بہت ٹیسٹی تھا ان کے افسانے کی طرح۔ میں کہتی ہوں لڑکیوں کو کم از کم دعوت کی تین ڈشز تو ضرور آنی چاہیے شادی کے بعد کہیں دعوت کا اہتمام کرنا پڑے تو کوئی سبکی نہ ہو اور ایمرجنسی سالن بھی خاص طور پر بنانے آنے چاہئیں۔ بادلِ ناخواستہ کوئی مہمان نازل ہو جائے تو انسان کچھ نہ کچھ بنا سکتے نہ کہ پڑوس میں پلیٹ لیے پھرتا رہے۔ مردوں کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے اور خواتین اس راستے کو بیوٹی پارلر میں تلاش کرتی ہیں۔ جب لڑکوں کی مائیں لڑکیاں ڈھونڈنے نکلتی ہیں تو ان کے دماغ میں ماڈل گرل کا اسکیچ ہوتا ہے نازک دبلی پتلی دودھیا سی رنگت، اونچا قد لیکن جب ایسی لڑکی ان کو مل جاتی ہے تو وہ شادی کے بعد اس کو زبیدہ آپا بنانے پر کیوں تل جاتی ہیں اندازہ کریں۔ بہرحال ان کے افسانے کی بریکنگ نیوز قمر النسا کے گھر کے ایک دیگچے میں کئی کوفتے زیرِ آب آ گئے۔ بہت مزہ دے گئی۔ تازہ تجربہ ہماری فیملی میں ہوا ہے کسی کا۔ جلترنگ بہت زبردست تھا۔ خصوصاً لاسٹ میں ایمرجنسی مہمان نافذ ہونے پر جو رضائی اوڑھا کر صفائی کی ہدایات تھیں وہ بہت اچھی لگیں اور سوالنامہ تو بہت مزے کا تھا بعض مہمان واقعی لسوڑہ ہوتے ہیں چپک جائیں تو اترتے ہی نہیں اس لیے ایسے مہمانوں سے احتیاط لازمی ہے۔ عذرا رسول کو ڈبل مبارک باد اللہ سے دعا ہے کہ ان کی زندگی اور ان کی فیملی ہمیشہ کامیابیوں اور خوشیوں سے بھری ہو۔'' (آمین)

صبا نور لیہ سے۔ ''پیاری آپی میں آپ کو بے حد مس کرتی ہوں کاش کہ ہمارا ایک شہر ہوتا پتا ہے آپی مجھے ہمیشہ مطلب پرست اور لالچی لوگ ملے ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اپنے شہر میں تو کوئی مجھے اچھا نہیں ملا اور جو اچھے ملے ہیں وہ مجھ سے بہت دور ہیں۔ آپی ایک آپ ہیں اور ایک اور دوست ہے آپ دونوں

www.Paksociety.com

ہی کراچی کے ہو کاش میں بھی کراچی میں پیدا ہوتی تو آج یوں اکیلی نہ ہوتی۔ میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں آپی بے پناہ...... میں آپ سے کہنا تو بہت کچھ چاہتی ہوں لیکن پھر کبھی کہوں گی اور ہاں آپی 17 نومبر کو میری کزن رابعہ جس کی عمر صرف 22 برس تھی کی ڈیتھ ہو گئی ہے اور ایک فرینڈ جو کہ کراچی میں ہے یکم فروری کو اس کی برتھ ڈے ہے۔'' (آپ کی دوست کو سالگرہ کی مبارک باد دی جا رہی ہے۔ ہاں رابعہ کے انتقال کا افسوس ہوا)

زبیدہ حبیب کی رائے لاہور سے۔ ''اس ماہ کا پاکیزہ بھی شاندار رہا۔ سب سے پہلے کانچ سی لڑکی پڑھا۔ میری بیٹی کہہ رہی ہے ریاض صاحب کے ساتھ زیادہ برا نہ کرنا...... عکس بھی اچھا جا رہا ہے غزالہ یاسین کا شعر سب سے زیادہ پسند آیا۔ خطوط میں نور جہاں نقوی کا...... کہ انہوں نے نانی دادی بن کر اس محفل میں قدم رکھا ہے اور ہم نے بھی...... بہنوں کی محفل شاندار رہی۔ میری جانب سے عذرا رسول اور اس محفل میں شریک سب بہنوں کو سلام و دعا پہنچے اور اس دعا کے ساتھ کہ جہاں آپ سب کے قدم رہیں وہاں خیر ہو۔'' (جزاک اللہ۔ آپ نے بہت پیاری دعا دی ہے)

پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ''2011ء کا آخری شمارہ پاکیزہ خوب صورت سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے۔ تینوں سلسلے وار ناولز اور کانچ سی لڑکی، یہ زندگی ہے ناشکری، راستے زندگی کے، گھونسلہ، کھلا دریچہ محبت کا پسند آئیں۔ سعدیہ سلیم نے آپ کے بیٹے عمیر کی شادی کا احوال ایسے لکھا کہ ہمیں لگا جیسے ہم بھی اس تقریب میں شریک تھے، مبارک باد (شکریہ) ہماری دعا ہے کہ شگفتہ کنول محمد منشا یاد، سعید احمد، حمید اختر، نذیر حسین، برجیس فاطمہ کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور عالیہ تصور کے لیے اور عندلیب، رفاقت جاوید کو صحت و تندرستی عطا ہو۔ آمین اس بار بہنوں کی محفل کے صفحات کافی زیادہ تھے اس کے باوجود ہمارا خط یا تحریر پاکیزہ میں شائع نہیں ہوئے۔ دعا ہے پاکیزہ اور عروج حاصل کرے۔'' (آمین)

حنا نرجس، لاہور سے۔ ''آپی جب بھی گھر آنے والے اخبار و رسائل کی فہرست کا اس نیت سے جائزہ لوں کہ کون سے رسالے کم کیے جا سکتے ہیں تا کہ اخبار والا بڑا سا خوفناک بل میرے ہاتھ میں نہ دے تو پاکیزہ کو نہ خریدے جانے والے رسالوں میں رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ کیوں بھلا؟ واحد چیز جو مجھے روکتی ہے وہ آپ کی محبت اور خلوص ہے۔ سچ میں یہی وہ گلو ہے جو ہمیں پاکیزہ سے جوڑے ہوئے ہے۔ آپ بہت حکمت و بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب کو محبت کے بندھن میں باندھے ہوئے ہیں۔ بارک اللہ۔ اب آتے ہیں دسمبر کے پاکیزہ کی طرف۔ مسز رضوانہ، کراچی نے ایسی ماؤں کو نااہل قرار دیا ہے جو اپنے بچوں کو صرف اس لیے خود نہیں پڑھاتیں کہ وہ ہمارے قابو میں نہیں۔ رضوانہ بالکل ٹھیک کہتی ہیں میری رائے بھی بعینہ یہی ہے۔ آپ نے ستارہ شیخ کو بھی اپنی ہر بات اللہ تعالیٰ سے مادری زبان میں شیئر کرنے کا مشورہ دے کر بہت سی بہنوں کی جھجک دور کر دی ہے۔ رعنا شاہ، امریکا سے مجھے کہنا ہے کہ وہ ضرور ضرور اپنے حالات لکھیں میں جاننا چاہتی ہوں کہ شوہر کے 25 سالہ ساتھ کے باوجود بچوں کو انہوں نے خود ملازمت کر کے کیوں پالا؟ آپی، اگر سچا پیار تو ہو مگر پیسہ نہ ہو تو بھی کیا زندگی ٹھیک گزر سکتی ہے؟ پیسے سے مراد بہت سا پیسہ نہیں بلکہ بنیادی ضروریات سادگی سے پوری کرنے کے لیے مطلوبہ پیسہ ہے۔ اچھا اگر شوہر نہ کمائے تو کیا اس پر بھی

برداشت کا مظاہرہ کر کے ازدواجی زندگی کو خوب صورت بنائے رکھا جانا ممکن ہے؟ آپ نے مہنگائی سے نمٹنے کے لیے اچھے مشورے دیے ہیں اگر کچھ خواتین گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہتیں تو online بھی کئی طرح کی جابز ہیں، عمیرہ احمد کا پاکیزہ میں پہلا ناول خوب جا رہا ہے۔ چوتھی قسط کے اختتام نے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے لیے تو مجھے بالکل چپ سی لگ گئی تھی، آپ کو بیٹے کی شادی پر بہت بہت مبارک باد۔ اللہ ان کو ہمیشہ خوش رکھے۔'' (پسندیدگی کا شکریہ، ہاں اب غائب مت ہو جانا، آتی رہنا)

مسز فرح امجد، لاہور سے۔ ''آپی میں تقریباً چار پانچ ماہ کے بعد محفل میں حاضری دے رہی ہوں۔ اس کی وجہ میری بیٹی حنا امجد کی شادی تھی، آپی مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ آپ کو یا میری کسی بھی بہن کو میری کمی محسوس نہیں ہوئی بہر حال یہ دنیا ہے مثل ہے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔ اب میں تبصرے کی طرف آتی ہوں میں سب سے پہلے ذکر کروں گی عمیرہ احمد کے ناول عکس کا عمیرہ کے اور ناولوں کی طرح یہ بھی ایک اچھی کاوش ہے، ویل ڈن عمیرہ۔ شگفتہ کنول کی وفات کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا اللہ تعالیٰ شگفتہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ (آمین) انجم آپی آپ کا ناولٹ کانچ سی لڑکی بہت عمدہ لگا اگلی قسط کا انتظار رہے گا اور پاکیزہ کے تمام سلسلے تو ہیں ہی خوب صورت کس کس کی تعریف کی جائے۔'' (نوازش)

صائمہ معروف، راول پنڈی سے۔ ''باجی میں تقریباً دس سال سے پاکیزہ میگزین باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں، آپ کی محفل میں کئی بار شریک ہوئی اور یقین آ گیا کہ آپ کسی کا خط ضائع نہیں کرتیں، باجی پاکیزہ انتہائی زبردست تھا ہر کہانی اپنے اندر ایک سبق لیے ہوئی تھی۔ مجھے جلترنگ، روحانی مشورے بہت پسند ہیں اس کے علاوہ سرگزشت اور سسپنس بھی بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ باجی مجھے آپ سے ایک گزارش کرنی تھی امید ہے کہ آپ ضرور توجہ فرمائیں گی باجی مجھے رسالے میں بیوٹی گائیڈ کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے آپ سے گزارش ہے کہ بیوٹی کے بارے میں کوئی سلسلہ شروع کریں، آپ بیوٹیشن سے رابطہ کریں جو ٹی وی پر لوگوں کو بہت اچھے اچھے مشورے دیتی ہیں۔ باجی میرے پاس بھی بہت اچھے اچھے نسخے ہیں جو کہ میں نے مستند کتابوں سے پڑھے ہیں، میں چاہتی ہوں کہ آپ کو بھیجوں تا کہ وہ شائع ہوں تو بہت سی بہنوں کو فائدہ ہو اگر آپ کی اجازت ہو تو بھیج دوں ضرور بتایئے گا میں انتظار کروں گی۔ باجی میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ کو مرگی کے بارے میں کوئی نسخہ یا روحانی علاج ہے تو مجھے صرف میگزین میں بتایئے گا میری بیٹی جب دو سال کی تھی تو اسے فٹس پڑھنے شروع ہوئے آج وہ آٹھ سال کی ہے پلیز اگر کسی بہن کو کوئی حل پتا ہو تو مجھے ضرور بتایئے گا زندگی بھر دعائیں دوں گی۔'' (سورہ فاتحہ، یاسین شریف اور سورہ مومنون کی آخری چار آیات گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر اول و آخر درود ابراہیمی کے ساتھ بچی کے کان میں روزانہ پھونکیں اور پانی پر دم کر کے یہی پانی بچی کو پلائیں تین ماہ بعد بتائیں کہ پچاس فیصد بہتری ہوئی ہے یا نہیں)

راحیلہ مغل، سرگودھا سے۔ ''آنٹی جی راحیلہ اور سونیا دو الگ لڑکیاں ہیں۔ آپ میری چیزیں سونیا کے نام اور سونیا کی چیزیں میرے نام پر لکھ دیتی ہیں اور وہ سونیا ہماری پڑوسن ہے۔ میں نے ان کے پاس ہی پاکیزہ رسالہ پڑھا تھا۔ مجھے بہت ہی پسند آیا تھا اس لیے میں بھی ہر ماہ پڑھتی ہوں اور آج لکھ بھی رہی ہوں۔'' (مگر بیٹا، آپ کے خط میں تو یہ دونوں نام ایک ساتھ لکھے ہوئے ہیں)

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

پروفیسر شیریں سلیم، لاہور سے۔ ”جنوری، فروری کے پاکیزہ پسند آئے۔ یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ ساجدہ حبیب کو سروے میں کھینچ ہی لائیں۔ بشریٰ رحمٰن، نویدہ تارڑ اور دلشاد نسیم کے جوابات پڑھ کر اچھا لگا۔ عکس، کانچ سی لڑکی، یہ زندگی خصوصی طور پر پسند آئے۔ شیریں حیدر نے بھی اچھا لکھا۔ بہنوں کی محفل اے ون رہی۔“ (نوازش)

شگفتہ ماجد، حیدر آباد سے۔ ”میں نے پندرہ سال کے وقفے کے بعد آپ کو فون کر کے کہا میں شگفتہ بول رہی ہوں اور میں حیران رہ گئی جب آپ نے میری آواز سن کر فوراً کہا...... اچھا شگفتہ ماجد بول رہی ہیں۔ حیدر آباد والی...... سچ کہہ رہی ہوں باجی...... میں آپ کی اس ذہانت پر اش اش کر اٹھی۔ میں پاکیزہ سے غائب تو ضرور رہی مگر اس سے دور نہیں رہی۔ پاکیزہ میں، جس طرح میرا تبصرہ ہر ماہ شائع ہوا کرتا تھا اب بھی میں یہی چاہوں گی، عکس اور کانچ سی لڑکی اے ون ناول ہیں۔“ (پسندیدگی کا شکریہ اس محفل میں باقاعدگی سے شرکت کرو، مجھے خوشی ہوگی)

نویدہ تارڑ، اسلام آباد سے۔ ”ایک وقت تھا کہ میں پاکیزہ میں لکھا کرتی تھی اس کے سروے میں شامل ہوا کرتی تھی مگر مصروفیات کے سبب برسوں گزر گئے اور پاکیزہ نظر سے نہیں گزرا...... ابھی یونہی پاکیزہ اور دیگر ڈائجسٹ اٹھالائی تو دیکھا سب کچھ وہی ہے مگر پاکیزہ کا معیار بہت بلند ہوگیا ہے۔ نئی لڑکیاں زیادہ دکھائی دیں موبائل اور ایس ایم ایس کا تذکرہ بہت زیادہ ہے۔ پندرہ سال پہلے تو موبائل اتنا عام نہیں تھا بہر حال، بہت اچھا لگا۔ آپ نے جس طرح پرانی رائٹرز کو یاد کیا ہے۔ یہ بڑی پُر محبت بات ہے، یہ آپ سے وعدہ ہے کہ میں جب بھی لکھوں گی تو پہلے پاکیزہ کے لیے لکھوں گی۔“ (پیاری نویدہ عرصہ دراز بعد آئی ہو خوش آمدید...... دوست کہیں بھی رہیں انہیں بھول تھوڑی سکتے ہیں)

تابندہ جبیں، کراچی سے۔ ”امی کے گھر آئی تو سوچا آپ کو فون کرلوں، آپ کو پتا نہیں تابندہ یاد بھی ہوگی یا نہیں...... ایک زمانے میں میرا خط ہر ماہ شائع ہوا کرتا تھا اور شاعری بھی مگر شادی کے بعد وقفہ آ گیا۔ پاکیزہ بے قاعدگی سے پڑھتی ہوں مگر اس سے دور نہیں ہوں۔“ (پیاری تابندہ تم ماشاءاللہ باصلاحیت لڑکی ہو۔ تمہارے مزے مزے کے تبصرے اور اچھی اچھی نظمیں مجھے آج بھی یاد ہیں۔ کچھ اپنے لیے بھی وقت نکالو اور پہلے کی طرح چھا جاؤ۔ ہاں مبارک باد کہ ماشاءاللہ تم اب دو بیٹوں کی امی جان بن گئی ہو)

مسرت رانی خلیل کی رائے کراچی سے۔ ”پاکیزہ کا جنوری کا شمارہ سُپر ہٹ رہا۔ فروری کا شمارہ بھی کسی لحاظ سے کم نہیں رہا۔ آپ کا ناولٹ کانچ سی لڑکی مجھے بے حد اچھا لگ رہا ہے۔ عکس ناول تو میرا فیورٹ ہے۔ آپ نے پاکیزہ کی اس محفل میں بتایا تھا کہ عکس کسی چینل کے لیے لیا گیا ہے، کیا آپ ہمیں یہ بتائیں گی کہ عکس کس چینل پر آئے گا اور کانچ سی لڑکی بھی کون سے چینل سے دکھایا جائے گا۔“ (پسندیدگی کا شکریہ۔ ناول عکس چینل ہم سے دکھایا جائے گا۔ کانچ سی لڑکی کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کہاں سے ہوگا)

فیروزہ بیگم، کراچی سے۔ ”نئی رائٹرز نے تو پاکیزہ میں آ کر دھوم مچا دی ہے۔ خاص طور پر نمرہ احمد کے افسانے پسند آئے۔ پہلا بھی، دوسرا بھی۔ ناہید سلطانہ اختر میری فیورٹ رائٹر ہیں ان کے ناول کی ابھی تعارفی اقساط ہیں مگر جلد ہی اس کی پرتیں کھل جائیں گی۔ عکس کی قسط اس مرتبہ بھی پسند آئی اور کانچ سی لڑکی تو

www.Paksociety.com

بالکل ہی نئے پلاٹ پر ہے۔ ہر ماہ اس کی قسط پڑھ کر آئندہ قسط پڑھنے کی بے چینی شروع ہو جاتی ہے۔ ان تمام خوب صورت ناولوں اور افسانوں کو پڑھنے کے بعد جو سلسلہ نمبر ون رہا ہے وہ ہماری بہنوں کی محفل ہے۔ آپ کا خلوص اور پیار انداز ہر...... سطر میں نظر آتا ہے۔“ (بہنوں کی محفل تو آپ بہنوں کے خطوط سے ہی سجی ہوتی ہے۔ اس میں میرا نہیں، میری بہنوں کا کمال ہے کہ وہ اتنی دور دور سے مجھے ایسے پُر محبت خطوط لکھا کرتی ہیں)

بہن ایس کے، سندھ سے۔ باجی یہ ہوا پھر وہ تب میں نے یہ کہہ دیا...... ٹھیک مگر یہ سب ہوا ہی کیوں......؟ اس محفل میں بعض باتوں کا جواب، میں کھل کر نہیں دے سکتی۔ غلطی آپ ہی کی ہے...... یہ تو آپ کو جان جانا چاہیے تھا کہ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔

افشاں قریشی، شکار پور سے۔ ”پاکیزہ میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے اور باجی آپ ہماری خوشیوں کو ہمیشہ بڑھا دیا کرتی ہیں۔ فروری کا پاکیزہ بہت اچھا لگا۔ کوئی بھی تحریر ایسی نہیں ہے جو مجھے ناپسند رہی ہو۔ عکس سب سے پہلے پڑھا۔ پھر کانچ سی لڑکی۔ یہ دونوں سلسلے اے ون جا رہے ہیں۔ نمرہ احمد کا افسانہ پڑھ کر میں بہت دیر تک ہنستی رہی۔ بہت ہی بہترین افسانہ لکھا ہے آپ نے۔ شیشوں کا مسیحا کب ختم ہوگا۔“ (ہمارے اس خوب صورت ناول کی آخری قسط آئندہ ماہ شائع ہوگی)

مریم، لاہور سے۔ ”پیاری بہنوں شاید آپ میرے نام سے واقف ہوں، میرے تبصرے کبھی کبھار ہی آتے ہیں۔ میں اپنا تھوڑا سا تعارف کروا دوں، میں پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار مسز عظمیٰ خورشید کی بیٹی ہوں۔ آج آپ کو صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ جو بھی اپنی پوری زکوٰۃ ادا کرے اور درود شریف کثرت سے پڑھے اس کا مال چوری نہیں ہو سکتا۔ میرا ایک بیگ ائرپورٹ سے کھو گیا تھا۔ جس پر میرے نام کی چٹ بھی نہیں تھی۔ جسے میں نے اپنے ساتھ لے کر سفر کرنا تھا مگر میرا وہ قیمتی بیگ مجھے مل گیا۔ صرف، صرف درود شریف پڑھنے کی برکت سے۔“ (سبحان اللہ)

نسیم اختر، گاؤں سکھیو ڈسٹرکٹ خوشاب سے۔ ”انجم باجی میں بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں کہ کانچ سی لڑکی کی اگلی قسط میں کیا ہوگا۔ آپ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ میری ڈھیر ساری دعائیں آپ کے لیے ہیں۔“ (اس محفل میں خوش آمدید، پسندیدگی کا شکریہ)

ڈاکٹر میمونہ غوری، کراچی سے۔ ”پاکیزہ نہ صرف مجھے بلکہ میری والدہ محترمہ (مرحومہ) عائشہ خاتون کو بھی بہت پسند تھا۔ وہ انڈیا سے ہی عصمت میں لکھا کرتی تھیں۔ پاکیزہ میں ہماری آمد کی انجم انصار کے جلترنگ کی وجہ سے ہوئی تھی اور اب اس کو پڑھے بغیر نہیں رہ سکتی۔ عمیرہ احمد کا عکس ناہید سلطانہ کا یہ زندگی اور انجم انصار کا کانچ سی لڑکی اس وقت ٹاپ پر ہیں۔ پاکیزہ کے مستقل سلسلے بھی بہترین ہیں اور بہنوں کی محفل تو سب سے آگے ہے۔ اس کا تو کسی سے مقابلہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔“ (شکریہ)

معظمہ زیاد، کراچی سے۔ ”ایک واقعے کے ساتھ حاضر ہوں، میں اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں جا رہی تھی میں نے دیکھا ایک لڑکی عبایا اور حجاب پہنے پیدل جا رہی ہے۔ اس کے قریب سے ایک بائیک گزری...... تو اس پر بیٹھے ہوئے لڑکے اس لڑکی کو ہاتھ مارتے ہوئے گزر گئے۔ لڑکی گھبرا کر پیچھے ہوگئی اور مجھے یہ سب دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ میں یہ بات اس محفل میں اس لیے بتا رہی ہوں کہ بہنیں اپنے بیٹوں اور

بھائیوں کو سمجھائیں۔'' (ہماری بہن اس محفل میں خوش آمدید وہ لوگ جو دین سے دور ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں ایسی باتیں اور حرکتیں شغل سمجھی جاتی ہیں۔ اب جنسی جنونی...... مردہ خواتین کو بھی نہیں بخش رہے ہیں تو ایسی حرکتیں کرنے والے اشخاص یقیناً انتہائی بد کردار ہیں...... اور ان ہی لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی ماں، بہنوں پر بھی بری نظر ڈالتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ سب کو پناہ میں رکھے۔'' (آمین)

زاہدہ اظہر، جدہ سے۔ ''اس وقت میرے سامنے پاکیزہ کے پرانے شمارے ہیں۔ اس میں عذرا رسول کا انٹرویو بے حد پسند آیا اور جس رات میں نے پڑھا میں ساری رات سو نہیں سکی۔ میری دلی دعائیں معراج رسول کی صحت اور زندگی کے لیے ہیں۔'' (یہ آپ سب بہنوں کی دعائیں ہی ہیں کہ جناب معراج رسول صاحب کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے اور انشاء اللہ وہ جلد کلی طور پر صحت مند ہوں گے)

نجمہ اقبال، کیماڑی سے۔ ''پاکیزہ میں صابرہ سلطانہ کے خط اور مراسلات پڑھتی ہوں تو دل چاہتا ہے کہ ان سے دوستی کروں کیونکہ میں بھی کیماڑی میں ہی رہتی ہوں۔'' (ہم نے آپ کا فون نمبر اپنے پاس لکھ لیا ہے، صابرہ کا فون آئے گا تو انہیں دے دیں گے)

مسز عظمیٰ خورشید، لاہور سے۔ ''پاکیزہ میں میرا پہلا پسندیدہ سلسلہ روحانی مشورے کا ہے۔ اس کے بعد مجھے پاکیزہ کے تمام ناولز بے حد پسند ہیں۔ عمیرہ احمد، ناہید سلطانہ اختر اور آپ کے ناول تو بے حد ہی اچھے ہیں۔ اس ماہ افسانے اور ناولٹ بھی بہت اچھے تھے اور ہاں جنوری کے اردو ڈائجسٹ میں ایک رپورٹ پڑھی تھی۔ جس میں پاکستان کی چالیس نامور اور موثر خواتین میں آپ کا اور عمیرہ احمد کا نام بھی شامل ہے۔ بے حد مبارک باد۔'' (شکریہ)

نوشی اقبال نوشی، گاؤں بدر ترجان سے۔ ''کیسی ہیں آپ، آنٹی سب سے پہلے تو بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میری شاعری پر تبصرہ کیا۔ میرے لیے آپ کا ہر لفظ اعزاز کا باعث ہے۔ یہ میری اور میرے کزن بھائی کی مشترکہ ہے۔'' (گڑیا آپ کی خوشی میری اپنی خوشی ہے)

درخشاں ضیا، حیدر آباد سے۔ ''اس ماہ کا ٹائٹل بالکل پسند نہیں آیا۔ کہانیاں ہر ماہ کی طرح لاجواب تھیں۔ عکس اور کانچ سی لڑکی کا تو کیا کہنا اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔ نمرہ احمد جب بھی لکھتی ہیں دل جیت لیتی ہیں۔ پورے پاکیزہ میں جو سب سے دلچسپ، اعلیٰ اور بہترین چیز مجھے لگتی ہے وہ ہے جلترنگ، بلاشبہ یہ پاکیزہ کا دل ہے۔ آپ کا قلم لاجواب ہے اور اندازِ تحریر دلچسپ ہے، میں آپ کو بتا نہیں سکتی ہیں آپ کی کتنی بڑی پرستار ہوں پاک پروردگار آپ پر اپنا خصوصی کرم رکھے۔ پاکیزہ بہنوں میں خود کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ فروری میں میری امی اور بہن انجم کی سالگرہ ہے ان کو مبارک باد دینا چاہوں گی۔ عذرا آنٹی ایک بہت ہی باہمت خاتون ہیں انہیں بیٹے کا حج مبارک ہو۔'' (پیاری درخشاں آپ کو اپنی امی اور بہن کی سالگرہ مبارک ہو، پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ)

فرحت جمال، کراچی سے۔ ''انجم باجی جس خوب صورتی سے محبت سے آپ نے پھولوں بھری تقریب کا حال لکھا ہے وہ قابلِ داد ہے۔ عذرا صاحبہ کی ماں سلطانہ قاسم صاحبہ کی دعائیہ نظم بے حد پسند آئی۔ ہماری دعائیں بھی ان کے ساتھ ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز تو بہت اچھی اور محبت کرنے والی شخصیت ہیں مجھے پسند بھی

www.Paksociety.com

ت ہیں انجم باجی اٹھارہ دسمبر 2011ء کو FM93 سے شاعری کے حوالے سے میرا انٹرویو آن ائر ہوا تھا۔ ہنوں کی محفل میں سب ہی کے خطوط بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اس ماہ مسز اسامہ ملک کا خط بہت پسند آیا۔ اس ماہ کا شمارہ بے حد شاندار رہا۔ عمیرہ احمد کا ناول عکس زبردست ہے۔ عظمیٰ سید کی تحریر ہم کہاں کے دانا تھے مناسب لگی۔ ناہید سلطانہ اختر کے ناول کی پہلی قسط پڑھ کر دوسری قسط کا بے چینی سے انتظار ہے، بہت خوب! مہرباں کیسے کیسے ثمینہ عظمت نے خوب تحریر کیا۔ کانچ سی لڑکی انجم باجی دوسرا حصہ بھی بہت خوب صورت رہا۔ شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں، شیریں حیدر خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ محبت جی کے دیکھو اچھی تحریر لگی۔ گو یم مشکل عنیزہ سید کی پیاری سی تحریر لگی۔ رضوانہ پرنس آپ کی تحریریں سب ہی بہت اچھی ہوتی ہیں۔ جیسے یہ اگر بہت خوب! نمرہ احمد کی تحریر حد زبردست رہی، ویلڈن نمرہ، سکینہ فرخ کی تحریر ہو اور مسکان لبوں پر نہ آئے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ گڈ مارننگ بیڈ مارننگ بھی ایسی ہی تحریر تھی، ایک تھی نیناں راحت وفا کا ناول خوب سے خوب تر ہوتا جارہا ہے۔ آوارہ رکھوالا عتیقہ محمد بیگ کی تحریر پسند آئی۔'' (شکریہ)

ظل شاہین، رحیم یار خان سے۔ ''معراج انکل کی صحت کے بارے میں پڑھا اللہ کا شکر ہے کہ اب وہ کچھ بہتر ہیں۔ اللہ پاک انہیں مکمل طور پر صحت عطا فرمائے، آمین۔ عذرا آپا کو میرا بہت سا سلام کہہ دیجیے گا۔ انجم باجی آپ نے اس تقریب کا احوال بہت اچھا لکھا یوں لگتا ہے قاری لمحہ بہ لمحہ آپ کے ساتھ ہی ہو۔ اس ماہ ناہید سلطانہ اختر کا نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ ناہید آپا بہت اچھا گھریلو اور اصلاحی لکھتی ہیں ناول کی دو تین اقساط پڑھ کر تبصرہ دے دیں گے۔ آپ کے ناولٹ کا بھی آخری حصہ پڑھ کر ہی انشاء اللہ اگلے ماہ بتائیں

گے ویسے آپ کا افسانہ ناولٹ غرضیکہ آپ کی تحریر دیکھ کر ایک اپنائیت سی محسوس ہوتی ہے۔ عمیرہ احمد کا ناول بھی بہت اچھا جا رہا ہے۔ نمرہ احمد کا ناولٹ حد پڑھا مگر کچھ عجیب سا لگا اللہ رب العزت کا قانون سزا اور جزا بندوں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو سہی مگر اس میں عجب صورتِ حال کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ عنیزہ سید بہت دنوں بعد آئیں حیرت ہوئی کہ رانیہ کے ذومعنی جملے کا مفہوم زعیم عباس جیسا ذہین آدمی اس کے لیے نہیں بلکہ ایک تھرڈ پرسن ساجدہ کے لیے سمجھ بیٹھا اور ایسی ہی چھوٹی چھوٹی غلط فہمیوں کو ہی مقدر کہتے ہیں شاید۔ ایک اور کہانی آوارہ رکھوالا بھی پڑھی۔ کیسے ایک بے زبان نے غیبی مدد کی اور شمسہ تباہ ہونے سے بچ گئی۔ مگر مجھے اینڈ پر دکھ ہوا کہ بچے اسے پتھر مار رہے تھے، وہ زخمی بھی تھا مگر ہیروئن نے اس پر کوئی رحم نہیں کیا جانور ہوں یا انسان سب قابلِ رحم اور قابلِ توجہ ہوتے ہیں۔ مستقل سلسلے سب اچھے رہے، روحانی مشوروں میں سال کی ابتدا کے بارے میں آپ نے بہت بہت اچھا لکھا، اللہ پاک یہ سب کام ہمیں کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ آپ ہمیں بہت اچھی باتیں بتاتی ہیں۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ میرا انتخاب میں صرف ارم عقیل کا انتخاب اچھا ہے پاکیزہ ڈائری تقریباً ساری ہی بہترین ہے اور اس بار ہومیو کلینک زبردست ہے۔ بلڈ پریشر کے بارے میں مکمل آگاہی دی ہے ڈاکٹر صاحب نے۔'' (نوازش)

✍ شازیہ سرور، تحصیل فیروز والا سے۔ ''پورا ڈائجسٹ ایک ہی نشست میں ختم کر ڈالا۔ فارغ جو ہوئے اور مما کے لاڈلے بھی' آنٹی ماشاء اللہ سے ہر تحریر لاجواب، بے مثال اور اچھوتی ہوتی ہے اور جلترنگ کے کیا کہنے۔ ہم نے بھی کمال دکھانے کی کوشش کی اللہ جانے کہیں راستے میں ہے یا پھر آپ کے دروازے پر کھڑی انتظار کی منتظر۔ آنٹی زم زم کا خط تھا یا پھر برقی خط اللہ جانے کیا زم زم مجھ سے دوستی کر سکتی ہے، میری کوئی بہن نہیں لیکن میں اپنا ہر دکھ درد غم، تکلیف، خوشی ہنسی ہر چیز اپنی ماما سے شیئر کرتی ہوں۔ اللہ پاک کسی کے والدین کو نہ چھینے سب کو ان کے ماں باپ صحت و سلامتی اور درازیٔ عمر عطا فرمائے، آمین۔ زندگی کے ہر ہر لمحے والدین کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں زم زم کے ہر دکھ، سکھ کو شیئر کرنا چاہوں گی۔ اور آپ نے جو دعا بتائی ہے واقعی پُراثر ہے۔ آنٹی رعنا شاہ کو بتا دیں بونس لائف کچھ نہیں ہر لمحہ خوب صورت ہوتا ہے زندگی کے ہر دور کو انجوائے کریں۔ باقی آپ کو بہت بہت مبارک اتنا اچھا جریدہ نکالنے پر یہ کام صدقۂ جاریہ ہے۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

پاکیزہ کے آئندہ دو شمارے یعنی اپریل اور مئی کے سالگرہ نمبرز ہوں گے۔ ان خصوصی شماروں کے لیے آپ اپنی تحریریں، انٹرویوز اور مراسلات جلد از جلد ارسال فرمائیں اور اب اجازت دیجیے اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کی سلامتی کے ساتھ ہمیشہ خوش و خرم، صحت مند، کامیاب و کامران رکھے اور دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین۔

دعا گو
آپ کی باجی
انجم انصار

پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمد باری تعالیٰ

خالق کائنات ہے مالک دو جہاں ہے تو
میری زمین بھی ہے تو ہی اور میرا آسماں ہے تو
جلوہ نما ہے تیری ذات وہ ہو مکاں کہ لامکاں
تیرا کرم محیط ہے، ہر سو جہاں، جہاں ہے تو
مانگے بغیر دے دیا ذرّے کو کیا بنا دیا
شکر ترا ادا کروں دل میں مرے نہاں ہے تو
بھید ترا نہ پا سکے عقل و خرد کسی طرح
آنکھ کہے کہاں ہے تو، دل یہ کہے یہاں ہے تو
کُن ہی سے کائنات کو کیا، کیا ثمر عطا کیے
مدح کریں شجر حجر، خالقِ این و آں ہے تو

شاعرہ: ذکیہ غزل

مرسلہ: ناہید بنت نور، واہ سیمنٹ ورکس

دعا

اے پروردگارِ عالم
میں گنہگار ہوں میں خطا کار ہوں لیکن
تیرے کرم کی طلب گار ہوں
تیری بخشش کی امیدوار ہوں
مجھے مانگنا نہیں آتا تجھے تو دینا آتا ہے
سیاہ کار ہوں کہاں جاؤں گی اگر
چھن گئی تیری رحمت
لیکن یہ یقین ہے کہ
میرے سارے گناہ مل کر بھی
تیری رحمت سے بڑے نہیں

مرسلہ: قمر شمس الحق، جھنگ صدر

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

یا محمد ﷺ شعور سے تیرا مقام اونچا ہے
یا محمد ﷺ تیرا سب ناموں سے نام اونچا ہے
تیری نسبت سے سب کچھ جاتا ہے بدل
جو تیرا غلام بن جائے وہ غلام اونچا ہے
جو تیرے نام سے مانگی جائے وہ دعا ہے افضل
جو تیرے نام سے لکھا جائے وہ کلام اونچا ہے
تیرے نام سے ہوتی ہے، جہاں میں روشنی
کیا جو تو نے مکمل وہ دین اسلام اونچا ہے

شاعر: کرامت حسین ابعث

مرسلہ: امینہ عندلیب سلانوالی

ہمسائے کا انتخاب

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! گھر بنانے یا لینے سے پہلے اچھے ہمسائے کو تلاش کیا کرو اور راستہ چلنے سے پہلے اچھے ساتھی کو ڈھونڈ لیا کرو۔

(طبرانی)

مرسلہ: سیدہ نور جہاں نقوی، کراچی

زمین غصب کرنے کا وبال

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنی اور دوسرے شخص کی زمین کی حد بدل ڈالے (یعنی ناجائز طور پر کسی کی زمین پر قبضہ کر لے) اس پر قیامت تک اللہ کی لعنت ہے۔

(طبرانی)

مرسلہ: عروج ذکی، کراچی

www.Paksociety.com

حلال کمائی

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: دنیا سرسبز اور شیریں ہے، جو حلال ذریعے سے کماتا ہے اور مناسب وجائز جگہ پرخرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بدلہ دے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا اور جو حرام طریقے سے کماتا اور خرچ کرتا ہے تو اسے ذلیل جگہ پر رکھے گا اور بہت سے لوگ اللہ اور رسول ﷺ کے مال کو ناحق ہڑپ کرجاتے ہیں، قیامت کے دن وہ آگ میں ہوں گے۔

بیہقی الترغیب والترہیب

مرسلہ: صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ

مریض کی عیادت

1۔ جو مریض کی عیادت کرتا ہے وہ خدا کی ضمانت میں ہے۔

2۔ جب تم مریض کی عیادت کے لیے جاؤ تو اپنے لیے دعا کرو۔

3۔ جس نے مریض کو حسب خواہش کوئی چیز کھلائی تو اللہ اسے جنت کا پھل کھلائیں گے۔

مرسلہ: جبیں ہاشمی، بھیرہ

درود شریف

خدا کی یاد کو پانا ہے تو درود پڑھو
جو زندگی کو بنانا ہے تو درود پڑھو
یہ قرب رحمتِ عالم کی وجہ بنتا ہے
نبی ﷺ کو اپنا بنانا ہے تو درود پڑھو
ہمارے دل کو سکون و قرار آجائے
اِدھر جو دل کو لگانا ہے تو درود پڑھو
نبی ﷺ کا پیار خدا کے کرم کا جلوۂ عام
جہاں کو اپنا بنانا ہے تو درود پڑھو
جو فضل وبرکت وجود وسخا کے پھولوں سے
چمن کو اپنے سجانا ہے تو درود پڑھو

مرسلہ: تابندہ جبیں، کراچی

خواہش

خواہش ہے میرے دوست کی
ٹہنی ہو اک گلاب کی
مہکا دے اس کو صبح شام
خوشبو میں ہو بسی ہوئی
پیار سے میں اس کو دوں
گلدان میں سجی ہوئی

شاعرہ: خالدہ نسیم

مرسلہ: عنبرین خان، نارتھ کراچی

انٹرویو کارنر

میرا پورا نام حمیرا ہاشمی ہے۔ ابو پیار سے گل کہتے ہیں اور امی کی رانی ہوں، میرا تعلق سرگودھا سے ہے۔ میری شادی پھوپھو زاد کزن امجد علی شاہ سے بھکر میں ہوئی ہے۔ میرے دو بیٹے فہد علی شاہ اور سعد علی شاہ جو ہماری کل کائنات ہیں۔ انسان میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور خامیاں بھی خامی یہ ہے کہ بہت ضدی ہوں اور غصہ جلد آجاتا ہے۔ چاہے کسی کو جتنا بھی برا لگے سچ اس کے منہ پر کہہ دیتی ہوں۔ خوبی یہ ہے کہ اگلے بندے کے دل میں جگہ بنا لیتی ہوں۔ ہر فن مولا ہوں۔ پاکیزہ سے تعلق تب سے ہے جب سے جبیں ہاشمی سے دوستی ہے۔ پاکیزہ سے متعارف بھی اسی نے کروایا۔ ایک بار پاکیزہ سے کیا ملے اب اسی کے ہی ہوگئے۔ رنگ سب ہی آنکھوں کو بھاتے ہیں، کھانے سب پسند ہیں۔ سردیوں کی لمبی راتیں بھی۔ پاکیزہ ڈائری اور جلترنگ تعریف کے قابل ہیں اور پورا پاکیزہ اپنی مثال آپ ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت پاکیزہ میں لکھنے والے ہر رائٹر کو کامیابیاں عطا کرے، آمین!

حمیرا ہاشمی، بھکر

تمہاری خوشبو

مٹھی کھول بھی دوں تو اڑے نہ تمہاری خوشبو
جیسے میری خاک میں گھلی ہو تمہاری خوشبو
تم چپکے سے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھے رہو
تمہارے آنے کا بھید بتادے تمہاری خوشبو
وہ پہلا تحفہ محبت کا وہ ادھ کھلی کلی گلاب کی
آج تک مہکاتی ہے، میرے خوابوں کو تمہاری خوشبو
دور جانے کا کھیل مت کھیلو کہ ہار جاؤ گے
میری زادِ راہ ہے ہر سفر میں تمہاری خوشبو
تو نے زندگی کا اثبات کسی اور کے نام کیا تو کیا
میری ہر سانس میں بسی ہے تمہاری خوشبو
میں محفل میں جا کے بھی سب سے منفرد ہوں
کہ میں نے آنچل میں باندھی ہے تمہاری خوشبو
چند لمحے پیاسی زمین پر بارش کی طرح پھیل گئے
مجھے پاگل بنا گئی تمہاری قربت میں تمہاری خوشبو

شاعرہ: تحسین اختر، پنجاب

حیرت انگیز

☆ خواتین کی نسبت مرد حضرات زیادہ کروٹیں لیتے ہیں۔

☆ خواتین، مرد حضرات کو اور مرد حضرات، خواتین کو کم عقل سمجھتے ہیں۔

☆ ہاتھی اور چوہے کے دانت ساری عمر بڑھتے رہتے ہیں۔

☆ کوے کی آواز کو پاکستان میں مہمان کی آمد اور آسٹریلیا میں موت کی خبر اور نیوزی لینڈ میں شادی کا پیغام سمجھا جاتا ہے۔

☆ الو کو مغرب میں دانش مند اور مشرق میں بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔

☆ عام طور پر انسان اپنی زندگی میں ایک لاکھ چار ہزار چھ سو کلومیٹر پیدل چلتا ہے اور بعض اس سے زیادہ بھی چلتے ہیں۔

☆ غیبت کرنے کی بیماری اب مردوں میں بھی عورتوں کے برابر ہوگئی ہے۔

مرسلہ: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

مجھ جیسی

اس کی خوش مزاجی کے قصے عام ہیں
اور شاہ خرچی کی باتیں سنائی جاتی ہیں
مگر اس کا جنگلی رویہ میرے ساتھ ایسا ہے
جیسے اس سے بڑھ کر کوئی بدتہذیب نہ ہو
وہ ہر ماہ مجھے پیسے اس طرح دیا کرتا ہے
جیسے میں اس کی کوئی ملازمہ ہوں
مجھ جیسی بدنصیب، پرسنل سیکریٹری
شاید ہی کسی باس کی ہو

شاعرہ: عظمیٰ آفاق سعید

مرسلہ: صبا نور، لیہ

اللہ کی خوشنودی کے لیے

ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ، زبان، غرض ہر چیز کسی مقصد کے لیے بنی ہے، اس سے اچھا کام لینے والے اللہ کے نزدیک نیک کہلاتے ہیں تو بس نہ برا دیکھو نہ سنو نہ برا بولو نہ برائی میں شریک ہو نہ برائی کی طرف جاؤ۔ اپنے رب کو خوش رکھنے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔

مرسلہ...... رفعت مبین رفی، کراچی

آمدِ بہار

بڑھ جاتا ہے کچھ اور انتظار یار
جوں ہی شروع ہوتا ہے موسمِ بہار
پھیل جاتی ہے چاروں اور وفا کی خوشبو
جوبن پر ہوتا ہے باغوں کا سنگھار
ہر طرف ہوتی ہے پتوں کی سرسراہٹ
پرندوں کی چہچہاہٹ سے آتا ہے عجب نکھار

www.Paksociety.com

تتلیاں اور بھنورے بھی مسکراتے جھومتے ہیں
ہر طرف ہوتا ہے چاہت کا خمار
بچے بھی کھل اٹھتے ہیں پھولوں کے مانند
فضا میں گونجتی ہے چوڑیوں کی چھنکار
میرے وطن کے باسی بھی کھو جاتے ہیں
مل بیٹھتے ہیں بھول کر سب تکرار
اے خدا یہ وقت ٹھہر جائے میرے دیس پر
کہ یہاں ہمیشہ قائم رہے موسمِ بہار
درخشاں ضیا، حیدرآباد

دوستی ایسا ناتا

☆دوست چاہے کتنا بھی برا یا پریشان کن بن جائے آپ اس سے اپنی دوستی کبھی ختم نہ کریں کیونکہ پانی چاہے کتنا بھی گندا ہو جائے ہمیشہ آگ بجھانے کے کام آتا ہے۔

☆وہ لوگ بہت غریب ہوتے ہیں جن کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔

☆اللہ کو اپنا دوست بنائیں۔ آپ کے دشمن بھی آپ کے خیر خواہ بن جائیں گے۔

مرسلہ: نسرین لغاری، ٹنڈو باگو

پھول مسکرایا

اِک سرسبز پتا
لہرایا
اور سبزے کی آغوش میں جا گرا
اِک پھول مسکرایا
اور اِک کلی سے ٹکرایا
شبنم لرزی
موتی سی بکھری
لیکن ان میں رنگ نہیں ہے
تو جو میرے سنگ نہیں ہے

مرسلہ: رضوانہ بدر، بہاول پور

اصل مطلب

میڈم انٹرویو لیتے ہوئے بولیں...... "میں آپ کو اپنے ادارے میں جاب ضرور دے سکتی ہوں، پہلے آپ مجھے ننھی پھونتی کا مطلب بتا دیں۔"

انٹرویو دینے والی لڑکی نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مجھے نوکری نہیں دینا چاہتیں۔"

مرسلہ: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

سب پھول

جہاں جگنوؤں کے ڈیرے ہوں
وہاں صرف تیرے بسیرے ہوں
تتلیوں کے رنگوں جیسے
تیرے شام سویرے ہوں
خوشبوؤں میں تم بس جاؤ
سب پھول تیرے گھیرے ہوں
تجھ کو کبھی نہ دھوپ جھلسائے
تجھ پر سائے گھنیرے ہوں
تاروں سے میں جھولی بھر دوں
پھر کبھی نہ دل میں اندھیرے ہوں
اب جو دن بھی زیست میں آئیں
وہ صرف میرے تیرے ہوں

شاعرہ: صدف جاوید قریشی، ہری پور

ایسا تو ہوتا ہے

ٹیچر نے شاگرد سے کہا۔ "ایسی کوئی مثال دو کہ سردیوں میں چیزیں سکڑتی ہیں اور گرمیوں میں پھیل جاتی ہیں۔" شاگرد نے مسکرا کر کہا۔ "گرمیوں کی چھٹیاں ڈھائی ماہ تک پھیل جاتی ہیں اور سردیوں کی چھٹیاں صرف دس دن کی سکڑ کر رہ جاتی ہیں۔"

مرسلہ: سامعہ تبسم، ملتان

پیارے ابو جی

اسلام آباد کا حسین شہر
اداس ہے
گلیاں چپ چاپ ہیں
درخت ساکت، باغ خاموش
یہ سب ایسا ہی ہے یا مجھے لگ رہا ہے؟
وہ مہربان چہرہ
شفیق ہاتھ
روشن آنکھیں
اب کبھی نہ دیکھ پاؤں گی
کہ پیارے ابو جی نے
اس شہر کو اپنی آخری آرام گاہ بنا لیا
اے میرے میکے
میرے اسلام آباد
تو سدا آباد رہے

شاعرہ: طلعت جبیں نیاز، کراچی

بلاوا

بہار آ گئی تم بھی آ جاؤ
لاری پر چڑھ کر آؤ
ریل کے ذریعے آؤ
پارسل بن کر آؤ
جس طرح ہو سکے آؤ
بہار آ گئی، تم بھی آ جاؤ

پروین کریم، میرپور خاص

دیکھو تو

ممکن نہیں کہ کچھ لوگ بدل جاتے ہیں
کچھ لوگ وقت کے سانچوں میں ڈھل جاتے ہیں
ان خالی ہاتھوں کو غور سے دیکھ
کس طرح لکیروں سے لوگ نکل جاتے ہیں

مرسلہ: ریحانہ شہزاد، کراچی

غزل

تیری محبت نے سرسبز و شاداب کر دیا ہے
پورا آج میرا ایک ایک خواب کر دیا ہے
مل کر بھی تجھ سے رہتی ہے بیزاری
دل کو کتنا تو نے بے تاب کر دیا ہے
یہ چاہت کی آخری حد ہے کہ نہیں
زندگی کا تیرے ہی نام انتساب کر دیا ہے
مجھے خود پہ کیوں نہ اب پیار آئے
ہزاروں میں تو نے میرا انتخاب کر دیا ہے
گیا بن میرے اب رہ لوگی عمر بھر؟
تیرے سوال نے مجھے لاجواب کر دیا ہے
ساری دعاؤں کے حرف ہیں اسی کے نام
سونے جیون کو جس نے ماہتاب کر دیا ہے
تو نے چھوا تو یہی احساس ہوا بس
کہ تن کو موتیا، روح کو گلاب کر دیا ہے

شاعرہ: فصیحہ آصف خان، ملتان

تو تو، میں میں

بیوی کو اندازہ ہو گیا تھا...... میاں جی اپنے دفتر کی صبیحہ نامی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہیں۔ ایک شب انہوں نے بخار کا بہانہ بناتے ہوئے کہا۔ "سنیں مجھے لگتا ہے میں بچوں گی نہیں۔"

شوہر تمسخر سے بولے۔ "تم مرنے والی نہیں ہو، مجھے معلوم ہے۔"

بیوی دانت پیس کر بولیں۔ "سنیں اگر میں مر جاؤں تو میرے سارے کپڑے آپ اپنی مرضی سے جس کو دل چاہے دے سکتے ہیں۔"

شوہر تنک کر بولے...... "مت کرو بے وقوفی کی باتیں، صبیحہ بے حد دبلی لڑکی ہے۔ تمہارے کپڑے اس کے لیے شامیانہ رہیں گے۔"

انجم انصاری کی جلترنگ سے انتخاب

مرسلہ: نرگس نسیم، صابہ موہڑہ

www.Paksociety.com

جلترنگ

انجم انصار

کھانی گھر گھر کی

آج میں آپ سے ایک سچی بات پوچھنا چاہتی ہوں، مجھے امید ہے کہ میری سچی بات کا آپ جواب بھی بالکل سچا ہی دیں گی۔

رسائل میں بے شمار سچی کہانیاں پڑھ کر لوگ انہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دل سے گھڑ کر لکھی گئی ہیں کہ ایسے واقعات کہاں ہوتے ہیں...... کھو گئی تھیں مل گئیں...... مل گئی تھیں پھر کھو گئیں...... وغیرہ وغیرہ میں بھی اکثر سچی کہانیوں کو جھوٹا ہی سمجھا کرتی ہوں (کہ اکثر سچی کہانیوں میں مجھے سچے رنگ پھوٹتے نظر نہیں آتے) مگر آج جو میں آپ کو کہانی سنا رہی ہوں وہ سو فی صد سچی ہے...... بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کہانی کے کچھ حصے آپ کی زندگی سے بھی میل کھاتے ہوں...... کہ سچ تو سچ ہی ہوتا ہے اور وہ مختلف رنگوں میں کہیں نہ کہیں نظر ضرور آتا ہے۔

یہ میں نہیں کہتی صدیوں سے کہا جاتا رہا ہے کہ عورت کی خوب صورتی اس کے لمبے بالوں میں ہے۔ شکل صورت خواہ کسی کی کیسی بھی ہو مگر...... اس کے بال لمبے ہیں تو اسے خوب صورتی کا میڈل فوراً دے دیا جاتا ہے۔

نہ جانے کتنے لوگوں کا کاروبارِ حیات کم بالوں والی خواتین کی وجہ سے چل رہا ہے...... شاہ زیب فیملی سے تعلق رکھنے والی تمام خواتین کے بال اتنے لمبے تھے کہ گینز بک میں اندراج کرانے والوں کو بھی مات دے سکتی تھیں...... مگر اسی خاندان سے تعلق رکھنے والی منورہ کے بال اس کے لیے ہمیشہ وبال بنے رہے کہ بڑھ کر ہی نہ دیے...... وہ کتنی ہی محنت کرتی مگر بالوں کا سائز پودینے کی گڈی سے بڑا نہ ہوا...... منورہ بے چاری نے ہزاروں ترکیبیں آزمائیں مگر وہی ڈھاک کے تین پات، آخر تھک ہار کر اس نے بال کٹوا لیے اب اگر کوئی اس کے چھوٹے بالوں کا مذاق اڑاتا تو اس کے پاس بے شمار باتیں تھیں جن میں وہ چھوٹے بالوں کی فضیلت بیان کرتی ۔ وقت کی بچت پر تقاریر کرتی مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ جب کبھی کسی لمبے بالوں والی کو دیکھتی جس کے بال آبشار کی طرح اس کی پشت پر پھیلے نظر آتے تب وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔

شادی ہوئی تو شوہر صاحب کی چکنی ٹنڈ تھی مگر وہ اپنے آپ کو گنجا ہرگز نہیں کہتے تھے کہ بالوں کی ایک جھالر اُن کی کھوپڑی کے چاروں اطراف گھوم رہی تھی۔

شومئی تقدیر منورہ کے میاں کو بھی خواتین کے لمبے بال اچھے لگتے تھے، وہ جہاں کسی عورت کے لمبے بال دیکھتے ان کی آنکھوں تک سے رال بہنے لگتی۔

شادی سے پہلے وہ منورہ کو نوری کہہ کر لاڈ میں پکارا کرتے تھے مگر شادی کے بعد یہ لاڈ ترقی پا کر میری گنجی میں تبدیل ہو گیا۔

آفس سے آتے...... تو جانی یا جانو کی فلمی صدا دینے کے بجائے گنجو کہاں ہو...... جیسی آوازیں دیتے اور منورہ کی تیوریاں چڑھ جاتیں کافی عرصے تک وہ یہ باتیں مذاق سمجھ کر سہتی رہی مگر جب یہ

مذاق حد سے تجاوز کر گیا تو رو پڑی۔

”کیا آپ نے پہلے نہیں دیکھا تھا......؟ بچپن کے دیکھے بھالے تھے...... اگر لمبے بالوں والی پسند تھی تو اتنے بڑے شہر میں کوئی کال تو نہیں تھا...... بہت سی بلایات آپ کے خاندان میں موجود تھیں جن کے بال پیروں تک آتے تھے......“ مگر وہ باز نہ آئے...... اور ان کے مذاق کی تمام تر تانیں میری گنجی اور میری کبوتری پر ٹوٹتیں۔

وہ اکثر سوچا کرتی کہ نہ جانے وہ کیسے شوہر ہوتے ہیں جن کی زبانیں، جان اور جانی کہہ کر گھس جاتی ہیں اور وہ ان لفظوں سے بیزار نہیں ہوتے، چاہے ان کی بیویوں کے بال پودینے کی گڈی سے بھی چھوٹے ہوں۔

ایک دفعہ کسی تقریب میں وہ اپنے میاں کو زبردستی لے کر گئی وہاں آئی تو منورہ کی سٹی گم تھی...... وہ تو شاہ زیب فیملی کی خواتین کو چڑیلوں کے نام دیتی تھی جن کی ڈھائی گز سے کم کی چوٹیاں نہیں تھیں...... مگر اپنی سہیلی کے توسط سے شرکت کرنے والی اس تقریب میں بقول منورہ کے تمام کی تمام چڑیلوں نے ہی شرکت کی تھی۔

اس تقریب کی کوئی خاتون ایسی نہیں تھی جس کے بال تین گز سے کم ہوں۔ اپنے شوہر کی بلائیں لیتی ہوئی آنکھیں اس نے ہر ہر زاویے سے دیکھی تھیں۔

”مجھے لگتا ہے میرے ساتھ کوئی نہ کوئی حادثہ ضرور ہوگا چھوٹے بالوں کے طفیل......“

”کیا ہو جائے گا......؟“ ان کی بڑی بہن نے بے پروائی سے پوچھا۔ جو ان دنوں تازہ تازہ امریکا سے آئی تھیں۔

”شوہر...... مجھے ذلیل کر کے رکھ دے گا......“

”تو کیا ہوا، تم اُن کو ذلیل کر دینا......“ آپا نے ہنس کر کہا۔

”میں امریکا میں نہیں رہتی، پاکستان میں رہتی ہوں...... ذلیل ہو سکتی ہوں، ذلیل کر نہیں سکتی......“

”یہ کیا بات ہوئی بھلا...... ۱۵ کو فون کر دیا کرو...... پولیس آ کر تمہارے میاں کا مزاج درست کر دیا کرے گی۔“

”میں اپنے شوہر کو پولیس کو دے دوں......؟“

”تو کیا ہوا......؟“

”کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ بھی...... ایسی باتوں کا انجام کیا ہوا کرتا ہے...... کچھ جانتی ہیں آپ؟“

”زیادہ سے زیادہ تمہارا میاں تمہیں چھوڑ ہی سکتا ہے...... پھر کیا ہوا......؟“ آپا نے ببل گم چباتے ہوئے اسے رسان سے دیکھا۔

”آپا کیا یہ بری بات نہیں ہے......؟“ اب اس کے آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے اور لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا۔

”افوہ...... رونا تو تمہاری ہابی ہے...... پریشانی کی کیا بات ہے، اچھا ہے جان چھٹے گی روز روز کی چق چق سے...... تم بھی دوسری شادی کر لینا مگر یہ معلوم کر کے جو چھوٹے بالوں کا عاشق ہو......“ آپا نے ہنس کر کہا۔

”میں پاکستان میں رہتی ہوں...... یہاں شوہر محبت تو کیا عزت بھی نہ کرے تب بھی اس کے ساتھ اپنے ہونٹ سی کر رہو...... آپا میں نے تو آپ سے اپنے مسائل کا کوئی آسان سا حل پوچھا تھا نتیجہ تو نہیں مانگا تھا۔“

”کبھی اسکول، کالج کا رزلٹ اپنا من پسند نہیں آیا تو زندگی کا رزلٹ اپنی پسند کا کیسے آ سکتا ہے۔“

”ایک آسان سا حل میرے پاس ہے......“ بھابی نے پاس آ کر بیٹھتے ہوئے رازدارانہ سے لہجے

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

میں کہا۔

''وہ کیا......؟'' سب کے منہ پھاٹک کی طرح کھل گئے۔

''بازار میں مصنوعی چوٹیاں اور مصنوعی بالوں کے سوئچ ملتے ہیں......وہ آپ جیسی خواتین کے لیے ہی تو ہوتے ہیں، ان سے فائدہ اٹھائیں۔'' بھابی نے دلاسا دینے والے انداز میں کہا۔

اور منورہ کے چہرے پر ایسی بشاشت آئی جیسے کسی اشتہاری تیل کی شیشی کو خریدنے سے پہلے آرزوؤں کو جوان ہوتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اس سے منورہ کی آنکھیں بند تھیں مگر وہ دیکھ رہی تھی اس کے بال کمر سے نیچے آ رہے ہیں اور راہ چلتے لوگ نہ صرف مڑ مڑ کر دیکھ رہے ہیں بلکہ بعض مقامات پر پولیس کو لاٹھی چارج تک کرنا پڑا......کہ لوگ اسے فلمی ہیروئن سمجھ بیٹھے تھے۔

وہ میاں کے سامنے اپنے بال ذرا اسٹائل سے منہ پر ڈال کر جھٹکے سے پیچھے کرتی تو اس کے میاں جانی گنگنانے لگتے۔

''بدلیوں میں چھپ رہا ہے چاند کیوں۔'' وہ نہ جانے کب تک تصورات کے ہنڈولے میں جھولا جھولتی کہ اسے کھڑکی سے کہیں اپنے میاں کی بائیک کی دھڑ دھڑاتی آواز اور چمکتی ٹنڈ نظر آ گئی۔ وہ اپنی پھولی پھولی فلمی سانسوں کے ساتھ باہر بھاگ کر گئی اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر گہری سانس لے کر بولی۔

''سنیے، مجھے بازار جانا ہے، ابھی چلیں میرے ساتھ......''

''اتنی گرمی میں؟'' وہ حیرت سے بولے۔

''کچھ ہنگامی نوعیت کی شاپنگ کرنی ہے، آپ باہر کھڑے رہیے گا، میں شاپ سے جا کر خود ہی خرید لاؤں گی۔'' میاں کا موڈ اس دن اچھا بھی بہت تھا۔

فوراً ہی تیار ہو گئے اور جب وہ گھر آئی تو اس کے پرس میں مختلف قسم کی چوٹیاں اور جوڑے تھے۔

''یا اللہ، میں کتنی بے وقوف تھی کہ ان نعمتوں سے آج تک محروم تھی......'' وہ خود اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔

''ارے......اب تو تمہارے پاس بالوں کا بہت بڑا اسٹاک ہو گیا ہے......'' میاں جی متاثر ہو گئے۔

''جی ہاں......اب ہم بھی مصنوعی زلفیں لہرایا کریں گے کبھی کمر سے نیچے تک جھولتی چوٹی اور اس کے نیچے خوب صورت سا کیچر اور کبھی گدی سے اونچا اوپر تک پھیلا ہوا جوڑا جس کے دائیں طرف موتیے کے پھولوں کی لڑی لٹکایا کریں گے تب کسی کو ہمارے اصلی بالوں کی حقیقت کا پتا تک نہیں چلے گا۔'' منورہ زعم سے کہہ رہی تھی۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' میاں جی نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''اور ایک فائدہ ایسا جو لمبے بالوں والیوں کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔'' اب منورہ نے اترا کر کہا۔

''کیا فائدہ......؟'' وہ حیران سے بولے۔

''وہ یہ کہ جب دل چاہا چوٹی لگائی، گرمی لگی تو نکال کر کھونٹی پر ٹانگ دی۔ کراچی میں تو ویسے ہی گرمی بہت ہوتی ہے خاص خاص موقع پر لگایا کریں گے ورنہ حفاظت سے اپنی الماری میں ساڑی کے برابر والے ہینگر میں جھولا جھولتی رہے گی۔''

''مگر یہ حرکت کسی تقریب میں جا کر مت کر دینا کہ گرمی لگی تو چوٹی نکال کر ہاتھ پر گھمانے لگیں یا بچی کو پکڑا دی کہ رسی کو دو......یا بچوں کے ساتھ کوڑا جمال شاہی کھیل لو۔''

''کون سا کھیل......؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''وہی کھیل جس میں تمام بچے ایک دائرے کی شکل میں بیٹھ جاتے ہیں اور ایک بچہ ہاتھ میں سونٹا پکڑ کر چاروں طرف یہ کہتا ہوا گھومتا ہے۔ کوڑا جمال شاہی......پیچھے دیکھو مار کھائی اور جو پیچھے دیکھتا ہے تب وہی چور بن جاتا ہے تم اپنی چوٹی ہاتھ میں لے کر بیٹھ گئیں تو بچے سانپ کی طرح ہاتھ میں پکڑ کر نہ صرف ایک دوسرے کو ڈرائیں گے بلکہ کوڑا جمال شاہی بھی خوب کھیلیں گے اور پیچھے مڑ کر دیکھنے والوں کو تمہاری چوٹی کس کے ماریں گے جیسے کوڑے مارے جاتے ہیں۔''

''ایسا ہی بے وقوف سمجھ رکھا ہے کیا آپ نے......؟'' منورہ جیسے برا مان گئی۔

''نہیں بھئی، تم تو بہت عقل مند ہو۔'' وہ مسکرائے اور وہ شرمسار سی ہو گئی......اپنی زندگی کا کتنا اندوہ ناک مسئلہ اس نے کس آسانی سے حل کر لیا تھا۔

شروع شروع میں منورہ اپنے پاس پڑوس میں بھی جاتی تو اپنے پہنچوں تک آنے والی مصنوعی چوٹی لگا کر جاتی تو دیکھنے والیاں متحیر ہو کر پوچھتیں۔

''کتنے میں خریدی اور کہاں سے خریدی، زندہ کی خریدی یا مردہ کی۔''

''کیا میرے بال نہیں بڑھ سکتے......؟'' وہ صدمے سے پوچھتی اور مارے دکھ کے چہرے کے زاویے بگڑ جاتے۔

''آج کل تو لمبے بالوں والیاں اپنے بال کٹوا لیں تو وہ بڑھ کر نہ دیں اور تمہارے بال کیا ہم نے دیکھے نہیں تھے، کیا مٹھی بھر کی چوٹی......'' مٹھی بھر کی چوٹی اس کی حالت غیر سی ہو جاتی۔

''ہاں بھئی، کیسے یقین کر لیں کہ راتوں رات تمہاری چوٹی لہراتی بل کھاتی بلکہ اتراتی ہوئی کیسے ہو گئی۔''

بہار رُت ہے

مرے تخیل کی وادیوں میں
رکا وہ عکسِ جمال تیرا
مجھے جو مبہوت کر گیا تھا
ذرا محبت کے آئینے میں
وہی تصور وہی ہے صورت
یا ایسا لگتا ہے میرے جاناں
وہ رنگ سب تم میں ڈھل گئے ہیں
وہ تیرا ست رنگا روپ سجنا
محبتوں سے سجا ہوا ہے
جہاں بھی تیرا قدم پڑا تھا
زمین کو گل پوش کر گیا تھا
کبھی پکارے
بہار رُت ہے

مرسلہ: ہما شاہ، ہارون آباد، پنجاب

میاں کو اپنی کتھا سنائی تو وہ بولے۔

''اس کا بھی حل ہے میرے پاس۔''

''کیا کوئی ٹوٹکا وغیرہ ہے......؟'' راز دارانہ لہجے میں پوچھا گیا۔

''ہاں......کچھ ایسا ہی ہے۔'' اسی لہجے میں جواب دیا گیا۔

''تو پھر جلدی سے بتائیں ناں۔''

''گنجو تم یوں کرو......اب تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تمہارے اصلی بال دیکھے ہی نہیں ہیں......انہیں معلوم ہی نہیں کہ تم لقا کبوتر جیسے بال

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

رکھتی ہو۔'' تھوڑا سا برا مان کر وہ مسکرا کر بولی۔

''ہاں، بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔''

''تو پھر شروع ہو جاؤ۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولے۔

تب دوستی کی نئی شاہراؤں پر قدم رکھے گئے اور مختلف خواتین سے دوستانہ جوڑا گیا۔

مگر پریشانی کسی طرح ساتھ نہیں چھوڑ رہی تھی اب افسوس اس بات کا تھا منورہ کے بال بے حد چھوٹے تھے اس کے بالوں میں اتنی طاقت و ہمت اور سکت ہی نہیں تھی کہ وہ مصنوعی چٹیا کا وزن برداشت کر سکیں...... سو وہ گھر سے لہرا کر نکلتی تو ضرور تھی مگر وہ راستے میں ہی کہیں گر جاتی تھی۔

منورہ کو اس وقت بہت شرم آتی جب وہ رات کو اپنے میاں کے ساتھ ٹہلنے جاتی اور پیچھے سے کوئی راہ گیر آواز لگاتا۔

''صاحب، صاحب اپنے بال تو اٹھالیں۔''

ایسے میں منورہ زرد سا چہرہ لیے آگے کی جانب دوڑ لگاتی اور اس کے میاں جانی سرخ چہرہ لیے اس کی چوٹی اپنی جیب میں ٹھونس کو اسے ملامت بھری نظروں سے دیکھتے اور کہتے جلدی گھر چلو۔

تب اس کے قدم من من بھر کے ہو جاتے اور گھر کسی صورت نہ آپاتا...... پانچ منٹ کی مسافت اسے یوں لگتی جیسے وہ میلوں کا سفر طے کر کے آئی ہو۔

اس کے ساتھ اپنے میاں کی غصیلی نظریں بارود جیسی علیحدہ لگا کرتیں۔ اس کے باوجود خوش فہمی اور حرص کا لپکا منورہ میں بہت تھا۔

ایک دفعہ وہ کسی شادی میں گئی وہاں استقبالیہ خواتین نے گلاب کا موٹا سا گجرا دیا...... اس نے دیکھا کہ تمام خواتین وہ گجرے اپنے بالوں کے اطراف میں لگا رہی ہیں...... تب اس نے بھی حرص میں وہ بھاری بھر کم گجرا اپنے مصنوعی سوئچ کے چاروں طرف گھما لیا اور جب وہ گھر پہنچی تو معلوم ہوا کہ اس کے بالوں میں وہ گجرا تو ضرور بے ترتیبی سے کہیں اٹکا ہوا تھا مگر گجرے کے وزن سے مصنوعی بالوں کا وہ قیمتی سوئچ کہیں گر گیا تھا جو وہ ڈھائی ہزار کے رعایتی نرخ پر کہیں سے خرید کر لائی تھی۔

منورہ کے ساتھ چوٹیوں کے اس قدر واقعات ہیں کہ اتنے واقعات شاید پہاڑ کی چوٹیوں کے ساتھ بھی نہ ہوں۔

یوں منورہ...... اپنے احساسات کو پہاڑوں جیسے مضبوط احساسات کہتی ہے...... وجہ صرف یہ ہے کہ پہاڑوں کی بھی تو چوٹیاں ہوتی ہیں ناں...... یہ قول منورہ کا ہی ہے اس نے مصنوعی چوٹیوں کے حوالے سے ہر قسم کی بے عزتی کا ذائقہ چکھا ہے۔ جو تیکھا، کھٹا، کڑوا ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انجانا سا بھی ہے...... جس کو وہ کوئی بھی نام نہیں دے پائی...... بے رنگ، بے بو، بے مزہ مگر بے حد برا اس کی صرف اتنی تشریح سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ جب دھوم دھام سے رونے کا دل چاہے اور آپ کو مسکرانا پڑے تو کیسا لگتا ہے......؟ (یقیناً ہر بہن کا تجربہ علیحدہ ہی ہوگا)

منورہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ جس طرح کسی کا چھوٹا قد ہمیشہ چھوٹا ہی رہتا ہے اسی طرح کم بال ہمیشہ کم اور چھوٹے... بال ہمیشہ چھوٹے ہی رہتے ہیں۔

اس لیے پریشان ہونے کے بجائے خواتین کو صبر کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے...... اور ہاں...... ایک اہم بات تو میں آپ کو بتانا ہی بھول گئی...... کہ منورہ نے اپنا نام صابرہ رکھ لیا ہے...... منورہ کے میاں جانی اب اس کو گنجی کے بجائے صابرہ کے نام سے پکارتے ہیں۔

www.Paksociety.com

میرا انتخاب

آمنہ حماد

معاشرے کے ساتھ ساتھ ادب میں بھی کچھ ایسے پڑاؤ آتے ہیں جو اس کا رنگ اور انداز بدلتے جاتے ہیں لیکن پھر بھی جو حیثیت اساتذہ کے کلام کو حاصل ہے یا جو رنگ اُن کے کلام میں نظر آتا ہے، وہ اپنی کشش نہیں کھوتا۔ ان کا کلام جس دور میں پڑھا جائے تر و تازہ ہی محسوس ہوتا ہے۔ فراق گورکھ پوری کی اس غزل کا انتخاب صائمہ شیخ نے اسلام آباد سے کیا ہے۔

غزل

بچھڑ گیا ہوں مگر کارواں سے دور نہیں
یہ خاک قافلۂ رفتگاں سے دور نہیں
وہ جا کہ خاک اڑاتا رہا جہاں کوئی
قریبِ دشت بھی ہے گلستاں سے دور نہیں
وہ راز جو کوئی الہام بھی بتا نہ سکا
اسے بھی کہہ دو یہ مجھ بے زباں سے دور نہیں
اسی کو سینے سے اپنے لگائے پھرتا ہوں
وہ ہر ایک غم جو غمِ رفتگاں سے دور نہیں
حریم راز کہاں ہے یہ بات بھی ہے راز
کوئی مقام سنا ہے وہاں سے دور نہیں
فراقِ ازل سے بہاریں ہیں ڈھونڈتی جس کو
وہ گلستاں مرے زخمِ نہاں سے دور نہیں

محبت شاعری کی اساس ہے اور شاعر محبت کے پیامبر ہیں...... شاعر ان پیغامات کو خوب صورت لفظوں میں پرو کر غزل کے سانچے میں ڈھالتے ہیں مگر محبت اندھیروں اور بربادیوں کی نامہرباں دیوی ہے جس کی زد میں آنے والے زندہ تو رہتے ہیں مگر تا عمر دل و جاں کا نشاں نہیں پاتے...... فیض احمد فیض کے کلام میں بھی یہ تاثر ملتا ہے شمسہ کا انتخاب کراچی سے۔

آرزو

مجھے معجزوں پہ یقین نہیں
مگر آرزو ہے کہ جب قضا
مجھے بزمِ دہر سے لے چلے
تو پھر ایک بار یہ اذن دے
کہ لحد سے لوٹ کے آسکوں
ترے در پہ آ کے صدا کروں
تجھے غمگسار کی ہو طلب
تو ترے حضور میں آ رہوں
یہ نہ ہو تو سوئے رہِ عدم
میں پھر ایک بار روانہ ہوں

شاعری ایک ایسا ہنر ہے جس کا ہر لفظ روح کی گہرائی سے نکل کر قرطاس پر بکھرتا ہے اور پڑھنے والوں کے ذہن میں ایسے نقش ہو جاتا ہے کہ پھر محو نہیں ہوتا...... کچھ خیال، کچھ الفاظ، کچھ انداز ایسے ہوتے ہیں جو کبھی ذہن سے محو نہیں ہوتے یہی الگ اور منفرد انداز جون ایلیا کے کلام کا خاصہ ہے۔ اس غزل کا انتخاب شائستہ غزل نے حیدر آباد سے کیا ہے۔

www.Paksociety.com

غزل

خیال وخواب کو اب مل نہیں رہی ہے اماں
نہ اب وہ مستیِ دل ہے نہ اب وہ نشۂ جاں
نہ ٹوٹ جائے کہیں سلسلہ تمنا کا
جو دردِ دل کا تھا رشتہ اسے بحال کرو
نہیں ہے گردش ساغر گردشِ خوں ہے
سو اپنی گردشِ خوں سے ہی کچھ سوال کرو
ذرا تو سلسلۂ رنگ کا خیال کرو
ہے فصلِ یاس تو خود کو کوئی فریب ہی دیں
کوئی امید دلاؤ کہ آرزو تو رہے
نظر اٹھے نہ اٹھے دل ہی کچھ ٹھہر جائے
قدم اٹھیں نہ اٹھیں کوئی جستجو تو رہے
ہو جا رہ غمِ جاں کیا یہ گفتگو تو رہے
کہ دل کے حال کو پُر ماجرا تو رکھنا ہے
خیال ناز و لحاظِ ادا تو رکھنا ہے
جو دل کا خون ہوا ہے اسے بھلا دیں کیا
حساب بیش و کم خون بہا تو رکھنا ہے
شبِ دراز جدائی ہے آرزو کی حریف
سوزِ غمِ شوق کو جلتا ہوا تو رکھنا ہے
نہ ٹوٹ جائے کہیں سلسلہ تمنا کا

عشق ایک ازلی اور ابدی حقیقت ہے جس کے مظاہر ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ فنا کا ہاتھ ان کو کبھی نہیں چھو سکتا...... متضاد چیزیں ہمیشہ ایک دوسرے کو متوجہ اور متاثر کرتی ہیں۔ یہی بات رویّوں اور انسانوں میں بھی ہے...... عشق کے دیے کی لو بھی تبھی بھڑکتی ہے جب وہ دو متضاد رویّوں کے درمیان روشن ہو ورنہ یہ لو بجھتی چلی جاتی ہے۔ تضاد اور متضاد کا امتزاج ہمیں شہزاد احمد کی اس نظم میں نمایاں نظر آتا ہے۔ جسے مہرین نصار نے کوئٹہ سے منتخب کیا ہے۔

عشق

ہم آپس میں عشق کرتے ہیں
مگر تمہارے اور میرے درمیاں
محبت کا نہیں گریز کا رشتہ ہے
جو میں چاہتا ہوں، تم بھی وہی چاہتے ہو
جو میں نہیں چاہتا، تم بھی نہیں چاہتے،
اس کے باوجود، جب ہم قریب آتے ہیں
تو ایک دوسرے سے مماثلت
ہمیں خوف زدہ کر دیتی ہے
کاش تم وہ نہ چاہتے جو میں چاہتا ہوں
کاش میں وہ نہ چاہتا، جو تم چاہتے ہو
محبت کا المیہ یہ نہیں ہے
کہ ہم ایک دوسرے سے مختلف ہیں
یا گریز پا ہیں، محبت کا المیہ یہ ہے
کہ ہم ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہیں
قریب آنا چاہتے ہیں
ہم چونکہ ایک دوسرے کی طرح ہیں
اس لیے ایک دوسرے کے قریب نہیں آسکتے
کاش ہم ایک دوسرے کی طرح نہ ہوتے
ایک دوسرے کی ضد ہوتے
اور یہ تضاد
ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ دیتا

زندگی وہ کتاب ہے جو استعاروں کی زبان میں لکھی گئی ہے...... جس نے استعاروں کو جان لیا اس نے زندگی کے اصل مفہوم کو پا لیا۔ ناصر کاظمی بھی اپنی اس غزل میں زندگی کے استعاروں کے مفہوم کو اجاگر کر رہے ہیں۔ اس کا انتخاب صائمہ نے لاہور سے کیا ہے۔

غزل

تم آگئے ہو تو کیوں انتظارِ شام کریں
کہو تو کیوں نہ ابھی سے کچھ اہتمام کریں
خلوص و مہرِ وفا لوگ کر چکے ہیں بہت
میرے خیال میں اب اور کوئی کام کریں
ہر آدمی نہیں شائستہ رموزِ سخن
وہ کم سخن ہو مخاطب تو ہم کلام کریں
جدا ہوئے ہیں بہت لوگ ایک تم بھی سہی
اب اتنی بات پہ کیا زندگی حرام کریں
رہِ طلب میں جو گمنام مر گئے ناصر
متاعِ درد انہی ساتھیوں کے نام کریں

ہر شخص کی زندگی میں وصال اور فراق کے لمحے آتے ضرور ہیں لیکن یہ لمحات بہرحال گزر جاتے ہیں...... جو لوگ اپنے سینے میں دل زندہ رکھتے ہیں اور محبت کے رموز سمجھتے ہیں، وہ محبوب کے فراق و وصال دونوں کی کیفیات سے لطف اٹھاتے ہیں، خالد شریف بھی فراق وصال کے لمحوں میں گرفتار نظر آرہے ہیں۔ جس کا انتخاب میمونہ عزیز نے کراچی سے کیا ہے۔

بچھڑنے سے ذرا پہلے

بچھڑنے سے ذرا پہلے
تمہیں بھی سوچ لینا چاہیے تھا
کہ یوں چاہت کو ٹھکرایا نہیں کرتے
کہ یوں بیتے دنوں کو بھولنا اچھا نہیں ہوتا
کہ یوں انجان بن کر
چین سے جینا ہمارے واسطے ممکن نہیں ہوگا
تمہیں بھی سوچ لینا چاہیے تھا
کہ وہ باتیں جو ہم ایک دوسرے سے کر چکے ہیں
اب کبھی واپس نہ آئیں گی
کہ وہ لمحے جو ہم ایک دوسرے میں جی چکے ہیں
پھر کبھی زندہ نہیں ہوں گے
بچھڑنے سے ذرا پہلے
تمہیں بھی سوچ لینا چاہیے تھا

امید ایک ایسی چھاؤں ہے جو اپنے دامن میں انسان کو پناہ دے کر مایوسی کے سمندر میں ڈوبنے سے بچاتی ہے...... امید کی ایسی ہی کرن ہمیں مشتاق احمد قریشی کی تجدیدِ وفا میں روشن نظر آرہی ہے۔ اسے رضوانہ سمیع نے کوئٹہ سے منتخب کیا ہے۔

تجدیدِ وفا

تم اپنے اندر کے لاکھ موسم
چھپا لو مجھ سے
میں اپنے جذبوں کی چاندنی سے
نقاب سارے سمیٹ لوں گا
محبتوں کی کتاب کا بھی
میرے ہی نام انتساب ہوگا
میں چاہتوں کی ساعتوں سے جو لوٹ آیا
تو دیکھ لینا
ہر ایک دل سے محبتوں کے
نصاب سارے سمیٹ لوں گا
تم اپنی چاہت کے سنگ ایک دن
میری نگاہوں میں تیرنا پھر
میں اپنی آنکھوں میں
حجاب سارے سمیٹ لوں گا
وفا کی تجدید کر رہا ہوں
میں بن کے دل تمہاری خاطر
سراب سارے سمیٹ لوں گا
میں چاہتوں کے کٹھن سفر کے
عذاب سارے سمیٹ لوں گا

www.Paksociety.com

سندیسے

پاکیزہ بہنیں

معافی نامہ

اگر
میری
مس کال یا
میسج سے
آپ پریشان یا
تنگ ہیں تو
بلا جھجک اپنے موبائل
کو کھینچ کر دیوار پر مار دیں
نہ ہوگا فون
نہ بجے گی ٹون......
سکون ہی سکون!

از...... کنول عاصم، لاہور

پھول اور کانٹے

پھول سے چہرے
بعض دفعہ جب اپنے
لب کھولتے ہیں تو
ایسا لگتا ہے مجھے
جیسے اُن کی زبان
پر ہمہ وقت ہی
زہریلے کانٹے
اگا کرتے ہوں

شاعرہ...... عظمیٰ آفاق سعید
مرسلہ: نور افشاں، شکار پور

میری خواہش

میری خواہش ہے کہ میں پھر فرشتہ ہو جاؤں
ماں سے اس طرح لپٹ جاؤں کہ بچہ ہو جاؤں

از، رفعت مبین رفی، کراچی

شاعرانہ ڈاکا

ایک شاعر بینک میں ڈاکا ڈالنے گیا اور بولا۔
عرض کیا ہے!
تقدیر میں جو ہے وہ ملے گا
ہنڈز اپ! کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا
اپنے کچھ خواب میری آنکھوں سے نکال دو
جو کچھ بھی ہے جلدی سے اس بیگ میں ڈال دو
بہت کوشش کرتا ہوں تیری یاد کو بھلانے کی
خبردار! کوئی ہوشیاری نہ کرے پولیس کو بلانے کی
دل کا آنگن تیرے بن ویران پڑا ہے
جلدی کرو باہر میرا ساتھی پریشان کھڑا ہے

از...... حمیرا کلیم، ملتان کینٹ

اہم راز

☆ ایک ہندو فوجی نے پلین سے جمپ کرتے ہوئے کہا۔ ”جے کالی ماں کی۔“

اس کی ماں نے کہا۔ ”چل جھوٹے اب تو میں بھی رنگ گورا کرنے والی کریم لگاتی ہوں۔“

☆ مچھر سے بچنے کے لیے ہمیشہ بیڈ کے نیچے سوئیں مچھر آپ کو بیڈ پر ڈھونڈتا رہے گا۔

☆ شیخ کی بیوی بولی، بس بھی کرو، یہ ٹی بیگ اٹھارہ بار استعمال کر چکے ہیں اب اسے پھینک بھی دو۔

شیخ نے جواب دیا۔ کردی نا جاہلوں والی بات اس کے پیکٹ پر ایکسپائرنگ ڈیٹ دسمبر 2012ء لکھی ہوئی ہے۔

از: پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

دولت

میں نے ماں کے ہاتھ پر ایک سیاہ تل دیکھا اور ماں سے پوچھا یہ دولت کا تل ہے نا؟

ماں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں میرا چہرہ تھاما اور کہا۔ ہاں دیکھو میرے دونوں ہاتھوں میں کتنی دولت ہے۔

از...... صبا نور، لیہ

میسج

بیوی شوہر: تم میرے دل کے فون میں ایک ایسے میسج کی طرح ہو جسے میں ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھنا چاہتی ہوں جو مجھے دکھ میں سکھ اور تنگی میں فراخی کا احساس دلاتا ہے۔ تم ایک ایسے میسج ہو جو میرے دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ بجتا رہتا ہے۔ ایک ایسا میسج جسے میں کسی سے بھی شیئر کرنا نہیں چاہتی۔

شوہر: تم تو دنیا کی کنجوس ترین عورت ہو۔ اپنے پاس ہی رکھنا اس میسج کو کبھی اپنی دوستوں کو فارورڈ نہ کرنا۔

درود شریف پڑھیں

میرا پیغام ہے کثرت سے درود شریف پڑھیں اور اپنے دل میں یہ پورا یقین رکھیں کہ ہر مرض کی دوا ہے صلی علیٰ محمد ﷺ دونوں جہان میں کامیاب رہیں گے، انشاء اللہ۔

از...... ستارہ شیخ، کراچی

معصوم سی پاگل لڑکی

ایک معصوم سی پاگل لڑکی
پگڈنڈی پر بیٹھی
محو انتظار ہے
اداس آنکھیں
لرزتی پلکیں
ہلتے ہوئے لب
دھڑکتا ہوا دل
ناامیدی سے پھیلتا کاجل
پھر
رم جھم نینوں کی برسات ہونے لگی
اور وہ اٹھی
چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتی
گھر کی طرف چل دی

شاعرہ: مسز نگہت غفار، کراچی

سن لو تم

گئے وقت پہ رونا اچھا نہیں
کانٹوں پہ بھی سونا اچھا نہیں
دلوں کی یہ دھڑکن سلامت رہے
یونہی درد و غم بونا اچھا نہیں

مرسلہ: تانی چوہدری، آکسفورڈ، یوکے

میرا آنگن اور بہار

اِک تیرے سوا کسی کا انتظار نہ تھا
یہ دل عشق سے کبھی بیزار نہ تھا
بنا ڈالا جس نے مجھے ہر اِک سے بے نیاز
خبر ملی مجھے وہ میری طرح بے قرار نہ تھا
مجھ کو ہی محبت میں بر سرِ الزام ٹھہرایا گیا
میرے سوا شہر میں کوئی قصوروار نہ تھا
محفلِ عشرت میں ہوا کرتے تھے نازاں دوست
کسمپرسی میں ساتھ کوئی غمخوار نہ تھا
جو کھیل کھیلتے تھے بچپن میں فنکاری کے
میں سمجھتی تھی محبت میں اب وہ اداکار نہ تھا
دے ڈالا چاہت میں اپنا سب کچھ اس کو
یہ وہ جذبہ ہے جس پر میرا اختیار نہ تھا
اڑاتی پھر رہی تھی صبا وفا کے پھول
بس میرے آنگن میں ہی موسمِ بہار نہ تھا

شاعرہ: درخشاں ضیا، حیدرآباد

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆فوزیہ مشتاق......حیدر آباد
سوال کر کے وہ تا دیر خجل سا رہا
جواب دے کے میں اسے لاجواب کیا کرتا

☆یاسمین آزاد......فیصل آباد
شہر کو تیری جستجو ہے بہت
ان دنوں ہم پہ گفتگو ہے بہت

☆حنا آفریدی......پشاور
نہیں وہ شخص مقدر میں پھر بھی اس سے ملتے ہیں
بڑا پُر لطف لگتا ہے مقدر کو سزا دینا

☆رفیعہ......کراچی
وہ تیری بھی تو پہلی محبت نہ تھی قتیلؔ
پھر کیا ہوا اگر کوئی ہرجائی بن گیا

☆سامعہ شفیق......ساہیوال
محبت موسموں کی قید سے آزاد ہوتی ہے
سنو سورج نکلنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا
ابھی بھی یاد آئے تو نگاہیں بھیگ جاتی ہیں
پرانی راکھ جلنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا

☆صاعقہ ضیا......بہاول نگر
شام کچھ اچھا نظر آتا ہے بستی کا سماں
صبح ہوتی ہے تو حالات دگر ہوتے ہیں

☆فرحانہ اختر......راول پنڈی
برس ہوئے کہ مہینے ہوئے، کسے معلوم
حساب میں سحر و شام کا نہیں رکھتا

☆افشین......کراچی
ہم بھی اپنے ہونٹوں کو اذنِ گفتگو کیوں دیں
اس نے جب لگا دی ہے مہرِ التفات اپنی

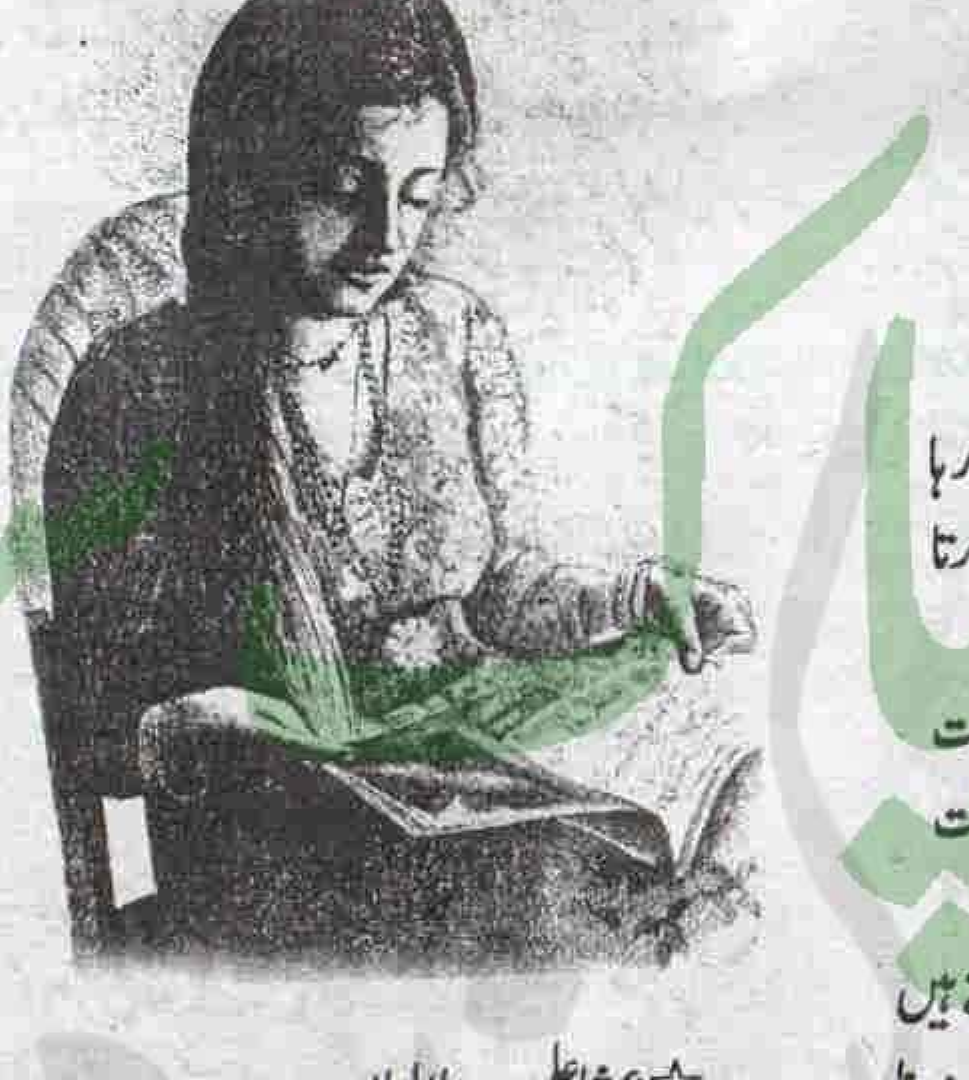

☆عشا علی......لالیاں
عمر اس وسوسے میں بیت گئی
یوں نہ ہوتا عدم تو یوں ہوتا

☆مسکان فخر......ملکوال
عجیب طرفہ تماشا ہیں میرے عہد کے لوگ
سوال کرنے سے پہلے جواب مانگتے ہیں
یہ احتساب عجب ہے کہ محتسب ہی نہیں
رکاب تھامنے والے حساب مانگتے ہیں

☆مناہل......اسلام آباد
مانا کہ میری روح میرے ساتھ ہو مگر
میرے دل و نگاہ سے مانوس بھی تو ہو
کب تک رہیں گے یونہی محبت میں فاصلے
اتنے قریب آؤ کہ محسوس بھی تو ہو

☆رضوانہ سمیع......کراچی
کوئی منزل ہو تو ہو مجھ کو بھی منزل کی تلاش
کوئی رستہ ہو تو میں بھی کسی رستے پہ چلوں

☆انیشا زئی......کراچی
نہ گھر ہی یاد ہے اب تو ہمیں نہ اپنا پتا
تری تلاش میں نکلے تو کھو دیا خود کو

کسی طرح تو ہوئیں ختم رنجشیں جاذبؔ
جو وہ نہ بدلا تو میں نے بدل لیا خود کو

☆ندا سعید......لاڑکانہ
سارا حصول عشق کی ناکامیوں میں ہے
جو عمر رائگاں ہے وہی رائگاں نہیں

☆فائزہ خان......کراچی
نہ جانے کون سی خطا ہوئی زندگی میں
وہ شخص میرے سامنے رہا پھر بھی میرا نہ ہوا

☆ہما ناز......بہاول پور
مجھ کو بھی پڑھ دھیان سے مضمونِ خاص ہوں
مانا تیرے نصاب میں شامل نہیں ہوں میں

☆سمیعہ رضوان......کراچی
اب یہ کسے معلوم کہ رہتے ہیں بہت خوش
ہم لوگ ترے رنجِ مسلسل سے گزر کے
پھر آئی ہے اس شہر میں دھند لائی ہوئی شام
اس آنکھ میں پھیلے ہوئے کاجل سے گزر کے

☆شمع فرید......اسلام آباد
مانا کہ گلوں میں بھی ہے خوشبو کا خزانہ
کچھ بھی ہو تری نکہتِ گفتار سے کم ہے

☆ماریہ اشفاق......کوئٹہ
میں استعاروں کی سرزمیں پر اتر کے دیکھوں تو بھید پاؤں
بشر مسافر، حیات صحرا، یقین ساحل، گماں سمندر

☆لائبہ طارق......کراچی
پہلے شکوہ تھا یہاں رونقِ بازار نہیں
اب جو بازار کھلے ہیں تو خریدار نہیں

☆ماریہ جلالی......اسلام آباد
اب آپ کس لیے اتنے ملول ہوتے ہیں
دیا تھا رنج تو کچھ سوچ کر دیا ہوتا

☆فاطمہ خیر محمد......کراچی
گھاؤ گنتے نہ کبھی زخم شماری کرتے
عشق میں ہم بھی اگر وقت گزاری کرتے

وقت آیا ہے جدائی کا تو پھر سوچتے ہیں
تجھ کو اعصاب پہ اتنا بھی نہ طاری کرتے

☆فوزیہ مستقیم......کراچی
خواب تو خواب ہے خوابوں میں الجھنا کیسا
آنکھ کھلتے ہی چلے جائیں گے جانے والے

☆آصفہ خان......کراچی
کسی بھی دکھ کا کوئی احتمال ہی نہ رہا
کہ پھول چنتے ہوئے یہ خیال ہی نہ رہا
تمہاری یاد میسر جو آگئی دل کو
سفر میں زادِ سفر کا سوال ہی نہ رہا

☆مائدہ جاوید......کراچی
شاید بقیدِ زیست یہ ساعت نہ آسکے
تم داستانِ شوق سنو اور سنائیں ہم

☆مونا افضل......کراچی
پھر کیا ہوا یہ راہ کی دشواریوں سے پوچھ
بس اتنا یاد ہے تری جانب چلا تھا میں
کل رات ایک شخص تھا مجھ سا کسی کے ساتھ
جانے مری نگاہ کا دھوکا تھا یا تھا میں

☆فرزانہ......لاہور
تو اشک ہی بن کر میری آنکھوں میں سما جا
میں آئینہ دیکھوں تو ترا عکس بھی دیکھوں
جو شخص کہ ہے خواب میں آنے سے بھی خائف
آئینۂ دل میں اسے موجود ہی دیکھوں

☆مسرت نیاز......راول پنڈی
دلوں میں فاصلہ اتنا نہیں تھا
زمانہ درمیاں آیا ہوا ہے

☆رضیہ حق......خانیوال
دامن بھی تر نہیں آنکھیں بھی نم نہیں
اتنا شدید غم ہے کہ احساسِ غم نہیں

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

خوش ذائقہ

پاکیزہ بہنیں

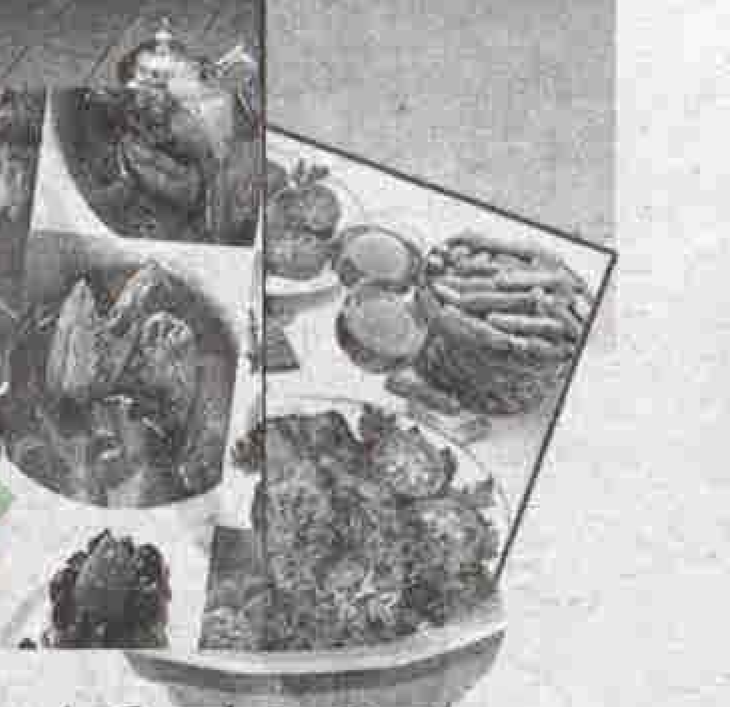

چپلی کباب

اشیا: قیمہ صاف اور باریک، آدھا کلو۔ گھی، حسب ضرورت۔ پیاز باریک کٹی ہوئی، ایک درمیانی۔ ادرک، ایک چھوٹا سا ٹکڑا۔ ثابت دھنیا موٹا کوٹا ہوا، آدھا چائے کا چمچ۔ گرم مسالا پسا ہوا، آدھا چائے کا چمچ۔ انار دانہ کوٹا ہوا، ایک چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ ہری مرچ، حسب ضرورت۔ ہرا دھنیا، حسب ضرورت۔ ٹماٹر باریک کٹا ہوا، ایک عدد۔ مکئی کا آٹا، ایک بڑا چمچ۔ انڈے، دو عدد۔

ترکیب: انڈوں میں ایک چٹکی نمک ڈال کر پھینٹ لیں پھر توے پر ذرا سا گھی ڈال کر انڈے کا آملیٹ بنالیں اسے باریک باریک کتر کے قیمے میں ملانے کے لیے الگ رکھ لیں۔ قیمے میں سارا مسالا، مکئی کا آٹا اور آملیٹ ملا کر اچھی طرح مسل کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں پھر ان کے چپٹے چپٹے کباب بنا کر توے پر ذرا سا گھی ڈال کر دھیمی آنچ پر تل لیں۔

شائستہ وہاب...... سرگودھا

قیمہ بھرے بینگن

اشیا: بینگن، دو عدد۔ تیل، دو کھانے کے چمچ۔ پیاز، ایک عدد باریک کٹی ہوئی۔ ادرک پیسٹ، ایک چائے کا چمچ۔ سرخ مرچ پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ لہسن، ایک پوتھی۔ ہلدی، آدھا چائے کا چمچ۔ پسا ہوا دھنیا، ایک چائے کا چمچ۔ ٹماٹر، ایک عدد باریک کٹا ہوا۔ قیمہ، تین سو پچاس گرام۔ شملہ مرچ اورنج، ایک عدد کتری ہوئی۔ ہری مرچ، ایک عدد کٹی ہوئی۔ دھنیا سجانے کے لیے، دو کھانے کے چمچ۔ پیاز، آدھی درمیانے سائز کی۔ ٹماٹر، دو عدد چار چار ٹکڑوں میں۔

ترکیب: بینگن کو لمبائی کے رخ پر کاٹ کر چمچ کی مدد سے گودا نکال لیں اور بینگن اوون پروف ڈش میں رکھ دیں۔ فرائی پین میں ایک کھانے کا چمچ تیل ڈال کر پیاز براؤن کریں پھر اس میں ادرک، سرخ مرچ، لہسن، ہلدی، نمک اور دھنیا شامل کریں اور ٹماٹر ڈال کر ہلکی آنچ پر پانچ منٹ پکائیں۔ اب اس میں قیمہ ملا کر پانچ سے دس منٹ فرائی کریں۔ اس میں شملہ مرچ اور سبز دھنیا ڈال کر خوب پکائیں۔ اوون کو تین سو پچاس فارن ہائیٹ پر گرم کرلیں۔ چمچ کی مدد سے قیمے کو بینگن کے خول میں بھرلیں اور بینگن کے بیرونی کناروں پر برش کی مدد سے تیل لگالیں۔ اب بینگن بیس سے پچیس منٹ تک اوون میں بیک کرلیں۔ ٹماٹر، دھنیے اور سلاد پر قیمہ بھرے بینگن رکھیں، روٹی یا چاول کے ساتھ پیش کریں۔

مسز خاور، لاہور

کریلے اور چکن کے کباب

اشیا: کریلے، آدھا کلو۔ مرغی کے گوشت کا قیمہ، آدھا کلو۔ لہسن، چار جوئے۔ ادرک، ایک انچ

کا ٹکڑا۔ بریڈ، دو سلائس۔ نمک، حسب ذائقہ۔ مرچ، حسب ذائقہ۔ انڈا، ایک عدد۔

ترکیب: کریلے چھیل کر بیج نکال کر اچھی طرح دھو کر تھوڑے سے پانی میں پکا کر نیم گلا لیں۔ پانی خشک ہوجائے تو پیس لیں۔ قیمے میں لہسن، ادرک ڈال کر تھوڑے سے پانی میں نیم گلا لیں اور پیس لیں (قیمہ اور کریلے علیحدہ علیحدہ پکائیں)۔ سلائس کے کرمز بنالیں۔ ایک پیالے میں پسے ہوئے کریلے، قیمہ، بریڈ کرمز، ایک انڈا اور نمک، مرچ، ہرا دھنیا وغیرہ ملادیں۔ اس مرکب کے کباب بنالیں۔ نان اسٹک پین میں ایک کھانے والا چمچ تیل گرم کرکے کباب تل لیں۔ ان کو فریز بھی کرسکتے ہیں جب ضرورت ہو نکال کر مائیکرو ویو اوون میں گرم کرلیں اور بریڈ کے ساتھ کھائیں۔

راحیلہ زریں، لاہور

☆☆☆

سموسے

اشیا: چکن ابلا ہوا، ایک کپ۔ شملہ مرچ، باریک کٹی ہوئی ایک عدد۔ ہرا دھنیا، تھوڑا سا۔ نمک، حسب ذائقہ۔ کٹی لال مرچ، ایک چمچ۔ کالی مرچ، ایک چمچ۔ آلو ابلے ہوئے، دو عدد۔ ہری مرچ باریک کٹی ہوئی، دو عدد۔ سموسے کی پٹیاں۔

ترکیب: آلو میش کرکے اس میں تمام چیزیں ڈال کر خوب مکس کریں اب اس مکسچر کو سموسے کی پٹیوں میں ترتیب سے رکھ کر سموسے بنالیں۔ ان کو چاہے تو فریز کرلیں چاہے وقت کے وقت استعمال کریں۔

فائزہ رضا...... راول پنڈی

اسپیشل کڑاہی کباب

اشیا: قیمہ، آدھا کلو۔ پیاز، دو عدد۔ ادرک لہسن پیسٹ، دو کھانے کے چمچ۔ ہری مرچ، تین عدد۔ ہرا دھنیا، ایک گٹھی۔ ڈبل روٹی کے سلائس، دو عدد۔ کارن فلور، ایک کھانے کا چمچ۔ بیکنگ پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ ثابت دھنیا، ایک چائے کا چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ دودھ، ایک کپ۔ (ڈبل روٹی دودھ میں بھگودیں۔ باقی چیزیں قیمے میں مکس کرلیں)

مسالا بنانے کے لیے: ٹماٹر، آدھا کلو۔ (ابال کر میش کرلیں) آئل، ایک کپ۔ لیموں کا جوس، دو چائے کے چمچ۔ پیاز، ایک عدد۔ ہری مرچ، دو یا تین۔ زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ چینی، ایک چائے کا چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔

ترکیب: سب سے پہلے کڑاہی میں آئل ڈالیں۔ جب تیل گرم ہو تو پیاز تل کر براؤن کرلیں۔ پھر اس میں ابلے میش کیے ٹماٹر، زیرہ، چینی، نمک، لیموں کا رس اور ہری مرچ ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر رکھ دیں۔ دودھ میں بھیگی ڈبل روٹی بھی قیمے میں شامل کردیں اور کباب بنالیں۔ کباب سیخ کباب کی شکل میں بنائیں، تمام کباب بنا کر مسالے میں ڈال دیں۔ اوپر سے ہرا دھنیا ڈال کر ہلکی آنچ پر پندرہ سے بیس منٹ رکھیں، آنچ بہت ہلکی رکھنی ہے۔ جب تیل اور مسالا الگ ہوجائے اور کباب گل جائیں تو تھوڑا سا مسالا اور دھنیا چھڑک کر اتارلیں۔ بہترین کڑاہی کباب تیار ہیں، گرم گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

آمنہ شیخ...... کوئٹہ

☆☆☆

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

روحانی مشورے

ادارہ

سورتوں کی فضلیت

☆سورۂ یٰسین: قیامت کے دن پیاس بجھائے گی۔

☆سورۂ فاتحہ: اللہ کے غضب سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ واقعہ: فکر و فاقے سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ ملک: عذابِ قبر سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ کوثر: دشمنوں کے شر سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ کافرون: موت کے وقت کفر سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ اخلاص: منافقت سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ فلق: حادثوں سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ ناس: وسوسوں سے بچاتی ہے۔

☆سورۂ سجدہ: قیامت کے دن پڑھنے والوں پر پردہ کرے گی۔

☆سورۂ دخان: مغفرت کرتی ہے۔

☆سورۂ رحمٰن: قرآن کی زینت ہے اور نعمتوں کا شکر ادا کرتی ہے۔

☆سورۂ حشر: اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتی ہے۔

☆سورۂ کہف: دونوں جمعوں کے درمیان نور ہی نور رہوگا اور پورے ہفتے فتنے سے محفوظ رکھے گی۔

☆سورۂ جن: جنات اور آسیب کے اثر سے محفوظ رکھتی ہے۔

☆سورۂ تغابن: مال میں برکت ہوتی ہے اور آفات سے محفوظ رکھتی ہے۔

☆سورۂ نوح: حضرت نوحؑ کی قوم ان کی صداقت کی گواہی دے گی۔

☆سورۂ مزمل: دنیا و آخرت میں خوش رکھے گی اور افلاس کو دور کرے گی۔ ہر مشکل کو آسان کرے گی۔

☆سورۂ نباء: بصارت میں اضافہ کرتی ہے۔

☆سورۂ فجر: اولاد نیک بخت ہوتی ہے۔

☆سورۂ شمس: بد زبان آدمی کی بد زبانی دور کرتی ہے۔

درود ابراہیمیؑ کثرت سے پڑھیں

ڈپریشن ہو، بیماری ہو، مزاج کے خلاف کوئی بات ہو یا لڑائی جھگڑا...... آپ درود ابراہیمیؑ کثرت سے پڑھیں۔ ہر پریشانی دور ہو جائے گی۔ اپنے روزانہ کے معمولات میں آپ یہ اپنے آپ سے وعدہ کرلیں کم از کم ایک تسبیح درود ابراہیمیؑ کی آپ نے ہر روز پڑھنی ہے پھر آپ خود دیکھیں گی کہ اس کے فیوض و برکات کس قدر ہیں، سبحان اللہ!

وظائف کی زیادتی

☆پانچ وقت کی نماز ہم سب پر فرض ہے جو ہم سب کو پڑھنی چاہیے۔ قرآن پاک کی تلاوت بے شک کم ہی کریں مگر ہمیں روزانہ کرنی چاہیئے مگر ہوتا کچھ یوں ہے کہ ہم نمازیں پڑھنا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ قرآن پاک کو جزدان میں سجا کر ہم اوپر کسی جگہ رکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور وظائف پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

بعض اوقات وظائف کی کثرت سے اعصاب پر دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ اسی اعصابی دباؤ اور ہماری توقعات کی زیادتی کی وجہ سے ہمارے معاشی معاملات بھی خاصے بگڑ جاتے ہیں۔ ہم چڑ چڑے ہو جاتے ہیں۔ بے وجہ لڑنے لگتے ہیں۔ بیمار پڑ جاتے ہیں اور ہر شخص برا...... اور اپنا آپ مظلوم سا لگنے لگتا ہے۔ خوامخواہ رونے کو بھی دل چاہتا ہے۔

اگر آپ کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہو یا اس سے ملتا جلتا تو ہرگز نہ گھبرائیں صدقہ دیں۔ استغفار کثرت سے پڑھیں۔ درود شریف پڑھیں اور وضو، بے وضو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا اسم یارزاقُ پڑھیں انشاء اللہ رزق میں اضافہ ہوگا۔

شوہر گھر میں دلچسپی نہیں لیتے

☆آج کل ہر دوسری خاتون یہ شکایت کرتی نظر آتی ہے کہ شوہر گھر میں دلچسپی نہیں لیتے۔ وہ گھر کے خرچ کے پیسے دے کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور جہاں خواتین خود جاب کرتی ہیں تو وہ گھر کے خرچ میں بھی ایمانداری سے پیسے نہیں دیتے بلکہ بیوی کی کمائی کو بھی ہڑپ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ بچوں سے انہیں کوئی لگاؤ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ گھریلو خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت گھر میں داخل ہونے والے ایک آمر کی سی ہوتی ہے۔ وہ اپنا سارا وقت اپنے اوپر اور اپنے دوستوں کے ساتھ صرف کرتے ہیں اور اپنی ذات پر پیسہ بھی خوب خرچ کرتے ہیں۔

ایسی تمام مظلوم بیویاں...... سب سے پہلے اپنے آپ کو بھی بدلیں کہ شوہر کی دلچسپی کسی صورت گھر میں بڑھے اور اس کے ساتھ ساتھ رات کو سونے سے پہلے 41 مرتبہ سورۂ اخلاص اول و آخر گیارہ، گیارہ مرتبہ درود ابراہیمیؑ کے ساتھ پڑھ کر شوہر کا تصور کر کے دم کریں اور دو نفل حاجت کے پڑھ کر سجدے میں سر رکھ کر اللہ سے دعا کریں کہ انہیں آپ کے اور آپ کے بچوں کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق ملے اور آپ دونوں کے درمیان ذہنی ہم آہنگی قائم ہو۔ یہ عمل چالیس دن جاری رکھیں۔ ناغے کے دن شمار کر کے بعد میں پورے کریں۔ ہر جمعرات کے دن گیارہ یا اکیس روپے خیرات کریں۔

میاں بیوی کے درمیان اچھے تعلقات

رات سونے سے پہلے بیوی کو چاہیے اَللّٰھُمَّ یا سَلامُ سَلِّم، اول و آخر اکتالیس بار سبحان ربی الاعلیٰ اکتالیس بار سبحان ربی العظیم۔ طاق اعداد میں پڑھیں۔

طالب علموں، انٹرویو پر جانے والوں کے لیے تحفۂ خاص

اپنی امتحانی کاپی پر پیپر شروع کرنے سے پہلے ۷۸۶ قالو سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔ سورۂ بقرہ ۳۲

یہ دعا پین کی الٹی سائڈ سے لکھنی ہے یا پھر بغیر سیاہی کے پین سے لکھنی ہے کہ دعا پیپر پر نظر نہ آئے۔

مغرب کی نماز کے بعد

6 نفل صلوۃ الحاجات کے پڑھتے ہیں۔ یہ نفل دو، دو رکعتوں میں پڑھے جاتے ہیں۔ پھر سجدے میں سر رکھ کر اللہ سے اپنی ہر پریشانی کہہ دیں۔

رات جب بھی آنکھ کھلے، آسمان کو دیکھ کر درود شریف، تیسرا کلمہ، چوتھا کلمہ پھر تین بار یاربّ اغفرلی، درود شریف اپنی خاص دعا اور درود شریف۔

اللّٰھم یا سلام سلم۔ ہر نماز کے بعد ایک تسبیح اور چلتے پھرتے پڑھنے سے بگڑے شوہر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

www.Paksociety.com

شوابے ہومیو کلینک

SCHWABE

from Nature for Health

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

بچی کی بھوک

محترم! میری بیٹی کی عمر اب پانچ سال ہے۔ جب وہ پیدا ہوئی تھی تو اس کی ایک آنکھ بند تھی جیسے لیپ کی ہوئی ہو۔ کچھ دن اس کی ایک آنکھ چھوٹی بڑی محسوس ہوتی رہی۔ بعد میں دونوں آنکھوں کا سائز برابر ہوگیا۔ تین سال کی عمر میں اس نے قریب سے ٹی وی دیکھنا شروع کردیا تو اس کی آنکھوں سے پانی خارج ہونے لگا اور لال ہونا شروع ہوگئیں۔ اب اس کی دائیں آنکھ بڑی اور بائیں آنکھ چھوٹی محسوس ہوتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں خارش ہوتی ہے جب خارش ہوتی ہے تو وہ لال ہوجاتی ہیں۔ جو آنکھ چھوٹی ہے اس میں زیادہ خارش ہوتی ہے، اس کو مسلتی بھی ہے اور اس سے کبھی کبھی پانی بھی نکلتا ہے۔ بچی بڑی ذہین ہے، نرسری میں اس کے 240 میں سے 239 مارکس آئے ہیں، بڑی ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتی ہے۔ کوئی اچھی سی دوا بتائیں۔ بچی بڑی ہوکر احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوجائے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وہ روٹی بالکل نہیں کھاتی نہ چاول شوق سے کھاتی ہے، چند ایک فروٹ کھالیتی ہے۔ زیادہ شوق سے دودھ نہیں پیتی، فیڈر میں دو حصے دودھ ہوتا ہے اور ایک حصہ پیپسی، چینی نہیں ڈلواتی، اکثر رات کو پیشاب کردیتی ہے۔ جسمانی طور پر بالکل ٹھیک ہے نہ اسے کبھی بخار ہوا نہ موشن، یہ بھی بتائیں کہ پیپسی والا دودھ اس کے لیے نقصان دہ ہے یا نہیں۔ ماریہ فاطمہ، بہاولنگر

جواب۔ ماریہ، اکثر مائیں بچوں کے متعلق یہ شکایت کرتی ہیں کہ ان کا بچہ/بچی کو بھوک نہیں لگتی یا وہ صحیح سے نہیں کھاتا۔ اس کی وجوہات میں نمبر 1: آپ کی محبت کہ آپ اس کو سب کچھ کھلا دینا چاہتی ہیں۔ اس کے پیٹ (معدے) کی گنجائش سے زیادہ۔ نمبر 2: بار بار کھلانا، کولڈ ڈرنک، شربت چپس، بسکٹ ٹافیاں دینا۔ جب ہم بچوں کو یہ سب چیزیں کھلاتے رہیں گے تو بھوک ان کو کب لگے گی۔ نمبر 3: کوئی اندرونی بیماری یا اندرونی خرابی جو عموماً کم ہوتی ہے۔ آپ اپنی بچی کو عمر کے حساب سے کھلائیں اور پانی پلائیں۔ بچوں کو کیا خود کو بھی پیک شدہ اور کیمیکل سے بنی چیزوں سے بچائیں، صاف، تازہ، قدرتی غذا دیں۔ کولڈ ڈرنکس کوئی سی بھی ہو اور یہ سب بازاری شربت شکر + پریزرویٹو + ایسنس کا مجموعہ ہوتے ہیں، یہ انتہائی مضرِ صحت ہیں۔ فیڈر سے کبھی بھی بچوں کو دودھ نہ پلائیں یہ بیماری کا منبع ہے۔ میری رائے کے مطابق بچی کی آنکھ کے مسئلے کی وجہ پیدائشی بند نزلہ کی شکایت ہے۔ بچی کو ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Euphrasia30 Kalimur30 اور Calc.Phos30 کے 3,3 قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆......☆......☆

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

اپریل 2012

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ....

پتا: ....

پتّے کی پتھریاں

مجھے تقریباً 6 ماہ سے پتّے میں پتھریاں ہیں جو کہ سائز میں بہت چھوٹی چھوٹی ہیں۔ پہلے میں نے تین ہفتے ہومیو پیتھک کی دوا کھائی ہے۔ اب حکیم کی دوا کھا رہی ہوں لیکن پتھریاں ابھی اسی طرح ہیں۔ برائے مہربانی مجھے ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے اچھی سی دوا بتائیں آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

SCHWABE

جواب۔ چکنی غذا سے پرہیز کریں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ChelidoniumQ اور Calc.carb30 کے 5,5 قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆......☆......☆

خواتین میں گنج پن اور موٹاپا

میری عمر 35 سال ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سر کے بال ایک سال کے اندر تیزی سے گرنے کی وجہ سے سر میں کئی جگہ گنج ہوگیا ہے اور گنج کی شکل ایسی ہے جیسے کے جلا ہوا ہے۔ سر کی جلد سرخ نہیں کالی کالی سی ہے۔ جب بال اترتا ہے سر سے تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے جڑ سے اکھاڑا ہے۔ بال کی نوک پر سفید سا لگا ہوتا ہے۔ میرے بال بہت زیادہ لمبے اور گھنے تھے۔ اب بالوں کا چوتھا حصہ رہ گیا ہے۔ بال اب بھی گرتے ہیں اور مسلسل گر رہے ہیں۔ بہت زیادہ نہیں گرتے لیکن کمی بھی نہیں آئی۔ مجھے زیادہ پریشانی اس بات کی ہے کہ جو بڑا گنج ہے وہ ماتھے کے اوپر ہے اور ڈر ہے کہ ماتھا خالی نہ ہوجائے۔ میں نے چار ماہ پہلے ہومیو پیتھک کا کورس کیا تھا بالوں کے لیے لیکن دو ماہ دوا کھانے کے بعد بھی بال خالی جگہوں پر نہیں آئے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میں موٹی بھی بہت ہوگئی

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ہوں۔ میرا B.P بڑھ جاتا ہے۔ سر درد مجھے شدید ہوتا ہے۔ ہفتے میں ایک یا دو بار ضرور ہوتا ہے۔ نسرین احمد سیالکوٹ

جواب۔ غذا میں نمک، چکنائی اور میٹھی چیزوں پر کنٹرول کریں۔ چہل قدمی کیا کریں، اپنے آپ کو مصروف رکھیں، پانی کا استعمال بڑھائیں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Calccarb 200 کے پانچ قطرے ہفتے میں ایک دفعہ لیں۔ Bacilinum200 کے 5 قطرے ہر 15 دن بعد لیں۔ جس دن یہ دوا استعمال کریں اس دن کوئی اور دوا استعمال نہ کریں۔ Graphites30 کے 5 قطرے ½ کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ متلی کی صورت میں Ipecac30 حسب ضرورت لیا کریں۔

☆......☆......☆

دل کا مسئلہ

میری عمر 64 برس ہے، شادی شدہ گھریلو خاتون ہوں۔ عرصہ دو سال سے مجھے دل کی تکلیف ہے۔ ای۔ سی۔ جی اور ایکو کی رپورٹ ارسالِ خدمت ہے۔ مجھے سردی لگتی ہے، سینے میں آگے پیچھے درد ہوتا ہے اور بائیں کہنی تک ہوتا ہے۔ مالش کرنے اور ٹکور سے آرام آجاتا ہے۔ دونوں ڈاکٹر صاحبان نے جو دوائیاں تجویز کیں، ایک ایک ہفتہ لیں۔ ان دواؤں سے سر بوجھل ہوجاتا ہے اور کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ بیماری کی ایک علامات یہ ہے کہ مجھے چلتے وقت گھٹن ہوتی ہے، جب ٹھہر جاتی ہوں درد اور گھٹن ٹھیک ہوجاتی ہے۔ اب زیادہ درد کے وقت زبان کے نیچے رکھنے والی گولی استعمال کرتی ہوں۔ میں زیادہ تر ہومیو ادویات استعمال کرتی ہوں اس لیے چاہتی ہوں کہ آپ میرے لیے دوا تجویز کریں۔ ایکو کے مطابق دل کا ایک والو کمزور ہے۔ اس کے علاوہ مجھے لیکوریا بھی شدید ہوتا ہے۔ کپڑے پر لگے تو پیلا داغ چھوڑ دیتا ہے۔ جسم پر لگے تو شدید خارش ہوتی ہے۔ اب جبکہ موسم بدل رہا ہے مجھے سینے میں پیچھے درد زیادہ ہوتا ہے۔ جب زیتون کے تیل کی مالش کرتی ہوں تو درد اور اکڑن سے آرام آنا شروع ہوجاتا ہے۔ برائے کرم مجھے ان علامات کی روشنی میں کسی اچھے نسخے سے مستفید فرمائیں نوازش ہوگی۔ نسیم اختر گجرات

جواب۔ گھی تیل، مرغن اور میٹھی غذاؤں کا استعمال نہ کریں۔ نمک اور نمکین چیزوں پر بھی کنٹرول کریں۔ پانی زیادہ پیا کریں اور پیشاب روکا نہ کریں۔ سبزیاں اور فروٹ کا استعمال بڑھائیں۔ چہل قدمی ضرور کریں۔ جو ادویات آپ کو تجویز کی جارہی ہیں وہ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔ دل درد جب بھی ہو Arnica200 کو 40 نمبر کی گولیوں میں بنالیں اور حسب ضرورت استعمال کریں Cratagus Q اور Cactus Q کے 5,5 قطرے ½ کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ Kreosote30 کے بھی 5 قطرے ½ کپ پانی میں 3 مرتبہ لیں۔

☆......☆......☆

گردے اور پیشاب کی تکلیف

۱۔ پندرہ بیس دن سے پیشاب میں سخت بدبو ہے۔

۲۔ تھوڑی دیر بھی پیشاب کموڈ میں رہ جائے تو سڑے ہوئے کپڑے جیسی سخت بدبو آتی ہے۔

۳۔ سر بھاری اور نیند کی کیفیت لیکن نیند ٹھیک آتی ہے۔

۴۔ سر میں درد، بوجھ اور بھاری پن رہتا ہے۔

۵۔ مختلف دوائیں کھائیں لیکن کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔

۶۔ پیشاب کرنے میں درد Sabal-30 کینتھرس 30، بربریس Q اور بیچ بیچ میں Graphitis30 استعمال کی۔ لیکن وقتی فائدہ ہوا۔ پیشاب کم ہی ہوتا ہے لیکن بار بار۔ پیشاب کرنے میں درد ہوتا ہے۔

۷۔ جسم میں خارش، دانے نہیں ہیں۔ گرمی بہت لگتی ہے۔

۸۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق پیشاب میں انفیکشن ہے۔

۹۔ جسم اور چہرے پہ ورم رہتا ہے۔

۱۰۔ بلڈ پریشر ہے۔ دوا کھاتی ہوں۔ کنٹرول ہے۔

۱۱۔ السر ہوگیا تھا۔ اب نہیں ہے مگر پیٹ میں اکثر گڑبڑ ہوجاتی ہے۔ کبھی قبض کبھی موشن۔ بیگم احسن امام کراچی۔

جواب۔ محترمہ آپ نے اپنی رپورٹس منسلک نہیں کیں۔ Urine D/R,LFT۔ Renal Function test کرا کر اس کی رپورٹ بھیجیں۔ فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Thuja200 کے 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں صرف ایک خوراک لیں اور Mercor30، Terebinthin30 اور Urtica uren30 کے 5,5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ 2 ہفتے لیں۔ پھر رپورٹس کے ساتھ حال بتائیں۔

SCHWABE

☆......☆......☆

ڈسمینوریا و لیکوریا

میں کافی عرصے سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں۔ ہومیو کلینک میں اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہوئی ہوں دوا تجویز کیجیے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے کافی عرصہ سے مینسز کی تکلیف ہے۔ ماہانہ ایام تاریخ سے 2 دن پہلے ہی آنا شروع ہوجاتے ہیں۔ وہ بھی براؤن کلر کے قطروں کی صورت میں، جو ٹھیک سے نہیں آتے بعد میں کالے کلر کا کچھ گند جیسا آتا ہے اور ہونے سے پہلے ہی ناف سے نیچے حصے میں بہت تکلیف ہوتی ہے جو پیچھے کمر تک ہوتی ہے۔ میں نے ایک سال پہلے ڈاکٹر کو بھی دکھایا تھا۔ انہوں نے خون کی کمی بتائی اور بس گولیاں دیں مجھے کھانے کو مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ میرا وزن بڑھ گیا 5 پونڈ، پیٹ بھی بڑھ گیا ہے، بہت اب میں کوئی دوا استعمال نہیں کررہی ہوں۔ میری پیشاب والی جگہ سے سفید، چکنا لیس دار مادہ آتا ہے بہت زیادہ اور کمر میں بھی تکلیف رہتی ہے۔ آپ برائے مہربانی ان سب کا علاج بتایئے تاکہ میری تکلیف کم ہوسکے۔ ہومیوپیتھی علاج میں اگر ان سب کا علاج ہے تو ضرور بتایئے میں آپ کی بہت مشکور ہوں گی۔ ج خان کلفٹن کراچی

جواب۔ بی بی غذا متوازن لیں۔ چکنی و مرغن غذائیں اور میٹھی چیزوں سے پرہیز کریں۔ ورزش

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ضرور کریں۔ کم از کم ایک گھنٹے ضرور ٹہلیں صبح یا شام کے وقت (صبح پارک میں یا شام کو میدان میں)

مثبت سوچ اپنائیں اور اپنے ذہن کو مصروف رکھیں اچھے کاموں کی طرف۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Puls 30 اور Borax 30 کے 5,5 قطرے دن میں 3 مرتبہ ایک گھونٹ پانی میں استعمال کریں۔ ہر ہفتہ Calc Phos 200 کی ایک خوراک 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

☆......☆......☆

سر کے بال

میرے بال بہت عرصے سے گر رہے ہیں، بعض حصوں میں گنج پن پیدا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہو۔ دوسرا مسئلہ پیٹ کا درد ہے۔ میرے پیٹ میں اکثر درد رہتا ہے۔ احسان اللہ نذیر احمد۔

جواب۔ احسان اللہ صاحب بال گرنے کا ذکر تو کر دیا لیکن یہ نہیں لکھا کہ کب سے اور کیسے گرتے ہیں؟ نہاتے وقت، کنگا کرتے وقت یا عمومی طور پر کسی بیماری کے بعد ایسا ہوا ہے یا کسی واقعہ کے بعد۔ عمر کے ساتھ قد اور وزن بھی لکھیں تا کہ اندازہ ہو کے آپ کتنے صحتمند ہیں۔ پیٹ میں درد کس وقت ہوتا ہے کھانے سے پہلے یا بعد میں، درد کو کس طرح آرام ہوتا ہے۔ یہ پورے پیٹ میں ہوتا ہے یا پیٹ کے کسی خاص حصے میں، دست میں یا قبض کی صورت میں، پوری تفصیل درج کریں اور تفصیل سے دوبارہ خط لکھیں کیونکہ تجویز نسخہ میں تشخیص کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

نسوانی خرابیاں

میری عمر 25 سال ہے، مجھے آٹھ نو سال سے لیکوریا کی شکایت ہے۔ ہر ماہ ماہانہ ایام کے بعد مجھے لیکوریا ہوتا ہے۔ سفید گاڑھی لیس دار رطوبت خارج ہوتی ہے پھر ایک ہفتے بعد پانی خشک ہو جاتا ہے۔ ماہواری مجھے ہر ماہ باقاعدگی سے آتی ہے لیکن پچھلے چار سالوں سے ماہواری کم ہوتی ہے۔ پہلے دو دن تو ٹھیک ہوتی ہے لیکن تیسرے چوتھے دن صرف دھبا لگتا ہے۔ پہلے تو میری ٹھوڑی پر بال نہیں تھے لیکن گزشتہ دو سال سے ٹھوڑی کے نیچے بھی تین چار بال آنا شروع ہو گئے ہیں۔ لیکوریا کی وجہ سے نسوانی حسن بھی متاثر ہوا ہے۔ بریسٹ میں نرمی آئی ہے۔

جواب۔ بی بی آپ نے اپنا وزن اور قد نہیں لکھا جس سے اندازہ ہو کہ آپ کی جسمانی صحت کیسی ہے، خون کی کمی کتنی ہے اور ذہنی طور پر زندگی سے کتنی مطمئن ہیں؟ گوشت، گاجر، چقندر، ٹماٹر پالک وغیرہ زیادہ استعمال کریں اور ورزش بھی کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Pulsatilla، Bovista 30 30 اور Borax 30 ہر شیشی میں سے 5,5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

Dr. Willmar Schwabe , Germany.
Available at All Leading Medical & Homoeopathic Stores

www.Paksociety.com